READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ
مدیرِ اعلیٰ: عذرا رسول

انشائیہ — جون ایلیا — 07
شعور و دانائی سے مزین ایک دانش ور کی گہری باتیں

آپ کے خط — مدیر اعلیٰ — 08
سسپنس کی مجلس مشاورت وقارئین کی تلخ و شیریں باتیں گلے شکوے اور پرخلوص مشورے

ننگ و ناموس کی داستان — الیاس سیتاپوری — 16
ماضی کا آئینہ... بااختیار اور بے اختیار انسانوں کے سبق آموز اور عبرت آمیز واقعات

انگوٹھی کا راز — تنویر ریاض — 61
ماورائی واقعات کے حوالے سے تاریخ کے طالب علم کا اندازِ نظر

بانجھ — علی اختر — 71
ذہن کی بغاوت پر ایک زہریلی مگر...... منفرد تحریر

شیش محل سی — اسماء قادری — 76
اسرار و تحیر کے پردوں میں ملفوف سطر سطر رنگ بدلتی وارداتِ قلبی کی عکاس دلچسپ داستان

نہ خدا ہی ملا — ڈاکٹر ساجد امجد — 107
لڑکھڑاتی زندگی کو سہارا دینے والے ایک کمزور انسان کا سنگین روپ

سرکاری درباری — ملک صفدر حیات — 122
مالکان کے حکم پر ناچنے والے ایک سرکاری درباری کا عبرت ناک انجام

اللہ معافی — محمد الیاس — 153
اپنے مفاد اور مطلب کا دائرہ مکمل کر کے اللہ سے معافی طلب کرنے کا انداز

کارِ رفتہ — عبدالستار جوہان — 157
شکست و ریخت کے ان کمزور لمحوں کا احوال جو اس کی زندگی کا حاصل تھے

جلد 46 • شمارہ 10 اکتوبر 2016 • زرِ سالانہ 800 روپے • قیمت فی پرچا پاکستان 60 روپے •
خط کتابت کا پتا: پوسٹ بکس نمبر 215 کراچی 74200 • فون: (021) 35895313 فیکس (021) 35802551 E-mail:jdpgroup@hotmail.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

CPNE MEMBER APNS

محفلِ شعر و سخن
172 قارئین
آپ کے ہاتھوں میں بھی ایک انجمن رنگ رنگ
آپ کی پسند آپ کے ذوق سے ہم آہنگ

لگے دم
175 منظر امام
دم گھٹنے والے ماحول میں
زندگی کی ناقدری کا قصہ

مار گزیدہ
182 محی الدین نواب
ایک چہرے کئی روپ، کبھی چھاؤں کبھی دھوپ، محبت کی
عنایتوں، رفاقتوں اور رقابتوں کا ایک لمبا سلسلہ

گمان
221 ثمر عباس
ترقی یافتہ ماحول میں خوشی اور غم
کا امتزاج...... مغربی معاشرے کا المیہ

مکین شلوم
231 ڈاکٹر شیر شاہ سید
بدلتے وقت کی زہریلی
رنگینیوں کا سنگین احوال

محبوبِ الٰہی
237 ضیا تسنیم بلگرامی
حضرت نظام الدین اولیا
کی زندگی کے نشیب و فراز

کرامات
251 سلیم انور
اچانک بازی پلٹ جانے
پر ایک شاطر کی کایا پلٹ

گورکن
255 ابراہیم جمالی
اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے والے
ایک باپ کے خونِ دل کا عبرت اثر واقعہ

بھرم
260 عمر عبداللہ
کنکریٹ کی اونچی دیواروں کا بھرم اور
کسی کی حیا و شرم کی عبرت ناک داستان

کترنیں
000 ادارہ
دنیا بھر سے اِدھر اُدھر سے لطیفے، چٹکلے
اقتباسات، مسکراہٹیں اور قہقہے سب کچھ آپ کے لیے

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول، مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

انشائیہ

جون ایلیا

شعور، دانائی اور دانش

میں اپنے گمان کی رو سے انسانوں کو بے حد عزیز رکھتا ہوں۔ مجھے مظلوم اور محروم انسانوں سے بے نہایت محبت اور یہ محبت میرے نزدیک سب سے بڑی عبادت بلکہ میرے نفس کی سب سے بڑی فضیلت ہے اور میرا گمان ہے کہ میرے قابلِ احترام پڑھنے والوں کی اکثریت بھی انسانوں سے بے نہایت محبت کرتی ہے اور وہ ان کو نسل، زبان، مسلک اور علاقوں میں نہیں بانٹتی۔

مگر عام معاملہ یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ ہر شخص اپنے آپ میں مگن ہے۔ رہے خونی رشتے تو وہ بہت معتبر سمجھے جاتے ہیں مگر جب ان کی آزمائش کا وقت آتا ہے تو گنی چنی مثالوں کے سوا نتیجہ بہت دل شکن ثابت ہوتا ہے۔

انسان اپنے آپ کو جانداروں بلکہ کہنا یہ چاہیے کہ "جانوروں" کا سب سے عمدہ نمونہ سمجھتا اور سمجھتا آیا ہے۔ وہ ایسا کیوں سمجھتا اور کیوں سمجھتا آیا ہے؟ یوں سمجھتا آیا ہے کہ اس نے پتھروں کو گھس کر برچھیاں بنائیں اور دوسرے جانداروں یا جانوروں کی جان کو آیا۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اپنے سے کہیں زیادہ طاقتور جانوروں کے خونیں ضرر سے اپنے آپ کو ہرگز نہیں بچا سکتا تھا۔

اگر انسانوں کے درمیان رائے شماری ہو اور اس مسئلے پر کہ وہ چنگیز خان کو اپنا حکمراں بنانا پسند کرتے ہیں یا کسی چیتے کو تو فلسفی ہوں، شاعر ہوں یا روحانی پیشوا، سب کے سب چنگیز خان کے حق میں رائے دیں گے۔ اس لیے کہ چنگیز خان آخر انسان تو تھا۔ وہ کم سے کم اپنی بیوی یا بیویوں، اپنے بیٹوں اور بیٹیوں اور کچھ دوسرے قریبی لوگوں سے تو انس رکھتا تھا۔ یعنی اس سے کچھ انسان بلکہ کئی سو یا کئی ہزار انسان تو محفوظ تھے۔ مگر چیتے سے تو کوئی بھی انسان محفوظ نہیں ہے۔

اب ایک سوال ذہن میں ابھرتا ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ کیا ایک چیتے سے دوسرے چیتے محفوظ ہیں یا نہیں؟

"تشیان! تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے یہ سوال تم سے اس لیے کیا ہے کہ اگر میں اپنے سوال کا خود کوئی جواب دوں تو اسے ایک قسم کی دعویٰ داری سمجھا جائے گا۔"

"میرے صاحب! میری رائے یا میرا خیال یہ ہے کہ چیتا اپنے آپ کو دوسرے چیتے سے محفوظ سمجھتا ہے۔ کوئی بھی چیتا اس خدشے میں مبتلا نہیں ہوگا کہ مجھے کوئی بھی چیتا پھاڑ کھائے گا۔ یعنی کسی ایک چیتے سے چیتے کی نوع کو ہرگز کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"تو گویا میری اور تمہاری رائے چیتوں کے بارے میں ایک ہے۔ اب چیتے کی بات چھوڑ کر چنگیز خان کی طرف آؤ۔ کوئی شبہ نہیں کہ چنگیز خان سے اس کے قریبی لوگوں کو خطرہ نہیں تھا مگر اس کے قریبی لوگوں اور اس کے حامیوں کے سوا جو لاکھوں اور کروڑوں انسان تھے، کیا وہ چنگیز خان کی خوں خواری اور خوں آشامی سے محفوظ تھے؟"

"ہرگز محفوظ نہیں تھے۔ چنگیز خان نوعِ انسانی کی ایک مختصر تعداد کو چھوڑ کر باقی تمام نوعِ انسانی کے حق میں ایک خوں خوار چیتا تھا۔"

"تشیان! وقت تمہیں راس آئے، تم پھلو اور پھولو۔ تم نے وہ سچ بولا جس کو زندگی کی تاریخ کا درندہ ترین جاندار، جانور یعنی انسان ہرگز نہیں جھٹلا سکتا۔ بھلا کون یہودی، مسیحی اور مسلمان توریت اور قرآن کا یہ قصہ جھٹلا سکتا ہے کہ مخلوق کی سب سے شریف نسل، آدمؑ کی نسل کے پہلے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹا...... دوسرے بیٹے کا، یعنی اپنے بھائی کا قاتل تھا۔

"کیا کسی درندے کی نسل کے دو بیٹوں میں سے کسی ایک نے دوسرے کو قتل کیا؟ اب ایک اور بات کو دھیان میں لایا جائے اور وہ بات یہ ہے کہ کیا درندوں کے کسی ایک گروہ نے درندوں کے کسی دوسرے گروہ کے خلاف اپنی حفاظت یا اس پر برتری پانے کے لیے بھی کوئی ہتھیار ایجاد کیا؟ درندوں کی بات چھوڑو، عام بات کرو۔ سانپ اور نیولے جنم جنم سے ایک دوسرے کے بیری ہیں۔ ہیں کہ نہیں؟ سو بتاؤ کہ کیا کسی سانپ یا کسی نیولے نے ایک دوسرے کے خلاف کوئی غلیل یا کمان ایجاد کی؟"

تو یہ ہے انسان اور نوعِ انسانی، جانداروں یا جانوروں کی وہ نوع جس کو جانداروں یا جانوروں کی ہر نوع پر برتری حاصل ہے۔

مگر اس نوع نے، جو شعور، دانائی اور دانش سے بہرہ مند ہے، جس کے علم نے سیاروں پر اپنی فتح مندی اور بلندی کے پرچم لہرائے ہیں، یہ نوع خود اپنے حق میں عذابِ جحیم بن گئی ہے۔ اس نے دنیا کو خود اپنے لیے ایک جہنم بنا رکھا ہے۔ کیا شعور، دانائی اور دانش سے اس صورتِ حال کی توقع رکھی جاسکتی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ شعور، دانائی اور دانش نے انسانیت اور انسان دوستی کو سخت مایوس کیا ہے۔ مگر ہم شعور، دانائی اور دانش کی نہاد سے ایک بہت باروار اور خجستہ کار امید رکھتے ہیں اس لیے کہ شعور، دانائی اور دانش اپنی نہاد اور افتاد میں خیر سے عبارت ہیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY

www.paksociety.com

آپ کے خط

عزیزانِ من!

السلام علیکم!

اکتوبر 2016ء کا دلفریب سسپنس آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے۔ تادمِ تحریر حج اور عیدالاضحی کی تیاریاں عروج پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام عازمینِ حج کو خیریت اور دل سے حج ادا کرنے کی سعادت عطا فرمائے اور تمام حجاج کرام کا حج قبول فرمائے۔ آمین۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانانِ عالم کو عیدِ قرباں کی ڈھیروں مبارک باد بھی قبول ہو لیکن گزشتہ دنوں عید کی تیاریوں کے دوران برسات نے مویشی منڈیوں میں جو افراتفری پیدا کردی ہے، اس سے بیماریاں پھوٹنے کا خدشہ ہو چلا ہے۔ بات وہی آتی ہے کہ ریاستی ادارے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ ملکی سیاست بالخصوص کراچی میں حالات کی تازہ کروٹ نے سوچ کے کئی در وا کردیے ہیں۔ خوش گمانیوں کے ایک خاص عہد کے آغاز کی صدا سنائی دے رہی ہے۔ طویل عرصے بعد شاید دہشت گردی، ٹارگٹ کلنگ اور بھتا خوری کا باب بند ہونے کی کم ازکم امید تو کی جاسکتی ہے مگر یہ کیا...... ابھی امید اور ناامیدی...... خوف اور دہشت کی چادر سرکنے بھی نہ پائی تھی کہ پاکستان کے کئی بڑے شہروں میں معصوم بچوں کے اغوا اور انتقامی کارروائیوں کی خبریں بھی عام ہونے لگیں...... یہ اچانک وبا کہاں سے پھوٹ گئی...... یہ حقیقت ہے یا افسانہ، اس سے بحث نہیں لیکن کیا اس طرح مستقبل کے معمار تعلیمی لحاظ سے اپنی بنیاد مضبوط کرسکیں گے؟ والدین بچوں کو باہر نکالتے ہوئے خوفزدہ ہیں۔ یہ کیسا تحفظ عوام کو فراہم کیا جارہا ہے۔ ہم ابھی اس کیفیت سے نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ خیبر پختون خواہ ایک بار پھر دہشت گردی کی لپیٹ میں آگیا۔ مردان میں اس بم دھماکے نے پھر سے دردمند شہریوں کو اندیشوں، وسوسوں، بےعزتی اور بے بسی، نیز غصے اور اشتعال کی ملی جلی کیفیات کا شکار کردیا ہے اور جناب اس کے بعد پھر سے ریلیوں کا ایک سلسلہ چل نکلا ہے۔ اب دیکھتے ہیں ان ریلیوں کا کیا رزلٹ نکلتا ہے اور کیا اس طرح کی پچھلی سرگرمیوں کا کوئی مثبت نتیجہ نکل چکا ہے، بس ایک کھیل ہے جو کھیلا جارہا ہے اور ہم بھی اس کھیل ہی کھیل میں چلتے ہیں اپنی محفل کی جانب، جہاں بہت پیارے سندیسے ہمارے منتظر ہیں۔

⊠ زرین آفریدی، حیدرآباد سے محفل کی زینت بن رہی ہیں ”بارشوں کا موسم بھی بہت عجیب ہوتا ہے اور اس رم جھم میں سسپنس ڈائجسٹ کا مل جانا اچھا شگون ہے۔ ماہ ستمبر 2016ء کا سسپنس ڈائجسٹ بروقت مل گیا، سرورق کی حسینہ کی مسکراہٹ دیکھ کر ہم بھی مسکرا دیے۔ موسم کی مناسبت سے لان کا سوٹ اور آنکھوں میں کاجل بہت بھلا لگ رہا تھا۔ کہانیوں کی فہرست میں یہ نئی میزبان زیادہ پیاری ہے مزید یہ کہ اپنے پسندیدہ رائٹرز کو لسٹ میں دیکھ کر دل جھوم اٹھا۔ انشائیہ میں اپنے عظیم ایلیا صاحب ابتلائے دکھ و درد تھے، کیا ہوسکتا ہے...... افسوس صد افسوس۔ اداریہ ہماری سوچ کی عمدہ عکاسی کرتا ہے۔ بقول اداریہ محفلِ سخن اس میں میٹھا چکھنے ہم بھی چلے گئے۔ محمد مرتضیٰ صاحب صدارت پر تھے مبارک باد۔ محمد صفدر بھائی ہمیشہ سوبر انداز میں تبصرہ کرتے ہیں۔ مرحاگل کا انداز چٹ پٹا ہے۔ عبادت کاظمی یہ محاورہ تو سنا ہوگا، یہ منہ اور مسور کی دال۔ طاہرہ گلزار بھی پیارے تبصرے کے ساتھ حاضر تھیں۔ محمد خواجہ بھائی، اب ہمارے نئے خادم اعلیٰ تو اچھے کام کر رہے ہیں، اب تو خوش رہیں۔ ہمارے دو تبصرہ نگار تو رائٹر لسٹ میں آچکے ہیں۔ محمد خواجہ صاحب اور زویا اعجاز صاحبہ الیاس صاحب کی کہانی اپنے جوبن پر ہے۔ ننگ وناموس کی داستان ایک بے مثال روداد ثابت ہورہی ہے۔ ماروی، نواب صاحب کے جادو اثر قلم نے ہمارے ذہنوں پر بھی جادو کی چھڑی پھیر دی۔ عابی کے کارنامے، ان نون کی بدمعاشیاں بھی بڑھتی جارہی ہیں۔ ماروی میں ننھی ماروی کا جنم ہوگیا۔ ان نون کا نام آبنوس سامنے آگیا۔ ہمیں بھی اپنا دماغ تیز کرنے کے لیے بادام کھانے پڑیں گے۔ اسما قادری صاحبہ کی شیش محل اپنے جوبن پر جاری وساری ہے۔ آخرکار جولیٹ اپنی اصل شناخت نواب زادی بن کر نواب سلیم اللہ کے روبرو کھڑی ہوگئی، بہت خوب۔ آگے آگے دیکھتے ہیں ہوتا ہے کیا۔ مجنوں کے نقیب طاہر جاوید مغل کی پھر یاد آئی، عمدہ کاوش ہے۔ دکھ تکلیف اور بیماری اللہ سائیں کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے۔ ندیم نے اپنے بچوں کی ماں ثانیہ کو تھیلیسیما بیماری کی وجہ سے طلاق دے دی پھر خود بھی کبھی سکھی نہیں رہا۔ لاچس کولا، ڈاکٹر شیر شاہ سید کی یہ منفرد نام کی اسٹوری کافی دلچسپ رہی۔ یہ صحیح نکتہ سامنے لائے کہ امریکا ہمیشہ دوسری اقوام کو محکوم بنانے کی خواہش رکھتا ہے۔ انور حینا، پابلو اور ان کا لاچس کولا، ویلڈن شاہ جی۔ زویا اعجاز کی خسارہ بھی خوب رہی۔ نادان انسان جوانی کے زور میں ہوش کھو بیٹھتا ہے اور اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ مبارک علی نے جو بویا وہی کاٹا۔ آخری گلاس کی صورت تنویر ریاض صاحب نے بہترین اسٹوری دی۔ کیتھی نے برائن سے اپنی بربادی کا اچھا بدلہ لیا پیسے کا لالچ بہت برا ہے۔ کوہ گراں میں بیگ صاحب نے اس بار بڑی سخاوت دکھائی۔ مراد علی کو بے مراد سے بامراد بنا دیا۔ گڈ۔ رخ تقدیر، جناب سلیم فاروقی صاحب نے کمال کردیا آخری صفحات پر۔ اسد کی زندگی میں یہ شارٹ کٹ خود بخود دکھتا ہی چلا گیا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کہاں وہ کرائے کے مکان سے دھکے دے کر نکالا گیا بندہ، کہاں کروڑوں کے بنگلے کا مالک بن گیا۔ اسے کہتے ہیں تقدیر، آفتاب غنی واقعی غنی تھا۔ نورین نے اپنے لالچ کی سزا پائی۔ بہت سے نوجوانوں کی یہی خواہش ہوگی کہ کاش ہم بھی آفتاب غنی جیسے بندے سے ٹکرا جائیں۔ مراسلے کم تھے لیکن معیاری تھے۔ محفل شعر و سخن بھی حسب معمول بہت خوب رہی۔" (اتنی عمدہ تبصرہ نگاری کا شکریہ)

✖ طاہرہ گلزار، پشاور سے تبصرہ کر رہی ہیں "آج مجھے سسپنس 18 اگست کو ملا تو خوشی کے ساتھ حیرانی بھی ہوئی کہ اس بار 3 دن پہلے سسپنس ملا۔ سرورق ہر بار کی طرح انڈین ہیروئن کی طرح حسینہ لے کر حاضر لیکن اچھی لگی۔ براؤن بادامی آنکھیں، مناسب چہرہ، خوب صورت بال۔ واہ واہ، میرے تمام معصوم بھائی تو کام سے گئے، ہائے ہائے۔ کہانیوں کی فہرست میں مغل اعظم، عبدالرب بھٹی کے ساتھ ساتھ جب ڈاکٹر شیر شاہ سید کا نام پڑھا تو دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا۔ بہت عرصے سے شیر شاہ سید صاحب کی تحریر کو مس کر رہی تھی۔ ادارے والوں کا بہت شکریہ جو ہماری خواہشوں کا اتنا احترام کرتے ہیں۔ کوشش کریں کہ آگے مغل اعظم اور عبدالرب بھٹی صاحب سے قسط وار لکھوائیں۔ انشائیہ میں اس بار جون ایلیا ابتلا لے کر انسانیت کے ٹھیکیداروں پہ خوب خوب طنز کرتے رہے یہ پیراگراف پڑھ کے دکھ کے ساتھ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ ہم مظلوم زیادہ ہیں یا ظالم اور بے حس قوم ہیں۔ آخر یہ حالت ہماری قوم کی کب بدلے گی اور کیا بدلے گی بھی بھی......؟ ادارے میں مدیر اعلیٰ کو بس اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ انکل جب دہشت گردوں کے ساتھ اپنے غدار ملے ہیں تو انسانیت تو ایسے ہی تڑپے گی۔ پہلے نمبر پر جھنگ سٹی کے محمد مرتضیٰ حاضر میار کباں۔ مجھے سالگرہ کی مبارک باد دینے کا شکریہ۔ رضوان تنولی کو تو میں تبصرہ لکھنے کے لیے ہر بار گھسیٹ لیتی ہوں لیکن وہ مچھلی ہی کیا جو ہاتھ آئے۔ مرحاگل ڈیئر! کاشف زبیر کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ علی رحمان جی دھیرج دھیرج، اتنی چھوٹی عمر میں حسینہ سے اتنا عشق، زیادہ لٹو نہ ہو یا کرو۔ شکریہ، سالگرہ کا یاد رکھنا۔ کہانیوں میں پہلے شیش محل پڑھی۔ کیا منظر نگاری...... اس وقت کی عداوتوں اور حالات پر...... بے مثال تحریر۔ فاروق اس بار اکبر کی وجہ سے پھنسا، جوزفین خوش قسمت تھی جو اس کو جوزف جیسا ہمدرد اور محبت کرنے والا شوہر ملا۔ جوزف واقعی گریٹ انسان تھے، ربن آغا تک پہنچ کے بھی نہ پہنچ سکا۔ جولیٹ حیدرآباد کے لیے روانہ ہو چکی ہے۔ بعد کے حالات نے پھر فاروق کو کلکتہ جانے پر مجبور کیا۔ ماروی میں مراد ایک بار پھر انڈیا پہنچ گیا اور انڈیا والے کب اپنا حسد اور کینہ چھپا سکتے ہیں۔ کالی شکتی اور روحانی علوم کی کیا منظر نگاری ایک بار پھر طاقت کا استعمال۔ اب پتا نہیں کہ کب کیا ہو...... سسپنس کے شروع صفحات کی شان الیاس سیتا پوری کے قلم سے نکلے ہوئے موتی کی لڑی میں پروئے ہوئے الفاظ جب صفحۂ قرطاس پہ بکھیرتے ہیں تو قاری جب تک اسے مکمل چین نہ لے اس کا دل نہیں بھرتا۔ اسلامی صفحات پر تسنیم بلگرامی کی اسلامی تحریریں ہر مہینے دل و دماغ اور روح کی پاکیزگی کا موجب بنتی ہیں۔ اللہ تسنیم بلگرامی کو اس کا اجر عظیم عطا کرے، آمین...... میرے فیورٹ رائٹر ڈاکٹر عبدالرب بھٹی کی مختصر تحریر آب حیات جو ایک رائٹر کے حالات زندگی پر لکھی گئی تھی، بہت ہی لاجواب۔ منظر امام کی دو غیر ملکی کہانیاں مختصر تھیں لیکن سبق آموز اور حقیقت کے قریب تحریریں تھیں۔ پہلے کی طرح ڈاکٹر شیر شاہ سید پھر ایک انوکھی اور لاجواب تحریر لاچس کو لالائے۔ بہت ہی خوب صورت تحریر مجھے تو بہت پسند آئی، ویلڈن۔ بڑے عرصے بعد اثر نعمانی کی لاجواب تحریر پہاڑ تلے پڑھی ویلڈن اثر نعمانی...... سلیم انور کی مغربی تحریر کوتاہ اندیش جس میں کیتھی مور نے صرف عینک دیکھ کے چور کی خود ساختہ چوری پکڑ لی واہ...... میرے فیورٹ رائٹر طاہر جاوید مغل اس بار بہت ہی حساس موضوع پہ تحریر، پھر یاد آئی لے کر آئے۔ یہ شوہر حضرات بیوی کو ذلیل کرتے اور اس کو طلاق دینے کے سوا اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ ندیم جیسے بے حس شوہروں کے لیے نائلہ جیسے عورتیں ٹھیک ہیں۔ یہ ثانیہ جیسی بیوی کے قابل ہی نہیں ہیں۔ اچھا بلکہ بہت اچھا کہ ثانیہ زندہ نہیں تھی...... باقی کا سسپنس بھی بہت معیاری ہوگا لیکن کیا کروں کہ کالج میں ان چند مہینوں کی مصروفیات میں اپنا محبوب سسپنس جلد پڑھنے کا موقع نہیں مل پاتا۔ باقی تو میں سسپنس کا ایک لفظ بھی پڑھے بغیر نہیں چھوڑتی۔" (بہت شکریہ آپ کی محبت کا)

✖ اشفاق شاہین، لاہور سے شریک محفل ہیں "سرورق بہت عمدہ رہا۔ جون ایلیا کے انشائیہ ابتلا سے گزر کر اپنی محفل میں پہنچے جہاں محمد مرتضیٰ سب سے پہلے اور اونچی مسند پر بیٹھے نظر آئے، بہترین خط کے ساتھ، بہت میار کباد۔ رضوانہ قریشی، آپ کے قومی زبان کے حوالے سے جذبات قابل قدر ہیں۔ تاریخی کہانی حسب معمول شاندار اور معلوماتی رہی۔ شیش محل بہترین جا رہی ہے، کئی مشکلات کے بعد فاروق بمبئی پہنچ تو گیا ہے لیکن مشکلات ابھی ختم نہیں ہوئیں، جولیٹ نے ایک مشن پکڑ لیا ہے ڈائری پڑھنے کے بعد۔ وہ تو نواب زادی نکلی، دیکھیں فاروق اور جولیٹ کب ملتے ہیں؟ ماروی اپنی رفتار سے بھی تیز ہوگئی ہے۔ رخ تقدیر، آخری صفحات پر سلیم فاروقی کی بہترین تحریر رہی۔ خوش قسمتی کی بات ہے کہ اسد اس جرم سے بچ نکلا۔ کچھ قصور بہرحال اس کا بھی تھا۔ کوہ گراں، مرزا امجد بیگ بہترین تحریر لے کر آئے۔ خلاف معمول اس مرتبہ کیس کو انہوں نے اپنی دانش سے عدالت سے باہر ہی نمٹا دیا۔ مختصر کہانیاں بھی لاجواب رہیں، خصوصاً پھر یاد آئی آف طاہر مغل۔ شعروں کا انتخاب بھی خوب رہا، خصوصاً ثانیہ کاظمی، ناہید اختر اور رعنا رضوی کا انتخاب کمال کا تھا۔"

✖ بینش صدیقی، حیدرآباد سے چلی آرہی ہیں "میں آپ کی اس پیاری بزم کی نئی ساتھی ہوں اور سسپنس ڈائجسٹ کی بھی نئی قاری (خوش آمدید) جی ہاں اگست 2016ء کا شمارہ میرا پہلا شمارہ ہے۔ 2 اگست کو مجھے ایک ضروری کام سے زرین آفریدی کے گھر جانا پڑا تو محترمہ یہ ڈائجسٹ پڑھ رہی تھیں اور میرے آنے کا احساس تک نہیں ہوا۔ میں نے سوچا اس سسپنس ڈائجسٹ میں ایسا کیا ہے جو زرین

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

صاحب کو میرے آنے کی خبر تک نہیں ہوئی۔ میں نے اچانک وہ ڈائجسٹ ان کے ہاتھ سے اچک لیا اور اپنے بیگ میں رکھ لیا۔ گھر جا کر پڑھا، اس ڈائجسٹ کی کیا تعریف کروں، بس یہ ثبوت کافی ہے کہ میں اس محفل میں حاضر ہوں۔ (بہت شکریہ۔ اب یہ غیر حاضری نہیں ہونی چاہیے) پاکستان کا نمبرون اسٹوریز کا مجموعہ ہے سسپنس ڈائجسٹ۔ یہ الیکٹرونک میڈیا کا دور ہے لیکن رسالے پڑھنے کا اپنا مزہ ہے، پھر اس دوستوں کی محفل کی کیا بات ہے بہت ہی منفرد، ساتھ ساتھ ہماری اردو بھی ٹھیک ہو رہی ہے۔ دیکھیں اب کون کون مجھے ویلکم اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ ابھی مجھے اسٹوریز پر تبصرہ کرنا نہیں آتا لیکن سیکھ جاؤں گی پھر ایک دن صدارت پر قبضہ ہوگا، انشاء اللہ۔ فی الحال تو صرف سلسلہ وار کہانیاں پڑھی ہیں اور لاسٹ کہانی۔ سلسلہ وار کہانیاں تو گزشتہ اقساط پڑھ کر سمجھ آگئیں، دونوں داستان بہت دلچسپ ہیں۔ ماروی اور شیش محل اب ان کی وجہ سے تو لازمی خریدنا پڑے گا۔ رخ تقدیر پڑھ کر تو بہت مزہ آیا۔ اللہ پاک جب کسی پر مہربان ہوتا ہے تو چھپر پھاڑ کر نوازتا ہے جیسے کہ اسد کو دیا۔ سر سلیم فاروقی صاحب نے بہت سی حقیقتوں سے پردہ اٹھایا۔ محفل شعروسخن بھی بہت خوب صورت ہے۔ تمام اشعار معیاری اور منفرد ہوتے ہیں۔ زریان سلطان، محمد صفدر معاویہ، رمضان پاشا، مرحا گل، جاوید اختر رانا، محمد قدرت اللہ کے اشعار بہت پسند آئے۔"

⊠ رانا بشیر احمد ایاز، ناظم آباد، کراچی سے تبصرہ کر رہے ہیں "خلافِ معمول اور خلافِ امید ستمبر کا شمارہ اس دفعہ سب ریکارڈ توڑتے ہوئے 13 اگست کی ایک سہانی سی خوب صورت شام کو ہمارے ہاتھوں کی زینت بنا۔ ٹائٹل گرل کی سرمگیں آنکھیں یقیناً ہماری راہ بے تابی سے دیکھ رہی تھیں مگر سرورق پہ دائیں طرف موجود پانچ عدد آنکھیں کسی سیکیورٹی کیمرے کی طرح ہمیں واچ کر رہی تھیں تو اس لیے صرف حسینہ کے شاکنگ پرپل ڈریس کو سراہتے ہوئے اپنی محفلِ یاراں کو رونق بخشی جہاں پر محمد مرتضیٰ بھائی جھنگ سے وکٹری اسٹینڈ پر راجہ اندر بنے بیٹھے تھے۔ بہت مبارکاں جناب، عمدہ تبصرہ رہا آپ کا۔ محمد صفدر معاویہ بھی خوب صورت تبصرے کے ساتھ جان محفل بنے رہے۔ مرحا گل بھی اپنے کھٹے میٹھے انداز کے ساتھ نظر آئیں۔ غلام یاسین ٹائٹل گرل سے نظریں کیوں چرائیں؟ کیا آپ ان کی کمیٹی لے کر بھاگ گئے تھے؟ بہرحال ویلکم بیک۔ باقی تبصرہ نگار بھی خوب رہے لیکن طاہرہ گلزار سب پہ بازی لے گئیں۔ بہت اچھا اور دلکش تبصرہ رہا۔ الیاس سیتاپوری ننگ وناموس کی داستان لے کر آئے۔ زبردست اندازِ بیاں، جاندار کردار نگاری۔ انتہائی خوب صورتی کے ساتھ ہمیں تاریخ سے آگاہ کیا۔ منظر اعظم صاحب کی پھریاد آئی کو اگر اسٹوری آف دی منتھ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ندیم نے ثانیہ کی بے لوث محبت کو بے دردی سے ٹھکرایا تو انجام نائلہ کی صورت میں نکلا۔ بستر مرگ پہ کام بھی وہی بچا آیا۔ جسے گوشت کا لوتھڑا سمجھ کر چھوڑ دیا تھا لیکن ایان نے اپنا فرض ادا کر دیا اور بیٹی نے بھی وفا کی مثال قائم کر دی۔ شیش محل میں فاروق اینڈ کمپنی کی مشکلات بڑھتی جا رہی ہیں اور جب بڑی مشکل سے بمبئی پہنچا تو جولیٹ حیدرآباد چلی گئی۔ انسپکٹر وکرم کی وجہ سے راموا اور جانی ڈرائنگ روم کی سیر کرنے پر مجبور ہو گئے مگر آخر میں راموں نے چالاکی سے کام لے کر اپنی گلوخلاصی کرالی۔ ربن دادا شنا تک پہنچنے میں کامیاب رہا۔ جولیٹ اپنی ماں کا بدلہ لینے کے لیے سرگرم ہو گئی ہے۔ بھلا اب فاروق کی ہٹ لسٹ پر آگئی ہے۔ بیگ صاحب اس دفعہ کافی مختلف انداز میں عدالت سے باہر ہی کیس حل کرتے نظر آئے۔ وصی شاہ اور سلطنی کو ڈیل کرنے کے ساتھ بیگ صاحب نے مراد کا بھلا کر دیا اور عزت کی نوکری کے ساتھ نیک شریکِ حیات بھی مل گئی۔ زمانے کی قسم انسان خسارے میں ہے۔ زویا اعجاز کی بہترین کاوش۔ مبارک علی نے دوسری شادی تو کرلی مگر بیوی اور بچی کے حقوق ادا کرنے میں یکسر ناکام رہا اور انسان سے درندہ بن گیا اور درندگی کی انتہا کردی۔ دوسری طرف سکینہ نے وفاداری اور محبت کی مثال قائم کردی۔ بیٹی کا قتل معاف کر کے بھی وسیم اور الیاس کو سگی ماں کی طرح پالا۔ مبارک آخر میں اسی کوٹھری میں عبرت ناک انجام سے دوچار ہوا۔ لاچس کو لا ڈاکٹر شیر شاہ سید کا ایک اور شاہکار۔ ڈاکٹر صاحب کافی عرصے بعد آئے لیکن دھوم مچا دی۔ زبردست کہانی رہی۔ منظر امام صاحب غیر ملکی کہانیاں سناتے نظر آئے۔ بہت ہی سبق آموز کہانی رہی۔ منظر امام سے گزارش ہے کہ استاد نرالے عالم کو منظر عام پہ واپس لائیں۔ محبوب الٰہی، حضرت نظام الدین اولیاء کی ایمان افروز داستان پڑھ کر دل منور ہو گیا۔ مگر دوسرے حصے کی آمد کا بے صبری سے انتظار رہے گا۔ ضیا تسنیم بلگرامی کا انداز بہت زبردست ہے۔ ماروی بہت فاسٹ ہو گئی ہے۔ عالی دشمنوں کو ناکوں چنے چبوا رہا ہے اور ان تون تک نیلماں نے اسے پہنچا دیا ہے۔ مراد بھی ان ایکشن ہے۔ ننھی ماروی بھی عجوبہ ثابت ہو رہی ہے۔ آب حیات ڈاکٹر عبدالرب بھٹی کی بہترین کہانی رہی۔ پروفیسر صدیقی آخرکار اپنے اصول پہ قائم رہتے ہوئے کامیاب رہا اور اپنے آخری ناول کی وجہ سے امر ہو گیا۔ آخری صفحات کی کہانی کوئی خاص رنگ نہ چھوڑ سکی۔ باقی مغربی کہانیاں بھی مناسب تھیں۔ محفل شعروسخن میں سیدہ ثانیہ کاظمی، مسز صفدر معاویہ، مرحا گل، رمنا گل اور مدحت کا انتخاب سپرہٹ رہا۔" (تبصرہ کافی دلچسپ رہا)

⊠ مرحا گل، ورابن سے شریک محفل ہیں "سب سے پہلے تو آپ کے لیے اور آپ کی پوری ٹیم کے لیے دعا گو ہوں جو ہر ماہ ہمارے لیے اتنی بے ساختہ خوشی کا باعث بنتے ہیں۔ جس کا کوئی مول نہیں...... (بہت نوازش ہے آپ کی) اس بار ستمبر کا شمارہ 17 کو ملا۔ ٹائٹل واقعی بہت سندر تھا۔ ٹائٹل کی حسینہ سمیت پانچ عدد دلکش نیناں...... فوراً ہمیں ویلکم کرنے پہنچ گئیں۔ مگر ایک سحرانگیز جادو بھری آنکھ تو ان سب سے تیز نکلی اور فوراً ہم پہ جادو سا کر دیا۔ خوب صورت فہرست میں طاہر جاوید مغل کا نام دیکھ کر طبیعت باغ و بہار ہو گئی۔ جون ایلیا کو پڑھ کر محفل میں پہنچے۔ جہاں اپنے تبصرے سمیت سب کے تبصرے پڑھ کر بھی جی نہ چاہا کہ لیٹرز پر تبصرے کریں۔ بے اختیار جی میں آیا کہ مریم کے خان اینڈ کاشف

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

زبیر صاحب کو ڈسکس کرلیں جو بھولتے نہیں بلکہ اور بھی شدت سے یاد آتے ہیں۔ ان کے بغیر فہرست ادھوری ادھوری سی رہتی ہے۔ کاشف زبیر صاحب کی لازوال تحریریں نہ بھولنے والی جن کے الفاظ کاغذ پر بیٹھتے نہیں بلکہ اڑتے پھرتے تھے تتلیوں کی طرح۔ انوکھا انداز، خوب صورت لب ولہجہ، اچھوتا خیال، تصوف اور ذہانت...... اف میرے احساسات مجھے لکھنے کی اجازت نہیں دے رہے۔ مریم کے خان کہاں گم ہیں آپ...... مریم جی کبھی پلٹ کر ہی دیکھ لیجیے۔ کاشف زبیر صاحب کے بعد ہم کب سے آپ کے شدت سے منتظر کھڑے ہیں۔ ہر بار نظریں ناکام آجاتی ہیں آپ کا نام پڑھے بغیر۔ آپ کی کہانیاں میری جان ہے۔ رب ذوالجلال آپ کی تمام مشکلات دور کردے۔ آمین۔ تاریخی داستانیں پڑھتے ہوئے اکثر خیال آتا ہے کہ ہمارے ہر زور آور قلم، کیا ہمارے ملک کی موجودہ صورت حال کی حقیقی محلاتی سیاسی صورت حال کا پردہ بھی کبھی چاک کرسکیں گے؟ کیا ہمارے موجودہ حالات کی تاریخ بھی کوئی محفوظ کررہا ہوگا؟ کیا ہماری داستانیں بھی صدیوں بعد منظرِ عام پر آئیں گی؟ پھر یاد آئی۔ طاہر انکل کی کہانی میں بات چھپی تاثیر اور گہرائی کی ہوتی ہے۔ ایک زبردست تحریر تھی۔ اپنے تو پھر بھی اپنے ہوتے ہیں۔ جیسے سسپنس ہمارا اپنا ہے۔ طاہر انکل کو سلام۔ شیش محل سے سیراب ہوئے۔ نہیں سیراب تو اس وقت ہوں گے جب ناول مکمل ہوگا۔ اسما قادری کے قلم میں اس دفعہ کافی ایکشن تھا۔ اچھا ہے ماروی کب قربانی دے رہی ہے۔ زویا اعجاز کی ایک تیکھی کتھا پڑھی جس نے آخر میں رلا دیا۔ عفریت میں ڈیڈی کا بروقت فیصلہ اچھا لگا۔ منظر امام کی کہانی میں ایک چھپا پیغام تھا۔ شکر ہے کسی کا تو اچھا انجام ہوا۔ بھٹی صاحب کی تحریر ہمیں بھی کہانی کی صورت میں آبِ حیات پلا گئی۔ ویلڈن جناب۔ آخری گلاس ایک ذہانت سے بھرپور تحریر تھی۔ مزہ دے گئی۔ شیر شاہ سید بہت عرصے بعد آئے ہیں اور چھا گئے ہیں۔ اب گم نہ ہو جایئے گا۔ کوتاہ اندیش میں جیمو کی شکست اچھی لگی۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی...... جیسے بھی ہو بندہ پہاڑ تلے آ گیا۔ امجد بیگ کی کوہ گراں ایک زبردست اسٹوری تھی۔ ضیا تسنیم بلگرامی صاحب محبوب الٰہی پر بہت عمدگی سے تحریر کررہے ہیں۔ آگے کیا لکھتے ہیں انتظار رہے گا۔ آخری کہانی سورج کی شعاعوں کی طرح روشنی بکھیرتی رہی۔ ترنت پڑھی...... بہترین کردار نگاری ہر کردار اپنی جگہ مکمل اور مضبوط۔ شبو بھی بڑی چالاک نکلی۔ زبیری خود اپنے دام میں پھنسا۔ اچھا ہوا۔ نورین بے چاری پر تھوڑا سا دکھ ہوا۔ اسد پر تو گویا خوش نصیبی کے در کھل گئے۔ ادارے والوں سے ہلکا سا شکوہ ہے۔ (جی جی آپ کا شکوہ جانتے ہیں۔ بھئی اشعار صاف اور کاغذ کے ایک جانب لکھیے اور اچھے، معیاری اشعار ارسال کیجیے تو ضرور جگہ ملے گی) طاہرہ آنٹی کی تبصروں والی بات پر سخت خفگی ہوئی۔ قیصر اقبال کچھ طاہرہ آنٹی کی طرف سے ہماری معافی قبول کیجیے۔ دوپہر کے 4 بجے جب لیٹر لکھ رہے تھے تو اندازہ نہ تھا کہ اتنی شدید آندھی و طوفان آئے گا لہٰذا کیپ لیا اور اب بارش کے بعد کا منظر لکھ رہے ہیں۔ ہم لوگوں نے بارش دیکھی تھی مگر ایسی طوفانی دو گھنٹے والی بارش۔ کئی غریبوں کے مکانوں کی چھتیں گر گئیں، جانور مویشی ہلاک ہوئے۔ فصلیں تباہ ہو گئیں۔ درخت اوندھے پڑے تھے۔ ہم نے پچھلے تبصروں میں لکھا تھا کہ دراہن کا موسم اکثر دوپہر کے وقت سہانا ہو جاتا ہے مگر اس مرتبہ سہانا نہیں بلکہ ظالمانہ تھا۔ جس سے کئی دیہات لپیٹ میں آئے جہاں دیہاتوں میں ہر وقت لوڈشیڈنگ ہوتی ہے، وہاں بارش نے بجلی کا نظام درہم برہم کردیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام طوفانوں، سیلابوں اور زلزلوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ اس دفعہ سارا شمارہ ایک ہی دن میں چاٹ لیا تھا، اتنے مزے کا جو تھا چٹ پٹا...... اس دفعہ سارا شمارہ ہی بیسٹ رہا۔ اے سی والی کترن سمیت...... حیرانی ہے کہ پہلے کبھی اتنی تیز رفتاری نہیں رہی تھی پڑھنے میں دن کو بھی پڑھتے تھے اور رات کو بھی حالانکہ اس دفعہ دن اکیلا تھا پڑھنے کو بے چارہ...... البتہ رات کو تبصرہ لکھ لیا۔ انکل پلیز ڈائجسٹ کے صفحات کچھ بڑھا لیجیے۔ اتنی جلدی ختم ہو جاتا ہے۔"

(تبصرے کا شکریہ۔ فی الحال صفحات بڑھانا ممکن نہیں ہے۔ جیسے ہی سہولت ہوئی، آپ کی تجویز پر غور کیا جائے گا)

✖ محمد صفدر معاویہ، ضلع خانیوال سے محفل میں شریک ہیں "سرورق کو نہایت ہی خوب صورت ماڈل سے رونق بخشی گئی ساتھ ہی بہت سی انسانی آنکھیں بھی سرورق کا حصہ رہیں۔ جون ایلیا محترم کے ابتدائیہ تک پہنچے، بجا فرمایا کہ الٹا تیمارداروں کو ہی سب کچھ بھگتنا پڑے گا اگر انسانیت کو اس دکھ سے باہر نہ نکالا گیا تو کل ہم بھی اسی بربادی کا حصہ ہوں گے۔ آپ کے اداریہ پر پہنچے یقیناً 6 اور 7 ہماری تاریخ کے انتہائی قابلِ فخر دن ہیں لیکن یہ گئے دنوں کی بات ہے۔ ادھر عوام بھوک اور فاقوں سے مررہی ہے اور ادھر حکومت وفاق سے اجازت مانگ رہی ہے کہ 30 لاکھ ٹن گندم وافر ہے اسے بیرونِ ممالک بھیجا جائے اور عوام کو میں نے دیکھا کہ ان کے پاس آٹا خریدنے کے پیسے نہیں کہ آٹا اتنا مہنگا ہے۔ اپنی محفل میں آئے تو محمد مرتضیٰ کو صدارت کی کرسی پر براجمان دیکھا۔ بہت اچھا تبصرہ مبارک ہو جی۔ دیکھ لو، ہم تبصرے میں بھی آپ کے پڑوسی بنے۔ رضوانہ بہن اصل میں مجھے دل ہی حساس قسم کا ملا ہے۔ میں اپنے دشمن کی تکلیف برداشت نہیں کرسکتا، دوست اور باقی عوام کی تو بات ہی اور ہے۔ ننگ و ناموس کی داستان، کہانیوں میں ابتدا کی۔ بہت ہی عمدہ تاریخی واقعہ جہاں پر اپنے ہی کشتیاں ڈبونے کے چکر میں ہیں۔ شیش محل پر پہنچے۔ یہ قسط بھی بہت عمدہ رہی۔ فاروق کا واپس آنا دادا کا اسے کلکتہ کا پروانہ تھما دینا لگتا ہے۔ فاروق کی قسمت میں ابھی بمبئی نہیں لکھا جو لیٹ بھی اپنی منزل پر پہنچ گئی۔ اگلی قسط کافی انٹرسٹنگ ہوگی۔ ماروی کی تلاش میں ماروی تک پہنچے ازل سے ابد تک خیر و شر نے اکٹھے چلنا ہے۔ عابی، مراد، ہم زاد، ماروی خیر کے حامل تو ان ٹون اور اس کے ساتھی شر کے بہرحال جیت ہر دور میں خیر کی ہوئی ہے، کافی بہترین قسط تھی۔ بیگ صاحب کی کوہ گراں اس دفعہ یہ کیس بہت ہی الگ باقی کیسوں سے کہ بیگ صاحب نے ایک لڑکے کو سیدھا راستہ دکھایا اور وہ کامیاب بھی رہا۔ رخ تقدیر سلیم فاروقی کے قلم سے اسد نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا جو کچھ تقدیر نے اس کو دیا۔ نورین کی موت کا دکھ ہوا پر زبیری کی گردن میں ٹھیک پھندا فٹ ہوا۔ شبو کی بھی لاٹری لگ گئی۔ محفل شعر و سخن بھی عمدہ رہی، باقی تمام کہانیاں اور کترنیں بھی اچھی تھیں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

⌘ **ادریس احمد خان، ناظم آباد، کراچی سے تشریف لائے ہیں** ”ستمبر کا سسپنس گوناگوں خوبیوں سے مزین تھا اور سرورق ذاکر صاحب کے مطابق اپنا آپ منوا رہا تھا اور حسینہ سرورق سادگی کا حسین امتزاج لیے ہوئی تھی۔ انشائیہ میں جون ایلیا کی حکمت کی گہرائی تھی مگر افسوس آج کے دور میں انسان حد سے زیادہ بے حس ہو گیا ہے۔ علم و حکمت کی باتیں سر سے گزر جاتی ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی افسوس ناک واقعہ پذیر ہو جاتا ہے تو وقتی اثر کے بعد پھر وہی ازلی بے حسی جو انسان کے خمیر میں شامل ہے۔ انشائیے کے بعد اپنی محفل میں آئے، اداریے سے مستفید ہوتے ہوئے پھر اپنی محفل کے خطوط کا احاطہ کیے محمد مرتضیٰ کا خط نظر آیا سو مبارکباد۔ جہاں سارے نئے پرانے سسپنس کے تبصرہ نگار نظر آ رہے ہیں، سب ہی دوستوں کو پُرخلوص سلام۔ سب سے پہلے تاریخ کے جھروکوں میں داخل ہوئے اور الیاس سیتا پوری کی ننگ و ناموس کا مطالعہ کیا۔ زبان و بیان کی ادائیگی الیاس سیتا پوری کا خاصہ تھا۔ ان کی لکھی ہوئی ہر تحریر ایسی ہے جو لکھنے والے کو مبہوت کر دیتی ہے۔ اس کے بعد اسما قادری کی شیش محل پڑھی جو یقیناً ایسی تحریر ہے کہ بس پڑھتے جاؤ، پڑھتے جاؤ۔ طاہر جاوید مغل کی پھر یاد آئی، ایک متاثر کن تحریر تھی۔ مختصر تحریر انسانی ضمیر کو جھنجوڑ دینے والی کہانی تھی۔ رشتوں میں جو آج کے دور میں دوریاں پیدا ہوتی جا رہی ہیں، وہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ افسوس رشتوں سے بے حسی کا برتاؤ کرنے والے شاید بھول جاتے ہیں کہ ان کے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہو سکتا ہے جو انہوں نے رشتوں کے حوالے سے حق تلفی کی۔ جیسا کہ ندیم نے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کیا مگر یہ شاید اس کی کوئی اپنی زندگی میں کی گئی نیکی تھی کہ آخر عمر میں جب ہر رشتے منہ پھیر لیتے ہیں تو اس کے بچوں نے اس میں دوبارہ جینے کی امنگ پیدا کر دی۔ آخری گلاس بھی پُراثر کہانی تھی۔ بیچ بیچ میں اقوال زریں پر مشتمل کترنوں نے بھی آگہی کے در وا کیے۔ محفل شعر و سخن میں بھی اچھے اور معیاری اشعار نے لطف دوبالا کیا۔ پہاڑ تلے اور لاچس کولا بھی اچھی تحریریں تھیں۔ زویا اعجاز کی خسارہ بھی پسندیدگی کا عنصر لیے ہوئے تھی۔ عفریت بھی اپنے انداز کی اچھی کہانی تھی۔ اس کے بعد برصغیر کے ایک بہت مشہور ولی اور اپنے سلسلے کے پیشوا حضرت نظام الدین اولیاؒ کی زندگی کے حالات و واقعات نے قلب کو روشنی سے معمور کیا۔ بلاشبہ محبوب الٰہی بہت پائے کے بزرگ تھے اکثر سلاطین نے بھی ان سے بہت فیض پایا۔ آب حیات اور آخری کہانی رخ تقدیر بھی بہت پسند آئیں۔ تمام دوستوں کو بہت بہت سلام اور عیدالاضحیٰ کی بہت بہت مبارکباد۔“ (آپ کو بھی خیر مبارک)

⌘ **رمضان پاشا، گلشن اقبال، کراچی سے شریک محفل ہیں** ”آہا...... اس بار اس حقیر فقیر کا نام بلیک لسٹ میں سرفہرست نظر آ رہا ہے، بڑی خوشی ہوئی دیکھ کر اور پڑھ کر۔ پرانا قاری ہونے کے باوجود ابھی میں طفلِ مکتب ہی ہوں۔ (بس...... ہو گیا نا پیمانہ لبریز...... اب یہ بتایئے کہ کبھی بھی بلیک لسٹ میں نام آ جانے سے کوئی شان تو نہیں گھٹ جاتی نا......) ستمبر 2016ء کے سسپنس کا سرورق پسند نہیں آیا، البتہ پس ورق کے اشتہار کی حسینہ خوب تھی۔ انشائیہ میں جون صاحب ابتلا میں مبتلا تھے۔ آپ کے خط میں اول نمبر پر آنے والے مرتضیٰ صاحب کو مبارکباد۔ موصوف کا تبصرہ طویل اور بھرپور تھا۔ اشعار کی محفل میں صادق معاویہ، ماہین فاطمہ، وسیم اکرم، مرزا طاہر الدین بیگ کے اشعار قابل تحسین تھے۔ اس دفعہ غیر ملکی کہانیوں میں آخری گلاس پہلے نمبر پر ہے۔ طبع زاد کہانیوں میں آب حیات نے کافی متاثر کیا اور رخ تقدیر تو اس ماہ کی بہترین کہانی تھی، کافی عرصہ یاد رہے گی۔ منظر امام صاحب کی غیر ملکی کہانیاں بھی خوب تھیں۔ خسارہ بہت ہی اثر انگیز کہانی تھی، مبارک کا انجام بہت ہی دردناک تھا اور وہ اسی کا مستحق تھا۔ عفریت، اس کہانی پر میں کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ لاچس کولا یہ سرے سے کوئی کہانی ہی نہیں تھی، یہ تو ایک معلوماتی فیچر یا کوئی آرٹیکل قسم کا مضمون تھا، بہرحال تھا دلچسپ۔ پھر یاد آئی، مغل صاحب نے آخر میں رلا ہی دیا۔ اس ماہ شیش محل اور ماروی میں تجسس اور سسپنس کوٹ کوٹ کر بھر دیا، آگے کیا ہو گا؟ کوتاہ اندیش کہانی جتنی مختصر ہے اتنی ہی خوب صورت بھی ہے۔ پہاڑ تلے بھی بہت پُرلطف کہانی تھی۔“

⌘ **محمد شہباز ناز، سرگودھا سے تبصرہ کر رہے ہیں** ”میں بہت خوش ہوں اپنا اور اپنے دوست کا نام رسالے میں دیکھ کر (ایسی خوشی ہم بانٹتے رہتے ہیں) ٹائٹل گرل بہت خوب صورت تھی جامنی کپڑوں کے اوپر پیلا دوپٹا گلے میں ڈالے، کانوں میں سونے کی بالیاں، وہ مسکرا کر دیکھ رہی تھی خاص کر اس کی آنکھیں بہت اچھی لگیں ہاں کے بعد جون ایلیا کا انشائیہ پڑھا تو حقیقت سامنے آ گئی۔ واقعی آج انسان دنیا کی رنگینیوں میں اس قدر مصروف ہو گیا ہے کہ اس کو ساتھ والے ہمسائے کی خبر ہی نہیں۔ جس طرح ہمارے نبیؐ اپنے پڑوسی کی خبرگیری کرتے اسی طرح ہمیں بھی اپنے نبیؐ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ایک دوسرے کا خیال رکھنا چاہیے اللہ ہمیں توفیق دے (آمین) الیاس سیتا پوری کی کہانی ننگ و ناموس کی داستان پہلے کی طرح اس بار بھی قابل تعریف تھی۔ میں تو ان کا فین ہو گیا ہوں۔ زویا اعجاز کی کہانی خسارہ عبرت ناک کہانی تھی۔ مبارک بہت مغرور تھا اگر وہ نبیلہ کو اپنی بیٹی سمجھتا۔ اس کا علاج کرواتا تو اس کی بیوی سکینہ یوں اس کو بددعا نہ دیتی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ ”جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔“ ثمر عباس کی عفریت عمدہ کہانی تھی۔ مرزا امجد بیگ کی کوہ گراں کہانی، اس بار ایک الو کھا کیس لائے۔ طاہر جاوید مغل کی کہانی پھر یاد آئی، ایک چونکا دینے والی کہانی تھی۔ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا واقعہ پڑھا تو دل میں سکون آ گیا۔ اللہ پاک ان نیک بندوں کی دعا سے ہم سب کی مشکلیں آسان کرے۔ تمام دوستوں کے تبصرے بہت اچھے تھے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ پاک اس محفل کو اسی طرح آباد و شاد رکھے اور اس ادارے کو مزید ترقی نصیب فرمائے۔“ (بہت شکریہ جناب)

⌘ **مسز صدیقی، گلشن اقبال کراچی سے تبصرہ کر رہی ہیں** ”سسپنس میں میرا خط چھپا بے حد خوشی ہوئی۔ یہ میرا پسندیدہ پرچہ ہے۔ اسیر خیال کاشف زبیر کی بہترین کہانی ہے۔ ایسی تحریریں پڑھنے کو اب کہاں ملیں گی۔ قدرت اللہ بیٹے نے سچ کہا ہے اگر آپ ان کی تحریریں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر 5-L/79 ڈاکخانہ 5.L/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

www.paksociety.com

چھاپتے رہے تو سب کو بے حد خوشی ہوگی کیونکہ وہ تحریریں انمول ہیں۔ اب کون لکھے گا، دکھ اسی بات کا ہے۔ طاہر جاوید کی پھر یاد آئی سب پر سبقت لے گئی انسان اپنے غرور میں سب کو نیچا دکھا کر تذلیل کر کے بہت خوش ہوتا ہے۔ یہ نہیں پتا کہ آگے اس کا انجام کیا ہوگا لیکن خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ ویسے جاوید صاحب پہلے بھی بہترین کہانیاں لکھتے رہے ہیں۔ میں نے پیاری بیٹیوں کو دعائیں لکھی تھیں، بزرگ کہتے ہیں دعاؤں سے نصیب بدل جاتے ہیں۔ خدا سب کو خوش وخرم رکھے۔ آمین۔ بیٹے علی رحمٰن خدا آپ پر رحمتوں کی بارش کرتا رہے اور آسودہ حال رکھے کیونکہ مردوں کو تمام خاندان کا بوجھ اٹھانا ہوتا ہے۔ بیٹے قدرت اللہ آپ سب کے لیے دلی دعائیں ہیں۔ محبت وتندرستی، سکون ملے اور پریشانیاں دور کرنے کی اللہ آپ کی سب فکریں دور کرے، ثمہ آمین۔ اب میں بیٹے صفدر معاویہ سے کہوں گی کہ آپ ضرور مجھے ماں جی کہیں۔ بہت خوشی ہوگی کہ خدا نے ایک نیک اور پاکستان کی حفاظت کرنے والا قابل فخر بیٹا عطا کر دیا۔ میں خدا کی بے حد شکر گزار ہوں کہ اب ماشاءاللہ میرے تین بیٹے ہوگئے۔ خدا صحت وتندرستی دے اور تمہاری حفاظت کرے۔ آمین۔"

✠ **سید عبادت کاظمی**، ڈیرہ اسماعیل خان سے شریکِ محفل ہیں "سسپنس سے ہمیں متعارف کروانے والے دوست نہ جانے زندگی کے میلوں میں کہاں گم ہو گئے ہیں لیکن ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے پڑھنے کے لیے اتنا اچھا پلیٹ فارم میسر کیا۔ 20 اگست کو سسپنس ہمارے ہاتھوں کی زینت بن چکا تھا جس سے ہمارے من میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ ٹائٹل گرل کی مسکراہٹ دل میں اتر گئی اور مسکراتے چہروں پر تو ہم ویسے بھی فدا ہیں۔ دھیمی دھیمی مسکراہٹ دل کے تار چھیڑ گئی...... جون ایلیا کی باتیں سبق آموز ہوتی ہیں کوئی اگر سمجھے تو...... اپنی کھٹی میٹھی محفل میں بنا شربت پانی کے انٹری دی کیونکہ گرمی کے اثرات کم تھے۔ محمد مرتضیٰ بڑی بڑی امیدوں کے ساتھ لیڈ کر رہے تھے۔ جناب کا تبصرہ سراہے جانے کے لائق تھا۔ بھائی یہ زندگی دکھوں اور خوشیوں کا امتزاج ہے سو ہم بھی کبھی خوشی کبھی غم کے موڈ میں نظر آتے ہیں۔ اپنے علاقے کی مرحا گل روتی ہوئی باتیں کرتی نظر آئیں ارے ہمارا حصہ کہاں ہے۔ تاریخ پر مبنی کہانیاں سحر طاری کر دیتی ہیں۔ ننگ وناموس کی داستان الف سے لے کر ے تک زبردست کہانیوں میں سے ایک تھی۔ گوت کے کردار کی کچھ خاص سمجھ نہیں آئی۔ شیش محل کی تعریف کرنا تو میرے بس کی بات نہیں پھر بھی کوشش کرتے ہیں۔ پارو اور اکبر کی محبت کیا رنگ لائے گی۔ موجودہ قسط میں چاند بانو کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ تشنگی سی محسوس ہوئی۔ جولیٹ باپ کی کھوج میں نکل پڑی۔ مرحوم نواب صاحب کی ماروی لگتا ہے اختتام کی جانب رواں ہے۔ مرزا امجد بیگ اس دفعہ ڈیفرنٹ کیس لے کر آئے۔ مراد کو سدھار دیا گیا لیکن کچھ خاص مزہ نہیں آیا... کہانی میں اتنا سسپنس نہیں تھا۔ آبِ حیات آہ...... کیا خوب لکھا بھئی صاحب نے الیاس احمد واقعی زندگی بھر کی حیات پا گیا آبِ حیات لکھ کر۔ کہانی کے اینڈ نے اداس کر دیا۔ اپنی جانی پہچانی تبصرہ نگار زویا اعجاز کی کہانی خسارہ ان کے چمکتے قلم کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ مبارک گناہ کر کے خسارے میں رہا۔ خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ رخ تقدیر اسد زندگی کے فرسودہ حالات میں الجھا رہا اور آخرکار منزل پالی۔ مجموعی طور پر اچھی کہانی تھی۔"

✠ **عبدالجبار رومی انصاری**، چوہنگ سٹی، لاہور سے محفل کی زینت بن رہے ہیں "خوب صورت دوشیزہ کا خوب صورت انداز اور زرد آنچل سے رکھا، گھنی زلفوں کو آزاد، چوری چوری سے دیکھتی کنی آنکھیں شاہکار...... مگر وہ ہے حسن مجسم ان سب سے بے نیاز۔ اور بے نیازی ہر جگہ بھی کام نہیں کرتی جیسے کہ جون ایلیا جی فرما رہے ہیں کہ کچھ اپنی بھی پروا کیجیے اور ہلاکتوں میں پڑنے سے بچ جائیے اور بیماریاں صرف جسمانی ہی نہیں اور بھی کئی طرح کی ہوتی ہیں اور اس وقت سب سے بڑی بیماری ہمارے ملک کو درپیش ہے جس میں کرپشن، لوٹ مار اور دہشت گردی سرفہرست ہے جو کسی ناسور کی طرح ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی ہے اس بیماری کا ٹھیک سے علاج ہو جائے تو ہمارا ملک مکمل صحت مند ہو جائے گا۔ محمد مرتضیٰ کا امید افزا بھرپور تبصرہ لائقِ تحسین ہے۔ مبارک ہو بھئی۔ آہ...... صفدر معاویہ بھائی پاکستان بنانے کا مقصد جانے کہاں گم ہو کے رہ گیا ہے۔ شکریہ رضوانہ آپی آپ کا تبصرہ بہت ہی اچھا لگا۔ مرحا گل کی معاونت بھی کمال کی رہی۔ آپ نے شیش محل کی طرف چھلانگ لگائی تو جولیٹ فاروق کے آنے سے پہلے ہی بمبئی چھوڑ گئی۔ دیکھ لو وہ بھی نواب زادی نکلی اور نواب اسد اللہ سے اپنی ماما کا انتقام لینے پہنچ گئی۔ فاروق اور رہن دادا بھی مل گئے۔ لگتا ہے عدالت جانے کے بعد رہن اور پولیس افسر وکرم کا جوڑ پڑے گا جو بھتا لے کر آنکھیں پھیر گیا تھا۔ داستان رزم وبزم سے ننگ وناموس تک پہنچ گئی اور آپ نے ٹھیک کہا مسلمانوں کی بربادی بھی اپنوں کی وجہ سے ہوئی تھی اور خوش فہمی کا مارا خلیفہ بھی ہلاکو کے ہاتھوں تاراج ہونے کو ہے۔ باقی دردانہ اور علیہ کا عشق تو خوب دلچسپی کا حامل ہے۔ محمد قمر صائم، غلام یاسین نوناری تو کافی عرصے بعد نظر آرہے ہیں۔ لو جی لگتا ہے میرا خط تو اس دفعہ کہیں راستے میں ہی رہ گیا۔ طاہرہ گلزار پہلے ہی کہہ رہی تھیں اب دیکھیں گے شادی کے بعد بھی تبصرہ لکھتے ہیں کہ نہیں۔ بھئی میں نے تو لکھا تھا پتا نہیں لیٹ ہو گیا پھر...... بھلا سسپنس سے بھی ناتا ٹوٹ سکتا

سانحۂ ارتحال

18 اور 19 اگست 2016ء کی درمیانی شب جاسوسی ڈائجسٹ کی مدیرہ عظمیٰ خیال کے شوہر اور معروف مصنف محترم مختار آزاد رضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم متعدد سرکاری وغیر سرکاری ادارے، این جی اوز اور افراد کو اپنے ہنر سے فیض یاب کرتے رہے۔ مختار آزاد اچھے کہانی کار اور مترجم تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے، ادارہ ان کے لواحقین کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ آمین۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ہے کبھی بھی نہیں۔ انشاء اللہ ساتھ ساتھ رہیں گے...... واہ زبردست بیگ صاحب نے اس دفعہ کوہ گراں کو سر بھی کیا اور مراد سے کرایا بھی تبھی تو کامیابی نے قدم بھی چوم لیے نا...... محبت کی دیوی ثانیہ نے بیمار ہوتے ہوئے بھی ایسی اولاد پیدا کی کہ اسے طلاق ہونے کے بعد حتیٰ کہ مرنے کے بعد بھی اس کی تربیت کا حق ادا کردیا اور ڈاکٹر آیان احمد کی صورت میں اپنے باپ ندیم کو گردہ دینے پر محبت کا حق ادا کردیا۔ پھر یاد آئی، ایک بہترین کہانی رہی۔ امریکا میں نہ تاریخ نہ زبان نہ کلچر صرف دوسری اقوام کو محکوم بنانے کی خواہش ہے پابلو اور الور جینا بھی ایسے ہی سماج پر کڑھتے رہے اور شادی بھی نہ کرسکے اور لاچس کولا ہی ان کی یاد بن کر رہ گیا۔ عفریت میں گمشدہ عورتوں کی وجہ سے بیڈن کی شخصیت پراسرار ہوگئی اور کہانی میں بھی ڈراؤنا تاثر پیدا کیا گیا البتہ کوئی دہشت انگیز سین سامنے نہیں آیا۔ میں اپنا کام مکمل کرچکا ہوں اور موت سے خائف نہیں ہوں۔ مرحوم الیاس صدیقی نے آب حیات لکھ کر خود کو امر کردیا۔ بابا نظام ہم نے تمہیں ہندوستان کی ولایت اور خلافت دی، بابا فرید گنج شکرؒ کی صحبت میں رہنے والے حضرت نظام الدین اولیاؒ نے عظیم مرتبہ قائم کیا اور ہندوستان کے خواص و عام ان کے گرویدہ ہوتے چلے گئے۔ حضرت نظام الدینؒ کی ایمان افروز اور دلچسپ تحریر بہت اچھی لگی۔"

✠ مرزا طاہر الدین بیگ، میرپور خاص سے شریکِ محفل ہیں "آپ کے خط...... طاہرہ گلزار کا بڑا جامع تبصرہ اور مرتضیٰ مسند صدارت پر، اچھا لکھا۔ تاریخ کے جھروکوں سے شہزادہ ابوبکر، درداغ، علیہ اور استاد شمس الدین ننگ و ناموس کی داستان میں خوب رنگ جما کر گئے۔ طاہر جاوید مغل پھر یاد آئی اور خوب آئی، اسما قادری کا شیش محل برق رفتاری کی طرح بڑھ رہا ہے اور خوب دلچسپ بھی ہوتا جارہا ہے۔ اب انجام دیکھیں، شیش محل کا کیا ہوتا ہے۔ یہ جگمگاتا رہتا ہے یا ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔ سلیم فاروقی صاحب رخ تقدیر بڑا زبردست افسانہ لے کر آئے۔ پلاٹ زبردست اندازِ بیاں اور بھی شاندار اور کردار جواب نہیں۔ خاص طور پر آفتاب، نورین، زبیری اور اسد، کیا خوب کہانی میں رنگ بھر گئے کہ لطف آگیا۔ زویا اعجاز کی کہانی اپنے اندر کرب اور درد لیے ہوئے سسپنس کے اوراق پر اس طرح بکھری کہ دل کو بہت بھائی۔ خسارہ کس کا تھا، مبارک علی کا یا سکینہ کا؟ وکیل صاحب کا ایک اور زبردست کارنامہ۔ کس طرح انہوں نے ایک کارنامہ انجام دیا اور مراد جیسے کو صحیح راہ دکھادی۔ قدوس صاحب کا بھی جواب نہیں اور جواب ان کا بھی نہیں، جن کے شعر زبردست ہوتے ہیں۔"

✠ مہتاب احمد کی حیدرآباد سے پہلی کوشش "یوں تو ہم پرانے قاری نہیں لیکن کئی ماہ سے سسپنس کا مطالعہ کررہے ہیں اور دل ہی دل میں سوچتے تھے کہ ہم بھی خطوط کی محفل میں حاضری دیں۔ پر ہمت نہیں ہو پارہی تھی لیکن پھر سوچا کہ کوشش کرلینے میں کوئی حرج نہیں۔ سو قلم لے کے بیٹھ گئے خط لکھنے۔ اب دیکھیے کہ ہمارا خط شاملِ محفل ہوتا ہے کہ نہیں کیونکہ پتا نہیں ہمارا اندازِ تحریر ٹھیک ہو یا نہیں۔ بہرحال ہم ہمت کرکے لکھ رہے ہیں۔ ماہ ستمبر کا شمارہ ملا۔ ٹائٹل کچھ خاص پسند نہ آیا۔ اس کے بعد انشائیہ پڑھا۔ کیا خوب لکھا ہے جون ایلیا صاحب نے۔ اس کے بعد خطوط کی محفل میں جا پہنچے۔ تمام لوگوں کے خطوط اچھے تھے۔ کہانیوں میں سب سے پہلے طاہر صاحب کی کہانی پڑھنے بیٹھے۔ بہت ہی عمدہ کہانی لکھی طاہر صاحب نے۔ واقعی جو انسان رشتوں کی ناقدری اور حق تلفی کرتا ہے اس کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ ندیم کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تاہم اس کے بیٹے نے اپنا فرض ادا کردیا اور باپ کی زندگی کی امید بن گیا۔ بہت زبردست کہانی تھی۔ اس کے بعد تاریخی کہانی میں انٹری دی۔ کیا منظر نگاری ہے۔ کیا اندازِ بیاں ہے۔ الیاس سیتاپوری کا لکھنے کا انداز سب سے جدا تھا۔ تاریخی کہانی میں دلچسپی پیدا ہوجاتی ہے۔ درداغ بے چارہ علیہ کے چکر میں دربدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ جبکہ مسلمانوں کی صف میں موجود غدار مسلمانوں کو ختم کردینے کے لیے ہر حربہ آزما رہے ہیں۔ کہانی اپنے اندر ایک گہرائی لیے ہوئے ہے۔ پڑھ کے ایسا محسوس ہورہا تھا کہ ہم بھی اسی کہانی کے کوئی کردار ہیں۔ پھر ہم نے ماروی کی طرف دوڑ لگائی۔ ماروی کا ٹیمپو بہت تیز ہے۔ لگتا ہے کہانی بھاگی جارہی ہے۔ اسی لیے کہانی کا مزہ تھوڑا سا کرکرا ہوگیا ہے۔ کردار جاندار ہیں مگر کہانی میں تیزی اتنی ہے کہ کہیں ٹھہراؤ نہیں آپارہا اسی لیے سب کردار آپس میں گڈمڈ ہوتے محسوس ہورہے ہیں۔ یہ ہماری ذاتی رائے ہے۔ بہرحال کہانی اچھی ہے۔ شیش محل اب کافی دلچسپ ہوتی جارہی ہے۔ کہانی میں نیا موڑ آگیا ہے۔ فاروق صحت یاب ہوچکا ہے مگر تاحال اس کی جولیٹ تک رسائی ممکن نہیں ہو پارہی جبکہ ادھر جولیٹ دلدار آغا سے انتقام کو پس پشت ڈال کر اپنی ماں کا انتقام لینے حیدرآباد کے لیے نکل کھڑی ہوئی ہے اور نواب سلیم اللہ کی حویلی پہنچ گئی ہے۔ بہت زبردست صورتحال پیدا ہوگئی ہے مگر ہمیں لگتا ہے کہ جولیٹ پر ابھی بہت سے راز افشا ہونے ہیں۔ شاید اس کے باپ کی کچھ مجبوریاں رہی ہوں، بہرحال اب دیکھنا یہ ہے کہ آگے اسما قادری صاحبہ کہانی کو کون سا موڑ دیتی ہیں۔ ڈاکٹر شیر شاہ سید کی کہانیاں نہایت منفرد اور سبق آموز ہوتی ہیں جن کو نہایت انہماک سے پڑھتے ہیں۔ کیا خوب منظر کشی کرتے ہیں۔ لاچس کولا اچھی تحریر تھی۔ آخری گلاس تنویر ریاض کی بس گزارے لائق تھی۔ کوہ گراں بھی کچھ زیادہ رنگ نہ جما سکی۔ رخ تقدیر سلیم فاروقی کی بہت تیز رفتار کہانی تھی۔ تاہم واقعات میں حقیقت کا رنگ کچھ کم تھا۔ کچھ خاص مزہ نہ دے سکی۔ معذرت کے ساتھ۔ اسد کو کچھ کرنا ہی نہ پڑا اور وہ صاف بچ نکلا۔ حیرت ہے۔ زویا اعجاز کی خسارہ اچھی کاوش تھی۔ نام نیا ہے مگر کہانی میں دم تھا۔ عبدالرب بھٹی کی آب حیات نہایت ہی عمدہ کہانی تھی۔ مصنف اپنی تحریر کے ذریعے ہمیشہ کی زندگی پا گیا۔ کیا خوب پلاٹ تھا۔ اثر نعمانی کا نام تو کسی تعارف کا محتاج ہی نہیں۔ ان کی کہانیوں پر تبصرہ کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ پہاڑ تلے زبردست کہانی تھی۔ ضیا تسنیم کی محبوب الٰہی کے واقعات پر تحریر نے ایمان کو نئی تازگی بخشی۔ چھوٹی کہانیاں تقریباً کافی اچھی رہیں۔"

✠ محمود معاویہ، ضلع رحیم یار خان سے تشریف لائے ہیں "سسپنس سے دوستی تو بہت پرانی ہے، آپ احباب محفل سے ملنے کی جرأت

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پہلی دفعہ کر رہا ہوں (شکر ہے آپ کو شرکت کا خیال تو آیا۔ خوش آمدید) سسپنس پر کسی بھی حوالے سے تبصرہ کرتے سے ڈرتا ہوں، کوئی گستاخی نہ ہو جائے۔ بزمِ دوستاں تو لاجواب ہے اور جھنگ کے محمد مرتضیٰ (بے وفا) کرسیٔ صدارت پر نازاں و فرحاں بیٹھے نظر آئے۔ مرتضیٰ بھائی مبارک ہو مگر دیکھ لینا اگلی دفعہ اس بے وفا کرسیٔ صدارت پر کوئی اور بیٹھا ہوگا۔ محمد صفدر معاویہ، مرحا گل، طاہرہ گلزار، صادق معاویہ، قدرت اللہ نیازی کے تبصرے پڑھ کر لطف آجاتا ہے۔ سسپنس کی ہر کہانی اپنا الگ مزہ رکھتی ہے۔ اس دفعہ شیش محل، پھر یاد آئی، کوہ گراں، ماروی اور خسارہ ٹاپ کلاس کی کہانیاں تھیں۔ میرا خط چھپ گیا تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔" (اب کہیے گا کہ آپ کی خوشی کا حال کیسا ہے)

⊠ خواجہ نعیم جاوید، بھلوال ضلع سرگودھا سے تبصرہ کر رہے ہیں "سنا تھا کہ آپ کی ردی کی ٹوکری کا ہاضمہ بڑا بہترین ہے اور آپ کی قینچی خطوط پہ بڑی چلتی ہے۔ اب آزما بھی لیا ہے۔ (اب ایسا بھی کیا غضب ہو گیا ہے بھئی...... ہم نے کہا تھا کہ وقت پر جو خطوط ملتے ہیں انہیں ضرور جگہ ملتی ہے۔ اس میں ناراض ہونے والی کوئی بات نہیں) ستمبر 16ء کا شمارہ 25 اگست کو بھیرہ بک ڈپو بھلوال سے مل گیا تھا۔ ٹائٹل بڑا جاندار اور دلفریب رہا۔ ڈاکر انکل کو مبارک باد...... جون ایلیا صاحب کا انشائیہ ہر بار دل کو زخمی کر جاتا ہے۔ بہت تلخ باتیں کرتے ہیں لیکن سو فیصد سچ۔ خطوط کی محفل میں محمد مرتضیٰ جھنگ سٹی سے پہلے نمبر کی سیٹ پر نظر آئے۔ آپ کے پرانے تبصرہ نگاروں میں صفدر معاویہ، سید عبادت کاظمی، طاہرہ گلزار صاحبہ، محمد خواجہ کے تبصرے اچھے لگے۔ قدرت اللہ نیازی کی تجویز اچھی لگی۔ کاشف زبیر میرے بھی پسندیدہ رائٹر ہیں۔ پلیز ان کی تحریریں ضرور لگائیں (جی ضرور) سب سے پہلے شیش محل پڑھی۔ جولیٹ آخر کار حیدر آباد اپنے والد کے سامنے آگئی۔ اب اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ کاش سسپنس پندرہ دنوں کا ہوتا، پورا ایک ماہ انتظار کرنا پڑتا ہے۔ پھر یاد آئی، طاہر جاوید مغل کی بہترین کہانی جو لوگ رشتوں کو روندتے ہیں، آخر میں ان کے ساتھ بھی اچھا نہیں ہوتا لیکن اس کہانی میں طاہر صاحب نے باپ سے بیٹے کا ملاپ کروا دیا۔ مرزا امجد بیگ صاحب کی کوہ گراں اچھی کہانیوں میں شمار ہوتی ہے۔ قدوس نے برے لڑکے کو اچھا بنا دیا اور اس میں امجد بیگ کا ہاتھ سب سے زیادہ شامل رہا۔ ماروی ہمارے تو سر سے گزر جاتی ہے۔ خسارہ، ثریا اعجاز کی بہترین کہانی۔ اس دفعہ اگر سب سے بیسٹ کہانی شمار کی جائے تو خسارہ پہلے نمبر پر آئے گی۔ ثمر عباس اس دفعہ عفریت کے ساتھ سامنے آئے۔ منظر امام غیر ملکی کہانیاں لے کر آئے۔ سلیم فاروقی صاحب رخِ تقدیر کے ساتھ تشریف لائے اور لاجواب کر دیا۔" (اب تو آپ خوش ہیں نا)

⊠ صادق معاویہ سعیدی، خان پور سے محفل میں شریک ہیں "انشائیہ میں جون ایلیا ہمارے معاشرے میں پیدا شدہ بیماریوں پر دل گرفتہ لہو کے آنسو بہاتے نظر آئے۔ جون ایلیا سے زیادہ طاقتور الفاظ ہمارے حاشیہ خیال میں نہیں اور نہ ہی ان کی فکر رسا کو پانے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ ہم پر مسلط شدہ آج کی بیماریوں اور تکلیفوں پر برسوں پہلے ماتم جون ایلیا کا خاصہ ہے اور آپ کا اداریہ تو گویا...... زبان میری ہے، بات ان کی...... کا مصداق ہوتا ہے۔ کاش ہمارے اربابِ بست و کشاد 24 گھنٹوں میں سے صرف چند منٹ ہمارے لیے پورے خلوص اور صرف پاکستانی بن کر صرف اور صرف پاکستان کے لیے سوچیں تو حالات کے سدھار کی چکا چوند عالم کی آنکھیں چندھیا ڈالے۔ انشائیہ اور اداریہ میں دل جلانے کے بعد اپنی محفل میں پہنچے تو جھنگ سے محمد مرتضیٰ طمطراق سے کرسیٔ صدارت پر جلوہ نما تھے۔ دل کی گہرائیوں سے خلوص بھری مبارکباد۔ حضرت سلطان باہو سمیت جھنگ سے ہماری محبت کے کئی رشتے ہیں ان میں ایک آپ بھی شامل ہو گئے ہیں۔ مرتضیٰ بھائی آتے رہیے گا، ہمارے مہربانوں کی طرح کہ اقتدار ختم اور صاحب پاکستان سے غائب اور آغا سلمان پاشا، عذرا ہاشمی، مونا رضوان، قیصر اقبال گجر کی طرح، صدارت ختم اور بندہ محفل سے غائب۔ آپ تو ایسا نہیں کریں گے نا؟ صفدر معاویہ بھائی چار سال ہونے کو آئے ہیں ہم بھی آپ کی طرح امی جان سے جدا ہوئے بیٹھے ہیں اور آپ کی طرح مسز صدیقی سے دعاؤں کی درخواست کے ساتھ امی جان کہنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے اب تو لفظ امی جان لکھتے پڑھتے بولتے اور سنتے ہوئے آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ اللہ پاک سب کی ماؤں کو سدا سلامت رکھے اور جو جنت کو سدھار گئیں ان کی قبروں کو جنت کا باغ بنائے۔ آمین۔ مرحا گل بہنا ہماری حاضری آپ کو ناگوار گزرتی ہے کیا اور عبادت کاظمی آپ بجلی والوں سے خوش ہیں۔ مرزا طاہر الدین، قمر صائم، شہباز ناز کے مختصر تبصرے شاندار تھے۔ طاہرہ گلزار، محمد خواجہ اپنے الگ انداز کے مالک ہیں۔ شکریہ اشفاق شاہین، قدرت اللہ نیازی، مرضی ہے آپ کی۔ اسرار ساقی ڈسٹرکٹ جیل اٹک کا نام بلیک لسٹ دیکھ کر دکھ ہوا (کیوں بھئی...... ہم سب ایک ہیں اس میں دکھ والی کون سی بات) سب سے پہلے شیش محل پڑھی کیونکہ پورا مہینا اسی کا تو انتظار کرتے ہیں، اسما قادری جی آپ نے تو...... دوا اندر، دم باہر...... والا کام کر دیا۔ فاروق بمبئی میں اور جولی حیدر آباد۔ چلو جی قلم آپ کے ہاتھ میں ہے اور منظر امام کی غیر ملکی کہانیاں کیا خوب تھیں۔ اپنے پیارے دیس میں تو راوی چین ہی چین لکھتا ہے اور مغل اعظم کی پھر یاد آئی تو مدح سرائی کی محتاج ہی نہیں۔ جناب مغل اعظم آخری صفحات پر جلوہ نمائی فرمایئے، ہم سراپا انتظار ہیں۔ باقی شمارہ مطالعے کا منتظر ہے۔ آخر میں عبدالجبار رومی انصاری، تحریم شاہ اور حافظ شعیب معاویہ سے حاضری کی درخواست ہے۔"

اب ان قارئین کے نام جن کے نامے محفل میں شامل نہ ہو سکے۔

ناہید یوسف، اسلام آباد۔ انجم اسحاق، بہاولپور۔ ظہیر الدین، کراچی۔ آسیہ کمال، راولپنڈی۔ صبا سحر، اوکاڑہ۔ شاہین تبسم، میرپور خاص۔ عاصم خان، جھنگ سٹی۔ عظیم احمد، لاڑکانہ۔ مصطفیٰ عزیز، خیرپور۔ وسیم احمد، ملتان۔ وزیر محمد خان، مٹھل ہزارہ۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ماضی کا آئینہ۔ بااختیار اور بے اختیار انسانوں کے عبرت اثر واقعات

ننگ و ناموس کی داستان

الیاس سیتا پوری

انسانی قدم ہوں یا گزرا وقت... کسی نہ کسی حوالے سے اپنے نشان تو چھوڑ جاتے ہیں... یہ اور بات کہ ان سے وابستہ یادوں میں شدت ہے یا بس معمولی احساسات... قوموں کے حوالے سے تاریخ جہاں کی بھی ہو اپنی ایک مضبوط حیثیت دنیا سے تسلیم کراتی ہے... جیسے تاتاری اپنی سفاک فطرت کے باعث ایک الگ شناخت اور فتوحات میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ منگولوں نے جب عروس البلاد بغداد کی فتح کا ارادہ کیا تو چُن چُن کر اپنے لیے ہرکاروں کا انتخاب کیا۔ یہ جنگ کئی محاذوں پر لڑی گئی۔ ہلاکو خان کی خوفناک تباہی نے بغداد میں انتشار پھیلانے کی انتہا کردی۔ بغداد کے بااثر طبقے نے معمولی اور مبہم فائدے کے لیے اپنے ہی آشیانے کو آگ لگادی۔ معتبر لوگ اپنی حرص و طمع کے ہاتھوں غیر معتبر ہوگئے... عجیب و غریب جبلت کے ہاتھوں متغیر حالات اور اس قوم کے عروج و زوال کی سبق آموز داستان۔

Downloaded From
Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded From
paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

درداغ گھنٹوں اس شخص کا انتظار کرتا رہا جو علیہ کی درخواست لایا تھا لیکن وہ نہیں آیا۔ اس وقت وہ اس بدقسمت انسان جیسا تھا جو پارس پتھر کی تلاش میں صبح سے شام تک پتھروں کو گھس گھس کر سمندر میں پھینکتا رہا اور شام کو یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ اس کے ہاتھ کا لوہا سونا بن چکا ہے اور پارس بھی دوسرے پتھروں کے ساتھ سمندر میں پھینکا جاچکا ہے۔ جب علیہ کی درخواست لانے والا نہیں آیا تو وہ سارے درخواست گزاروں کی شبیہیں تصور میں لا لا کر دیکھتا رہا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ ایک بوڑھا چہرہ تھا...... جھریوں دار، خاموش طبع۔ شاید اس نے درخواست دیتے وقت کچھ کہا بھی نہیں تھا۔

شہزادہ ابوبکر شام سے ذرا پہلے اس کے پاس آیا۔ فکرمند، اداس، غمگین اور ملول۔ اس وقت بھی درداغ کے ہاتھ میں علیہ والی درخواست دبی ہوئی تھی۔ اس نے شہزادے کو دیکھتے ہی وہ درخواست قمیص کی جیب میں رکھ لی۔ شہزادے نے کہا۔ ''درداغ! اب ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ میں نے سنا ہے ہلاکو خان بغداد کی طرف چل چکا ہے۔ میں اور میری سپاہ تم منگولوں کے طریقۂ جنگ کی بنیادی باتیں سمجھنا چاہتے ہیں۔''

درداغ بادلِ ناخواستہ اٹھا اور شہزادے کے ساتھ چھاؤنی چلا گیا۔ وہاں سلیمان شاہ امیر علم، ملک عزالدین ابن فتح الدین کرد اور مجاہدالدین ایبک سردوات دار بھی موجود تھے۔ سلیمان شاہ ترکمان تھا۔ ترکمان قبائل اپنی بہادری، مستعدی اور جنگ جوئی میں کوئی جواب نہ رکھتے تھے۔ یہ امیرالمومنین کا دایاں بازو تھے یعنی میمنہ۔ یہ لوگ ماضی میں کئی بار حملہ آور منگولوں کو شکست بھی دے چکے تھے۔ ملک عزالدین کرد بغداد کا نامی گرامی پہلوان تھا اور میمنہ کا علمبردار بھی یہی تھا۔

مجاہدالدین ایبک خلیفہ مستعصم باللہ کے باپ مستنصر باللہ کے زمانے سے سردوات دار (چیف سیکریٹری) چلا آرہا تھا اور سلطان مجاہدالدین ایبک کہلاتا تھا۔ ان تجربہ کار آدمیوں کے درمیان درداغ کی نمایاں حیثیت یہ تھی کہ وہ منگول تھا۔ شہزادے نے سلطان ایبک کے علاوہ دونوں کا تعارف کرایا اور کہا۔ ''درداغ! ہم تم سے منگولوں کے طریقۂ جنگ کی بنیادی باتیں جاننا چاہتے ہیں تاکہ جب ہم ان سے برسرِپیکار ہوں تو انہیں اپنے ذہن میں رکھیں۔''

درداغ نے جواب دیا۔ ''شہزادے! ان کی پہلی بنیادی بات تو یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جارحانہ جنگ لڑتے ہیں۔ وہ دفاعی جنگ کے قائل ہی نہیں۔ کیا آپ لوگ اپنے آپ میں جارحانہ جنگ کی صلاحیتیں پاتے ہیں؟ یا یہ کہ کیا آپ بغداد سے نکل کر قراقرم اور چین پر حملہ آور ہوسکتے ہیں؟''

ان کے پاس درداغ کے اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ شہزادے نے آہستہ سے کہا۔ ''اے کاش! ہم میں اتنی صلاحیت ہوتی۔''

درداغ نے کہا۔ ''آپ لوگ میری باتیں نہایت غور سے سنیے۔ منگولوں کے جاسوس کہیں بھی مل جائیں گے مگر منگولوں میں ان کے دشمنوں کے جاسوس نہیں ملیں گے کیونکہ ان کے ماحول میں اس کی گنجائش ہی نہیں۔ وہ اپنے راز چھپانے میں ماہر ہوتے ہیں اور ان میں غداروں کا وجود نہیں ملتا۔ کیا آپ اس معیار پر پورے اتر سکتے ہیں؟''

شہزادے نے بے بسی سے سرد آہ بھری۔ ''اے کاش! ہم میں غدار نہ ہوتے۔''

درداغ بولتا رہا۔ ''ان کا ہر قدم غیر متوقع اور اچانک ہوتا ہے اور وہ اپنے دشمن کو بھاگنے کا موقع نہیں دیتے۔ کیا آپ میں اتنی مستعدی، چستی اور تیزی ہے؟''

شہزادے نے ایک بار پھر سرد آہ بھری۔ ''اے کاش۔ اے کاش...... خدایا ہم پر رحم کر۔''

درداغ کہتا رہا۔ ''ان کے کھانوں میں تکلف نہیں پایا جاتا۔ جس چیز کا بھی گوشت مل جائے، کھا لیتے ہیں۔ ان کے گھوڑے زمین پر سم مار مار کر گھاس کو اندر سے نکال لیتے ہیں۔ کیا آپ اور آپ کے گھوڑے ایسا کر سکتے ہیں؟''

شہزادے نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ ''معاذ اللہ، معاذ اللہ...... ہم ان کی طرح حرام تو نہیں کھا سکتے۔ منگولوں کے گھوڑے بھی انہی کی طرح بے رحم اور بے تکلف ہوتے ہیں، اے کاش......''

درداغ نے کہا۔ ''وہ اپنوں کے وفادار ہوتے ہیں اور مردم شناسی میں اپنا جواب نہیں رکھتے اور ان کی شاطرانہ چالوں کا کوئی توڑ نہیں ہوتا۔''

شہزادہ ایک بار پھر بولا۔ ''اے کاش! ان باتوں کا علم ہمیں چند سال پہلے ہو جاتا۔''

درداغ نے گویا آخری بات بتائی۔ ''اور جب وہ حملہ آور ہوتے ہیں تو وہ اپنے دشمن کو دھوکا دینے کے لیے پسپائی اختیار کرتے ہیں۔ یہ ان کا میدانِ جنگ میں بہت بڑا دھوکا ہوتا ہے کیونکہ جب وہ سوچی سمجھی تدبیر کے تحت بھاگ رہے ہوتے ہیں تو فتح مندی کے نشے میں سرشار متعاقب فوج اپنی احتیاط اور حواس سے بےبہرہ اور غافل اس وقت پکی فصل کی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں :-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایڈ فری لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

http://paksociety.com

www.paksociety.com

طرح کٹ جاتی ہے جب شکست خوردہ منگولوں کے میمنہ، میسرہ اور قلب انہیں اپنے نرغے میں لے چکے ہوتے ہیں۔''

سلطان ایبک نے بے ساختہ...... ''سبحان اللہ، سبحان اللہ، کیا تجزیہ ہے۔ واہ خوب!'' کہہ کر درداغ کو رشک ومحبت بھری نظروں سے دیکھا لیکن شہزادہ۔ ''اے کاش ہم بھی اسی طرح لڑ سکتے'' کہہ کر چپ ہو رہا۔

درداغ نے گویا آخری بنیادی بات بتائی۔ ''منگول متمدن یا شہری نہیں ہوتے۔ وہ موسموں اور حالات کی سختیاں بہ آسانی جھیل جاتے ہیں جبکہ اہلِ بغداد آرام طلب اور تن آسان ہو چکے ہیں۔''

شہزادے نے کہا۔ ''اے کاش، ہمیں اتنی مہلت مل جائے کہ ہم اپنے دشمنوں کی طرح زندگیاں گزار سکیں۔''

جو کچھ درداغ نے بتایا تھا، اس میں بس یہی تدبیر قابلِ عمل تھی کہ جب منگول سپاہ شکست کھا کے بھاگنے لگے تو ان کا تعاقب نہ کیا جائے۔

شہزادے نے رات کا کھانا مل کے کھایا۔ ان سب کو یہ خوشی تھی کہ درداغ جیسا ایک لائق ان کی صفوں میں آچکا تھا لیکن خود درداغ بالکل مایوس اور اداس تھا۔ اس کو مسلمانوں کی جیت یا دفاع کا ذرا بھی یقین نہیں تھا۔ کسی چالاک، ذہین، وحشی اور اجڈ پر کوئی سادہ لوح مذبذب، کم عقل اور مہذب، کس طرح غالب آسکتا ہے؟

درداغ کو اپنے مستقبل کی فکر پڑ گئی تھی۔ وہ ان سب کو وہیں چھوڑ کر پاس کے ایک چھدرے باغ میں چلا گیا، ڈیڑھ دو سو کھجوروں کا باغ۔ آسمان پہ تاروں کی روشنی بارھویں کے چاند کی چاندنی میں ماند پڑ چکی تھی۔ وہ ایک درخت کی جڑ میں تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ کھجور کا یہ درخت کمان کی طرح جھکا ہوا تھا۔ اس کی شاخوں اور پتوں سے چھن چھن کر زردی مائل چاندنی ملتِ اسلامیہ پر نوحہ کناں محسوس ہو رہی تھی۔ باغ کے باہر پگڈنڈی پر چند گھڑسوار اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑاتے گزر گئے۔ گھوڑوں کے سموں کی اڑائی ہوئی گرد دھوئیں کی طرح فضا میں پھیل گئی۔

وہ بحالت بے بسی سوچ رہا تھا کہ انسان کیا ہے؟ انسان کا انسان دشمن کیوں ہے؟ انسان بے بس ہے یا مختار؟ تقدیر کیا ہوتی ہے اور سب کے آخر میں علیہ کی محبت کی کسک نے حسن اور عشق کی طرف مائل کر دیا۔ عشق کیا ہے؟ محبت کیا ہوتی ہے؟ اس نے سوچا، انسان کی اس سے بڑی مجبوری، بے بسی اور بدنصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ سوالوں کے لشکر سامنے سے گزرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے کسی ایک سوال کا جواب بھی شاید انسان کی قسمت میں نہیں لکھا گیا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں نے اسے تھپک تھپک کر سلا دیا۔ وہ معلوم نہیں کتنی دیر تک سوتا رہا پھر کسی نے اسے جگا دیا۔ وہ فوراً ہی جگانے والے کو پہچان نہیں سکا، ہاں کسی کی آواز خواب وخیال کی طرح سنائی دے رہی تھی۔ ''بدنصیب درداغ! اٹھ اور اپنے فیصلوں پر نظرِ ثانی کر۔''

درداغ نے ہوش میں آتے ہی اس بدہیئت اور بدقوارہ کو پہچان لیا۔ یہ موٹا منگول تھا۔ سانپ جیسی گول گول آنکھیں درداغ کے چہرے پر جھکی ہوئی تھیں۔ درداغ سنبھل کر بیٹھ گیا، پوچھا۔ ''تو اس وقت یہاں کہاں؟''

موٹے منگول نے جواب دیا۔ ''خلافتِ اسلامیہ کے لائق وزیر ابن علقمی کو یہ خبر ملی تھی کہ فوج کے مفسدین کی ایک جماعت امیرالمومنین کے محل کو گھیر کر کوئی نازیبا قدم اٹھانے والی ہے چنانچہ امیرالمومنین کے حکم کے بموجب اس کا تدارک کر دیا گیا۔''

درداغ نے کہا۔ ''میں تیرا مطلب نہیں سمجھا۔ یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟''

موٹے منگول نے کہا۔ ''کیا میں تجھ سے پوچھ سکتا ہوں کہ تو اس وقت یہاں کیا کر رہا ہے؟''

درداغ نے جواب دیا۔ ''میں یہاں شہزادے کے ساتھ آیا تھا شہزادہ حملہ آوروں کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے۔''

موٹا منگول ہنسنے لگا۔ ''حملہ آوروں کے خلاف جنگ کی تیاریاں؟ کن حملہ آوروں کے خلاف اور کس کے حکم سے؟ کیا امیرالمومنین سے اس کی اجازت لی گئی تھی؟''

درداغ نے جواب دیا۔ ''میں یہاں کی انتقامی موشگافیوں سے واقف نہیں ہوں مگر جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بغداد میں ایماندار، وفادار اور جاں نثار ذلیل وخوار ہیں اور عیار، مکار، فریب کار اور غدار قابلِ اعتبار اور وفادار ہیں۔''

موٹا منگول درداغ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا، بولا۔ ''درداغ! بغداد کے مقدر کا مجھے علم ہو چکا ہے۔ اس کا مقدر ابن علقمی لکھ رہا ہے۔ وقت کا دھارا کدھر بہہ رہا ہے؟ دیکھ، سمجھ اور پہچان۔ مخالف سمت کی تیراکی کا جو حشر ہو سکتا ہے، خود سوچ لے۔''

درداغ نے پوچھا۔ ''تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟''

موٹے منگول نے جواب دیا۔ ''سوال یہ نہیں ہے کہ میں تجھ سے کیا چاہتا ہوں۔ سوال تو یہ ہے کہ ہلاکو خان تجھ

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سے کیا چاہتا ہے۔ ابن علقمی تجھ سے کیا چاہتا ہے۔ زمانہ تجھ سے کیا چاہتا ہے اور یہ کہ اگر تقدیر کوئی چیز ہے تو وہ تجھ سے کیا چاہتی ہے۔''

درواغ نے حقارت سے موٹے منگول کا ہاتھ اپنے کاندھے پر سے ہٹا دیا، بولا۔ ''میں تو بس یہ سمجھ سکا ہوں کہ خدا مجھ سے کیا چاہتا ہے اور خدا جو چاہتا ہے، میں وہی کر رہا ہوں۔''

موٹے منگول نے نفرت سے منہ بنایا۔ ''میں اس وقت تک بغداد ہی میں ملوں گا جب تک کہ اس کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دی جائے۔ جب پشیمانی اور پچھتاوے کا بوجھ ناقابلِ برداشت ہو جائے تو، تو میرے پاس چلے آنا۔ شاید میں اس وقت بھی تیرے لیے کچھ کر سکوں۔''

درواغ کوئی جواب دیے بغیر شہزادے کے پاس چھاؤنی کی طرف روانہ ہو گیا۔ موٹا منگول معلوم نہیں کہاں چلا گیا۔ شہزادہ بدحواس اور پریشان درواغ کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ جب ان دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو شہزادے نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس نے درواغ کو سمجھایا کہ فی الحال وہ محتاط اور چوکنا رہے کیونکہ کچھ پتا نہیں کدھر سے کون وار کر جائے اور شہزادے ہی کی زبانی یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ابن علقمی اپنے چند ہوا خواہوں کے ساتھ آیا تھا اور کچھ جائزہ لے کر چلا گیا۔

درواغ نے کہا۔ ''شہزادے! وہ اپنے چند ہوا خواہوں کے ساتھ کچھ جائزہ لینے نہیں آیا تھا بلکہ وہ فوج کے ایک مفسد اور باغی دستے کی سرکوبی کے لیے آیا تھا کیونکہ یہ دستہ ابن علقمی کے بقول امیرالمومنین کے محل کو گھیر کر کوئی نازیبا قدم اٹھانے والا تھا۔''

شہزادے کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ''یعنی؟ کیا مطلب؟''

درواغ نے موٹے منگول سے ہونے والی گفتگو کو بے کم و کاست سنا دیا۔ شہزادہ سب کچھ سن کر آگ بگولا ہو گیا، بولا۔ ''واللہ، اب تو پانی سر سے اونچا ہو گیا۔ ہم کب تک صبر و تحمل سے کام لیں گے۔ کیوں نہ ہم لوگ امیرالمومنین کی مرضی کے خلاف ایک انتہائی قدم اٹھا دیں؟''

درواغ سوالیہ نظروں سے شہزادے کو دیکھنے لگا۔ شہزادہ، درواغ کو لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور ساری صورتِ حال ان کے سامنے رکھ کر مشورہ طلب کیا۔ سلطان ایبک نے مشورہ دیا۔ ''شہزادے! جذباتی نہ بنیے، ذرا تحمل اختیار کیجیے۔''

ملک عزالدین کرد نے کہا۔ ''کیوں نہ ہم وہی کچھ کر گزریں جس کی ہم سے توقع کی جا رہی ہے۔''

سلیمان شاہ ترکمان نے کہا۔ ''میں تو شہزادے کے حکم کا غلام ہوں۔ ابن علقمی کو کہیں سے اغوا کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا ہوں۔''

شہزادہ، سلیمان شاہ ترکمان کے جواب سے خوش ہوا، بولا۔ ''میری بھی یہی رائے ہے، اب ہمیں اس سانپ کو کچل دینا چاہیے۔''

درواغ ابھی تک خاموش تھا، سلطان ایبک نے کہا۔ ''درواغ! تو کیوں خاموش ہے؟ تو بھی تو کچھ کہہ، تیری رائے بھی حد درجہ وقیع ہوتی ہے۔''

درواغ نے بے دلی سے جواب دیا۔ ''آپ لوگ جو چاہیں کریں لیکن اپنی تقدیر نہیں بدل سکتے۔ بہت کچھ ہو چکا بقیہ جو کچھ ہونا ہے عنقریب ہو جائے گا۔ ابن علقمی کو جو کچھ کرنا تھا کر چکا، اب اس کے مارے جانے یا امیرالمومنین کو ہٹا دینے سے قضائے مبرم نہیں ٹل سکتی۔''

مایوسی نے دلوں کو پژمردہ کر رکھا تھا مگر یہ چند جیالے اور سر پھرے ہمت ہارنے پر تیار نہیں تھے۔ وہ پوری رات آسیب کی طرح آمنے سامنے سر جھکائے بیٹھے مشورے کرتے رہے۔ چند موی شمعیں جلتی پگھلتی رہیں۔ صبح فجر کی اذان نے انہیں خدا کی طرف رجوع کر دیا لیکن موذن کو کیا پتا کہ بستی میں چند ایسے نوجوان اور بزرگ بھی موجود ہیں جن کے خواب و خورش ہمیشہ کے لیے حرام ہو چکے ہیں۔

فجر کی نماز سے پہلے ہی ان میں یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ سلیمان شاہ ترکمان، عزالدین کرد اور سلطان ایبک میں سے کوئی ایک شخص امیرالمومنین سے مل کر انہیں اصل خطرے سے آگاہ کرے گا اور ابن علقمی سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

فجر کی نماز کے بعد ہر کوئی اپنے اپنے گھر چلا گیا۔ درواغ کو امیرالمومنین کے دربار میں حاضری دینا تھی۔ اس کا خیال تھا کہ امیرالمومنین اس سے پوچھیں گے کہ درواغ! رات کو تم لوگ چھاؤنی میں کیا کر رہے تھے؟ مگر اس سے کوئی سوال نہیں کیا گیا۔ امیرالمومنین سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے درواغ سے صرف یہ پوچھا۔ ''درواغ! یہ شہزادہ ابوبکر تجھ سے کیا کام لیتا ہے؟''

درواغ نے سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔ خلیفہ کو ہنسی آ گئی، اس نے کہا۔ ''لوگوں کو معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے، ابن علقمی کچھ کہتا ہے اور شہزادہ ابوبکر کچھ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کی بات پر اعتبار کروں۔ پہلے میں ان حالات میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

خاصا پریشان ہوجایا کرتا تھا مگر اب میں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ سنوں گا سب کی مگر اعتبار کسی پر بھی نہیں کروں گا۔"

دروداغ نے کہا۔ "مگر امیر المومنین! سننے میں آیا ہے کہ ہلاکو خان اپنے غولِ بیابانی کے ساتھ پیش قدمی کرچکا ہے۔"

خلیفہ نے تمسخر آمیز لب ولہجہ اختیار کیا، بولا۔ "کیا تیرا یہ مطلب ہے کہ ہلاکو خان کسی پتھر کا نام ہے جو کسی ایک جگہ منجمد پڑا رہے گا۔ وہ آدمی ہے اور اس کے ساتھ منگول سپاہ بھی ہے۔ وہ چلے گا پھرے گا تو اس کے ساتھ اس کی سپاہ بھی حرکت میں آجائے گی۔ اس کی پیش قدمی میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

دروداغ لاجواب ہوگیا۔ اس کے جی میں آئی کہ وہ اپنا سر پیٹ لے لیکن وہ خلیفہ کے سامنے تھا۔ ادب واحترام نے اس کے چہرے پر ناگواری کے اثرات تک نہیں پیدا ہونے دیے۔ اس نے رک رک کر نہایت ادب واحتیاط سے عرض کیا۔ "امیر المومنین! میں منگول ہوں اس لیے میں جانتا ہوں کہ ہلاکو اور اس کی سپاہ کا آئندہ شکار کون ہوگا؟"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "ہلاکو خان سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہوچکا ہے پھر ہم اس پر شک کرکے خواہ مخواہ گناہِ صغیرہ کے کیوں مرتکب ہوں؟ اگر وہ بغداد کی طرف آرہا ہے تو میں اس کا استقبال کروں گا۔ اس کو خوش آمدید کہوں گا۔ جب ہم خود کسی سے جنگ نہیں کرنا چاہتے تو کوئی اور ہم پر کیوں حملہ کرے گا؟"

دروداغ نے عرض کیا۔ "امیر المومنین! میں منگول ہوں اس لیے میں ہلاکو خان کو خوب سمجھتا ہوں۔"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "یہ کیا بات ہوئی کہ تو منگول ہے اور ہلاکو کو خوب سمجھتا ہے۔ ہم امیر المومنین اور مسلمان ہیں لیکن یہ دعویٰ نہیں کرسکتے کہ ہم ابن علقمی اور شہزادہ ابوبکر کو خوب سمجھتے ہیں۔"

دروداغ خاموش ہوگیا۔ خلیفہ نے کہا۔ "اب تو جاسکتا ہے اور اس وقت تک دربار میں نہیں آئے گا جب تک تجھے طلب نہ کیا جائے۔"

دروداغ دربار سے چلا آیا، امیر المومنین کی گفتگو نے اسے اور زیادہ پریشان کردیا تھا۔ اس کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ اس نے سوچا ان حالات میں بغداد میں رہنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔

وہ بازار سے گزر رہا تھا کہ اس کو اچانک وہی بوڑھا نظر آگیا جو علیہ کی درخواست دے گیا تھا۔ وہ دروداغ کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ دروداغ اس کے پیچھے دوڑا۔ اس نے چیخ کر کہا۔ "بڑے میاں! تمہاری درخواست منظور ہوچکی ہے، تم کہاں غائب ہوگئے تھے؟"

وہ بڑے میاں کے تعاقب میں گلی میں داخل ہوگیا مگر وہ کہیں غائب ہوچکے تھے۔ اس نے انہیں بہت تلاش کیا مگر وہ نہیں ملے۔ دروداغ سوچ رہا تھا، آخر یہ معاملہ کیا ہے؟

☆☆☆

بغداد میں یہ خبر عام تھی کہ ہلاکو خان بغداد کے لیے روانہ ہوچکا ہے۔ عراق کی سرحدوں پر منگول سپاہ جمع ہورہی تھی۔ سلیمان شاہ ترکمان اور سلطان ایبک نے یہ فیصلہ کیا کہ منگولوں کے اس اجتماع کو توڑ دیا جائے۔ شہزادہ ابوبکر بھی یہی چاہتا تھا لیکن امیر المومنین ایسا نہیں چاہتے تھے۔ وہ ابن علقمی کے زیر اثر اس خطرے کو مول نہیں لینا چاہتے تھے لیکن سلیمان شاہ ترکمان اپنی بات پر اڑ گیا۔ اس نے شہزادہ ابوبکر سے کہا۔ "منگولوں کا اگلا قدم عراق کے اندر ہوگا لیکن میں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ میں عراق میں داخل ہونے والے پاؤں توڑ دوں گا۔"

شہزادے نے جواب دیا۔ "میں بھی یہی چاہتا ہوں مگر میں اس کی پوری ذمے داری نہیں لے سکتا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ امیر المومنین سے بات کرلی جائے۔"

سلطان ایبک کو اس کا تلخ تجربہ ہوچکا تھا۔ اس نے صاف انکار کردیا۔ "میں امیر المومنین کے پاس نہیں جاؤں گا کیونکہ میں ایک بار شرمندگی اٹھا چکا ہوں۔"

سلیمان شاہ ترکمان نے یہ ذمے داری قبول کرلی۔ وہ امیر المومنین سے فیصلہ کن بات کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ "میں امیر المومنین سے بات کرنے کو تیار ہوں مگر میں اپنے ساتھ دروداغ کو بھی لے جانا چاہتا ہوں۔"

شہزادے نے جواب دیا۔ "لیکن دروداغ کو امیر المومنین نے اس بات کا پابند کردیا ہے کہ وہ جب تک اسے طلب نہ کریں، وہ ان کے پاس نہیں جائے گا۔"

سلیمان شاہ ترکمان نے کہا۔ "شہزادے! آپ امیر المومنین سے ملاقات کا وقت تو لیں اور انہیں یہ بتادیں کہ میں یہ ملاقات دروداغ کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔"

شہزادہ کئی دن تک اس ملاقات کے اہتمام میں لگا رہا لیکن خلیفہ نے وقت نہیں دیا۔ سلیمان شاہ ترکمان نے ادھر سے مایوس ہوکر موصل کا رخ کیا۔ موصل کا حکمران بدرالدین لولو اس کا گہرا دوست تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ منگولوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنایا جائے لیکن یہ ملاقات بھی خلیفہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کی اجازت اور منظوری کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی۔
اسی دوران ابن علقمی بیمار پڑ گیا۔ خلیفہ نے سلیمان شاہ اور درداغ کو ملاقات کی اجازت دے دی اور یہ حکم بھی دیا کہ اس ملاقات میں عزالدین کرد، سلطان ایبک اور شہزادہ ابوبکر بھی موجود رہیں چنانچہ رات کے سناٹے میں شہزادہ ابوبکر، سلطان ایبک، سلیمان شاہ، عزالدین کرد اور درداغ خلیفہ کے محل میں پہنچ گئے۔ خلیفہ نے اس ملاقات کا اہتمام محل کے پائیں باغ میں کیا تھا۔ اس میں دنیا بھر کے درخت لگائے گئے تھے۔ ان رنگا رنگ درختوں میں کھجور کے درخت اجنبی اجنبی سے لگتے تھے۔ خلیفہ نے یہاں کے سبزہ زار پر کرسیاں بچھوا دی تھیں۔ مہمانوں کی ضیافت کے لیے ایک تخت پر خشک و تر میوے اور مشروبات رکھ دیے گئے تھے۔ خلیفہ کے خاص خدمت گار سفید کپڑوں میں ملبوس بڑے بڑے رومال کاندھوں پر ڈالے جگہ جگہ ایستادہ تھے۔
جب ان پانچوں مہمانوں کو یہاں پہنچایا گیا تو شہزادے کے علاوہ چاروں پر رعب خلافت طاری ہو چکا تھا۔ یہاں خلیفہ ایک زرتار منقش کرسی پر یوں بیٹھا تھا کہ اگر اس کو کرسی کی پشت سے دیکھا جاتا تو خلیفہ نظر ہی نہ آتا۔ سارے مہمان خلیفہ کے روبرو مودب کھڑے ہو گئے۔ خلیفہ نے شہزادے کو اپنے پاس بلایا اور اس کو آہستہ آہستہ سمجھانے لگا۔ ''ولی عہد خلافت! میں تیری خواہش اور درخواست کے لحاظ سے ان سے ملاقات کرنے پر آمادہ ہو گیا ہوں۔ ان کو سمجھا دو کہ یہ یہاں نزاعی مسائل پر ہرگز بات نہ کریں کیونکہ ابن علقمی کی عدم موجودگی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کو ان باتوں کا علم ہی نہ ہوگا...''
شہزادے نے عرض کیا۔ ''امیر المومنین نزاعی مسائل کا کیا مطلب لیتے ہیں؟ ہمیں نہیں معلوم لیکن اس عاجز کی ناقص عقل کے مطابق یہاں جو بات ہوگی، وہ کسی نہ کسی طرح نزاعی ضرور ہوگی۔''
خلیفہ نے برہمی کا اظہار کیا۔ ''میں نے ہمیشہ ابن علقمی کے مقابلے میں تیری طرفداری کی ہے لیکن کیا اب یہ ممکن نہیں ہے کہ تم ابن علقمی سے مفاہمت کر لو؟''
شہزادے نے عرض کیا۔ ''کیا خیر اور شر میں مفاہمت ہو سکتی ہے...... نیکی اور بدی میں سمجھوتا ممکن ہے؟ کیا زہر اور تریاق یکجا رہ سکتے ہیں؟ کیا معصومیت اور معصیت کا ملاپ ممکن ہے؟''
خلیفہ عاجز آ گیا۔ ''تو حد درجہ منطقی ہے اور ہمیشہ اپنے دلائل اور براہین سے لاجواب کر دیتا ہے لیکن پھر بھی تو انہیں سمجھا دے کہ وہ یہاں ایسی باتیں نہ کریں جو بعد میں فتنہ و فساد کا سبب بن جائیں۔''
شہزادے نے خلیفہ سے باتیں کرنے کے بعد اپنے ساتھیوں کو محتاط اور مفید باتیں کرنے کا مشورہ دیا اور خود بھی اس گفتگو میں شریک اور معاون و مددگار رہا۔
گفت و شنید سے پہلے خلیفہ کے ایما پر کھانے پینے کا سلسلہ جاری رہا، بعد میں بات چیت شروع ہوئی۔
سلیمان شاہ ترکمان نے گفتگو کا آغاز کیا۔ ''امیر المومنین! اپنی گفتگو شروع کرنے سے پہلے میں اپنے بارے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ امیر المومنین کی نظر میں کیسا ہوں؟ غدار یا وفادار؟ جاں نثار یا ریا شعار؟ بہادر یا بزدل؟ با تدبیر یا بے تدبیر؟''
خلیفہ نے جواب دیا۔ ''تیرا کردار ہمیشہ بے داغ رہا ہے اور کوئی بھی شخص تجھ پر شک و شبے کا اظہار نہیں کر سکتا۔''
سلیمان شاہ کا انداز گفتگو ہر ایک کو بہت پسند آ رہا تھا۔ ان کے چہروں پر تازگی اور مسکراہٹ نمایاں ہو چکی تھی۔
سلیمان شاہ نے عرض کیا۔ ''درداغ تو ہم میں نیا ہے لیکن میرے بقیہ ساتھی بھی میرے ہی جیسے ہیں، شک و شبے سے بالا، وفادار، جاں نثار، بہادر جری اور قابل اعتبار۔ رہ گیا درداغ تو یہ بھی ہمارے ہی جیسا ہے اور ہم اس پر اتنا ہی اور ویسا ہی اعتبار کر سکتے ہیں جتنا اور جیسا اپنے ان ساتھیوں پر کر سکتے ہیں۔''
خلیفہ، سلیمان شاہ کے ساحرانہ طرز تخاطب کا شکار ہو چکا تھا، بولا۔ ''تو کہنا کیا چاہتا ہے؟''
سلیمان شاہ نے کہا۔ ''امیر المومنین! اسلام اور مسلمان سخت خطرے میں ہیں، اگر اس وقت کو ہم نے ضائع کر دیا تو وہ وقت زیادہ دور نہیں ہے کہ وقت ہمیں ضائع کر دے۔ امیر المومنین! آپ دوستوں اور دشمنوں کو ایک ہی صف میں نہ کھڑا کیجیے۔ انہیں پہچانیے اور جو جس کی جگہ ہے، اس کو وہیں پہنچا دیجیے۔ زمانہ کسی کا دوست یا کسی کا دشمن نہیں، تغافل اور تامل سے کام نہ لیجیے کیونکہ......''
خلیفہ نے کہا۔ ''مگر تو چاہتا کیا ہے، یہ تو بتا؟''
سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ''منگول ہماری سرحدوں پر کھڑے دستک دے رہے ہیں اور وہ جاننے کی فکر میں ہیں کہ ہم کس حد تک غافل ہوئے ہیں۔''
خلیفہ نے کہا۔ ''اگر ایسی کوئی بات ہے تو اس کی ذمے داری مجھ سے زیادہ تم لوگوں پر عائد ہوتی ہے کیونکہ سرحدوں کی حفاظت کی ذمے داریاں تمہارے سپرد کی گئی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہیں۔ اگر ہمارے دروں پر کوئی دستک دے رہا ہے تو تم انہیں بتا دو کہ تم سوئے ہوئے نہیں، بیدار ہو۔"

سلیمان شاہ بے اختیار بول اٹھا۔ "خدا امیر المومنین سے راضی رہے، میں یہی اجازت حاصل کرنے آیا تھا۔"

خلیفہ گھبرایا ہوا تھا، بولا۔ "مگر اس کا خیال رہے کہ ہلاکو خان اور اس کے شیطانی لشکر کو نہ چھیڑا جائے۔"

سلطان ایبک نے کچھ کہنے کی اجازت طلب کی مگر سلیمان شاہ نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو خاموش کر دیا، بولا۔ "پہلے میں باتیں کرلوں، اس کے بعد آپ لوگ بھی جو چاہیں گے کہہ سن لیں گے۔"

خلیفہ نے مزید کہا۔ "ہم امن پسند ہیں اور لڑائی جھگڑے سے دور رہنا چاہتے ہیں۔"

سلیمان شاہ نے عرض کیا۔ "امیر المومنین! بیشک ہم امن پسند ہیں اور کسی بھی شر پسند کو ہم یہ اجازت نہیں دیں گے کہ ہمارے امن وسکون کو برباد کردے۔ چنانچہ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کی اجازت اور منظوری کے بعد اپنے دشمنوں پر یہ واضح کردیں کہ ہم تر نوالہ نہیں ہیں اور ہمارے دارالضرب میں سکّے ہی نہیں تلواریں بھی ڈھلتی ہیں۔"

خلیفہ خوفزدہ نظر آرہا تھا۔ "تو گویا تو نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ کچھار سے شیر کو باہر لے آئے اور سوئے ہوئے فتنوں کو بیدار کردے۔"

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ "امیر المومنین! ہماری سرحدوں پر جمع ہونے والے دشمن ضرور یہ کوشش کررہے ہیں کہ کچھار سے شیروں کو باہر لے آئیں اور سوئے ہوئے غازیوں کو بیدار کردیں۔"

سلطان عزالدین اور سلطان ایبک کے منہ سے بے ساختہ، سبحان اللہ، جزاک اللہ نکل گیا۔

خلیفہ ناراض ہوگیا، برہمی سے کہا۔ "لیکن میں اس تعلّی کو پسند نہیں کرتا۔ تم لوگوں نے شاید فیصلہ کرلیا ہے کہ مجھے تباہ وبرباد کردو۔"

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ "امیر المومنین! یہ فیصلہ میں نے یا میرے ساتھیوں نے ہرگز نہیں کیا۔ یہ تو ابن علقمی کا فیصلہ ہے کہ ہلاکو خان کی مدد سے خلافتِ عباسیہ کو برباد کرکے خلافتِ علویہ کی بنیاد رکھی جائے۔"

خلیفہ نے شہزادے کی طرف دیکھا۔ "کیا میں نے تجھ کو منع نہیں کردیا تھا کہ یہاں ابن علقمی کے حوالے سے کوئی بات نہ کی جائے؟"

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ "امیر المومنین! ہم اس کا ذکر کرنے پر مجبور ہیں۔ وہ غداروں کا سرخیل اور غداری کی علامت ہے۔ ابن علقمی محض ایک شخص، ایک نام ہی نہیں، غداری اور غداروں کا ایک عہد ہے، جب تک یہ یہاں موجود ہے ہم اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔"

خلیفہ نے سلیمان شاہ کو بات کرنے سے روک دیا، بولا۔ "سلیمان شاہ! میں نے تیری باتیں سن لیں، اب تو چپ ہوجا۔" اس کے بعد وہ سلطان ایبک سے مخاطب ہوا۔ "ہاں تو کیا کہنا چاہتا ہے؟"

سلطان ایبک نے کہا۔ "امیر المومنین! سننے میں آیا ہے کہ ہلاکو خان بغداد کے لیے چل چکا ہے، ہمیں اس کو روکنے کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "یہ مسئلہ ہمارا ہے، ابن علقمی سے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ اس کے لیے کچھ کرے۔ آئندہ اس سلسلے میں ساری باتیں ابن علقمی سے کی جائیں۔"

عزالدین نے زیرلب کہا۔ "اناللہ وانا الیہ راجعون۔"

سلیمان شاہ نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ "افسوس کہ میں نے اپنی ساری صلاحیتیں اور جملہ طاقتِ لسانی ضائع کردی۔ چلو، واپس چلیں، شاید خدا کو یہی منظور ہے کہ ہم اپنی غفلت وبے حسی کی سزا بھگتیں۔"

شہزادے نے بڑے کرب سے کہا۔ "امیر المومنین! انہیں مایوس نہ کیجیے۔"

سلیمان شاہ نے کہا۔ "شہزادے! واپس چلیے ہم خلیفہ سے نہیں، قصرِ خلافت کی دیواروں سے مخاطب تھے۔"

خلیفہ نے برہم ہوکر کہا۔ "واللہ اگر مجھے تمہاری وفاداری کا پاس نہ ہوتا تو میں تمہیں ذلیل وخوار کرکے قتل کرادیتا۔"

شہزادے نے سلیمان شاہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "خدا کے لیے جذباتی نہ بنیے اور ضبط وتحمل سے کام لیجیے۔"

خلیفہ نے کہا۔ "شہزادے! میں ضبط وتحمل سے کام لے رہا ہوں ورنہ تو سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت یہاں کا منظر کیا ہوتا۔"

سلیمان شاہ کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ بولا۔ "شاید موت ہمارا مقدر بن چکی ہے، اگر امیر المومنین معاف فرمادیں گے تو ہلاکو خان ہمیں قتل کرا دے گا۔"

خلیفہ کو سلیمان شاہ پر رحم آگیا، پوچھا۔ "آخر تو چاہتا کیا ہے؟"

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ "امیر المومنین! میں اور میرے ساتھی ذلت کی موت نہیں مرنا چاہتے، ہمیں جہاد کی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اجازت دی جائے۔"

خلیفہ نے پوچھا۔ "کیا تمہیں اپنی کامیابی کا یقین ہے؟"

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ "ہمیں اپنی کامیابی کا یقین ہے اور بفرضِ محال اگر ہم ناکام رہے تو ہم شہیدوں میں جگہ پائیں گے اور اس وقت آپ ہمیں خلافت کا باغی کہہ کر ہلاکو خان سے صلح کرلیں گے۔"

خلیفہ نے کچھ دیر خاموش رہ کر سلیمان شاہ کی پیشکش پر غور کیا اور پوچھا۔ "اگر میں جہاد کی اجازت دے دوں تو تم اپنا کام کس طرح شروع کرو گے؟"

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ "ہم اپنے ملک کی سرحدوں پر موجود منگولوں کو للکاریں گے اور اگر اللہ نے چاہا تو انہیں قتل یا منتشر کردیں گے۔"

خلیفہ نے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ موصل کے فرماں روا بدرالدین سے تیری گہری دوستی ہے، کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ منگولوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے پہلے تو ایک بار بدرالدین سے ملاقات کرلے اور اس کو بھی منگولوں کے خلاف اپنے اتحاد میں شامل کرلے۔"

سلیمان شاہ نے کہا۔ "امیرالمومنین کے مشورے کی میں قدر کرتا ہوں۔ ویسے مجھے یقین نہیں ہے کہ بدرالدین ہمارا ساتھ دے کیونکہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ بدرالدین کو ہلاکو خان نے اس علاقے میں اپنے مفادات کا نگراں اور مشاہد مقرر کیا ہے۔"

خلیفہ ایک بار پھر لرز گیا، بولا۔ "اگر یہ بات ہے تو میں پھر یہی کہوں گا کہ جو کچھ بھی کرو، سوچ سمجھ کر کرو۔"

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ "ویسے میں نے اپنے طور پر یہ فیصلہ کیا ہے کہ درداغ کو لے کر موصل جاؤں اور بدرالدین کو منگولوں کے خلاف محاذ آرائی میں شامل کرلوں۔ خدا کرے میری باتیں اس کی سمجھ میں آجائیں۔"

خلیفہ کا دل دھکڑ پکڑ کر رہا تھا، بولا۔ "سلیمان شاہ! میں نے تم لوگوں کو جہاد کی اجازت ذاتی طور پر دی ہے اس کا خلافت اور احکاماتِ خلافت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سب کچھ صیغۂ راز میں رہے گا۔"

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ "آپ مطمئن رہیں، سب کچھ صیغۂ راز میں رہے گا۔"

جب وہ سب چلنے لگے تو خلیفہ نے درداغ سے پوچھا۔ "وہ تیری علیہ کا کیا بنا؟ میں نے تو تیرا کام کردیا تھا۔"

درداغ نے جواب دیا۔ "امیرالمومنین! انسان کی بدنصیبی اس کے ساتھ رہتی ہے۔ وہ درخواست گزار آج تک پلٹ کر نہیں آیا۔ اب میں اس کو کہاں تلاش کروں؟"

خلیفہ نے کہا۔ "جہاں کہیں بھی ملے، اس کو تلاش کرکے حاصل کرلے ورنہ زندگی بھر روتا رہے گا۔"

یہ لوگ پُرامید اور خوش خوش قصرِ خلافت سے نکلے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ سلیمان شاہ نے تیاریاں شروع کردیں۔ عزالدین کرد اور سلطان ایبک بھی مستعد اور تیار بیٹھے تھے۔

☆☆☆

اب درداغ کا زیادہ وقت سلیمان شاہ کے ساتھ گزرنے لگا۔ وہ موصل جانے کی تیاری کررہا تھا۔ سلیمان شاہ نے سپاہیوں کا ایک دستہ لیا اور درداغ کے ساتھ موصل روانہ ہوگیا۔ راستے میں دورانِ گفتگو سلیمان شاہ نے کہا۔ "درداغ! بدرالدین میرا جگری دوست ہے، اے کاش وہ میرا ہم خیال بھی ہوجائے۔"

درداغ نے جواب دیا۔ "جنابِ والا! میں کئی ملاقاتیں بدرالدین سے کرچکا ہوں۔ وہ منگولوں کا دبیل ہے، ہلاکو خان سے ڈرتا ہے، وہ آپ کا ساتھ نہیں دے گا۔"

سلیمان شاہ نے بے نیازی سے کہا۔ "نہ دے میرا ساتھ۔ دوست پہچانا تو جائے گا۔"

بدرالدین نے سلیمان شاہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس نے اپنے دوست سلیمان شاہ کے لیے اپنی آنکھیں بچھادیں اور قیام کے لیے ایک شاندار محل پیش کیا۔ اس محل میں آسائشِ زندگی کا سارا سامان موجود تھا، وہ مشروب جنہیں علمائے عراق نے حلال قرار دیا تھا اور وہ کنیزیں جو قفقاز اور ہنگری سے لائی گئی تھیں لیکن سلیمان شاہ کو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس نے کہا۔ "بدرالدین! تو میرا دوست ہے اور آج میں اپنے دوست کی دوستی آزمانے آیا ہوں۔"

بدرالدین نے پوچھا۔ "امیرالمومنین خیریت سے تو ہیں؟ کیا انہیں کوئی مزید طائفہ درکار ہے؟"

جب بدرالدین یہ کہہ رہا تھا تو اس کی نظریں درداغ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور درداغ شرم سے گڑا جارہا تھا، اس نے اپنا سر جھکالیا۔

سلیمان شاہ نے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ تم نے ہلاکو خان کو منجنیقیں فراہم کی تھیں؟"

بدرالدین نے جواب دیا۔ "ہاں مگر کیوں؟" اس نے درداغ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ اس کے سامنے کی تو بات ہے۔"

سلیمان شاہ نے کہا۔ "تم نے ہلاکو خان کو منجنیقیں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

دے کر اچھا کام نہیں کیا۔"

بدرالدین نے جواب دیا۔ "سلیمان شاہ میرے دوست! میں مراغہ اور بغداد کے بیچ میں رہتا ہوں، دو پاٹوں کے درمیان...... چکیوں کے دو پاٹوں کے درمیان، میں نہ تو امیرالمومنین کو ناراض کرسکتا ہوں اور نہ ہی ہلاکو خان کو۔ ہلاکو خان میرا دوست ہے اور میں اس کی دشمنی سے ڈرتا ہوں۔"

سلیمان شاہ کا دل ڈوبنے لگا۔ "بدرالدین! یہ تم کہہ رہے ہو؟ یعنی تم؟"

بدرالدین نے جواب دیا۔ "ہاں، یہ میں کہہ رہا ہوں۔ کیا میں کوئی غلط بات کہہ گیا ہوں؟"

سلیمان شاہ نے پژمردگی سے کہا۔ "جب ہلاکو خان تیرا دوست بن چکا ہے تو اب میں کیا بات کروں؟"

بدرالدین نے دیکھا کہ سلیمان شاہ اچانک تم سے تو پر آچکا ہے۔ پوچھا۔ "مگر سلیمان شاہ بات کیا ہے؟ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

سلیمان شاہ نے سر جھکالیا۔ مایوسی سے جواب دیا۔ "اب میں کیا کہوں گا، اب کہنے کے لیے رہ کیا گیا ہے؟"

بدرالدین نے کہا۔ "پھر بھی۔ تم کسی مقصد ہی سے تو آئے ہوگے میرے پاس؟"

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ "بدرالدین! میں دیکھتا ہوں صحرائے گوبی کی وحشی قوم نے متمدن اقوام کو خاک میں ملا کر رکھ دیا ہے، بدرالدین! میں یہ چاہتا ہوں کہ جب تاریخیں لکھی جائیں تو اس میں میرا ذکر ان گمناموں میں نہ کیا جائے جو مزاحمت کے بغیر ہی اس سیلاب میں خس وخاشاک کی طرح بہہ گئے۔ میں اس سیلاب کے سامنے پشتہ کھڑا کردینا چاہتا ہوں۔"

بدرالدین نے پوچھا۔ "اگر اس سیلاب کے سامنے تم پشتہ کھڑا کرنا چاہتے ہو تو میرے پاس کیوں آئے ہو؟ جاؤ کھڑا کرو پشتہ، باندھو بند اور پھر اس ریلے میں خود بھی نابود ہوجاؤ۔"

سلیمان شاہ کو بدرالدین سے اس قسم کی گفتگو کی توقع نہیں تھی، کہا۔ "میں چاہتا تھا اس کارِخیر میں تیرا نام بھی شامل کرلوں۔"

بدرالدین نے جواب دیا۔ "سلیمان شاہ! میں پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں لیکن سیاست وسیادت سے خوب واقف ہوں اس لیے میرا یہ مشورہ ہے کہ تم اپنی خام خیالی سے باز آجاؤ۔"

سلیمان شاہ نے کہا۔ "شکریہ، اب میں واپس چلا جاؤں گا۔"

بدرالدین نے سلیمان شاہ کو سمجھانا چاہا۔ "کیا تم نے بغداد میں یہ نہیں دیکھا کہ وہاں مسلمانوں کے دو فرقے آپس ہی میں دست بہ گریباں ہیں اور شہر کے نصاریٰ ہلاکو خان کے خیرخواہ ہیں، امیرالمومنین میں تاب مزاحمت نہیں۔ فوج کا دوتہائی حصہ نکالا جاچکا ہے پھر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ تم ہلاکو خان کا کس طرح مقابلہ کروگے؟ وحشی مگر مطیع وفرماں بردار، منگول عذابِ الٰہی ہیں، تم اس عذابِ الٰہی سے کس طرح جنگ کروگے؟"

سلیمان شاہ نے نہایت نرمی سے کہا۔ "اچھا دوست! میں آج کی رات یہیں رہوں گا مگر کل واپس چلا جاؤں گا۔"

بدرالدین نے جواب دیا۔ "تم میرے دوست ہو سلیمان شاہ! جب تک تمہارا دل چاہے میرے پاس رہو مگر میری ایک درخواست ضرور ذہن نشین رہے۔"

سلیمان شاہ سوالیہ نظروں سے بدرالدین کو دیکھنے لگا۔

بدرالدین نے کہا۔ "آئندہ ہلاکو خان کا ذکر نہیں ہوگا کیونکہ میں اس کا حلیف بن چکا ہوں۔"

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ "جب میں یہاں موجود ہی نہ ہوں گا تو ہلاکو خان کی تجھ سے بات کون کرے گا؟"

بدرالدین دوسری باتیں کرنے لگا، اس نے درداغ سے پوچھا۔ "سادہ لوح منگول! میں حیران ہوں کہ تو نے اس نامساعد اور غیر یقینی ماحول میں کیا دیکھا جو اپنے مرکز سے کٹ کر بغداد کا ہو رہا۔ میرا خیال ہے تیرا انجام اہالیانِ بغداد سے مختلف اور زیادہ بھیانک ہوگا۔"

سلیمان شاہ نے بدرالدین کو تندوتیز نظروں سے دیکھ کر جھڑک دیا۔ "بدرالدین! تم درداغ کو دل برداشتہ نہ کرو۔ بس یہی چند لوگ تو میرا سہارا ہیں اور تم ان سہاروں کو بھی مجھ سے برگشتہ کررہے ہو؟"

بدرالدین جانے لگا، بولا۔ "اچھا پھر میں چلا۔ اب تم آرام کرو۔ حالات کی تلخی اور ناکامیوں کے احساس نے تم کو چڑچڑا کردیا ہے۔ خدا تم پر رحم کرے، اب کل ملاقات ہوگی۔"

سلیمان شاہ کو ساری رات نیند نہیں آئی، بدرالدین کے لذیذ کھانوں، اعلیٰ مشروبوں اور حسین وجمیل کنیزوں نے ذرا بھی متاثر یا مائل نہیں کیا۔ فجر کی نماز پڑھ کے اس نے بدرالدین سے اجازت لی اور بغداد واپس ہوا۔

بدرالدین نے الوداع کہتے ہوئے پیشکش کی۔ "اگر کبھی بھی ہلاکو سے دوستی کرنے کا خیال آئے تو مجھے نہ بھول

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

جانا۔ میں تمہاری پیشکش کا انتظار کروں گا۔‘‘
واپسی میں سلیمان شاہ سے بولا نہیں جا رہا تھا، اس نے درداغ سے کہا۔ ’’حالات، وقت اور قسمت میرا ساتھ نہیں دے رہے ہیں لیکن میں بھی ان کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔ میں منگولوں سے مقابلہ کروں گا، خواہ مجھے تن تنہا مقابلہ کرنا پڑے۔‘‘
درداغ نے مشورہ دیا۔ ’’اگر بغداد میں مقابلہ دشوار ہو جائے، تو مصر چلے چلیے کیونکہ وہاں تازہ دم فوج تو مل جائے گی۔‘‘
سلیمان شاہ نے درداغ کو حیرت سے دیکھا۔ ’’تو تیری ہمت بھی جواب دے گئی۔ تو بھی بغداد چھوڑ کر بھاگنا چاہتا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ تو مصر جا سکتا ہے لیکن میں نہیں جا سکتا۔ میں تقدیرِ الٰہی سے نہیں بھاگ سکتا۔‘‘
درداغ نے جواب دیا۔ ’’میں تقدیرِ الٰہی سے تقدیرِ الٰہی کی طرف بھاگوں گا۔‘‘
جب یہ دونوں بغداد کے مغربی دروازے سے داخل ہوئے تو انہیں نسطوری عیسائیوں کی آبادی میں ابن علقمی نظر آیا۔ وہ جاثلیق نامی ایک نسطوری سے ایک درخت کے سائے تلے مصروفِ گفتگو تھا۔ سلیمان شاہ جاثلیق سے اچھی طرح واقف تھا اور اس شخص کی بابت وہ یہ بھی سن چکا تھا کہ وہ کئی بار ہلاکو خان کی بیوی دوقوز سے شرفِ ملاقات حاصل کر چکا ہے۔
ابن علقمی نے بھی ان دونوں کو آتے ہوئے دیکھ لیا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے ان دونوں کو اپنے پاس بلایا۔ سلیمان شاہ منہ بناتا ہوا چلا گیا۔ درداغ دور ہی کھڑا ہو گیا۔
ابن علقمی نے جاثلیق سے کہا۔ ’’جاثلیق! یہ ہے خلافت عباسیہ کا وفادار بہادر سلیمان شاہ ترکمان۔ اس کو پہچان لو، شاید کہیں اور ملاقات ہو جائے۔‘‘ پھر سلیمان شاہ سے کہا۔ ’’اور یہ نسطوری فرقے کے معزز مسیحی جاثلیق۔ میں ان کے ذریعے ہلاکو خان سے تعلقات قائم کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میرا خیال ہے کہ دوستی دشمنی سے بہتر ہے۔‘‘
سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ’’آپ کی دوستی تو بہت پہلے سے قائم ہو چکی ہے، اب یہ کس دوستی کی بات ہو رہی ہے؟‘‘
جاثلیق نے سلیمان شاہ کو ذرا غور سے دیکھا۔ ابن علقمی نے کہا۔ ’’دوست جاثلیق! یہ دل کے بہت اچھے ہیں مگر ان کی زبان ذرا تلخ اور ترش ہے، اس کا کچھ خیال نہ کرنا۔‘‘
جاثلیق نے جواب دیا۔ ’’میں حیران ہوں کہ بغداد کے ذمے دار لوگ مدہوش کیوں ہیں۔ جہاں ہوش کی ضرورت ہے، وہاں جوش سے کام لے رہے ہیں۔ بہر حال امیر المومنین کو مشورہ دیجیے کہ وہ اپنے نادان دوستوں اور کوتاہ اندیش ہمدردوں سے ہوشیار رہیں۔‘‘
ابن علقمی نے درداغ کو قریب بلایا اور کہا۔ ’’تو نے اسلام قبول کر لیا تیرے لیے یہی کافی ہے۔ اب تو بغداد کی سیاست میں ہرگز نہ پڑ۔ میں تجھ کو جتنا سرگرم دیکھ رہا ہوں، وہ نہ تو تیرے لیے اچھا ہے نہ بغداد کے لیے۔ تجھ کو بغداد چھوڑ کر کہیں اور چلا جانا چاہیے۔‘‘
درداغ نے جواب دیا۔ ’’میں مسلمان ہو کر مسلمانوں کا بھائی بن گیا ہوں اس لیے ابھی میں بغداد ہی میں رہوں گا۔ جب میں یہ دیکھوں گا کہ اب بغداد میں میری ضرورت نہیں رہی، کہیں اور چلا جاؤں گا۔‘‘
سلیمان شاہ نے درداغ سے کہا۔ ’’تو کس سے بات کرنے لگا؟ غداروں سے! ان کے سائے سے بھی بچ کے رہنا چاہیے۔‘‘
ابن علقمی دانت پیس کے رہ گیا۔ جاثلیق سے شکایتاً کہا۔ ’’افسوس کہ شہزادہ ابوبکر نے ان لوگوں کا دماغ خراب کر رکھا ہے، ورنہ میں انہیں ایسی سزا دیتا کہ......‘‘
جاثلیق نے ابن علقمی کو تسلی دی۔ ’’وزیر محترم! آپ غم نہ کریں، وہ دن دور نہیں جب آپ ہی عقلمند اور کامیاب قرار پائیں گے۔‘‘
سلیمان شاہ درداغ کے ساتھ شہزادے کے پاس پہنچا۔ وہیں عزالدین کرد اور سلطان ایبک کو بھی بلوا لیا گیا اور انہیں اپنی مہم کی ناکامی کی افسوسناک اطلاع دے دی گئی۔ اس اطلاع نے ان سب کو بہت افسردہ کر دیا مگر سلیمان شاہ اب بھی مایوس نہیں تھا، اس نے اپنے ساتھیوں کو مطلع کیا۔
’’بہر حال، میں اب بھی اپنے اس فیصلے پر قائم ہوں کہ عراق کی سرحدوں پر موجود منگول سپاہ کی سرکوبی کی جائے گی اور انہیں بغداد میں نہیں داخل ہونے دیا جائے گا۔‘‘
سلیمان شاہ نے اپنے دوستوں سے ابن علقمی اور جاثلیق سے ملاقات اور باہمی تلخ کلامیوں کا ذکر بھی کر دیا۔ اس اطلاع نے سبھی کو اور زیادہ فکرمند کر دیا کیونکہ اس بارے میں ہر کوئی یہی رائے قائم کر رہا تھا کہ ابن علقمی، ہلاکو سے جو رابطہ قائم کیے ہوئے ہے شاید اس میں جاثلیق کو کوئی خاص اہمیت حاصل ہے۔
سب سے آخر میں یہ بات زیر بحث آئی کہ ان باتوں کو امیر المومنین کے گوش گزار کیا جائے یا نہیں؟ ہر ایک نے اس تجویز کی مخالفت کی کیونکہ ان میں خطرات ہی خطرات

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

تھے۔ بدرالدین کی اطلاع امیر المومنین کو اختلاج قلب میں مبتلا کرسکتی تھی۔

شہزادے نے کہا۔ ”سلیمان شاہ! میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ جائیے اور منگولوں سے نبرد آزما ہو جائیے۔“

سلیمان شاہ اور مجاہدالدین ایک خاموشی سے اپنی افواج میں چلے گئے اور اسے منگولوں سے مقابلے کے لیے تیار کرنے لگے، لیکن درداغ کو شہزادے نے اپنے ساتھ رکھا جبکہ درداغ عراق کی سرحدوں پر چلا جانا چاہتا تھا کیونکہ اب اس کی زندگی میں کوئی دلکشی نہیں رہ گئی تھی۔ شہزادہ اس کو لے کر اپنے محل میں چلا گیا۔ دونوں نے ایک ساتھ کھانا کھایا اور مستقبل کے منصوبے بنانے لگے۔

درداغ نے ایک بار پھر کوشش کی کہ اس کو عراق کی سرحدوں پر جانے کی اجازت دے دی جائے لیکن شہزادے نے ٹال مٹول سے کام لیا، بولا۔

”درداغ! ہم شرمندہ ہیں کہ تُو نے اسلام قبول کرنے کے بعد شاید ایک دن بھی سکون کا نہیں گزارا۔ ہم دونوں زندگی کے جس موڑ پر ملے ہیں، وہاں اضطراب اور انتشار کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ تجھ کو ہمدرد بھی ملا تو استاد شمس الدین جیسا تاجر، تو نے محبت بھی کی تو ایک ایسی لڑکی سے جو تجھے قیمتاً مل سکتی تھی مگر تیرے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ تو علیہ کو حاصل کرلیتا۔ پھر تو میرے پلے پڑ گیا اور میں نے تجھے ایسا مصروف کردیا کہ تجھ کو کسی بات کا ہوش ہی نہ رہا۔“

درداغ نے جواب دیا۔ ”شہزادے! اب گئی گزری باتوں کا ذکر نہ کیجیے، اسی لیے میں سرحدوں پر چلا جانا چاہتا ہوں۔ میں خود کو اتنا مشغول اور معروف رکھنا چاہتا ہوں کہ میں اپنا سب کچھ بھلا دوں۔ براہِ کرم آپ آئندہ استاد شمس الدین اور علیہ کا ذکر نہ کیجیے گا۔“

شہزادہ درداغ کو دیکھتا رہا، پوچھا۔ ”کیا یہ درست ہے کہ تو علیہ کو صرف اس لیے حاصل نہیں کرسکا کہ تیرے پاس آٹھ ہزار دینار نہ تھے؟“

درداغ نے جواب دیا۔ ”شہزادے! میں نے کہہ جو دیا کہ آپ علیہ کا ذکر نہ کیجیے۔“

وہ دونوں جس جگہ بیٹھے تھے، اس حصے کو جالی نما دیواروں نے محل کے اندرونی حصے سے الگ کررکھا تھا۔ درداغ نے جالیوں کے دوسری طرف رنگ برنگے لباسوں میں ملبوس مہ پاروں کو اِدھر اُدھر متحرک دیکھا۔ ان کے قہقہوں اور مترنم ہنسی کی آوازیں کانوں میں رس اور دلوں میں کیف اتار رہی تھیں اور وہ جس ماحول میں بیٹھا تھا، اس میں یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ بغداد اور اہلِ بغداد کسی قیامتِ صغریٰ سے ہمکنار ہونے والے ہیں۔

شہزادے نے کہا۔ ”اگر تو مجھ سے یہ رقم مانگتا تو میں انکار نہ کرتا۔“

درداغ نے جواب دیا۔ ”ان دنوں میں بیمارستان میں داخل تھا۔“ اس نے ایک سرد آہ بھری۔ ”شہزادے! تمام مسلمانوں کی طرح میں بھی قسمت کا قائل ہوچکا ہوں۔ شاید علیہ میری قسمت ہی میں نہیں تھی۔“

شہزادے نے کہا۔ ”درداغ! اگر تو پسند کرے تو میں کسی حسین کنیز کا بندوبست کردوں۔ تو اس کو لے کر مصر چلا جا اور اپنی زندگی سکھ چین سے گزار دے کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تو مسلمان ہونے کے بعد سکون کی سانس تک نہ لے سکے۔“

درداغ نے جواب دیا۔ ”آپ کی پیشکش کا شکریہ شہزادے! اگر میں سرحدوں کی جنگ سے واپس آگیا تو آپ کی پیشکش پر غور کروں گا بشرطیکہ یہ پیشکش اس وقت تک قائم اور برقرار رہی۔“

شہزادے نے پوچھا۔ ”مجھ کو امیر المومنین نے علیہ اور آٹھ ہزار دیناروں کی بابت بتایا تھا، وہ کیا چکر تھا؟“

درداغ نے جواب دیا۔ ”شہزادے! علیہ شاید بغداد ہی میں کہیں موجود ہے کیونکہ اس نے کسی بوڑھے آدمی کے ذریعے امیر المومنین کو یہ درخواست بھیجی تھی کہ جس شخص نے علیہ کو استاد شمس الدین سے خریدا تھا، علیہ سے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ وہ مجھ سے آٹھ ہزار دینار حاصل کرکے علیہ کو میرے حوالے کردے گا۔ امیر المومنین نے ازراہ بندہ پروری اس درخواست پر یہ حکم صادر فرمایا کہ درخواست گزار کو آٹھ ہزار دینار خزانہ عامرہ سے ادا کردیے جائیں اور علیہ درداغ کے حوالے کردی جائے۔“

شہزادے نے بے چینی سے پوچھا۔ ”پھر اس پر عملدرآمد کیوں نہیں ہوا؟“

درداغ نے جواب دیا۔ ”میں درخواست گزار بوڑھے کا انتظار کرتا رہا مگر وہ نہیں آیا۔ ایک دن اتفاق سے وہ مجھے بازار میں مل گیا تھا مگر مجھ کو دیکھتے ہی معلوم نہیں وہ کیوں فرار ہوگیا۔ میں نے اس کو بہت تلاش کیا مگر نہیں پاسکا۔ وائے قسمت، ہائے محرومی۔“

شہزادے نے اس کو تسلی دی۔ ”خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو درداغ! ورنہ میری پیشکش موجود ہے۔“

درداغ نے جواب دیا۔ ”ابھی تو میں اس درخواست گزار کا انتظار کروں گا یا پھر اگر وہ کہیں اتفاقیہ کسی موڑ، بازار

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

یا گلی میں مل گیا تو میں اس کو زبردستی پکڑلوں گا اور اس سے پوچھوں گا کہ تو نے میرے ساتھ یہ مذاق کیوں کیا؟''

شہزادے نے کہا۔ ''ہوسکتا ہے پہلے اس کا یہی ارادہ رہا ہو کہ وہ آٹھ ہزار دینار لے کر علیہ کو تیرے حوالے کر دے گا لیکن بعد میں علیہ کے کیف آور شباب نے خود اس بوڑھے کو مسخر کرلیا ہو اور اس کا ارادہ بدل گیا ہو۔''

درداغ نے بے چینی سے شہزادے کو دیکھا اور پہلو بدل کے بیٹھ گیا۔ ''خدا کرے ایسا نہ ہو۔''

شہزادے نے اس رات درداغ کو اپنی محفلِ خاص میں بیٹھنے کا شرف بخشا۔ جب رات بھیگنے لگی اور ہر طرف گہرا سناٹا طاری ہو گیا تو شہزادے کے محل کا ایک گوشہ بیدار ہو گیا۔ فواکہات اور مشروب سامنے رکھ دیے گئے۔ دنیا کی منتخب حسین لڑکیاں اور عورتیں مسکرا مسکرا کر دلوں کو برمانے اور گرمانے لگیں۔ درداغ کو شہزادے کی زندگی کے اس رخ کا پتا ہی نہ تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ شہزادہ منگولوں کے سلسلے میں جو کچھ کر گزرنا چاہتا ہے، اس میں خلوص اور اسلام کی محبت کو کتنا دخل ہے اور اپنی اس زندگی کی بقا اور تحفظ کا احساس کس حد تک شامل ہے؟

شہزادے نے کھجور کی شراب سے درداغ کی تواضع کی، بولا۔ ''یہ نبیذ ہے میرے دوست! اس کو پی اور ان مہ وشوں میں اپنے غموں کو بھول جا۔''

ایک حسین دبلی پتلی لڑکی خشک میووں کی قاب لے کر درداغ کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ ہاتھ کی قاب درداغ کی طرف بڑھا دی گئی تھی اور نظریں اس کے اپنے پاؤں کے انگوٹھے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''معزز مہمان! نوش فرما کر شکر گزار فرمائیں۔''

درداغ نے تکلف سے کام لیا، بولا۔ ''میں جو کچھ لینا چاہوں گا خود لے لوں گا۔ آپ تکلیف نہ فرمائیں۔''

شہزادے نے دور ہی سے حکم دیا۔ ''درداغ! جو کچھ مل رہا ہے اس سے انکار نہ کر کیونکہ ایسا کرنا کفرانِ نعمت میں شمار کیا جائے گا۔''

درداغ نے جواب دیا۔ ''شہزادے! مجھ کو اجازت دیجیے، میں جانا چاہتا ہوں۔''

شہزادے نے اندر جاتے ہوئے کہا۔ ''میں ابھی آیا۔''

جب وہ چلا گیا تو دبلی پتلی لڑکی نے درداغ کا ہاتھ پکڑ لیا، پوچھا۔ ''منگول مہمان! یہ تکلف کیوں؟ کیا تم لوگ شرمیلے ہوتے ہو؟''

درداغ کا دل ڈانواں ڈول ہونے لگا، وہ اپنا ہاتھ چھڑا نہیں سکا۔ لڑکی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی اور خشک میوہ اپنے ہاتھوں سے درداغ کو کھلانے لگی، بولی۔ ''جوانی میں بڑھاپے یا بچپنے کے انداز زیب نہیں دیتے۔ میں تجھ کو گانا سنانا چاہتی ہوں، میں تجھ کو خوش رکھنا اور خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔''

درداغ نے پوچھا۔ ''مگر مجھ پر یہ مہربانی کیوں؟''

لڑکی نے جواب دیا۔ ''اس وقت تو شہزادے کا مہمان ہے، اس لیے اور کیوں؟''

درداغ لڑکی کے حسین ہاتھوں کا دیا ہوا خشک میوہ کھانے لگا۔ وہ دزدیدہ نظروں سے اس لڑکی کے حسن اور سراپا کا جائزہ لیتا رہا لیکن جیسے ہی لڑکی نے اس کی طرف دیکھا، درداغ مسکرانے لگا اور نظریں چرا گیا۔

لڑکی نے پوچھا۔ ''کوئی گانا سناؤں؟''

درداغ نے جواب دیا۔ ''تو مجبور کرے گی تو تیرا گانا بھی سن لوں گا لیکن یہ شہزادے صاحب کہاں تشریف لے گئے؟''

لڑکی نے کہا۔ ''وہ شاید ابھی نہیں آئیں گے۔''

لیکن لڑکی کا جملہ ابھی پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ شہزادہ دوبارہ آگیا۔

درداغ نے خوشی کا اظہار کیا، بولا۔ ''شہزادے صاحب! میرا دل غمزدہ ہے۔ میں آپ کی خاطر یہاں بیٹھ تو گیا ہوں مگر افسوس کہ میں یہ جو کچھ بھی کر رہا ہوں، اپنے پندار کے خلاف کر رہا ہوں۔''

شہزادہ مسکرایا۔ ''فکر نہ کر درداغ! میرا دل کہہ رہا ہے کہ علیہ تجھے ضرور ملے گی مگر یہ کیا کہ نقد کو ادھار پر قربان کر دیا جائے۔''

دبلی پتلی لڑکی درداغ کے پاس ہی بیٹھ گئی اور گانے لگی۔ اس کا گیت رجائیہ تھا۔

لڑکی نے درداغ کے افسردہ اور مردہ دل میں امنگیں پیدا کر دیں، جینے کا حوصلہ دے دیا۔ اس کو اس لڑکی میں بلا کی دلکشی محسوس ہوئی۔ لڑکی گانے کے بعد گلے کے نیچے کھلے ہوئے دو بٹن لگانے لگی اور اس کے بعد اس نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

درداغ نے پوچھا۔ ''کیا تیرا نام صفیہ ہے؟''

لڑکی نے شوخی سے پوچھا۔ ''ہاں مگر کیوں، کیا تمہیں اس پر کوئی اعتراض ہے؟''

درداغ نے جواب دیا۔ ''مجھے کیوں اعتراض ہونے لگا۔ کیا تو شاعرہ بھی ہے؟''

لڑکی نے اس بار پھر شوخی سے جواب دیا۔ ''ہاں، میں

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

شاعرہ بھی ہوں مگر تمہیں اس پر حیرت کیوں ہے؟"
درداغ نے جواب دیا۔ "میں حیران ہوں کہ بغداد کی لڑکیاں تک شاعری کرلیتی ہیں۔"
لیکن اسی وقت شہزادے نے صفیہ کو آواز دی اور اپنے پاس بلالیا۔ درداغ کا مزہ کرکرا ہوچکا تھا، اسے شہزادے کی حرکت بہت ناگوار گزری۔ صفیہ شہزادے کا دل بہلانے لگی۔ وہ شہزادے کے پاس بھی اپنے شعر سنا رہی تھی۔ درداغ کچھ دیر تو صفیہ کی جدائی برداشت کرتا رہا۔ بار بار یہی جی چاہتا کہ وہ یا تو صفیہ کو آواز دے کر بلالے یا خود بھی وہیں پہنچ جائے لیکن یہ شہزادے کی محفل تھی، یہاں وہ اتنی جسارت نہیں کرسکتا تھا۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر صفیہ ایک بار پھر اس سے نہ ملی تو وہ کیا کرے گا۔
شہزادے نے کچھ دیر تک صفیہ کا اپنا کلام اس کی اپنی سریلی آواز میں سنا۔ اس کے بعد درداغ کو اپنے پاس بلالیا۔ درداغ تو چاہتا ہی یہی تھا، وہ شہزادے سے تین چار ہاتھ دور جا بیٹھا۔ یہاں سے صفیہ نسبتاً زیادہ قریب تھی۔ اس کے شانوں پر بکھری ہوئی زلفیں سیاہ گھٹاؤں کی مستی اور کیف پیدا کررہی تھیں۔ ان بالوں کے اندر سے حد درجہ سرخ و سفید گردن کہکشاں کی طرح روشن تھی۔ درداغ سب کچھ بھول کر صفیہ کے حسن زار میں کھوگیا۔
شہزادے نے اسے کئی آوازیں دیں لیکن وہ نہیں سن سکا۔ آخر ایک کنیز نے درداغ کو جھنجوڑ کر متنبہ کیا کہ کیا وہ سوگیا، اس کو شہزادہ آوازیں دے رہا ہے۔ درداغ چونک کر ندامت کے ساتھ شہزادے کی طرف رجوع ہوگیا۔
شہزادے نے کہا۔ "ذرا اور قریب آجا۔"
درداغ شہزادے سے اور زیادہ قریب ہوگیا۔ شہزادے نے ہاتھ کے اشارے سے بزم کی متحرک اور رقصاں فضا کو منجمد سا کردیا۔ شہزادے نے درداغ سے پوچھا۔ "کیا علیہ، صفیہ سے زیادہ حسین تھی؟"
درداغ نے جواب دیا۔ "شہزادے! میں ان دونوں میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ دونوں ہی اپنی جگہ لاجواب ہیں۔"
شہزادے نے کہا۔ "میں کوشش کررہا ہوں کہ کسی طرح علیہ کو تیرے حوالے کردوں، بس اس کا ملنا شرط ہے۔"
درداغ نے عرض کیا۔ "ویسے مجھ کو صفیہ بھی بہت اچھی لگتی ہے، بخدا اس نے میرے خفتہ ارمانوں میں آگ سی لگا دی ہے۔"
ایک کنیز نے درداغ کے کان میں آہستہ سے کہا۔ "سادہ لوح منگول! یہ شہزادے کی محفل ہے اس لیے زیادہ بے تکلف ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا تونے وہ مثل نہیں سنی کہ گھوڑے کے پیچھے سے ہوشیار رہو اور حاکم کے سامنے سے۔"
شہزادے نے ازراہِ مذاق پوچھا۔ "یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں؟"
کنیز نے جواب دیا۔ "میں اس سادہ لوح نوجوان کو یہ بتا رہی تھی کہ شاہی محفلوں کے آداب کیا ہوتے ہیں۔"
شہزادے نے کہا۔ "میرے چچا کی محفل میں ان کے ایک دوست نے ذرا بے تکلفی کا مظاہرہ کیا تھا۔ چچا نے اپنے دوست کو خوار کرکے اسی وقت اپنی محفل سے نکلوادیا تھا کیونکہ چچا کو اپنی غیرت اور عزت کا ہمیشہ بڑا خیال رہتا تھا۔"
درداغ سمجھ گیا کہ اس طرح شہزادہ کیا کچھ کہہ گیا ہے، وہ محتاط ہوگیا اور صفیہ پر سے اپنی نظریں ہٹالیں۔ درداغ اپنے آپ کو بالکل تنہا اور اکیلا محسوس کررہا تھا، اس کا دل اچاٹ ہوچکا تھا۔
رات کے پچھلے پہر جب محفل برخاست ہوئی تو حساس درداغ گویا کانٹوں پر لوٹ رہا تھا۔ شہزادے نے بقیہ رات گزارنے کے لیے ایک خواب گاہ پیش کردی اور خود محل میں کہیں گم ہوگیا۔ درداغ صبح تک نہیں سوسکا۔ صبح اسے ناشتا مل گیا لیکن شہزادے کا کہیں پتا نہ تھا۔ شہزادہ دوپہر سے ذرا پہلے درداغ کے پاس آیا اور اس کے ساتھ محل سے باہر نکلا۔ جب یہ دونوں اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار سلیمان شاہ ترکمان، عزالدین اور سلطان ایبک کے پاس جانے والے تھے، محل کے دروازے پر وہ بوڑھا ایک بار پھر نظر آیا جو علیہ کا درخواست گزار تھا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ "شہزادے! یہی وہ بوڑھا ہے جو علیہ کی درخواست لے کر آیا تھا۔"
شہزادے نے کہا۔ "پھر پکڑو اسے۔"
درداغ نے آواز دی۔ "بڑے میاں! ذرا رکنا تو۔ اپنی درخواست تو لے لو مجھ سے۔"
بڑے میاں نے ان دونوں کی طرف دیکھا اور بھاگ کر محل کی آڑ میں کہیں گم ہوگئے۔ ان دونوں نے ان کا تعاقب بھی کیا مگر وہ کہیں نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ شہزادے نے کہا۔ "اب تمہیں زیادہ فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے اس بوڑھے کو پہچان لیا ہے۔"
لیکن درداغ یہ چاہتا تھا کہ اس بوڑھے کو اسی وقت تلاش کیا جائے۔ اس نے کہا۔ "شہزادے! اگر یہ بوڑھا اسی وقت مل جائے تو میری ایک پریشانی کم ہوسکتی ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

شہزادے نے جواب دیا۔ ''میرے ساتھی میرا انتظار کر رہے ہوں گے، اب ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ سلیمان شاہ اور اس کے دونوں ساتھی جلد از جلد سرحدوں پر پہنچ جانا چاہتے ہیں۔''

درداغ خاموش ہو گیا۔ سلیمان شاہ، عزالدین کرد اور سلطان ایبک شہزادے کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ فوج تیار تھی کوچ کے لیے۔ درداغ نے بے دلی سے سوچا کہ اسے ان سب کا ساتھ چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ بغداد میں اسے جو کچھ مل رہا تھا، ملنے سے پہلے ہی کھویا جا رہا تھا۔ اس نے یہاں ایک فوج تیار کھڑی دیکھی، تیس پینتیس ہزار گھڑسواروں اور پیادوں پر مشتمل سپاہ، زرہوں اور خودوں میں غرق گھڑسوار اوبچی بنے ہوئے تھے۔ شہزادے نے اس سپاہ کا تقریباً دو گھنٹے تک معائنہ کیا اور فوج کے سرداروں کی ہمت بڑھائی۔ درداغ سوچ رہا تھا کہ دیکھو ان میں سے کتنوں کو واپسی نصیب ہوتی ہے۔

شہزادے نے پوچھا۔ ''درداغ! تو نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ کیا تو بھی اپنی قوم سے جنگ کرنا پسند کرے گا؟''

درداغ نے جواب دیا۔ ''میری خواہش تو یہی ہے کہ سرحدوں پر جا کر میں بھی جہاد میں شریک ہو جاؤں، ویسے آپ لوگوں کے فیصلے میرے سر آنکھوں پر۔ آپ لوگ جو کہیں گے اس پر عمل کرنا میرا ایمان ہوگا۔''

سلیمان شاہ نے عرض کیا۔ ''شہزادے! درداغ کی موجودگی اور ہماری فوج میں شمولیت بہت ضروری ہوگی۔''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''ٹھیک ہے مگر درداغ ابھی میرے ساتھ رہے گا۔''

عزالدین کرد نے پوچھا۔ ''ہم کل صبح منگولوں کے مقابلے پر روانہ ہو جائیں گے، کیا امیر المومنین نے اس کی اجازت مرحمت فرما دی ہے؟''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''وہ میری ذمے داری ہے، آپ جا سکتے ہیں۔''

اونٹوں اور گاڑیوں پر خیمہ و خرگاہ اور سامانِ رسد لادا جا رہا تھا۔ شہزادے نے ان کاموں میں بھی دلچسپی لی اور کئی جگہ سامان لدوانے میں اپنے ہاتھوں کا سہارا دے کر سپاہ کا دل خوش کر دیا۔

شام سے ذرا پہلے سب نے عصر کی نماز ادا کی اور عصر اور مغرب کے درمیان شہزادے نے فوج کے سامنے ایک چھوٹی سی تقریر کی۔ اس نے اپنی تقریر میں کہا۔ ''گو ہمارے وسائل محدود اور سپاہ کم ہے مگر سپاہ میں جوشِ ایمانی بہت زیادہ ہے۔ ہم اپنے طاقتور دشمن کو جوشِ ایمانی سے ضرور شکست دے سکتے ہیں۔''

سلیمان شاہ نے کہا۔ ''ہمارے لیے پہلی بار ایسا نہیں ہو رہا ہے کہ ہم قلیل تعداد کو لے کر طاقتور اور عظیم دشمن سے ٹکر لینے جا رہے ہیں۔ ماضی میں بھی یہی ہوتا رہا ہے، آج بھی ایسا ہو رہا ہے اور مستقبل میں بھی یہی ہوگا۔ ہمیں اپنے رب پر بھروسا کرنا چاہیے۔''

سلطان ایبک نے کہا۔ ''جب ہم قلیل تھے تو صحرائے عرب سے اٹھ کر اقصائے عالم پر چھا گئے۔ اللہ نے چاہا تو ایک بار پھر ایسا ہی ہوگا۔''

ان مختصر تقریروں نے سپاہ میں غضب کا جوش و خروش پیدا کر دیا تھا۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور اونٹوں کی بلبلاہٹ سے پورا میدان گونج رہا تھا۔

شہزادہ اور اس کے ساتھی بہت خوش تھے۔ شام سے ذرا دیر بعد شہزادہ درداغ کو لے کر چھاؤنی کے اس مکان میں چلا گیا جہاں وہ اکثر ٹھہرا کرتا تھا۔ رات کو ایک بار پھر یہ مسئلہ زیرِ غور آیا کہ درداغ کو اس جہاد میں حصہ لینا چاہیے کہ نہیں۔

درداغ نے کہا۔ ''میں خود کو اس مہم میں شامل کر کے بہت خوشی محسوس کروں گا۔''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''لیکن میں تمہیں اس وقت شریکِ مہم کروں گا جب میں یہ دیکھوں گا کہ تمہاری ہمیں اشد ضرورت ہے۔''

درداغ نے کہا۔ ''شہزادے! میں اپنا غم غلط کرنا چاہتا ہوں۔ مجھ کو بھی جہاد میں شامل ہو جانے دیجیے، اگر میں......''

اس کی آواز میں اعتماد تھا، ارادوں کی مضبوطی تھی۔ شہزادے نے پوچھا۔ ''درداغ! کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم جنگ کے میدان کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہو؟''

درداغ نے عرض کیا۔ ''افسوس کہ میں آدابِ شاہی سے کچھ زیادہ واقفیت نہیں رکھتا۔ اب اگر میں آپ کے سوال کا صحیح جواب دوں گا تو اس سے میں کہیں بے جا صاف گوئی کی غلطی نہ کر بیٹھوں۔''

شہزادے نے کہا۔ ''یہ تجھے ہو کیا گیا ہے؟ یہ تو کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے؟''

درداغ نے جواب دیا۔ ''جب میں آپ کے محل میں آپ کی رقاصہ سے محظوظ ہو رہا تھا تو مجھے آپ کی ایک کنیز نے آدابِ شاہی کے نام پر ڈرا سہما رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے بعد میں نے یہ......''

شہزادے نے بات کاٹ دی۔ ''تم صحرا کے خانہ بدوش

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

انسان ہو، شہری اور شاہی آداب کیا جانو۔ اگر تمہیں اس کا ہلکا سا درس دے دیا گیا تو تمہیں برا نہیں ماننا چاہیے۔ میں نے تمہیں عزت دی، مقام دیا اور اپنی قربت اور دوستی کا شرف بخشا۔ تم ان نوازشوں کو تو بھول گئے اور اپنی نام نہاد اہانت کا شکوہ کرنے لگے۔ انسان کو ایسا ناشکرا نہیں ہونا چاہیے۔''

درداغ ایک بار پھر شرمندہ کیا جا چکا تھا۔ شہزادہ خاموش ہوگیا۔ وہ معلوم نہیں کیا کیا سوچ رہا تھا، اس کا سر جھکا ہوا تھا اور چہرے سے ندامت اور افسوس ظاہر ہو رہا تھا۔ پھر اچانک سر اٹھایا اور کہنے لگا۔ ''جب مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ تو مسلمان ہوجانے کے بعد علیہ کے عشق میں مبتلا ہوگیا ہے تو مجھ کو بڑی فکر ہوئی اور دکھ بھی ہوا۔ میں اس کا تجھ سے ذکر کیے بغیر...... خیر چھوڑو ان باتوں کو، میں اب بھی تجھ سے یہی کہوں گا کہ عشق وشق میں کچھ بھی نہیں رکھا۔ اگر تو کہے تو میں علیہ کے بجائے کسی اور لڑکی کا انتظام کردوں، بات ایک ہی ہے علیہ نہ سہی کوئی اور سہی۔ جس کو تو نے اب تک اپنا عشق سمجھ رکھا ہے وہ نوجوانی کا مطالبہ ہے، شباب کا تقاضا ہے۔''

درداغ کے جی میں آئی کہ کہہ دے کہ اگر علیہ نہیں مل رہی تو فی الحال صفیہ ہی عطا کردی جائے لیکن وہ یہ بات اپنی زبان سے اس لیے نہیں کہہ سکا کہ کہیں اس طرح وہ شہزادے کی اہانت کا مرتکب نہ ہوجائے۔

شہزادے نے پوچھا۔ ''تو سوچنے کیا لگا؟''

درداغ نے اٹک اٹک کر کہا۔ ''شہزادے! میں جو کچھ سوچتا ہوں، آداب شاہی کا احساس اور حفظِ مراتب کا خوف کہنے نہیں دیتے۔''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''یہاں آداب شاہی یا حفظِ مراتب کا کیا کام۔ میں انہیں محل کی حدود تک ہی محدود رکھنا چاہتا ہوں۔''

درداغ نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا سچ؟''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''تو میرا دوست ہے...... میرا ہمدرد، میرا غمگسار، میں تیری بات کا برا نہیں مانوں گا۔''

درداغ نے بڑی ہمت کی کہ دل کی بات کہہ دے مگر نہیں کہہ سکا۔ منہ کھلا اور بند ہوگیا۔

شہزادے نے کہا۔ ''ہاں ہاں کہو، ڈرو مت۔''

درداغ نے پوچھا۔ ''شہزادے! کیا صفیہ آپ کی کنیز ہے؟''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''صرف کنیز ہی نہیں، محبوب ترین کنیز...... مگر کیوں؟''

درداغ کا دل ڈوبنے لگا۔ چہرے کی بشاشت اور تازگی ذرا سی دیر میں غائب ہوگئی، بولا۔ ''کچھ نہیں۔ پھر جانے دیجیے۔''

شہزادے نے اصرار کیا۔ ''مگر بات کیا ہے؟''

درداغ نے کہا۔ ''میں نے کہہ جو دیا کہ پھر جانے دیجیے۔''

شہزادے نے کہا۔ ''میں کیوں جانے دوں؟ اور صفیہ کے ذکر سے تیرا مطلب کیا ہے؟''

درداغ گویا جان پر کھیل گیا، بولا۔ ''محترم شہزادے! صفیہ مجھ کو پسند آگئی ہے۔ میں نے آپ کی پرسش پر سب کچھ صاف صاف بتا دیا ہے۔ آپ صاحب اختیار ہیں، چاہیں تو اس گستاخی کی مجھ کو سزا بھی دے سکتے ہیں مگر میں ہر قسم کے خوف اور مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر اپنے دل کی بات صاف صاف کہنے پر مجبور ہوگیا ہوں شہزادے! میں اس کی سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔''

شہزادہ کچھ سوچ رہا تھا، پوچھا۔ ''اگر میں تجھ سے یہ کہوں کہ میں نے تیری درخواست منظور کرلی اور صفیہ تیرے حوالے کردی جائے گی تو کیا تو اس وقت بھی عراقی سرحدوں پر جہاد کی خاطر جانے کو تیار ہوجائے گا؟''

یہ بڑا سخت اور نازک سوال تھا، وہ فوراً ہی اس کا جواب نہیں دے سکا۔

شہزادے نے دباؤ ڈالا۔ ''تو نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟''

درداغ نے جواب دیا۔ ''میں پھر بھی پہلے جہاد کروں گا اس کے بعد کوئی دوسرا کام۔''

شہزادے نے کہا۔ ''اگر یہ بات ہے تو جہاد پر جانے کی تیاری کر۔ صفیہ تجھے بخش دی جائے گی مگر ابھی نہیں، جہاد سے سرخرو واپسی کے بعد۔''

درداغ نے مزید کہا۔ ''اور محترم شہزادے! اس بوڑھے کی بابت ضرور معلومات حاصل کیجیے گا جس سے علیہ کا پتا معلوم ہوسکتا ہے۔''

شہزادہ مسکرایا۔ ''اگر تو علیہ سے محبت کرتا ہے تو اپنے دل میں صفیہ کے لیے کہاں سے گنجائش نکال لی؟ بخدا انسان بہت حریص اور املاک اندوز واقع ہوا ہے۔ یہ اپنی ملکیت میں اضافے کا حریص ہوتا ہے۔ شہد کی مکھی کی طرح۔''

درداغ، سلیمان شاہ اور سلطان ایبک کے حوالے کردیا گیا۔ اسے ایک گھوڑا، ایک دمشقی تلوار، نیزہ، کمان اور تیروں سے بھری ہوئی ترکش عطا ہوئی۔ یہ 655ہجری کی بات ہے کہ شہزادہ انہیں دو فرسخ (بارہ میل) تک چھوڑنے گیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کی ہمت بڑھاتا رہا اور

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

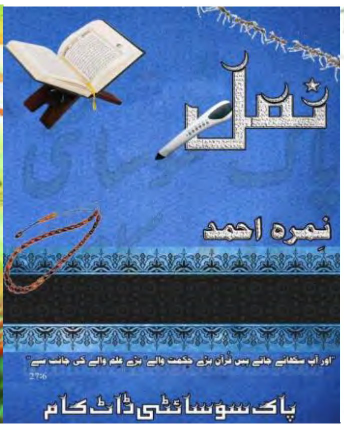

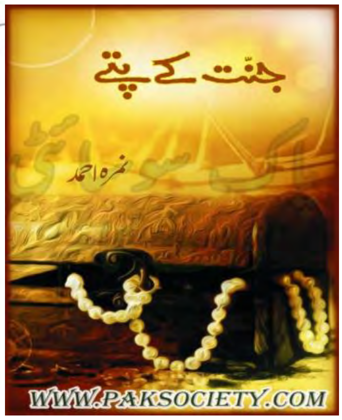

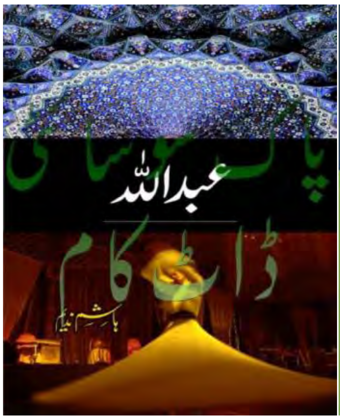

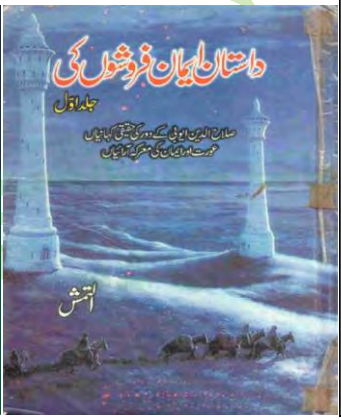

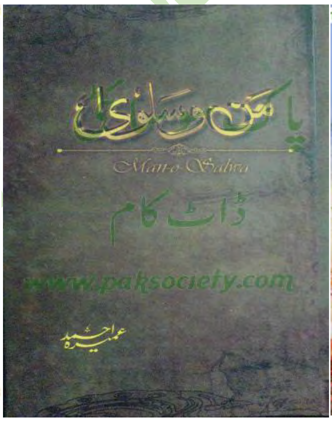

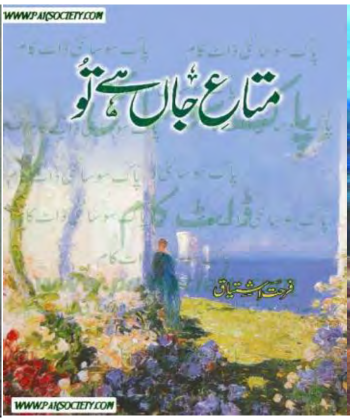

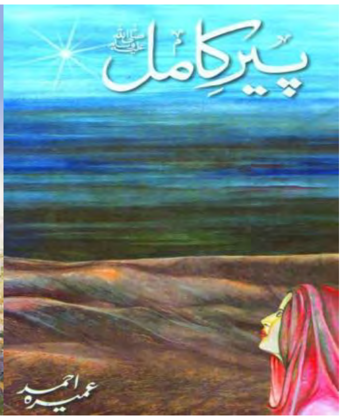

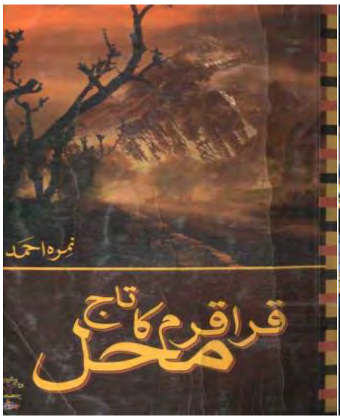

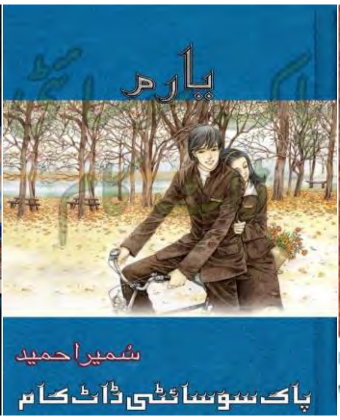

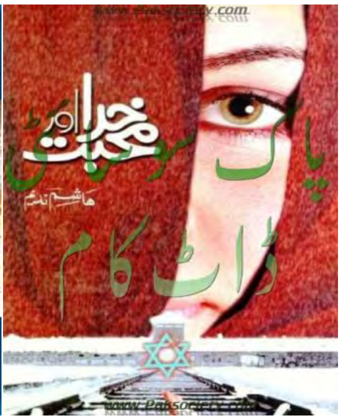

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

انہیں ہدایت کی۔ ”خبردار اپنی آبادیوں، باغوں، کھیتوں اور لوگوں کو نقصان نہ پہنچانا۔ دشمن سے خوفزدہ نہ ہونا اور انہیں شکست دے دینے کے بعد دور تک دھکیل دینا۔ وہاں نئی فوج بھرتی کرنا اور اپنی تعداد بڑھانا۔ دشمن سے چھینا ہوا سامان وہاں کی آبادیوں میں گشت کرانا تاکہ ان کے دلوں میں تمہاری عزت، وقعت اور رعب ودبدبہ قائم ہو اور منگولوں کی دہشت نکل جائے...... اور دیکھو، آپس میں صلاح اور مشورے کرتے رہنا۔ اگر کہیں کسی بات پر اختلاف ہو بھی جائے تو اس کا علم سپاہ کو نہ ہونے پائے اور کوشش اور فراخدلی سے اس اختلاف کو جلداز جلد دور کر دینا کیونکہ سرداروں کے اختلاف سے سپاہ کے موقع پرست اور دیانت دار مخلص دو حصوں میں بٹ جاتے ہیں اور یہ دونوں اختلاف کے شکار سرداروں سے گھل مل کر اختلاف اور نفرت وخلیج کو اور زیادہ وسیع کر دیتے ہیں اور انجام کار دونوں ہی اپنے دشمن کے ہاتھوں تباہ وبرباد ہو جاتے ہیں۔“

آذربائیجان کے جنوب مشرق میں موجود تاتاریوں کو مسلمانوں کے لشکر کی آمد کی خبر پہلے ہی سے ہو چکی تھی، وہ بھی ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا خان، ہلاکو خان، جو اب ایل خان (چھوٹا خان) کہلاتا تھا، خراسان میں بیٹھا بغداد پر لشکر کشی کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ مسلمان اس کی طرف پیش قدمی کر کے جارحانہ انداز میں حملہ کر سکتے ہیں۔

سلیمان شاہ کی سرکردگی میں منگولوں کی سرحدی فوج پر حملہ کر دیا گیا۔ منگولوں نے ابھی تک شکست کا منہ نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی انہوں نے کبھی یہ سوچا تھا کہ ان پر بھی کبھی حملہ کیا جا سکتا ہے۔ پہاڑی کے نیچے ایک سرسبز وشاداب میدان میں سلیمان شاہ نے اپنے خیمے نصب کرا دیے۔ آگے پہاڑیوں کا سلسلہ تھا اور ان پہاڑیوں میں گھس کر منگولوں سے جنگ نہیں لڑی جا سکتی تھی۔ منگول سپاہ انہی پہاڑیوں میں موجود تھی۔ سلیمان شاہ کو معلوم تھا کہ منگولوں کو جیسے ہی مسلمانوں کی آمد کا علم ہوگا، وہ جوش غضب میں پہاڑیوں سے باہر آجائیں گے اور معرکہ برپا ہو جائے گا۔

اس سطح سبزہ زار پر کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے گڑھے بھی تھے۔ ان گڑھوں میں پانی بھرا ہوا تھا۔ آناً فاناً دیکھتے دیکھتے خیموں کا ایک شہر آباد ہو گیا۔ مویشیوں کا شور پورے میدان میں گونجنے لگا۔ خیموں کے پیچھے آخر میں گاڑیاں، اونٹ اور باربرداری کے گدھوں کو کھڑا کر دیا گیا۔ اس جگہ بڑے بڑے پتھروں کے چولہے بنا کر ان پر دیگیں چڑھا دی گئیں اور کھانے پکنے لگے۔ چولہوں سے اٹھنے والے دھوئیں کے بادل فضا میں بلند ہونے لگے۔

سلیمان شاہ، سلطان ایبک اور عزالدین کرد پہاڑیوں کا معائنہ کرنے چلے گئے۔ ان تینوں کا درداغ مشیر تھا۔ سلیمان شاہ نے درداغ کو زرہ بکتر پہنا دی تھی کیونکہ منگولوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ دھوکے سے حملہ آور ہو سکتے تھے۔ ان چاروں نے پہاڑیوں پر آدمیوں کو دیکھا۔ ان کی تیز نظروں نے انہیں پہچان لیا۔ یہ منگول تھے جو مسلمانوں کی آمد اور مصروفیات کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

سلطان ایبک نے پوچھا۔ ”اگر یہ منگول ہم سے لڑنا بھی چاہیں تو وہ کس طرح لڑیں گے۔ ہمیں اپنا لشکر پیچھے ہٹ کر کافی دور اتارنا تھا تاکہ منگولوں کو ہمارے مقابلے پر آنے کے لیے ایک میدان مل جاتا۔ اب وہ ہمارے سامنے کس طرح آئیں گے؟“

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ”میری خواہش ہے کہ وہ اپنے تھوڑے تھوڑے آدمیوں کی مدد سے ہم پر حملہ کریں اور ہم ان کا صفایا کرتے رہیں۔ اس طرح ہماری فوج کا حوصلہ بلند ہوگا اور منگولوں کا رعب ان کے دلوں سے نکل جائے گا۔“

درداغ کی تیز نظروں نے ایک پہاڑی پر چند آدمیوں کو کھڑے دیکھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو انگلی کے اشارے سے اس طرف متوجہ کیا پھر انہوں نے کئی بھاری بھاری پتھروں کو لڑھک کر اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ یہ تینوں ان کی زد سے ہٹ گئے اور کچھ دیر بعد یہ پتھر پہاڑی چٹانوں سے ٹکراتے اور مزید پتھروں کے اضافے کے ساتھ میدان میں دور تک لڑھکتے چلے گئے۔

سلیمان کا اندازہ درست نکلا۔ دوسرے دن ہی منگولوں کا ایک دستہ پہاڑیوں کے اندر سے نمودار ہوا اور دلیری سے مسلمانوں کی فوج میں داخل ہو گیا۔ اس دستے میں دو مسلمان بھی تھے۔ یہ دونوں اپنی پوشش اور عماموں سے پہچانے جا رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے عربی میں کہا۔ ”تمہارا سردار کہاں ہے؟ منگول ان سے بات کرنا چاہتے ہیں۔“

ان سب کو سلیمان شاہ، عزالدین کرد اور سلطان ایبک کے سامنے پہنچا دیا گیا۔ یہیں درداغ بھی موجود تھا اور اپنے خدوخال اور چہرے مہرے اور لباس سے منگول پہچانا جاتا تھا۔ آنے والے منگولوں نے اسے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

سلیمان شاہ کے وسیع وعریض خیمے میں منگولوں کا وفد آلتی پالتی مار کے اطمینان سے بیٹھ گیا۔

ایک مسلمان نے بات چیت کا آغاز کیا، کہا۔ ”ہمارے منگول بھائی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تم تینوں میں سردار کون ہے؟“

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ”ہم تینوں ہی سردار ہیں، انہیں بات کیا کرنی ہے؟“

ایک منگول نے ترجمان کے ذریعے جواب دیا۔

”ہمیں معلوم ہوگیا ہے کہ تمہی سردار ہو اور بالفرض اگر تم تینوں سردار ہو تو پھر ہمیں تم سے کوئی بات نہیں کرنی ہے کیونکہ ہمارے لیے ایک ایسے لشکر کو شکست دینا زیادہ مشکل کام نہیں ہے جس میں مساوی حیثیت اور اختیار والے تین سردار موجود ہوں۔“

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ”یہ تمہارا خیالِ خام ثابت ہوگا۔“

منگولوں نے پوچھا۔ ”تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟“

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ”اگر میں یہی سوال تم سے کروں کہ تم لوگ قراقرم سے یہاں کیوں آئے ہو تو؟“

منگولوں نے حیرت سے سلیمان شاہ کو دیکھا اور ترجمان کے ذریعے جواب دیا۔ ”تو گویا تم نے یہ طے کرلیا ہے کہ ہم سے جنگ کرو۔“

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ”ہاں، صرف جنگ کرنے ہی نہیں بلکہ تم سے اپنا علاقہ خالی کرانے آئے ہیں۔“

بات بہت جلدی ختم ہوگئی۔ منگولوں کی طرف سے پوچھا گیا۔ ”کیا تمہیں اپنے انجام کا علم ہے؟“

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ”اگر تمہیں اپنے انجام کا علم ہوگا، تو ہمیں بھی علم ہوگا۔“

منگول سردار نے کہا۔ ”ایل خان (ہلاکو خان) خراسان میں موجود ہے۔ کیا تم لوگ اس کے عتاب اور غضب سے بالکل واقف نہیں؟“

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ”اگر یہ بات ہے تو تم لوگ بھی خراسان چلے جاؤ اور یہ علاقہ ہمارے حوالے کردو۔ ہم ہلاکو خان کے عتاب اور غضب سے ٹکرا کر اس کی شدت کا اندازہ لگالیں گے۔“

منگول سردار اچانک درداغ کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ”تو کون ہے؟ اور ان لوگوں کے ساتھ کیوں ہے؟“

درداغ نے جواب دیا۔ ”میں بھی تمہاری طرح ہی ایک منگول ہوں اور بفضلہ تعالیٰ مسلمان ہو چکا ہوں۔“

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

منگول سردار نے مسکراتے ہوئے اپنا منہ اپنے ساتھیوں کی طرف کیا اور کہا۔ ''میں سمجھ گیا۔ شاید تو وہی ہے، ہمارے ایل خان کا ایک مہرہ، درداغ جو اپنی بدقسمتی سے ہمارے دشمنوں سے جاملا۔ تو نے یہ اچھا نہیں کیا۔ نہ اپنے لیے نہ مسلمانوں کے لیے اور نہ ہی ہم منگولوں کے لیے کیونکہ ہم مشتبہ ہو گئے۔''

درداغ نے دونوں مسلمانوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''اور ان دونوں کی بابت تمہارا کیا خیال ہے؟''

منگول سردار نے ایک بار پھر سلیمان شاہ کو مخاطب کیا۔ ''تو ہم جائیں اور تمہیں زبردستی دھکیل کر واپس کردیں یا تم شرافت سے واپس چلے جاؤ گے؟''

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ''تم جو چاہو کرو لیکن اگر مجھ سے پوچھو گے تو میں یہی کہوں گا کہ تم لوگ قراقرم واپس چلے جاؤ اور ہمارے علاقے ہمیں واپس کرو۔''

منگول سردار اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''او کور چشمو! واپس چلے جاؤ ورنہ جو کچھ ہوگا اس کا نہ تو تمہیں کوئی علم ہے نہ ہمیں، وہاں جاودانی نیلا آسمان اس سے ضرور واقف ہے اور پھر تمہیں اس نیلے آسمان تلے کہیں پناہ نہیں مل سکے گی۔''

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ یا تو تمہیں دھکیل کر صحرائے گوبی کے اس پار بھیج دیں یا پھر خود تباہ و برباد ہو جائیں۔''

منگول سردار ایک دم اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا اور کہا۔ ''چلو واپس چلیں، میں اپنی بے عزتی نہیں برداشت کرسکتا۔'' پھر درداغ سے کہا۔ ''شاید تو ہمت دلا کر انہیں چڑھا لایا ہے۔''

درداغ نے جواب دیا۔ ''یہ بات نہیں ہے منگول سردار بلکہ یہ لوگ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لائے ہیں۔''

منگول سردار باہر نکلا اور اسلامی لشکر کو غور سے دیکھتا رہا پھر درداغ کو ایک طرف لے گیا، پوچھا۔ ''درداغ! سچ بتا کیا یہ لوگ واقعی ہم سے جنگ کرنے آئے ہیں؟''

درداغ نے جواب دیا۔ ''منگول سردار! یہ لوگ واقعی جنگ کرنا چاہتے ہیں، آپ لوگوں کی بہتری اسی میں ہے کہ فوراً یہاں سے کہیں اور چلے جائیں، ورنہ یہ لوگ زبردستی اپنا علاقہ خالی کرالیں گے۔''

منگول سردار نے دانت پیس کر کہا۔ ''آج تک ایسا کوئی پیدا نہیں ہوا، اگر پیدا ہوا ہے تو ہم اسے دوبارہ ناپید کردیں گے۔''

سلیمان شاہ نے دونوں مسلمانوں سے کہا۔ ''آپ دونوں کو اس طرف دیکھ کر ہمیں اپنی ناکامیوں کا سبب معلوم ہو گیا۔''

ایک نے پوچھا۔ ''وہ کس طرح؟''

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ''اس طرح کہ ہمیں اندازہ ہو گیا کہ اس دور کے مسلمان نہایت عاقبت نااندیش اور سود و زیاں کے احساس سے عاری ہو گئے ہیں۔''

منگول چلے گئے۔ سلیمان شاہ نے متوقع حملے کے خیال سے اپنی فوج کو آراستہ کیا اور دایاں بازو عزالدین کرد اور بایاں سلطان ایبک کے سپرد کردیا۔ خود قلب میں رہا۔ اس نے ایک بار پھر سپاہ میں جوش پیدا کرنے کے لیے ایک ولولہ انگیز تقریر کی اور کہا۔ ''بہرحال میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں یا تو ان منگولوں کے غرور اور ناقابلِ تسخیر ہونے کے طلسم کو توڑ دوں گا یا پھر خود عدم کی گہرائیوں میں چلا جاؤں گا۔''

منگولوں نے انہیں زیادہ انتظار نہیں کرایا۔ خلافِ توقع وہ داہنی طرف کی پہاڑیوں سے میدان میں آگئے۔ سلیمان شاہ کو اپنی فوج کا رخ بدلنا پڑا اور جب دونوں فریق ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہو گئے تو ایک عظیم الشان اور ہولناک تصادم ہوا۔ منگولوں نے بڑی بے جگری اور عجلت میں حملہ کیا تھا۔ ایسا لگتا تھا گویا وہ اس قصے کو طول نہیں دینا چاہتے اور فوراً ہی ختم کردینا چاہتے تھے۔

سلیمان شاہ نے منگولوں کے یاک کی نو دموں کے پرچم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ان بے دینوں سے شکست کھانے کا یہ مطلب ہوگا کہ ہمارا اپنے رب پر سے اعتقاد اور اعتماد اٹھ چکا ہے۔ مردہ یاک کی دموں کا پرچم اللہ تعالیٰ کے پرچم کو کس طرح سرنگوں کرسکتا ہے۔ مسلمانو! آگے بڑھو اور انہیں روندتے ہوئے اپنے علاقے واپس لے لو اور خدا کے نام اور پرچم کو عزت اور رفعت بخش دو۔''

منگولوں کا خیال غلط ثابت ہوا۔ مسلمان زمین سے پیوست ہو کر جم چکے تھے۔ ان کے جوش میں دیوانگی پیدا ہو چکی تھی۔ ایک جیالا دستہ منگولوں کے پرچم کی طرف بڑھنے کی کوشش کررہا تھا اور منگول اس کو روکنے کی کوشش کررہے تھے۔ یہ معرکہ کئی گھنٹے جاری رہا۔ دونوں ہی تھکنے کا نام نہیں لیتے تھے لیکن دوپہر تک سلیمان شاہ غالب آچکا تھا۔ منگولوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ سلطان ایبک ان کے تعاقب کی خاطر فوج سے الگ ہو گیا۔ اس وقت اس کے ساتھ دو ہزار سپاہ تھی۔ ابھی تک درداغ عزالدین کرد کے ساتھ لڑ رہا تھا لیکن جیسے ہی اس کی تیز نظروں نے سلطان ایبک کو اپنے دستے کے ساتھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

الگ ہوتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ سلطان ایبک اپنے دشمن کے تعاقب میں جانا چاہتا ہے۔ وہ اپنے گھوڑے کو سرپٹ بھگاتا ہوا سلطان ایبک کے پاس لے گیا اور کہا۔ ”سلطان ایبک! منگولوں کا تعاقب ہرگز نہ کرنا کیونکہ ان کی شکست بھی نہایت سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوا کرتی ہے اگر منگول شکست کھا گئے ہیں تو انہیں بھاگ جانے دیجیے اور ان کے چھوڑے ہوئے مسکن پر آپ قبضہ جمالیں۔“

سلیمان شاہ کو ان باتوں کا پتا نہیں تھا، اس نے چیخ کر سلطان ایبک سے پوچھا۔ ”سلطان ایبک! کیا بات ہے؟ کیا فتح کے احساس نے تمہیں سست کردیا ہے؟ تم منگولوں کا پیچھا کیوں نہیں کرتے؟“

درواغ بھاگا بھاگا سلیمان شاہ کے پاس پہنچا اور درخواست کی۔ ”محترم سلیمان شاہ! آپ اپنے آدمیوں کو منع کریں کہ وہ دشمنوں کا پیچھا نہ کریں۔“

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ”میں منگولوں کے حملے سے اتنا پریشان نہیں ہوں جتنا اس خیال سے کہ بھگوڑے منگول جب پلٹ کر اچانک جوابی حملہ کردیتے ہیں تو اس وقت تک لڑتے رہتے ہیں جب تک وہ مکمل فتح نہیں حاصل کرلیتے۔“

سلطان ایبک کو تعاقب نہیں کرنے دیا گیا اور سلیمان شاہ نے اس پورے علاقے پر قبضہ کرلیا جس پر پہلے منگول قابض تھے۔ سپاہ نے منگولوں کے سامان پر بھی قبضہ کرلیا تھا۔ انہوں نے اس سامان کو یکجا کیا اور دوسرے دن وہاں کے مقامی لوگوں کے سامنے اس کی نمائش کی۔ وہ ہر ایک سے یہی کہتے پھر رہے تھے کہ کہاں گیا وہ عقیدہ اور خیالِ خام کہ منگول ناقابلِ شکست ہیں، ناقابلِ تسخیر ہیں۔ جوشِ ایمانی، بے داغ کردار اور بے مثال عزیمت اور شجاعت سے انہیں بھی شکست دی جاسکتی ہے۔

مسلمان اس فتح سے بہت خوش تھے مگر وہاں کی مقامی آبادی خوفزدہ تھی۔ وہ بار بار یہی کہہ رہے تھے کہ یہ بھگوڑے منگول سیدھے ہلاکو خان کے پاس جائیں گے اور پھر ہلاکو خان اپنے عظیم الشان عساکر کے ساتھ بلائے بے درماں اور قضائے مبرم کی طرح ہم سب پر ٹوٹ پڑے گا اور پھر ہر طرف ایک آگ اور خون کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہوگا۔

سلیمان شاہ نے کوشش کی کہ مقامی آدمیوں کا ایک چھوٹا موٹا دستہ ملازم رکھے مگر وہاں سے ایک بھی سپاہی نہ مل سکا۔

سلیمان شاہ نے اپنی فتح کی خبر بغداد میں امیر المومنین اور شہزادہ ابوبکر کو فوراً روانہ کردی۔ یہ خبر دونوں ہی کے لیے ناقابلِ یقین تھی۔ ابن علقمی نے بادشاہ کو سمجھایا۔ ”امیر المومنین! یہ جو کچھ ہو رہا ہے، بہت برا ہو رہا ہے۔“

خلیفہ نے کہا۔ ”ابن علقمی! تم چپ ہو جاؤ، میں سلیمان شاہ اور اس کے ساتھیوں کو انعام واکرام سے نوازوں گا۔“

شہزادہ اپنے باپ کی نظروں میں سرخرو ہوچکا تھا۔ خلیفہ نے اس کو حکم دیا۔ ”سلیمان شاہ، عزالدین کرد اور سلطان ایبک کو تحسین وآفریں کا ایک شاندار پیغام بھیج دیا جائے اور انہیں ہدایت کی جائے کہ وہ عراق کی سرحدوں پر موجود منگولوں کو مار بھگائیں۔“

ابن علقمی نے عرض کیا۔ ”امیر المومنین! ان دنوں ہلاکو خان خراسان میں ہے، اس کو کافی دنوں بعد اپنے منگولوں کی شکست کا حال معلوم ہوگا پھر وہ جوشِ غضب سے بغداد کا رخ کرے گا حالانکہ وہ بار بار یہ یقین دلا چکا ہے کہ وہ مسلمان ہونا چاہتا ہے اور اپنی بیٹی کی شادی شہزادہ ابوبکر سے کرنا چاہتا ہے مگر افسوس کہ آپ کے چند عاقبت نااندیش سرداروں نے حالات بگاڑ کر رکھ دیے ہیں۔“

خلیفہ نے شہزادے کی طرف دیکھا، پوچھا۔ ”ابوبکر! تیرا کیا خیال ہے؟“

شہزادے نے جواب دیا۔ ”امیر المومنین! ہمیں اتنا مضبوط ہونا چاہیے کہ جب ہلاکو خان ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے تو دوستی برتری کی بنیاد پر ہو۔ ایک طاقتور ہو اور دوسرا کمزور، ایسی دوستی ناقابلِ اعتبار اور مشتبہ ہوگی اور اس پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔“

خلیفہ نے شہزادے کو رخصت کردیا اور ابن علقمی سے سرگوشی میں پوچھا۔ ”ہاں، اب بتا تیری کیا رائے ہے؟“

ابن علقمی نے جواب دیا۔ ”امیر المومنین! شہزادہ ابھی ناتجربہ کار ہے۔ اس کی عالمانہ اور عاقلانہ باتیں دلوں پر اثر انداز تو ہوسکتی ہیں مگر ان میں حقیقت نام کو بھی نہیں ہوگی۔ جب انہیں واقعات اور تجربات کی کسوٹی پر رکھا جائے گا تو ان کا اثر کافور کی طرح کافور ہوجائے گا۔“

خلیفہ نے پوچھا۔ ”پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

ابن علقمی نے جواب دیا۔ ”آپ سلیمان شاہ ترکمان، سلطان ایبک اور عزالدین کرد کو فوراً واپس بلالیں اور انہیں حکم دیں کہ وہ دارالخلافہ بغداد میں رہ کر جو کچھ کرسکتے ہیں کریں۔ ادھر میں ہلاکو خان کی خدمت میں ایک معذرت نامہ روانہ کیے دیتا ہوں۔“

خلیفہ سخت پریشان نظر آرہا تھا، پوچھا۔ ”پھر کیا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ہوگا؟"

ابن علقمی نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ میں اس کو راضی کرلوں گا کیونکہ ہلاکو خان کا وزیر نصیر الدین طوسی ہماری پُرزور سفارش کردے گا۔"

خلیفہ نے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ تم جو چاہو کرو۔ بس ہلاکو خان کا غصہ ٹھنڈا پڑنا چاہیے۔"

☆☆☆

سلیمان نے سرحدوں سے بھی منگولوں کو مار بھگایا اور اس کی اطلاع بھی خلیفہ اور شہزادہ ابوبکر کو روانہ کردی۔ خلیفہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سرحدوں سے جو خبریں آرہی ہیں، وہ درست بھی ہیں یا محض خوش فہمیاں اور گپ بازی۔

اس بار ابن علقمی برافروختہ ہوگیا، بولا۔ "امیرالمومنین نے ابھی تک سلیمان شاہ کو واپس نہیں بلایا؟"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "میں نے یہ فرمان روانہ تو کردیا ہے، وہ لوگ کسی روز بھی بغداد میں داخل ہوسکتے ہیں۔"

ابن علقمی نے عرض کیا۔ "امیرالمومنین! جب تک میں یہاں موجود ہوں، آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔"

خلیفہ اتنا پریشان تھا کہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا ان حالات میں وہ کیا کرے۔

سلیمان شاہ جہاد میں مشغول تھا کہ دربارِ خلافت کی طرف سے اس کو ایک خط موصول ہوا۔ اس خط میں سلیمان شاہ، عزالدین کرد اور سلطان ایبک کو نام بنام یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ جہاں تک پہنچ چکے ہیں، اب اس سے آگے نہ بڑھیں اور فوراً واپس آجائیں۔

سلیمان شاہ نے کہا۔ "دوستو! اس میں ابن علقمی کا ہاتھ ضرور ہوگا۔"

عزالدین کرد نے کہا۔ "دوستو! تم سب کی خاطر میں ایک کام کرسکتا ہوں۔"

سلطان ایبک نے پوچھا۔ "کون سا کام؟"

عزالدین نے جواب دیا۔ "میں ابن علقمی کو قتل کرسکتا ہوں تاکہ ہم سب اس کی نحوست سے بچ جائیں۔"

سلیمان شاہ نے اس کی تردید کی، کہا۔ "کم از کم میں اس قتل کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں نہیں چاہتا کہ یہاں ایک ایسی ریت پڑ جائے کہ ہر شخص کا اعتبار ہی جاتا رہے۔"

عزالدین کرد نے پوچھا۔ "اب ہم کیا کریں گے؟"

سلیمان شاہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "اب ہمیں واپس بغداد چلنا ہوگا۔"

عزالدین نے پوچھا۔ "اور ان علاقوں کا کیا ہوگا جو منگولوں سے بمشکل حاصل کیے گئے ہیں۔"

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ "میں انہیں یہاں کے مقامی لوگوں کے حوالے کرکے چلا جاؤں گا۔ شاید خدا کو یہی منظور ہے کہ سلیمان ذلیل و خوار ہوں۔"

سلیمان شاہ کو معلوم تھا کہ اگر اس نے خلیفہ کا حکم نہیں مانا تو اسے معزول کردیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے خلیفہ کو لکھ دیا کہ میں فوراً واپس آرہا ہوں۔

درداغ کو واپسی سے ذرا دکھ بھی ہوا اور خوشی بھی۔ دکھ اس بات کا کہ جب کامیابیاں ان کے قدم چومنے لگی تھیں تو خلیفہ نے انہیں واپس بلالیا تھا۔ واپس بلانے کا کوئی جواز بھی نہیں تھا اور خوشی اس بات کی کہ اب شاید علیہ سے ملاقات ہوجائے اور صفیہ بھی مل جائے۔ اس کے برعکس عزالدین کرد اور سلطان ایبک کو غصہ آرہا تھا۔

انہوں نے بعجلت واپسی اختیار کی۔ دشمن سے چھینا ہوا سامان اونٹوں، گدھوں اور گاڑیوں پر لدا ہوا تھا۔ منگولوں سے نجات پانے والی بستیاں سلیمان شاہ اور اس کی سپاہ پر حیرت زدہ تھیں۔ یہ لوگ بغداد میں داخل ہوئے تو انہیں شہزادے اور اس کے ساتھیوں کے علاوہ ایک شخص بھی استقبال کے لیے کھڑا نہیں نظر آیا۔ فوج کو چھاؤنی میں چھوڑا اور بقیہ تینوں سیدھے خلیفہ کے دربار میں چلے گئے۔ شہزادہ ان کے ساتھ تھا۔ دربار میں بھی ان کا پُرجوش استقبال نہیں ہوا۔

اس وقت امیرالمومنین محل کے اندر تھے۔ انہیں سلیمان شاہ اور اس کے ساتھیوں کی واپسی کی اطلاع دی گئی۔

خلیفہ کچھ توقف سے یوں ناک بھوں چڑھائے نمودار ہوا کہ سلیمان شاہ اور اس کے ساتھیوں کو بڑا افسوس ہوا۔ انہیں امید تھی کہ خلیفہ ان سے شفقت اور محبت سے پیش آئے گا اور ان کی فتح مندی کی خوب خوب داد دی جائے گی لیکن یہاں کا منظر ہی کچھ اور تھا۔

خلیفہ نے پوچھا۔ "کیا منگولوں کو صحرائے گوبی کے اس پار دھکیل دیا گیا؟"

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ "امیرالمومنین! مجھے اتنا موقع کہاں دیا گیا کہ میں انہیں صحرائے گوبی کے اس پار دھکیل دیتا۔ اتنی مختصر سی مدت میں اپنے دشمنوں کو اپنی سرحدوں سے دھکیل دینا ہی ایک کارنامہ ہے لیکن میں اپنے اس کارنامے پر فخر نہیں کرتا۔" پھر آہستہ سے کہا۔ "افسوس کہ میں کس دور میں پیدا ہوا؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Downloaded From
Paksociety.com

خلیفہ نے سنی ان سنی کردی۔ ''افسوس کہ ہم نے تمہیں سرحدوں پر بھیج کر سخت غلطی کی۔ ہمیں منگولوں کو چھیڑنا نہیں چاہیے تھا۔''

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ''اگر ہم منگولوں کو نہیں چھیڑیں گے تو وہ ہم کو چھیڑیں گے اور ایک نہ ایک دن ہمیں اپنے ملک، اپنی زمین اور ہر چیز سے دستبردار ہونا پڑے گا۔''

عزالدین کرد نے عرض کیا۔ ''امیر المومنین! آپ یقین کریں منگول ناقابلِ تسخیر ہرگز نہیں، آپ ہمت کریں ہم ان کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔''

Downloaded From
Paksociety.com

سلطان ایبک نے کہا۔ ''امیر المومنین! ہمارے پاس فوج کی کمی ہے۔ اگر ہمیں سوا لاکھ یا ڈیڑھ لاکھ آدمی مل جائیں تو ہم منگولوں کے وجود کو ناپید کرسکتے ہیں۔''

خلیفہ نے کہا۔ ''لیکن میں نہیں چاہتا کہ ان کی دشمنی مول لی جائے۔ یہ جو کچھ ہوا ہے، بہت خطرناک ہے۔ ہمارے پاس سوا لاکھ ڈیڑھ لاکھ فوج بھی نہیں۔''

سلیمان شاہ نے عرض کیا۔ ''اگر مجھے اس کی خبر ہوتی کہ میری عدم موجودگی میں لوگ اپنی چال چل جائیں گے تو میں اس کا تدارک کرتا چلتا۔''

خلیفہ نے برہمی سے پوچھا۔ ''تو کہنا کیا چاہتا ہے؟''

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ''امیر المومنین! میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جب تک ابن علقمی ہم میں موجود ہیں، ہم اپنی کسی مہم یا منصوبے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ آپ اس کو نکال کیوں نہیں دیتے؟''

خلیفہ نے بگڑ کر پوچھا۔ ''اگر ہم اس کو نکال دیں تو اس کی ذمے داریاں، اس کے فرائض کون سنبھالے گا؟''

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ''امیر المومنین! اگر ابن علقمی کی موت واقع ہوجائے تو پھر یہ ذمے داریاں اور فرائض کون سنبھالے گا؟''

خلیفہ نے اور برہمی کا اظہار کیا۔ ''ہم میں ابن علقمی کی ٹکر کا ایک آدمی بھی نہیں، اگر ہے تو اس کو ہمارے سامنے لاؤ، ہم اس کو ابن علقمی کی جگہ دے دیں گے۔''

سلطان ایبک نے جواب دیا۔ ''امیر المومنین! آپ شہزادہ ابوبکر کو کیا سمجھتے ہیں؟''

خلیفہ نے سوال کیا۔ ''وہ میرا بیٹا ہے، اس کو میں بہتر سمجھ سکتا ہوں یا کوئی اور یا تم لوگ؟''

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ''اس کو میں، ہم لوگ زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ شہزادے کی صلاحیتوں سے ہم زیادہ واقف ہیں اور وہ لوگ جو شہزادے کے عزیز رشتے دار ہیں، وہ شہزادے کو کیا سمجھیں گے؟''

خلیفہ نے نرمی اختیار کی۔ ''شہزادے کے بارے میں تم لوگ جتنی اچھی رائے رکھتے ہو، میں اس سے خوش ہوا لیکن میں اب بھی اپنی اس رائے پر قائم ہوں کہ ابن علقمی کا کوئی جواب نہیں، وہ عدیم النظیر ہے۔''

عزالدین کرد نے خلیفہ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا، اس نے کہا۔ ''امیر المومنین! ابن علقمی غدار ہے وہ موقع پرست ہے، ابن الوقت، زمانہ ساز، وہ چالاک ہے عیار ہے لیکن عقلمند ہرگز نہیں۔''

خلیفہ نے کہا۔ ''اگر ابن علقمی عقلمند نہیں ہے تو تم لوگ ایک ایسے آدمی کو تلاش کرلاؤ جو منگولوں کو ٹھنڈا کردے۔ ہلاکو خان کے غیظ و غضب کا رخ موڑ دے۔''

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ''امیر المومنین! افسوس کہ ایسا ممکن نہیں رہا۔ منگولوں کو ٹھنڈا کون کرسکتا ہے؟ ہلاکو خان کے غیظ و غضب کا رخ کوئی بھی نہیں موڑ سکتا۔ ان مصائب اور آفات کا ایک ہی علاج ہے، ایک ہی حل ہے، ان کا مقابلہ کیا جائے۔ ان کے سامنے سینہ سپر ہوا جائے۔''

خلیفہ نے چٹکی بجائی اور ان سب کا مذاق اڑایا۔ ''فضول باتیں مت کرو، ہمارے پاس اتنی طاقت اور اتنی فوج کہاں کہ ہم ہلاکو خان کا مقابلہ کریں۔ ابن علقمی کہتا ہے کہ وہ یہ ذمے داری قبول کرنے کو تیار ہے۔ وہ منگولوں کو ٹھنڈا کرسکتا ہے وہ ہلاکو خان کے غیظ و غضب کا رخ موڑ سکتا ہے، وہ بغداد اور خلافت عباسیہ کا لائق آدمی ثابت ہوا یا نہیں؟''

سلیمان شاہ نے کہا۔ ''امیر المومنین! آپ ہماری باتوں پر غور کریں۔ ابن علقمی نے جو ذمے داری قبول کی ہے وہ جھوٹ ہے، دھوکا ہے، سراسر فریب ہے اور ایک غدار کی خطرناک ترین چال ہے۔''

خلیفہ نے جواب دیا۔ ''ہم تم سے بحث نہیں کریں گے مگر تمہیں یہ حکم دیں گے کہ آئندہ تم لوگ ابن علقمی کے خلاف بات نہیں کرو گے۔ اب تم لوگ جاسکتے ہو اور تم جس منصب پر ہو، اس پر برقرار رہو گے۔''

وہ لوگ بادلِ ناخواستہ قصرِ خلافت سے باہر آگئے۔ شہزادے کو بڑا ملال ہوا کہ اس کی اور اس کے دوستوں کی کوششیں بیکار ہوگئی تھیں، اکارت گئی تھیں۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''دوستو! مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ فوجی تیاریاں جاری رہیں اور ہلاکو خان کی حملہ آوری کے خیال کو نظر انداز نہ کیا جائے۔''

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ''بہرحال میں اپنی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

استطاعت بھر کوششیں جاری رکھوں گا۔''

درداغ بالکل خاموش تھا۔ شہزادے نے پوچھا۔ ''درداغ! تو چپ کیوں ہے؟ تو کیا سوچ رہا ہے؟''

درداغ نے جواب دیا۔ ''شہزادے! میں کیا سوچوں گا، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے۔''

شہزادے نے پوچھا۔ ''کون سی غلطی؟ کیسی غلطی؟''

درداغ نے جواب دیا۔ ''مجھے اسلام قبول کر کے ہلاکو خان کے پاس واپس چلا جانا چاہیے تھا۔ میں اپنے اسلام کو چھپا سکتا تھا اور یوں بھی اگر میں اپنے اسلام کو نہ بھی چھپاتا تب بھی ہلاکو خان شاید دینی معاملے میں مجھ پر معترض نہ ہوتا۔ بہر حال غلطی ہو گئی، اب اس کی تلافی کس طرح ہو؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

شہزادے نے درداغ کی بات بڑے کرب بڑے دکھ سے سنی تھی، اس نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ تو اس قسم کی باتیں اس لیے کر رہا ہے کہ ابھی تک تو علیہ کو حاصل نہیں کر سکا۔ تو شرمندہ نہ ہو، پشیمان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

اس دن وہ خود درداغ کے گھر چلا گیا۔ وہ بڑی دیر تک درداغ کے ساتھ رہا اور اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ درداغ خود کو تھکا تھکا محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں ذرا سی رنگینی اور لطف پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اس نے شہزادے سے پوچھا۔ ''شہزادے! میں محاذِ جنگ سے کامیاب و کامران واپس آیا ہوں۔''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''میں جانتا ہوں درداغ! میں ہر بات جانتا ہوں لیکن میں کیا کروں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

درداغ نے کہا۔ ''شہزادے! آپ نے مجھ سے کوئی وعدہ کیا تھا؟''

شہزادے نے کہا۔ ''میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔''

درداغ نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔ ''میں صفیہ کی بابت سوچ رہا تھا، اس کے بارے میں آپ نے کیا سوچا؟''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''میں نے اس کے بارے میں یہ سوچا ہے کہ وہ تیرے حوالے کر دی جائے۔''

درداغ نے کہا۔ ''پھر دیر کیوں؟ یہ تساہل یہ تامل کیوں؟''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''بات صاف اور سیدھی سی ہے۔ تو صفیہ کو کہاں لے جائے گا؟''

درداغ نے جواب دیا۔ ''میں صفیہ کو یہیں بغداد میں رکھوں گا کیونکہ ابھی میں کہیں بھی نہیں جا رہا ہوں۔''

شہزادے نے بددلی سے کہا۔ ''لیکن میرا خیال ہے کہ تو بغداد میں نہیں رہے گا۔ تیرا چہرہ، چہرے کے تاثرات، خاموشی، سوچنے کا انداز یہ سب اس بات کے گواہ ہیں کہ تو بغداد سے بیزار ہو چکا ہے۔''

درداغ نے کہا۔ ''اور اگر میں کہیں چلا جاؤں تو؟''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''تو یہ کہ میں اس صورت میں اپنی صفیہ کو نہیں دے سکتا۔ وہ بہت آرام سے میرے پاس رہی ہے...... میں چاہتا ہوں، اتنے ہی آرام سے وہ تیرے پاس بھی رہے۔ اس معاملے میں مجھ کو تیری مدد کرنا پڑے گی۔''

درداغ نے نفرت سے کہا۔ ''کوئی قوم جب اخلاقی دوالیا پن کا شکار ہو جاتی ہے تو وہ اس قسم کی باتیں کرتی ہے، وہ اپنے وعدوں سے منحرف ہو جاتی ہے، جھوٹے وعدے کرتی ہے۔''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''لیکن میں اخلاقی دوالیا پن کا ابھی تک شکار نہیں ہوا۔ تو کچھ عرصہ بغداد ہی میں رہ۔ اس کے بعد جہاں چاہے چلے جانا۔''

درداغ نے بھی حقارت اور بیزاری سے کہا۔ ''لیکن میں بغداد میں نہیں رہنا چاہتا، میں صفیہ کو لے کر کہیں بھی چلا جاؤں گا۔''

شہزادے نے بجھے بجھے دل سے کہا۔ ''بہتر ہے، میں صفیہ کو تیرے حوالے کر دوں گا اور میں دیکھوں گا کہ تو بغداد سے کس طرح جاتا ہے۔''

شہزادہ یہ کہہ کر باہر آ گیا۔ درداغ رسماً باہر تک آیا اور فوراً ہی اندر واپس چلا گیا۔

☆☆☆

ہلاکو خان نے خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ میں بغداد آ رہا ہوں، بغداد کے دروازے کھلے رکھیے کیونکہ یہ دروازے سلجوقیوں کے لیے بھی کھلے رکھے گئے تھے۔ ہم آپ کے مہمان بن کے رہیں گے اور اگر دروازے بند رکھے گئے تو ہمیں معلوم ہے کہ انہیں کس طرح کھولا جاتا ہے۔ ہم انہیں کھول لیں گے اور آپ کو شرفِ میزبانی بخش کے رہیں گے۔

خلیفہ کو حیرت تھی کہ ہلاکو خان نے اپنے خط میں اپنے ساتھیوں کی شکست کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ایسا لگتا تھا گویا اسے منگولوں کی شکست کا علم ہی نہیں۔ خلیفہ نے اپنے امراء اور منصب داروں کو ایک ضیافت میں مدعو کر لیا۔ اس میں ابن علقمی، سلطان ایبک، سلیمان شاہ، عزالدین کرد اور شہزادہ ابوبکر بھی مدعو تھے۔ خلیفہ نے ہلاکو خان کا خط ان سب کے سامنے رکھ دیا اور پوچھا۔ ''ہلاکو خان نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں بغداد سے باہر اس کا استقبال کروں اور اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

کے لیے بغداد کے سارے دروازے کھلے رکھوں، تو حضرات اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

شہزادہ ابوبکر اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا، بولا۔ ''ہمیں ایسی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔''

سلیمان شاہ نے کہا۔ ''شہزادے! خدا آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے میرے دل کی بات کہہ دی۔''

عزالدین کرد نے کہا۔ ''کیا ہم بھیڑیے پر اعتبار کر سکتے ہیں؟''

سلطان ایبک نے جواب دیا۔ ''ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، ہم بھیڑیے پر اعتبار نہیں کر سکتے۔''

خلیفہ نے درداغ کی طرف دیکھا، پوچھا۔ ''تو کیوں خاموش ہے، تو بھی تو کچھ بول۔''

درداغ نے جواب دیا۔ ''ان بہت سارے لائق آدمیوں کی موجودگی میں، میں کیا بولوں؟''

ابن علقمی نے کہا۔ ''درداغ! تو اپنی رائے ضرور دے گا۔'' پھر خلیفہ سے کہا۔ ''امیر المومنین! آپ اس کو جواب کا پابند فرما دیجیے۔''

خلیفہ نے درداغ کو گھور کر دیکھا اور کہا۔ ''یہ بات آدابِ محفل کے خلاف ہے کہ کسی سے کچھ پوچھا جائے اور وہ اس کا جواب ہی نہ دے۔''

درداغ نے جواب دیا۔ ''میرا خیال ہے دروازے کھول دینے چاہئیں، اس میں ہماری عزت اور فلاح ہے۔''

درداغ کے اس جواب نے ہر ایک کو چونکا اور حیرت زدہ کر دیا کیونکہ کسی کو بھی یہ یقین نہیں تھا کہ درداغ کوئی ایسی رائے دے گا جو ابن علقمی کے مطابق اور اس کے مخالفین کے خلاف ہو گی۔

سلیمان شاہ نے حیرت سے سوال کیا۔ ''منگول دوست! تجھ کو کتنے میں خرید لیا گیا؟''

عزالدین کرد نے شبہ ظاہر کیا۔ ''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تو واقعی بغداد میں ہلاکو خان کا نمائندہ ہے؟''

سلطان ایبک نے شریفانہ انداز اختیار کیا۔ ''مجھ کو اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ درداغ بدل گیا ہے، مجھ کو اس پر اعتماد ہے اور یہ سچا مسلمان ہے۔''

شہزادے نے پوچھا۔ ''درداغ! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کہیں یہ میری وعدہ خلافی کے زیر اثر تو نہیں؟''

درداغ نے جواب دیا۔ ''نہیں شہزادے! ایسی کوئی بات نہیں۔ میں اس وقت بھی پکا مسلمان ہوں۔ میں نے یہ رائے اس لیے دی ہے کہ جب آپ لوگوں میں ہلاکو خان کے مقابلے کا دل نہیں تو آپ لوگ مزید تلخی نہ پیدا کریں۔ جس شہر کو وہ بزورِ شمشیر حاصل کر سکتے ہیں، اس کو یوں ہی شریفانہ انداز میں پیش کر دیں تو مناسب ہو گا کیونکہ اس سے بچت، حفاظت اور فائدے کے امکانات موجود ہیں۔ آپ لوگ رعایت، مروت اور رحم کے مستحق قرار پائیں گے۔''

ابن علقمی درداغ سے بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس کی نظریں درداغ پر لگی ہوئی تھیں اور چہرہ مسکرا رہا تھا۔

خلیفہ کی نظریں کبھی درداغ کے چہرے کا جائزہ لیتیں اور کبھی ابن علقمی کے چہرے پر جم جاتیں۔ اس نے ابن علقمی سے کہا۔ ''ابن علقمی! کیا بات ہے تو کیوں خاموش ہے؟ تو کیوں نہیں بولتا؟''

ابن علقمی نے جواب دیا۔ ''امیر المومنین! اس منگول کو خدا جزائے خیر دے۔ اس نے ایمان اور دیانت سے کام لے کر وہی کچھ کہا جو میں کہنا چاہتا تھا بہر حال میں اس کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اس نے اتنی محفل میں حق کی بات کہہ دی۔''

خلیفہ نے کہا۔ ''نہیں، بس اتنی سی بات کافی نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنی رائے کا صاف صاف اور برملا اظہار کر دے۔''

ابن علقمی نے حاضرین پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور رک رک کر ٹھہر ٹھہر کر بولنا شروع کیا۔ ''امیر المومنین! ہمارے چند ناسمجھ اور عاقبت نااندیش سرداروں نے بات بگاڑ دی ہے۔ ہمارا دشمن بہت طاقتور ہے مگر اس کا ظرف قابلِ داد ہے۔ وہ اگر چاہتا تو ہم سے ہماری زیادتیوں اور حماقتوں کا جواب طلب کرتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ مہمان بننے پر مصر ہے...... کیوں؟ صرف اس لیے کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتا ہے، وہ مسلمان ہو جانا چاہتا ہے۔ وہ خلافتِ عباسیہ سے قرابت داری کا خواہاں ہے۔ وہ اپنی بیٹی کی شادی شہزادہ ابوبکر سے کر دینا چاہتا ہے۔ ان حالات میں ہمارا فرض ہے کہ ہلاکو خان کی ہر بات مان لیں، وہ کہتا ہے کہ ہمارے لیے بغداد کے دروازے کھول دو مگر میں یہ کہوں گا کہ ہمیں دروازے کھول کر چند فرسخ چل کے اس کا استقبال کرنا چاہیے۔''

خلیفہ مسکرا رہا تھا، بولا۔ ''سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ کیسی صائب رائے ہے، واللہ دل خوش کر دیا۔''

سلیمان شاہ نے افسردگی سے ابن علقمی کی طرف دیکھا۔ ''خدا تجھ کو ہدایت اور توفیق دے۔ اسلام اور مسلمانوں پر ایسا وقت آج سے پہلے کبھی نہیں پڑا تھا۔'' پھر خلیفہ سے کہا۔ ''امیر المومنین! اگر مجھ کو یہ یقین ہوتا کہ آپ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

میری قسم پر یقین کریں گے تو میں اسی وقت قرآن پاک کو دونوں ہاتھوں سے اپنے سر پر رکھ کر یہ قسم کھاتا کہ امیرالمومنین! آپ کو، ہمیں اور مسلمانوں کو دھوکا دیا جارہا ہے۔ مہمان کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے، وہ تنہا آتا ہے اور ایک آدھ کو اپنے ساتھ لاتا ہے مگر میں نے ایسا مہمان آج تک نہیں دیکھا کہ لاکھ سوا لاکھ فوج کے ساتھ مہمان ہونے کی خواہش کرے۔ ہمارا یہ مہمان اپنے ساتھ اردوئے معلیٰ لارہا ہے۔ زرہ بکتروں، خودوں، ہتھیاروں، منجنیقوں اور دمدموں کے ساتھ ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔ ایسا شاندار مہمان چشم فلک نے نہ تو پہلے کبھی دیکھا ہوگا اور نہ آئندہ کبھی دیکھ سکے گا۔''

ابن علقمی نے خلیفہ سے شکایتاً کہا۔ ''امیرالمومنین! آپ اس کو منع فرمادیں کہ یہ میری ذاتیات پر حملے نہ کرے۔''

عزالدین کرد نے کہا۔ ''ہم وہی کہیں گے جسے حق سمجھیں گے۔''

خلیفہ نے ابن علقمی سے کہا۔ ''ہم نے یہ فیصلہ کرلیا ہے ابن علقمی کہ درداغ کے مشوروں پر عمل کیا جائے۔ بقیہ حضرات کی رائے سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں مگر وہ رائے جذباتی ہے اور ایسا لگتا ہے گویا ان سبھوں نے بغداد اور اہالیانِ بغداد کی ہلاکت، تباہی اور بربادی کا اپنے اپنے دلوں میں تہیہ کرلیا ہے۔''

اس مجلس کے اختتام پر کھانوں کی ضیافت تھی۔ سلیمان شاہ، شہزادہ ابوبکر، عزالدین کرد اور سلطان ایبک نے کھانا نہیں کھایا اور کسی سے بھی ملے بغیر ہی وہاں سے چلے گئے۔ درداغ ان کے ساتھ نہیں گیا تھا۔

اس مجلس میں ابن علقمی کی خصوصی توجہ درداغ پر تھی، وہ بہت خوش تھا۔ اس نے درداغ کو اپنے پاس بٹھایا۔ حاضرین کی نظریں ان دونوں پر باربار پڑ رہی تھیں۔ خلیفہ بھی انہیں بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔

ابن علقمی نے درداغ کی پشت تھپتھپائی، کہا۔ ''درداغ! تو نے دل خوش کردیا۔ تو نے بغداد کو بچالیا۔ آج میں تجھ سے بہت خوش ہوں۔''

درداغ نے جواب دیا۔ ''وزیر محترم! میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں بعض حضرات ایسے الٹے سیدھے قدم اٹھا رہے ہیں کہ خدا کی پناہ! پھر مجھے احساس ہوا کہ میں غلط آدمیوں کے ہتھے چڑھ گیا ہوں۔''

ابن علقمی نے آہستہ سے کہا۔ ''میں نے تو بڑی کوشش کی کہ تو ان کا ساتھ چھوڑ کے میرے پاس چلا آ لیکن تو منحرف رہا۔ خدا کا شکر ہے کہ تجھ کو ہوش آگیا اور سیدھی راہ پکڑلی۔''

وہ دونوں کھانا کھاتے رہے اور باتیں کرتے رہے، ابن علقمی نے خواہش ظاہر کی کہ درداغ اس کے ساتھ گھر چلے۔ درداغ نے وزیر کی بات مان لی۔

ابن علقمی اس کو اپنے گھر لے گیا۔ قصرِ وزارت میں مشجر پردوں نے ہر کمرے کو تاریکی میں ڈبو رکھا تھا۔ یہاں اندھیروں کی حکومت تھی۔ ابن علقمی نے اس کو جس کمرے میں بٹھایا تھا، وہاں کئی شمعیں روشن تھیں۔ درداغ کا دل گھبرانے لگا، بولا۔ ''وزیر محترم! کیا باہر چمن میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں ہم دونوں بیٹھ کر باتیں کریں؟''

ابن علقمی نے جواب دیا۔ ''ہے کیوں نہیں مگر میں نہیں چاہتا کہ ہم دونوں کو دوسرے بھی باتیں کرتے دیکھ لیں۔''

درداغ نے کہا۔ ''جیسی آپ کی مرضی۔''

ابن علقمی کچھ دیر کے لیے خاموش ہوگیا پھر اچانک پوچھا۔ ''درداغ! کیا خیال ہے، کچھ چلے گا؟''

درداغ نے جواب دیا۔ ''نہیں، میں اتنا کھا چکا ہوں کہ اب ذرا سی بھی گنجائش نہیں رہی۔''

ابن علقمی بار بار پہلو بدلتا رہا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''درداغ! کیا تجھ کو معلوم ہے کہ ہلاکو خان نے تیری بابت کیا فیصلہ کیا ہے؟''

درداغ نے جواب دیا۔ ''نہیں، مجھ کو نہیں معلوم۔''

ابن علقمی نے پوچھا۔ ''تو نے اسلام میں ایسی کون سی خوبی دیکھ لی ہے کہ اس پر یوں قربان ہوگیا؟''

درداغ نے جواب دیا۔ ''پتا نہیں کیا دیکھ لیا مگر اب یہ میرے دل سے نہیں نکل سکتا۔''

ابن علقمی نے کہا۔ ''ہلاکو خان عراق میں داخل ہوتے ہی تجھ کو گرفتار کرالیتا۔''

درداغ نے پوچھا۔ ''وزیر محترم! کیا آپ ہلاکو خان سے مجھ کو معافی دلوا سکتے ہیں؟''

ابن علقمی نے جواب دیا۔ ''میں پیشگی کوئی وعدہ نہیں کرسکتا لیکن خیال تو یہی ہے کہ میں معافی دلوا دوں گا۔''

اس کے بعد اس نے اسی جگہ موٹے منگول کو بھی بلوالیا۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا، درداغ نے اس کو پہچان لیا۔ ابن علقمی نے بہ آوازِ بلند کہا۔ ''موٹے منگول! دیکھ یہ کیسا انقلاب آگیا۔ درداغ ہمارے پاس چلا آیا۔''

موٹا منگول بے اختیار گلے لگ گیا۔ اس نے درداغ کی پیٹھ ٹھونکی، بولا۔ ''دوست! مجھ کو یقین تھا کہ تو ضرور واپس آئے گا مگر یہ تو بتا ان لوگوں سے کس بات پر جھگڑا ہوا؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

دررداغ نے جواب دیا۔ ''میرا جھگڑا کسی بات پر نہیں ہوا، بس مجھے وہ لوگ پسند نہیں آئے۔''

موٹے منگول نے کہا۔ ''بہت اچھا ہوا، ورنہ یوں بھی تم چند دنوں کے مہمان تھے، ان کے پاس۔ ہلاکو خان تمہیں عنقریب گرفتار کرا لیتا۔''

دررداغ نے پھر وہی سوال کیا۔ ''مجھ کو معافی بھی مل سکتی ہے بھلا؟''

موٹے منگول نے تامل سے جواب دیا۔ ''شاید نہیں، بہت مشکل کام ہے یہ۔ ہلاکو خان معاف کرنے کا قائل نہیں۔''

ابن علقمی نے ایک بار پھر تسلی دی۔ ''تو ایسا کر کہ میرا ہم عقیدہ ہو جا۔ میں تیرے لیے اپنی جان لڑا دوں گا۔''

دررداغ نے پوچھا۔ ''کیا ہلاکو خان آپ کی بات مان لے گا؟''

ابن علقمی نے جواب دیا۔ ''امید تو ہے کیونکہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔''

دررداغ نے پوچھا۔ ''اگر اس نے آپ کی بات نہ مانی تو؟''

ابن علقمی نے جواب دیا۔ ''اگر اس نے میری بات نہ مانی تو میں تمہیں دوردراز کسی ایسے ملک میں بھجوا دوں گا جہاں یہ منگول نہ پہنچ سکیں۔''

موٹے منگول نے افسوس ناک لہجے میں کہا۔ ''اگر تم کہیں دور چلے گئے تو مجھ کو بہت دکھ ہوگا۔ تم اپنے آبائی مذہب سے بیگانہ کیوں ہو گئے؟ جو لوگ اپنی چیزوں پر دوسروں کی چیز کو ترجیح دیتے ہیں، وہ خوش نہیں رہتے۔ میرا مشورہ ہے کہ تو اسلام کو چھوڑ دے۔''

دررداغ نے جواب دیا۔ ''نہیں، ایسی بات نہ کر، میں اسلام نہیں چھوڑ سکتا۔''

ابن علقمی نے پوچھا۔ ''اگر تو ہمارا ایک کام کرنے پر آمادہ ہو جائے تو امید ہے کہ میں ہلاکو خان سے تیری زبردست سفارش کر سکوں گا۔''

دررداغ نے پوچھا۔ ''کون سا کام؟''

ابن علقمی نے جواب دیا۔ ''تو شہزادہ ابوبکر وغیرہ سے دوبارہ تعلقات قائم کر لے اور ان کی مصروفیات اور منصوبوں کی خبریں مجھے پہنچایا کر اور میں یہ خبریں ہلاکو خان کو بھیج دیا کروں گا۔ میرا خیال ہے جب ہلاکو خان کو یہ معلوم ہوگا کہ یہ عظیم الشان کام دررداغ انجام دے رہا ہے تو وہ خوش ہو کر تجھ کو ضرور معاف کر دے گا۔''

دررداغ وہاں کافی دیر تک رہا۔ موٹا منگول دررداغ کے معاملے میں کچھ زیادہ پرامید نہیں تھا کیونکہ وہ ہلاکو خان کے مزاج سے واقف تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ ہلاکو خان اپنے دادا چنگیز خان کی طرح اپنے آدمیوں پر بہت مہربان تھا۔ وہ اپنے وفادار اور غیر مشتبہ ساتھیوں کو ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر فراخ دلی سے معاف کر دیا کرتا تھا لیکن غداروں اور مشتبہ ساتھیوں کے لیے اس کے دل میں کوئی گنجائش نہ تھی اور بدقسمتی سے دررداغ کا شمار انہی لوگوں میں ہوتا تھا۔ اس نے غیر مہذب منگول کی طرح صاف صاف کہہ دیا۔ ''میں نہیں سمجھتا کہ ہلاکو خان دررداغ کو معاف کر دے گا۔ ایل خان (ہلاکو خان) کی نظر میں دررداغ غدار ہے اور یاسا میں غداری کی سزا موت ہے۔''

ابن علقمی نے موٹے منگول کو آنکھ دکھائی اور دررداغ کو تسلی دی۔ ''میرا خیال ہے ہلاکو خان اپنے کام کے آدمی کو ہلاک نہیں کرے گا اور پھر میں خود دررداغ کی سفارش کروں گا۔''

یکایک ابن علقمی کو کھانسی کا دورہ پڑا۔ کمرے کے ایک گوشے میں پانی رکھا تھا۔ موٹا منگول پانی کے لیے اٹھا لیکن کھانسی کا دورہ اتنا شدید تھا کہ ابن علقمی موٹے منگول کا انتظار نہ کر سکا اور پانی تک دونوں ایک ساتھ پہنچے۔ موٹے منگول نے پیالے میں پانی انڈیل کر ابن علقمی کی طرف بڑھایا۔ ایک گھونٹ پیتے ہی کھانسی میں کمی واقع ہو گئی۔ ابن علقمی نے موٹے منگول کو سمجھایا۔ ''کھانسی کا دورہ بناوٹی تھا، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں تجھ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ ہمیں دررداغ کے ذریعے بہت ساری باتیں معلوم کرنا ہیں۔''

وہ پانی کا پیالہ لیے ہوئے دررداغ کے پاس واپس آ گیا، ایک آدھ بار کھانسا اور سینے کو دونوں ہاتھوں سے داب کر بولا۔ ''اور توبہ تو خدا بھی قبول کر لیتا ہے۔ ہلاکو خان تو پھر بھی انسان ہے، آدمی کی وفاداریاں رنگ ضرور لاتی ہیں۔''

دررداغ نے جواب دیا۔ ''وزیر محترم! میں خود بھی منگول ہوں اور منگولوں کی سرشت سے خوب واقف ہوں۔ اب میں اس لائق نہیں ہوں کہ ہلاکو خان سے امید عفو رکھوں۔ میں جو کچھ بھی کروں گا صلہ و معاوضہ سے بے نیاز ہو کر، تلافی مافات کے لیے۔''

ابن علقمی اس کی باتوں سے متاثر نظر آ رہا تھا، اس نے دررداغ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور آہستہ آہستہ دبانے سہلانے لگا۔ ''دررداغ! تو عظیم ہے، لوگ تجھے سمجھنے میں ہمیشہ غلطی کریں گے لیکن جب تو پہچان لیا جائے گا تو لوگ دل سے تیری عزت کریں گے۔''

دررداغ نے کہا۔ ''اب مجھے ایک پریشانی اور درپیش رہے گی، میں نے امیر المومنین کے روبرو صاف صاف اور

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

کھری کھری باتیں کر کے اچھا نہیں کیا۔ شہزادہ ابوبکر اور سلیمان شاہ وغیرہ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ بہر حال میں اپنا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کروں گا۔"

موٹے منگول نے کہا۔ "وہ کٹر مسلمان لوگ ہیں، اگر تو اسلام پر سختی سے قائم رہا تو اسی سے تیرا اعتماد دوبارہ بحال ہو جائے گا۔"

اس دن درداغ پر شدید مایوسی کا دورہ پڑا۔ وہ ابن علقمی کے پاس سے اٹھا تو اداسی اور مایوسی نے اسے نڈھال اور مضمحل کر رکھا تھا۔ وہ اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔ تنہائی نے اور زیادہ غمگین اور افسردہ کر دیا، ماضی کی تصویریں خیالوں میں متحرک تھیں۔ اس کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں معلوم تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ عام طور پر ہر کسی کی زندگی کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ زندگی ویران اور اداس کیوں ہو جاتی ہے؟ اسی تسلسل میں علیہ بھی داخل ہو گئی اور افسردگی اور اداسی میں اچانک کمی واقع ہو گئی۔ رگ و پے میں کیف و لذت کا اثر و نفوذ شروع ہو گیا۔ علیہ کی یادوں میں تلخیاں بھی تھیں اور ان میں چند ایسے کردار بھی موجود تھے جن کی یاد نے کیف و لذت میں زہر سا گھول دیا اور منہ کا مزہ برا ہو گیا۔

☆☆☆

وہ دو دن تک گھر کے اندر ہی رہا، اس دوران کوئی اسے پوچھنے بھی نہیں آیا۔ عدم پرسی نے اسے اور زیادہ مایوس کر دیا۔ تیسرے دن سلطان ایبک کا آدمی آیا اور بتایا کہ سلطان نے اسے یاد کیا ہے۔ درداغ کے جی میں آئی کہ منع کر دے اور صاف صاف کہہ دے کہ وہ نہیں آئے گا لیکن وہ انکار نہیں کر سکا۔

جب وہ سلطان ایبک سے ملا تو وہاں عزالدین کرد، سلیمان شاہ اور شہزادہ ابوبکر پہلے سے ہی موجود تھے۔ انہوں نے درداغ کا مسکراہٹوں سے استقبال کیا لیکن ان مسکراہٹوں میں سرگرمی نہیں تھی، جوش و خروش نہیں تھا۔

سلیمان شاہ نے اعلان کیا۔ "ہلاکو خان چل چکا ہے، اب باتوں کا وقت نہیں رہا۔ اس سیلاب کو روکنے کی عملی تدابیر اختیار کرنے کا وقت آ گیا ہے۔"

عزالدین کرد نے کہا۔ "لیکن ہمارے ساتھی تھک چکے ہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ ان میں جوش و خروش کس طرح پیدا کیا جائے؟"

سلطان ایبک نے کہا۔ "ہمیں اپنے ساتھیوں کو منانا آتا ہے۔ ان کی شکایات دور کر دی جائیں گی، غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔"

شہزادہ ابھی تک خاموش تھا، وہ بار بار درداغ کی طرف دیکھتا اور جب درداغ کی نظریں شہزادے کی طرف اٹھتیں تو شہزادہ نظریں چرا جاتا۔

سلیمان شاہ نے کہا۔ "میں نے تو یہ فیصلہ کیا ہے کہ کوئی میرا ساتھ دے یا نہ دے، میں اپنا کام جاری رکھوں گا۔ میں کل اپنی فوج کے ساتھ موصل کی طرف روانہ ہو جاؤں گا کیونکہ ہلاکو خان اسی سمت سے آ رہا ہے۔"

شہزادے نے درداغ سے کہا۔ "ہلاکو خان کی آمد نے ہر طرف تہلکہ مچا دیا ہے، روزمرہ کی زندگی میں چہل پہل کی جگہ خوف و ہراس نے قبضہ جما لیا ہے۔ میں اس ماحول میں زندہ نہیں رہ سکتا...... یا تو اس کو بدل دوں گا یا پھر اپنی جان دے دوں گا۔"

درداغ نے پوچھا۔ "مجھ کو کیوں بلایا گیا ہے؟"

سلیمان شاہ نے پوچھا۔ "کیوں بلایا گیا ہے، کیا معنی؟ کیا تو ہم لوگوں سے علیحدہ ہو چکا ہے؟ کیا تو اس جنگ میں، فیصلہ کن آخری معرکے میں ہمارا ساتھی نہیں بنے گا؟"

درداغ نے جواب دیا۔ "میں نے اپنی رائے امیر المومنین کے سامنے دے دی تھی۔ میرا خیال ہے کہ ہلاکو خان سے مقابلہ کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔"

سلیمان شاہ نے مایوسی سے کہا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہوا تو ہمت ہار چکا۔"

عزالدین کرد نے کہا۔ "اس جیسے معلوم نہیں اور کتنے ہیں، جو درداغ کی طرح ہمت ہار چکے ہوں گے لیکن ہمیں اپنے حوصلے بلند رکھنا ہیں۔ میں سلیمان شاہ کا ساتھ دوں گا۔ یا تو منگولوں کو واپس دھکیل دوں گا یا میں خود مر جاؤں گا۔"

سلیمان شاہ نے کہا۔ "ساتھیو اور دوستو! خبر کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ موصل کا حکمراں بدرالدین ہلاکو خان کی طرف سے اس کا نگراں اور مشاہد مقرر ہوا ہے۔ اب وہ ہلاکو خان کا آدمی ہے۔ سنا ہے اس نے اپنی حدود کا پل منگولوں کے حوالے کر دیا ہے، گویا اب ہلاکو خان اور ہمارے درمیان پل بھی حائل نہیں رہا۔"

عزالدین کرد نے پوچھا۔ "ہم سب یہاں کیوں جمع ہوئے ہیں؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "یہ فیصلہ کرنے کہ ہم اپنے جملہ وسائل اور بہادری سے ہلاکو خان کے اعلانِ جنگ کو قبول کر چکے ہیں۔"

درداغ نے سلیمان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"میں نے جنگی ماحول میں آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا اور زندگی کے اس طویل دور میں میں نے ایک بات ہر جگہ دیکھی ہے۔ جنگوں کے محاذ ہمیشہ دو ہوتے ہیں۔ ہر جنگ دو محاذوں پر لڑی جاتی ہے۔ آپ لوگ اس میدان میں ابھی طفلِ مکتب ہیں۔"

ہر کوئی درواغ کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔ سبھی کا انداز گوش برآواز تھا۔

Downloaded From
Paksociety.com

درواغ بولتا رہا۔ "میری باتیں غور سے سنیے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ جنگیں ہمیشہ دو محاذوں پر لڑی جاتی ہیں اور وہ جنگ جو میدان جنگ میں لڑی جاتی ہے، دوسری ہوتی ہے۔ پہلی جنگ، یا کسی بھی جنگ کا آغاز زمانہ امن سے ہوتا ہے۔ اس کو ہم خاموش جنگ (سرد جنگ) کہہ سکتے ہیں۔ اس کا آغاز خط و کتابت، تقریر اور دشمن کی صفوں میں اپنے آدمی داخل کر کے انتشار اور نفاق پھیلانے کی صورتوں میں ہوتا ہے۔ ہلاکو خان نے اس جنگ کا آغاز اسی طرح کیا تھا، جب وہ اس جنگ میں کامیاب ہوگیا تو زخمی حریف پر فیصلہ کن ضرب لگانے کے لیے میدان جنگ میں اتر رہا ہے۔ میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے بھی یہ جنگ دو محاذوں پر لڑی ہے؟ نہیں کیونکہ آپ لوگ اس کے ماہر نہیں ہیں۔ ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ میں اس جنگ کے نتائج سے بالکل مطمئن نہیں، ہم جنگ سے پہلے ہی اس جنگ کو ہار چکے ہیں۔"

شہزادے نے کہا۔ "درواغ! تیری باتوں میں وزن ہے۔ اگر تیرے جیسا ہوشیار اور بیدار مغز ہمیں پہلے میسر آجاتا تو شاید ہماری یہ حالت نہ ہوتی۔ بہرحال، ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اس وقت تو اس سوال کا جواب تلاش کرنا ہے۔"

درواغ نے جواب دیا۔ "ہلاکو خان کے سامنے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرو۔ اس کو خوش آمدید کہو۔ اگر آپ کی خوش اخلاقی ہلاکو خان کے دل پر اثر کر گئی تو سمجھ لو نجات مل گئی ورنہ تباہی و بربادی اور ہلاکت ہر دو صورتوں میں یقینی ہے۔"

سلیمان شاہ نے بے دلی سے کہا۔ "میں درواغ سے اتفاق نہیں کروں گا۔ میں اپنے معاملات کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا ہوں۔ میں میدان جنگ میں ہلاکو خان کا اس طرح استقبال کروں گا جس طرح ہونا چاہیے۔ اگر میں اس راہ میں مارا بھی گیا تو میرا ضمیر مطمئن ہوگا کہ میں تقدیرِ الٰہی سے نہیں جیت سکا۔"

درواغ نے کہا۔ "اپنا اپنا اندازِ فکر ہے۔"

سلطان ایبک نے اپنی رائے دی۔ "جس طرح سواری کے دوران گھوڑے کی لگام ہمارے ہاتھ میں ہوتی ہے، اسی طرح میں خود بھی جنگ کے اونٹ کی نکیل اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا ہوں۔"

Downloaded From
Paksociety.com

شہزادے نے کہا۔ "تب پھر یہ بات طے پائی کہ ہلاکو خان سے جنگ کرنا ہے۔"

تینوں نے بیک آواز کہا۔ "ہاں، یہ بات طے پاگئی۔"

مجلس ختم ہوئی اور ہر کوئی تھکا تھکا اٹھا اور اپنے اپنے گھر روانہ ہوگیا۔ راستے میں شہزادے نے اپنا گھوڑا درواغ کے برابر لاتے ہوئے کہا۔ "درواغ! تو اس وقت میرے گھر چلے گا؟"

درواغ نے کوئی جواب نہیں دیا، بدستور چلتا رہا۔ شہزادے نے اپنا گھوڑا اتنا قریب کردیا کہ اتصال کے لیے ایک بالشت کا فاصلہ رہ گیا۔ اس نے کہا۔ "میں چاہتا ہوں اپنا قرض چکا دوں۔"

درواغ نے جواب دیا۔ "شہزادے! میں بغداد سے چلا جانا چاہتا ہوں۔ نہ میں کسی کا مقروض ہوں نہ کوئی میرا مقروض ہے۔ مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں ہے۔"

شہزادے نے کہا۔ "کچھ بھی سہی، آج تو تجھے میرے ساتھ چلنا ہی پڑے گا۔ اس کے بعد میں تجھے کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔"

درواغ شہزادے کے ساتھ اس کے قصر چلا گیا۔

بڑے بڑے درختوں کے اندر سے جھانکتا ہوا شہزادے کا محل دور سے نظر آرہا تھا۔ شہزادے نے درواغ کو اسی حصے میں بٹھایا جہاں وہ ایک بار پہلے بھی بیٹھ چکا تھا۔ جالی دار دیواروں نے محل کے اندرونی حصے کو الگ کر رکھا تھا اور جالیوں کے پیچھے رنگ برنگ کپڑوں میں ملبوس عورتیں خوش رنگ تتلیوں کی طرح اتراتی پھر رہی تھیں۔ درواغ کو صفیہ یاد آگئی اور اس نے اس کے اندر ایک ہلچل برپا کردی۔

شہزادے نے پوچھا۔ "درواغ! تو اکھڑا اکھڑا کیوں رہتا ہے؟"

درواغ نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ "شہزادے! اس ذکر کو جانے دیجیے، کچھ اور باتیں کیجیے۔"

شہزادے نے اصرار کیا۔ "نہیں، اس وقت یہی باتیں ہوں گی۔"

درواغ نے بے بسی سے پورے ماحول کا جائزہ لیا، بولا۔ "آپ اپنے محل میں قید کر کے جس موضوع پر چاہیں،

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

بات کریں لیکن اگر میں آزاد ہوتا تو میں اسی وقت بات کیے بغیر ہی چلا جاتا۔''

شہزادے نے تلخ و ترش لہجہ اختیار کیا۔ ''بات بے بسی یا قید کی نہیں ہے، تو یہاں بھی آزاد ہی ہے۔ جب بھی جانا چاہے، جا سکتا ہے لیکن میں نے تجھ میں جو کچھ دیکھا، جو کچھ پایا، وہ بہت عجیب اور تکلیف دہ ہے۔''

درداغ نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ ''شہزادے! بادشاہوں اور شہزادوں کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ عہد شکنی کریں، اپنے وعدوں سے منحرف ہو جائیں۔''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''تجھ سے یہ کس نے کہہ دیا کہ میں نے عہد شکنی کی ہے، وعدہ خلافی کی ہے۔ میں نے ایسا نہیں کیا اور نہ ہی ایسا کروں گا۔''

درداغ نے منہ بنا کر کہا۔ ''بہر حال اگر آپ کو اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں نظر آ رہا تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ماضی میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی یہی سب کچھ ہوتا رہے گا۔ دل جڑیں گے، دل ملیں گے پھر الگ ہو جائیں گے، یہ تو پرانی ریت ہے اس دنیا کی۔''

شہزادے نے کہا۔ ''درداغ! میں نے تجھ کو ہمیشہ غیر معمولی نوجوان سمجھا ہے لیکن جب ایک لڑکی یا عورت آزمائش بن کر سامنے آ کھڑی ہوئی تو تو اور تیرا کردار ریت کی دیوار کی طرح ڈھے گیا۔''

درداغ نے جواب دیا۔ ''شہزادے! اپنے محل میں بیٹھ کر جو چاہو کہہ سن لو لیکن بات صرف اتنی سی ہے کہ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا جو پورا نہیں کیا۔ میں نے بھی آپ کو بڑا سمجھا تھا لیکن جب وعدے اور معاہدے کی کسوٹی پر آپ کو کسا گیا تو آپ کھوٹے ثابت ہوئے۔''

شہزادہ تلملا گیا، وہ تیزی سے اندر گیا اور کچھ دیر بعد جب واپس آیا تو صفیہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ شہزادے نے صفیہ کو درداغ کے آگے ڈال دیا۔ ''میں وعدہ خلاف یا معاہدہ شکن ہرگز نہیں۔ میں صفیہ کو جس طرح تیرے حوالے کرنا چاہتا تھا، وہ ایک شاندار طریقہ تھا۔ اس کے ساتھ ایک محل اور شاندار باغ بھی دیتا لیکن تو نے مجھ پر شبہ کیا، مجھ کو ذلیل و خوار کیا، مجھ سے کنارہ کشی اختیار کی اور مجھ سے بولنا، بات چیت کرنا ترک کر دیا۔ بتا کیا تو نے انصاف کیا میرے ساتھ؟ نہیں، بالکل نہیں۔ صفیہ کو لے اور اسی وقت میرے محل سے نکل جا۔ میں آئندہ تیری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتا۔''

درداغ صفیہ کو یوں اپنے قریب دیکھ کر حیران و پریشان رہ گیا۔ اس کو اپنی آنکھوں اور حواس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

شہزادے نے سختی سے کہا۔ ''تو یہاں سے جاتا ہے یا نہیں۔ میں آخری بار تجھ کو یہاں سے چلے جانے کا حکم دے رہا ہوں۔ اس کے بعد میں غلاموں کو بلوا کر تجھ کو دھکے دے کر نکلوا دوں گا۔''

درداغ نے چند باتیں کرنے کی اجازت طلب کی، بولا۔ ''شہزادے! میں چلا جاؤں گا لیکن مجھ کو اجازت دیجیے کہ میں جانے سے پہلے چند باتیں کرتا جاؤں۔ آپ کی باتوں کا میرے پاس بھی جواب ہے۔''

شہزادے نے بدرجۂ مجبوری اجازت دے دی۔ ''اجازت ہے لیکن اس کے لیے میں زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔''

درداغ نے کہا۔ ''آپ نے کھسیا کر جب اپنا وعدہ پورا بھی کیا تو رویّہ ایسا رکھا کہ میں خوفزدہ ہو کر اپنے آپ پر نادم ہو جاؤں لیکن میں نادم ہونے کو تیار نہیں۔''

شہزادے نے پوچھا۔ ''تو اپنی بات کہہ چکا یا کچھ اور کہنا ہے؟''

درداغ نے صفیہ کو دوبارہ شہزادے کی طرف دھکیل دیا۔ ''جس طرح آپ اپنا عہد پورا کر رہے ہیں، اس طرح میں صفیہ کو قبول نہیں کروں گا۔''

شہزادہ ایک بار پھر الجھن میں پڑ گیا، بولا۔ ''درداغ! بات ختم کر اور صفیہ کو لے کر دفعان ہو جا۔''

درداغ نے جواب دیا۔ ''شہزادے! بات اپنے اپنے کردار کی ہے۔ جب میں نے ہلاکو خان کو چھوڑ دیا، اپنا آبائی دین ترک کر دیا پھر یہ صفیہ اور علیہ کیا چیز ہیں۔ اب میں مصر چلا جاؤں گا اور وہاں پر قسمت آزمائی کروں گا۔''

شہزادہ نرم پڑ گیا، بولا۔ ''تو کہیں بھی چلا جا، اپنے ساتھ صفیہ کو ضرور لیتا جا۔''

درداغ نے باہری دروازے کا رخ کیا، بولا۔ ''میں اس کو اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا، میں تنہا آدمی اس کو کہاں کہاں لیے پھروں گا؟''

شہزادے نے انتہائی سلجھا ہوا انداز اختیار کیا۔ ''لیکن مجھ کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

درداغ نے عرض کیا۔ ''آپ کو ان سے دلچسپی ہو یا نہ ہو لیکن مجھ کو آپ سے دلچسپی ضرور ہے۔''

شہزادے نے ایک بار پھر اپنی بات دہرائی۔ ''تو صفیہ کو اسی وقت اپنے ساتھ لے جا، اب میں اس کو اندر نہیں لے جاؤں گا۔''

درداغ نے جواب دیا۔ ''شہزادے! میں صفیہ کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اپنے ساتھ لے جاؤں گا مگر ایسی صورت میں، جب آپ سچے دل سے اور نرمی سے صفیہ کو میرے حوالے کریں گے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو میں زندگی بھر اس آگ میں جلتا رہوں گا کہ میں نے صفیہ کو آپ سے زبردستی حاصل کیا۔''

شہزادے نے درداغ کا ہاتھ پکڑلیا، بولا۔ ''اچھا اب تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس بیٹھ جا تا کہ میں اپنی طبیعت پر قابو پالوں، اس دوران چند ضروری باتیں اور ہو جائیں گی۔''

درداغ نے شہزادے کو موم کی طرح پگھلا ہوا دیکھا تو اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

شہزادے نے کہنا شروع کیا۔ ''درداغ! میں تیری حیل حجتوں کا دل سے قائل ہوں، میں تیرا بہت بڑا قدردان ہوں۔ تو یہ جان کر اور زیادہ حیرت زدہ رہ جائے گا کہ علیہ کو تیرے لیے میں نے ہی آٹھ ہزار دینار میں استاد شمس الدین سے خرید لیا تھا، تیرے لیے، تیری خاطر...... لیکن میں نے اس کو راز میں رکھا۔ میں چاہتا تھا کہ میں اس کو اس وقت تک راز میں رکھوں جب تک ہلاکو خان اور ہماری فوجوں میں فیصلہ کن تصادم نہ ہو جائے کیونکہ پہلے میرا یہ خیال تھا کہ ہم ہلاکو خان کو شکست دے دیں گے اور اس وقت فتح کی خوشی میں، میں علیہ کو تیرے حوالے کر دیتا۔''

درداغ کو ایسا لگا، گویا وہ خواب دیکھ رہا ہو، پوچھا۔ ''پھر...... پھر کیا ہوا؟''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''پھر جب میں نے صفیہ کے سلسلے میں تجھ کو بے صبر اور کم ظرف پایا تو مجھے بہت افسوس ہوا اور میں نے بیک وقت دو فیصلے کیے، ایک تو یہ کہ میں تجھ کو ذلیل اور شرمندہ کر کے صفیہ کو تیرے حوالے کر دوں گا اور دوسرے یہ کہ میں......''

درداغ شہزادے کا سکوت برداشت نہ کر سکا، جلدی جلدی پوچھا۔ ''اور وہ دوسرا فیصلہ کیا تھا؟''

''دوسری تجویز یہ تھی کہ میں علیہ کو تیرے حوالے نہیں کروں گا۔ شہری افراتفری میں وہ خود تیرے پاس پہنچ جائے گی اور اس وقت میں تجھ کو مصر روانہ کر دوں گا۔ ایسا میں اس لیے کرتا کہ میں تجھ پر یہ نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ میں نے علیہ کو تیری خاطر آٹھ ہزار دینار میں خرید کر کوئی احسان کر رہا ہوں۔'' شہزادے نے فرطِ غم میں اپنا سر جھکا لیا۔ ''لیکن تو نے جو روش اختیار کی، اس سے میرا دل ٹوٹ گیا اور میں وہ کچھ نہ کر سکا، جو کرنا چاہتا تھا۔''

علیہ کے امید افزا ذکر نے درداغ کے دل و دماغ میں طوفان سا کھڑا کر دیا، پوچھا۔ ''اور وہ خط جو علیہ نے لکھا تھا امیر المومنین کے نام، اس کا کیا مقصد تھا؟''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''جب میں نے یہ دیکھا کہ علیہ کی مفقود الخبری نے تجھ کو اور زیادہ پریشان کر دیا ہے اور تو مایوس مایوس سا مُردوں کی طرح چلتا پھرتا رہتا ہے تو میں نے علیہ کی موجودگی کو اس خط کے ذریعے عیاں کر دیا۔ وہ بوڑھا جو خط لے کر تیرے پاس گیا تھا اور بعد میں کسی جگہ تجھ کو نظر بھی آیا تھا، میرے محل کا ایک خدمت گار ہے۔''

درداغ نے گویا مدہوشی میں سوال کیا۔ ''اس وقت علیہ کہاں ہے؟''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''اسی محل میں، یہیں کہیں قریب ہی۔''

درداغ نے پوچھا۔ ''کیا میں اس کو دیکھ سکتا ہوں؟''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''کیوں نہیں! تیرا یہ سوال کہ کیا میں اس کو دیکھ سکتا ہوں، اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ تو نے ابھی تک میری باتوں پر یقین نہیں کیا اور سمجھ رہا ہے کہ میں تجھ سے جھوٹ بول رہا ہوں۔''

درداغ نے کہا۔ ''شہزادے! کیا آپ اس کی ایک جھلک دکھا سکتے ہیں؟''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''ہاں، دکھا سکتا ہوں۔''

درداغ نے کہا۔ ''پھر براہِ کرم میں اس کی ایک جھلک اسی وقت دیکھنا چاہتا ہوں۔''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''تب پھر کچھ دیر صبر کر...... میں ابھی اس کا دیدار کرا دوں گا۔''

شہزادہ اندر چلا گیا۔ صفیہ دونوں کی باتیں غور سے سن رہی تھی، شہزادے کے جانے کے بعد پوچھا۔ ''کیا تو علیہ سے محبت کرتا ہے؟''

درداغ نے جواب دیا۔ ''ہاں، بہت زیادہ۔ میں علیہ سے بہت زیادہ محبت کرتا ہوں، کیا وہ اندر موجود ہے؟''

صفیہ نے کہا۔ ''ہاں، وہ اندر موجود ہے۔ میں نے اس کو دیکھا ہے، وہ اداس اداس غمزدہ سی لڑکی۔ میں نے اس کی بابت یہ سنا تھا کہ وہ محل میں کسی کی امانت ہے۔''

شہزادہ، علیہ کو لے کر آ گیا۔ درداغ اس کو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔ اس کی بے تابی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، خود علیہ بھی درداغ پر نظریں جما کر تصویر کی طرح ساکت و جامد ہو گئی۔

شہزادے نے کہا۔ ''درداغ! تو علیہ کو بھی اسی وقت اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ اب میں اس کو محل میں نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

www.paksociety.com

رکھوں گا۔"

درداغ اپنے دل میں کچھ کچھ شرمندہ ہوا، آہستہ سے بولا۔ "شہزادے! میں اپنی روش اور تلخ رویوں پر شرمندہ ہوں۔"

شہزادے نے کہا۔ "اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب تُو جاسکتا ہے۔"

درداغ نے شہزادے کا ہاتھ گرم جوشی سے پکڑ لیا، بولا۔ "میں نے آپ کو جو تکلیف پہنچائی ہے، اس پر معذرت خواہ ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔"

شہزادے نے کہا۔ "میں نے کہہ جو دیا کہ اب تو جاسکتا ہے۔ میں اپنے دل میں کینہ یا کدورت نہیں رکھتا۔"

درداغ نے علیہ اور صفیہ کو باری باری دیکھا، بولا۔ "بہتر ہے اگر آپ کی یہی مرضی ہے کہ اب میں یہاں نہ رکوں تو میں چلا جاؤں گا۔"

شہزادے نے پوچھا۔ "تو اپنے ساتھ علیہ کو لے جائے گا یا صفیہ کو؟"

درداغ ٹھٹک کر کھڑا ہوگیا۔ "یعنی اس سوال سے آپ کا مطلب کیا ہے؟ صفیہ عہد باہمی کا ایفا ہے اور علیہ میرا انعام۔ میں دونوں ہی کو ساتھ لے جاؤں گا۔"

شہزادے نے جواب دیا۔ "دیکھ جب تجھے علیہ سے عشق ہے تو صفیہ کو میرے پاس ہی رہنے دے۔ تیری مالی حالت بھی اچھی نہیں ہے اور پھر یہ کہ تو حالتِ سفر میں دونوں کو سنبھال نہیں سکے گا۔ دونوں کو خوش اور مطمئن نہیں رکھ سکے گا۔ اس لیے میں تجھ کو یہی مخلصانہ مشورہ دے سکتا ہوں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک ہی کا انتخاب کرلے اور یہاں سے مصر چلا جا۔"

درداغ نے تیوریوں پر بل ڈالے، بولا۔ "یہ آپ مجھ کو بار بار مصر کیوں بھیج رہے ہیں؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "جب ہمیں تیرے اس فیصلے کا علم ہوا کہ ہمیں منگولوں سے مقابلہ نہیں کرنا چاہیے تو ہم سب اس نتیجے پر پہنچے کہ تو جنگ سے گریز کررہا ہے...... تو جنگ سے بچنا چاہتا ہے، تب میں نے سوچا کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے تجھ کو مصر کیوں نہ روانہ کردیا جائے۔"

درداغ نے کہا۔ "لیکن میں اس طرح مصر نہیں جاؤں گا۔ میں آپ لوگوں کے شانہ بشانہ ہلاکو خان کا مقابلہ کروں گا۔"

شہزادے نے کہا۔ "تیری مرضی لیکن تجھ کو راہِ فرار اختیار کرنی چاہیے۔ ہلاکو خان تجھ سے ناراض ہو کر تیری موت کا خواہش مند ہے اور ہلاکو خان کے آجانے کے بعد ہر راستہ اجنبی اور بے مروت سا ہوجائے گا۔ بہرحال، میں یہی کہوں گا کہ انسان کو وقت سے پہلے ہی کچھ کرلینا چاہیے کیونکہ جب بیماری اور مصائب یلغار کردیں تو پھر ان سے پناہ کیونکر ملے گی۔"

"درداغ اپنے مسائل سے نمٹنا جانتا ہے۔ میں اس وقت تک بغداد ہی میں رہوں گا جب تک کہ ہلاکو آنہ جائے۔ اس کے بعد میں سوچوں گا کہ کیا کروں؟"

شہزادے نے سوچا کہ شاید فرطِ جوش میں درداغ کا دماغی توازن درست نہیں رہا۔ اس نے درداغ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

درداغ نے علیہ اور صفیہ کے ہاتھ پکڑے اور شہزادے سے جانے کی اجازت چاہی۔ شہزادے نے ان دونوں کے لیے گاڑی کا انتظام کردیا۔ جب وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئیں تو درداغ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر گاڑی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

☆☆☆

سلیمان شاہ جنگی تیاریوں میں مشغول تھا۔ ابن علقمی، درداغ کا انتظار کررہا تھا لیکن درداغ عیش و عشرت میں مشغول تھا۔ عزالدین کرد اور سلطان ایبک اس فکر میں گھلے جارہے تھے کہ ان کے پاس ہلاکو خان سے مقابلہ کرنے کے لیے معقول سازوسامان نہیں ہے۔ اس افراتفری اور یوم النشور میں ابن علقمی، درداغ کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ آخرکار یہ دونوں ایک چوراہے پر مل گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو بڑے اشتیاق سے دیکھا اور گلے لگ گئے۔ ابن علقمی نے کہا۔ "میں تو تیرا انتظار ہی کرتا رہ گیا۔"

درداغ نے جواب دیا۔ "میں بھی کسی خبر کا انتظار کرتا رہ گیا۔ سلیمان شاہ، عزالدین کرد اور سلطان ایبک اپنے دوستوں اور حلیفوں کے در کھٹکھٹا رہے تھے لیکن ہر جگہ سے انہیں مایوسی ہی میں جواب ملا اور وہ مجھ کو کوئی نئی خبر نہ دے سکے۔"

ابن علقمی نے شک و شبہے سے پوچھا۔ "کیا یہ درست ہے کہ شہزادے نے علیہ اور صفیہ نامی دو لڑکیاں تجھے بخش دی ہیں؟"

اس نے جواب دیا۔ "ہاں، یہ خبر درست ہے اور میں اسی خوشی میں گھر سے باہر نہیں نکلا۔"

ابن علقمی نے کہا۔ "کچھ کر، کوئی چھوٹی موٹی ہی خبر فراہم کر، میں اس کو نمک مرچ لگا کر آگے بڑھا دوں گا۔"

درداغ نے جواب دیا۔ "ایک خبر ہے، میں نے سلیمان شاہ سے سنا ہے کہ ہلاکو خان نے موصل کے فرماں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

روابدرالدین کو اس علاقے کا نگراں اور مشاہد مقرر کیا ہے۔ سنتا ہوں بدرالدین بہت خوش ہے اس خبر سے۔"

ابن علقمی نے کہا۔ "ہاں، یہ خبر ہوئی۔ اب یہ بتا کہ تجھ کو یہ خبر دی کس نے؟"

درداغ نے جواب دیا۔ "خود سلیمان شاہ نے۔"

ابن علقمی نے کہا۔ "اس وقت تو میں چلا جاؤں گا لیکن کسی اور وقت کے لیے ملاقات کا وقت ابھی سے طے پا جانا چاہیے۔"

درداغ نے جواب دیا۔ "میں کل شام کو آپ سے ملنے کی کوشش کروں گا۔"

ابن علقمی نے کہا۔ "میں تیرا انتظار کروں گا۔"

ابن علقمی سے پیچھا چھڑاتے ہی وہ سیدھا گھر پہنچا، وہاں علیہ اور صفیہ اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ دونوں نے درداغ کا منہ بنا کر استقبال کیا۔ درداغ نے ان دونوں کی سرزنش کی، بولا۔ "مہ پارو! میں ایک سیدھا اور شریف انسان ہوں، مجھ پر کسی قسم کا شبہ کبھی نہ کرنا۔"

علیہ نے جواب دیا۔ "بات شبہے کی نہیں ہے۔ میں تو یہ جاننا چاہتی ہوں کہ میں کب تک اس طرح رہوں گی؟"

درداغ نے کہا۔ "اس وقت تک جب تک خدا چاہے گا۔ جہاں خدا ہم پر مہربان ہوا، ہمارے بگڑے کام بھی بن جائیں گے۔"

صفیہ نے منہ بنا کر کہا۔ "لیکن میں یہاں نہیں رہوں گی۔"

درداغ نے پوچھا۔ "وہ کیوں؟ اس گھر میں خرابی کیا ہے؟"

صفیہ نے جواب دیا۔ "اس گھر کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ سنسان اور ویران ہے۔"

درداغ نے سختی سے کہا۔ "تو میں اس ویرانے ہی میں رہ لوں گا، آخر علیہ شکایت کیوں نہیں کر رہی؟"

صفیہ نے بدستور تلخی سے کہا۔ "میں کیا جانوں کہ علیہ شکایت کیوں نہیں کر رہی۔ میں تو اپنی بات جانتی ہوں کہ مجھ کو یہ گھر ویران اور سنسان لگتا ہے۔"

درداغ نے صفیہ سے پوچھا۔ "صفیہ! میں ایک بات جاننا چاہتا ہوں۔ تم سچ سچ بتانا، جھوٹ نہ بولنا۔"

صفیہ نے بے رخی سے جواب دیا۔ "پوچھو، بہرحال میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔"

درداغ نے پوچھا۔ "کیا تو شہزادہ ابوبکر سے محبت کرتی ہے؟"

صفیہ نے جواب دیا۔ "پتا نہیں، میں شہزادے سے محبت کرتی ہوں یا نہیں لیکن اتنا پتا ضرور ہے کہ جو محبت اور جو سکھ مجھ کو شہزادے نے دیا ہے، شاید کہیں اور نہ مل سکے۔"

درداغ نے کہا۔ "صفیہ! تو جس قسم کی بھی باتیں کر سکتی ہے کر لے لیکن میری توبہ جو میں آئندہ بھی کسی بیوہ یا مطلقہ سے ملوں۔ بزرگوں سے سنا تھا کہ ایک مرد کو، بیوہ یا مطلقہ سے شادی کرتے وقت......"

صفیہ نے ناراض ہو کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ "درداغ! میں محسوس کر رہی ہوں کہ آج کل تم دماغی توازن کھو چکے ہو۔ میں نہ تو بیوہ ہوں نہ مطلقہ...... پھر یہ تم بہکی بہکی باتیں کیوں کر رہے ہو؟"

علیہ نے درداغ کی طرف سے جواب دیا۔ "اس سے ان کا یہ مطلب ہے کہ تو پہلے ہی شہزادے کے پاس رہ چکی ہے اور تیری بھی وہی حیثیت ہے جو ایک بیوہ یا مطلقہ کی ہوا کرتی ہے۔"

صفیہ رونے لگی۔ "علیہ! تجھ پر میرا صبر پڑے، تو نے مجھے بیوہ اور مطلقہ کی صف میں بٹھا دیا ہے۔ اب میں اس گھر میں نہیں رہوں گی۔ مجھ کو شہزادے کے پاس پہنچا دو۔"

درداغ اس ہنگامے سے اتنا بدحواس ہوا کہ وہ گھبرا کر باہر نکل گیا۔ اس کو شام تک اِدھر اُدھر گھومتے دیکھا گیا۔ راہ میں شہزادہ بھی ملا اور سلیمان شاہ بھی لیکن پریشان حال درداغ نے انہیں دیکھا تک نہیں۔ اس نے اس پریشانی میں سوچا کیا پریشانی، افراتفری، انتشار اور نفاق بغداد اور بغداد والوں کا مقدر بن چکا ہے؟ وہ اپنے سوال کا جواب لیے بغیر ہی شہزادے کے پاس پہنچ گیا اور اس سے درخواست کی کہ براہِ کرم صفیہ کو اس سے واپس لے لیا جائے۔

لیکن شہزادہ فی الحال اس پر تیار نہیں تھا، اس نے کہا۔ "درداغ! مجھ کو معلوم تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ ہوگا کہ تو ان دونوں میں سے کسی ایک سے بیزار ہو جائے گا اور کسی سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرے گا۔"

درداغ نے جواب دیا۔ "شہزادے! ادھر میں عورتوں کی وجہ سے بہت گر چکا ہوں، میں حیران ہوں کہ یہ مجھ کو ہو کیا گیا۔ شاید دوسرے مجھ پر ہنستے ہوں گے اور میں اپنے آپ پر روتا رہتا ہوں، بتائیے میں کیا کروں؟"

لیکن شہزادہ، صفیہ کو واپس لینے پر تیار نہیں ہوا۔ اس کا عذر یہی تھا کہ منگول بغداد کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں اور وہ خود غیر معینہ مدت کے لیے بغداد کو چھوڑ کر باہر جا رہا ہے۔

درداغ ادھر سے مایوس ہو کر اپنے گھر پہنچا، وہاں عزالدین کرد اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "درداغ! اب ہمیں تیری ضرورت پیش آ گئی ہے۔ ہلاکو خان بغداد

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

www.paksociety.com

سے دس فرسخ (ساٹھ میل) دور رہ گیا ہے اور موصل کی طرف سے اس کا سردار تاچو اسی ہزار سواروں کے ساتھ پیش قدمی کر رہا ہے۔"

درداغ نے جواب دیا۔ "دوست! میں نے علیہ اور صفیہ کو قبول کر کے بڑی غلطی کی ہے۔ شہزادہ ان دونوں کو ابھی میرے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے غلطی اور جلدی کی۔ اب میں پریشان ہوں کہ ان دونوں کو ہنگامی حالات میں کس کے پاس چھوڑوں اور یہ ناممکن ہے کہ اس آڑے وقت میں اسلام اور بغداد کا ساتھ نہ دوں۔"

عزالدین نے پیشکش کی۔ "اگر تو پسند کرے اور ہم پر اعتبار ہو تو ان دونوں کو ہماری خواتین میں چھوڑ دے۔"

درداغ فوراً راضی ہو گیا۔ عزالدین کی پیشکش ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ثابت ہوئی۔ علیہ اور صفیہ کو عزالدین کرد کے گھر پہنچا دیا گیا۔ صفیہ نے تھوڑا سا ہنگامہ بھی کیا مگر پھر رضامند ہو گئی۔

پورے بغداد کی خوش حال فضا ابتری اور انتشار میں بدل گئی۔ منگولوں کی آمد کی خبر نے سبھی کو پریشان کر دیا تھا۔ بغداد کا ایک فرقہ اور مسیحی بہت خوش تھے۔ بازار بند ہو گئے اور گھروں میں تہ خانے آباد ہونے لگے۔ دجلہ کے مشرقی ساحل کی آبادی مغرب میں منتقل ہونے لگی۔ کشتیاں ادھر سے ادھر بھاگتی نظر آ رہی تھیں۔ مشرقی ساحل پر چڑھنے والوں کا اور مغربی ساحل میں اترنے والوں کا ہجوم تھا۔

شہزادہ ابوبکر، سلیمان شاہ، عزالدین کرد، سلطان ایبک سردوات دار اور درداغ وفد کی شکل میں قصرِ خلافت پہنچے۔ اس وقت خلیفہ اپنے کتب خانے میں مشغولِ مطالعہ تھا۔ خلیفہ کو ان سب کی آمد سے مطلع کیا گیا کہ ہنگامی حالات میں امیر المومنین سے چند مشورے ضروری ہو گئے ہیں۔

خلیفہ نے کہلا دیا۔ "وزیر ابن علقمی سے رجوع کیا جائے۔"

لیکن شہزادہ کتب خانے میں داخل ہو گیا۔ وہ بہت دل برداشتہ اور پریشان تھا، اس نے کہا۔ "امیر المومنین کو معلوم ہونا چاہیے کہ حلّہ اور موصل کی طرف سے منگول سردار تاچو اسی ہزار سواروں کے ساتھ بغداد کی طرف بڑھ رہا ہے اور اصفہان کی طرف سے ہلاکو خان آ رہا ہے، اب ہمیں کیا کرنا ہے؟ ہم سب آپ سے مشورہ کر کے کوئی قدم اٹھانا چاہتے ہیں۔"

خلیفہ نے اجازت دے دی۔ "سب کو یہیں بلا لو۔"

چنانچہ سلیمان شاہ، عزالدین کرد، سلطان ایبک سردوات دار اور درداغ کو کتب خانے میں بلوا لیا گیا۔

سلیمان شاہ نے نہایت موثر انداز میں سنگین حالات کی منظر کشی کی اور پوچھا۔ "ہم اپنے دشمن کی اتنی بڑی فوج سے کیونکر مقابلہ کریں گے؟"

خلیفہ نے پوچھا۔ "کیا تم لوگوں نے ابن علقمی سے ملاقات کی؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "ابھی نہیں اور ہم لوگ اس سے ملنا بھی نہیں چاہتے۔"

خلیفہ نے پوچھا۔ "وجہ؟ اور میں یہی کہوں گا کہ جاؤ ابن علقمی سے ملو اور اس سے پوچھو کہ اس نے منگولوں کو روکنے کا کیا انتظام کیا ہے؟"

سلیمان شاہ کو غصہ آ رہا تھا، کہا۔ "ہم اس غدار سے کوئی بات نہیں کریں گے۔ یہ ساری مصیبت اسی کی لائی ہوئی ہے۔"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "بدظنی اچھی بات نہیں۔ جاؤ ابن علقمی سے مشورہ کرو۔ ہمیں امید ہے کہ وہ اس کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکال لے گا۔"

شہزادے نے جواب دیا۔ "امیر المومنین! اگر آپ کوئی مشورہ نہیں دے سکتے تو پھر ہمیں اپنے طور پر سب کچھ کرنا ہو گا۔ ہم ابن علقمی کے پاس نہیں جائیں گے۔"

خلیفہ کے پاس ایک ہی جواب تھا۔ "وزیر ابن علقمی سے کہہ دیا گیا ہے اس سے جواب لینا چاہیے۔"

سلطان ایبک نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "چلو، باہر نکل کر کوئی تدبیر سوچتے ہیں۔ ابن علقمی سے کیا پوچھنا۔"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "عزیز از جان! جو جس کا کام ہے اسی کو انجام دینے دو۔ جاؤ مدرسہ مستنصریہ کے علما سے جہاد کا فتویٰ لو اور منگولوں کے مقابل صف آرا ہو جاؤ لیکن بہتر طریقہ یہی ہے کہ وزیر ابن علقمی کے پاس جاؤ اور اس کے مشورے کے مطابق کوئی قدم اٹھاؤ۔"

یہ لوگ بادلِ ناخواستہ باہر نکلے اور مدرسہ مستنصریہ کی طرف چل دیے۔ شہزادے نے مستنصریہ کے علما کو یکجا کیا اور ان سے جہاد کا فتویٰ مانگا۔ رضی الدین علی بن طاؤس کو علما میں ممتاز اور بہت لائق سمجھا جاتا تھا۔ شہزادے نے ان سے کہا۔ "حضرت! اس نازک وقت میں آپ کے فتوے کی ضرورت ہے۔"

جہاد کا فتویٰ حاصل کرنے میں دیر نہیں لگی۔ فتویٰ مل گیا، افراتفری میں پیادوں کی تعداد بڑھ گئی۔ سوار کم تھے۔ سلطان ایبک فوج کے ساتھ آگے بڑھا۔ مغرب سے تاچو بڑھا چلا آ رہا تھا۔ سلیمان شاہ، عزالدین کرد اور سلطان

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ایبک نے ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ حملہ اتنا شدید اور اچانک تھا کہ منگولوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

عزالدین کرد نے خوشی میں نعرہ بلند کیا۔ ”وہ مارا...... انہیں دوڑا دوڑا کر مارو تا کہ دوبارہ ادھر کا رخ نہ کریں۔“

لیکن درداغ نے اس سے اختلاف کیا، بولا۔ ”نہیں، ان کا پیچھا مت کیجیے کیونکہ منگولوں کی شکست ان کی ایک چال ہوتی ہے۔“

سلیمان شاہ نے عزالدین کرد کی ہمنوائی کی، بولا۔ ”عزالدین کی تجویز پر عمل کیا جائے۔“

لیکن سلطان ایبک نے درداغ کا ساتھ دیا اور عزالدین کرد کو متنبہ کیا۔ ”درداغ صحیح کہتا ہے، ان کا پیچھا نہ کیا جائے۔“

مسلمانوں کا لشکر نشیب میں تھا۔ عزالدین نے منگولوں کا پیچھا کیا۔ اس دوران ابن علقمی کے آدمیوں نے بلندی پر بہنے والی نہر شیر کا بند توڑ دیا۔ پانی کا ریلا تیزی سے اسلامی سپاہ میں داخل ہو گیا۔ مسلمانوں کے پاؤں پھسلنے لگے، لباس بھیگ گئے اور ہتھیاروں میں پانی نے خرابی پیدا کر دی۔

عزالدین کرد منگولوں کے تعاقب میں کافی دور تک نکلتا چلا گیا پھر منگول اچانک پلٹے اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ مسلمان اس اچانک حملے کے لیے تیار نہ تھے۔ اب ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور منگولوں نے انہیں گھیر کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ ان میں جو بھاگ کر اپنے مستقر تک پہنچ گئے، وہ پانی اور کیچڑ میں پھنس گئے۔ گھڑسوار منگول ان پیادوں کو نیزے چبھو چبھو کر ہلاک کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو بہت آسانی سے شکست دی جا چکی تھی۔

سلیمان شاہ، سلطان ایبک اور عزالدین کرد نے بھاگ کر بغداد میں پناہ لی۔ شہزادہ عملاً اس جنگ میں شامل نہیں ہوا تھا۔ درداغ بھی بغداد واپس آ گیا، مغربی دروازے بند کیے جا چکے تھے۔

چار محرم 656 ہجری جمعرات کے دن بغداد والوں نے مشرقی افق پر گرد و غبار کا ایک بادل سا اٹھتا دیکھا۔ سامنے یعقوبا نامی سڑک تھی۔ گرد و غبار نے سورج کو چھپا دیا اور بغداد والے اپنی چھتوں پر چڑھ کر یہ پریشان کن منظر دیکھنے لگے۔ شہر تاریکی میں ڈوب چکا تھا۔ شہریوں کی پریشانی کچھ عجیب سی تھی۔ وہ اپنی چھتوں سے شہر کے باہر مشرقی سڑک پر ہلاکو خان کو آتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ منگول سپاہ کے... گھوڑے اور دوسرے مویشی صاف نظر آ رہے تھے۔ درداغ نے اس ہوشربا منظر کو ایک چھت سے دیکھا۔

سلیمان شاہ بہت پریشان تھا۔ اس کی دوررس نظریں سمجھ چکی تھیں کہ اب مسلم سپاہ کا جیتنا ناممکن ہے۔

ہلاکو خان نے بغداد کے باہر کچھ فاصلے پر پڑاؤ کیا۔ اب بغداد بری طرح محصور ہو چکا تھا۔ مغرب میں تاچو اپنی اسی ہزار سپاہ کے ساتھ بغداد کا محاصرہ کیے پڑا تھا۔

سلیمان شاہ، عزالدین کرد اور سلطان ایبک ہر طرف سے مایوس ہو کر خلیفہ کے پاس پہنچے۔ درداغ اور شہزادہ وہاں سے مصلحتاً ہٹ گئے۔ سلیمان شاہ نے اپنی شکست اور بغداد کے محصور کیے جانے کا حال خلیفہ کے سامنے بیان کر دیا، پوچھا۔ ”امیر المومنین! آخر جس بات کا ڈر تھا، وہی ہو کر رہی۔“

خلیفہ کے چہرے سے غم و اندوہ کا اندازہ ہو رہا تھا، کہا۔ ”لیکن منگول اور ہلاکو خان ہم سے جنگ کرنے تو نہیں آئے۔“

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ”خدا کے لیے امیر المومنین اتنے بھولے نہ بنیے۔ وہ ہم سے جنگ کر کے تباہ و برباد کرنے آیا ہے۔“

خلیفہ نے بے بسی سے کہا۔ ”پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ”امیر المومنین! اب بھی وقت ہے، ہم دجلہ میں کشتیوں پر آپ کا ضروری سامان بار کر کے حرم، دوسری خواتین اور آپ کی اولاد کو بھی سوار کرا دیں گے۔ ایک کشتی پر آپ سوار ہو جائیں اور بصرہ چلے جائیں۔ ہلاکو خان کو اس کا پتا بھی نہ چلے گا۔ پھر بصرے میں تیاری کر کے ہلاکو خان کا مقابلہ کریں گے۔“

عزالدین اور سلطان ایبک نے بھی اس تجویز کی تائید کی۔

خلیفہ نے کہا۔ ”وزیر ابن علقمی کہاں ہے، اس کو بلوایا جائے۔ دیکھتا ہوں، وہ کیا مشورہ دیتا ہے۔“

سلیمان شاہ نے کہا۔ ”امیر المومنین! خدا کے لیے اس غدار کا نام نہ لیجیے۔ آپ کو جو مشورہ دیا گیا ہے اس پر فی الفور عمل کیا جائے۔“

لیکن خلیفہ نے اسی وقت ابن علقمی کو طلب کر لیا۔ اس کے سامنے سلیمان شاہ کی تجویز رکھ دی، پوچھا۔ ”اب تو بتا کہ مجھ کو اس پر عمل کرنا چاہیے یا نہیں؟“

ابن علقمی نے سلیمان شاہ سے کہا۔ ”کیا تم اپنے ہوش و حواس میں ہو؟ امیر المومنین کو کیسی لچر اور بے ہودہ رائے دے رہے ہو...... اگر ہلاکو خان آ گیا ہے تو اس میں پریشانی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کی کیا بات ہے؟''
سلیمان شاہ نے پوچھا۔ ''کیوں؟ اس میں خوش ہونے کی کیا بات ہے؟''
ابن علقمی نے جواب دیا۔ ''کیا آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں غافل بیٹھا ہوا ہوں، یا میں سویا ہوا ہوں؟ ارے بھائی! میں ہلاکو خان سے صلح صفائی کی بات کررہا ہوں اور اس کوشش میں ہوں کہ ہم کسی نقصان کے بغیر ہی باعزت دوستی کا اعزاز حاصل کرلیں۔''
عزالدین کرد نے حقارت سے ابن علقمی کی طرف دیکھا۔ ''ابن علقمی! سچ بتا، تو خلیفہ، اسلام اور مسلمانوں کو کب تک ذلیل وخوار کرتا رہے گا؟''
ابن علقمی نے کہا۔ ''ذلیل تو آپ لوگ کرا رہے ہیں۔ میں تو امیرالمومنین کو باعزت دوستی کی طرف لیے جارہا ہوں۔''
سلطان ایبک نے پوچھا۔ ''پھر امیرالمومنین نے کیا فیصلہ کیا؟''
خلیفہ نے جواب دیا۔ ''ابن علقمی کا فیصلہ میرا فیصلہ ہے۔ میں اس کی رائے کا انتظار کروں گا۔''
سلیمان شاہ نے کہا۔ ''کمزور انسان کچھ بھی نہیں کرسکتا۔''
خلیفہ نے جواب دیا۔ ''کمزور انسان بہت کچھ کرسکتا ہے۔''
سلیمان شاہ نے کہا۔ ''اگر حضور کو اپنے نفع نقصان کا اندازہ نہیں ہے تو اس میں ہم آپ کی کیا مدد کرسکتے ہیں۔''
خلیفہ نے وزیر ابن علقمی سے پوچھا۔ ''ہلاکو خان سے کیا بات ہورہی ہے؟''
ابن علقمی نے جواب دیا۔ ''میں اس سے صلح کی بات کررہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ بات بن جائے گی۔''
ابن علقمی اچانک کسی کو تلاش کرنے لگا، سلیمان شاہ سے پوچھا۔ ''یہ درداغ کہاں ہے؟''
سلیمان شاہ اور اس کے ساتھیوں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ابھی کچھ دیر پہلے تو وہ یہیں موجود تھا، اب پتا نہیں کہاں چلا گیا؟''
ابن علقمی نے کہا۔ ''میں نے اس کی معافی کی بات کی ہے۔ ہلاکو درداغ سے بہت ناراض ہے لیکن میں نے یہ سوچا کہ درداغ مسلمان ہوچکا ہے، وہ ہمارا دینی بھائی ہے پھر اسے معافی کیوں نہ دلوادی جائے۔''
خلیفہ نے حکم دیا۔ ''درداغ کو تلاش کرکے میرے پاس لایا جائے۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ اس کو بھی معافی مل جائے گی۔''
درداغ کو بہت تلاش کیا گیا مگر وہ نہیں ملا۔ کچھ دیر بعد کسی نے درداغ کا ایک خط خلیفہ کے حوالے کیا۔ خلیفہ نے پڑھا، اس میں لکھا تھا۔
''امیرالمومنین اور میرے ساتھیوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم بغیر لڑے ہی اپنی بازی ہار چکے ہیں، اس لیے میں جارہا ہوں۔ ہلاکو خان مجھ کو تلاش کرے گا، مجھ کو لالچ دیا جائے گا، خوش کن وعدے کیے جائیں گے لیکن میں ان میں سے کسی ایک پر بھی خود کو ہلاکو خان کے حوالے کرنے کو تیار نہیں۔ میں ہلاکو خان کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ دغا باز درندہ ہے۔ جھوٹا، مکار، چھپ کر وار کرنے والا۔ ہلاکو خان دوست بنا کر وار کرتا ہے۔ میں کہیں اور چلا جاؤں گا، آپ کی عنایات اور نوازشوں کا بہت بہت شکریہ۔''
خط کے آخر میں درداغ کے دستخط تھے۔
ابن علقمی نے پوچھا۔ ''مگر درداغ ملے گا کہاں؟ میں بڑی دیر سے اس کو تلاش کررہا ہوں۔''
سلیمان شاہ نے کہا۔ ''درداغ عقلمند تھا، چلا گیا۔''
خلیفہ کے خدمت گار خاص نے مطلع کیا۔ ''کمال الدین احمد بن ضحاک، وزیر ابن علقمی سے ملنا چاہتا ہے۔''
ابن علقمی خوشی سے اچھل پڑا۔ خلیفہ سے کہا۔ ''امیرالمومنین! یہ میرا بھانجا ہے۔ میں نے کمال الدین کو ہلاکو خان کے پاس بھیجا تھا، وہ جواب لے کر آچکا ہے اگر اجازت ہو تو اس کو یہیں بلوالیا جائے۔''
خلیفہ نے اجازت دے دی۔ کمال الدین کو خلیفہ کے پاس ہی بٹھادیا گیا۔
ابن علقمی نے پوچھا۔ ''میں نے سلطان ہلاکو خان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے، اس نے اس کا کیا جواب دیا ہے؟''
کمال الدین نے جواب دیا۔ ''صلح کی بات چیت بہت خوشگوار رہی۔ ہلاکو خان کہتا ہے کہ میں یہاں لڑنے مرنے نہیں آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ امیرالمومنین مجھ سے دوستی یا صلح کرلیں۔''
خلیفہ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے۔
ابن علقمی نے پوچھا۔ ''اور کیا کہا؟ ہلاکو خان چاہتا کیا ہے؟''
کمال الدین نے جواب دیا۔ ''ہلاکو خان نے کہا ہے کہ میں اس سلسلے میں کس سے بات کروں؟ کوئی ذمے دار انسان میرے پاس آجائے اور بات چیت مکمل کرلے۔''
خلیفہ نے ابن علقمی کو حکم دیا۔ ''تو چلا جا اور صلح کی بات چیت مکمل کرلے۔''
لیکن ابن علقمی پیچھے ہٹ گیا، بولا۔ ''امیرالمومنین!

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

مجھ کو تو اپنے ساتھ لے چلیے گا اگر آپ کا ہلاکو خان کے پاس جانا ہوا تو۔"

خلیفہ نے سلیمان شاہ کی طرف دیکھا مگر ابن علقمی نے شہزادہ ابوبکر کا نام لیا، کہا۔ "میرا خیال ہے شہزادہ ابوبکر ولی عہدِ سلطنت کی حیثیت سے ہلاکو خان سے بات کر سکتے ہیں۔"

خلیفہ خوشی سے اچھل پڑا، بولا۔ "خوب خوب، نہایت مناسب نام لیا۔"

شہزادہ ابوبکر نے مردہ سی آواز میں پوچھا۔ "تو میں، یعنی مجھ کو ہلاکو خان کے پاس جانا پڑے گا کیا؟"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "ہاں کیونکہ تجھ سے زیادہ مناسب یہاں دوسرا کوئی ہے ہی نہیں۔"

سلیمان شاہ نے کہا۔ "امیر المومنین! آپ ہلاکو خان کو تنہا بلوائیں، اگر اس کی نیت صاف ہوگی تو فوراً چلا آئے گا ورنہ نہیں آئے گا۔ میں شہزادہ ابوبکر کو بھیجنے کے حق میں نہیں ہوں۔"

ابن علقمی برا سا منہ بنا کر پیچھے ہٹ گیا۔ "شاید تم نہیں چاہتے کہ صلح ہو جائے۔ تم سب بربادی کے خواہش مند ہو۔"

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ "نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہلاکو خان سے جو شخص بھی ملے گا، اس کو اس بات کی ضمانت ملنی چاہیے کہ وہ مارا نہیں جائے گا۔"

خلیفہ نے ایک بار پھر سوالیہ نظروں سے ابن علقمی کو دیکھا۔

ابن علقمی نے کہا۔ "امیر المومنین! اختلافِ آراء بہت اچھی بات ہے لیکن آپ کے دربار میں اختلافِ آراء کے علاوہ کچھ ملتا ہی نہیں اور میں بذاتِ خود اس سے عاجز آچکا ہوں۔"

خلیفہ نے شہزادہ ابوبکر کو حکم دیا۔ "تو ہلاکو خان کے پاس چلا جا اور اس سے معلوم کر کہ کیا وہ واقعی صلح کا خواہش مند ہے؟"

شہزادہ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

ابن علقمی نے اپنے بھانجے کمال کو حکم دیا کہ شہزادے کے ساتھ وہ بھی چلا جائے۔ چنانچہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر شہزادہ ہلاکو خان کے پاس جانے کی تیاری کرنے لگا۔

☆☆☆

سلیمان شاہ اور سلطان ایبک نے خلیفہ سے درخواست کی۔ "امیر المومنین! شہزادے کو تنہا نہ بھیجیے، ہم دونوں شہزادے کے ساتھ جائیں گے۔"

خلیفہ نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ "میرا بھی یہی خیال ہے۔ تب پھر تم دونوں بھی شہزادے کے ساتھ چلے جاؤ۔"

دوسری طرف ابن علقمی اپنے بھانجے کمال الدین کو علیحدہ لے جا کر سمجھانے لگا۔ "تو شہزادہ ابوبکر سے پہلے ہی ہلاکو کے پاس چلا جا اور میری طرف سے اسے سمجھا دے کہ سارا کام ہو چکا ہے، بس ذرا سا باقی رہ گیا ہے۔ ہلاکو خان سے کہنا کہ وہ شہزادے کا احترام کرے کیونکہ جب وہ شہزادے کو اعتماد میں لے لے گا تو بقیہ کام آسان ہو جائے گا۔"

شہزادہ ابوبکر، سلیمان شاہ اور سلطان ایبک ابھی ہلاکو خان کے لشکر میں داخل بھی نہ ہوئے تھے کہ ہلاکو خان کے نمائندہ سردار منگولوں کے ایک شاندار دستے کے ساتھ شہزادے کی طرف بڑھے۔ انہوں نے شہزادے کو خوش آمدید کہا اور انہیں اپنے درمیان میں لیے ہوئے ہلاکو خان کے خیمے کے قریب پہنچے۔ ہلاکو خان کے در پر الاؤ روشن کر دیا گیا تھا۔ دروازے کے سامنے دونوں طرف۔ شہزادے کو ان دونوں الاؤ کے بیچ سے گزار کر ہلاکو خان کے خیمے میں پہنچا دیا گیا۔ ہلاکو خان نے انہیں اپنے خیمے میں داخل ہوتے دیکھا تو وہ ننگے پاؤں بھاگتا ہوا شہزادے کے پاس پہنچا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنی جگہ پر لے گیا۔

شہزادہ جو کچھ دیکھ رہا تھا، اس پر یقین کرنے کو دل تیار نہ ہوتا تھا۔ ہلاکو خان شہزادے کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا، بولا۔ "میں خلیفہ کی خدمت میں حاضری دینے آیا ہوں۔ برقائی خان میرا چچا ہے، وہ شیخ سیف الدین باخرزی کے ہاتھوں پر مسلمان ہو گیا۔ میں بھی مسلمان ہو جاتا لیکن جب میں نے اپنے مشیروں وزیروں سے پوچھا کہ اس وقت دنیا کا سب سے بڑا مسلمان کون ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ امیر المومنین مستعصم باللہ۔ میں نے اسی وقت یہ فیصلہ کیا کہ میں دنیا کے سب سے بڑے مسلمان کے ہاتھ پر مسلمان ہو جاؤں گا۔"

یہاں ہلاکو خان کے دربار میں جو لوگ موجود تھے، ان میں موصل کا فرماں روا بدر الدین بھی تھا۔ سلیمان شاہ کی نظریں اس سے ٹکرائیں تو وہ مسکرایا اور سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

اتنے میں نصیر الدین طوسی جو ہلاکو خان کا وزیر تھا، آگے بڑھا اور کہا۔ "محترم ایل خان! آپ اتنا زیادہ انکسار نہ اختیار کریں۔ آپ تخت ہی پر شہزادے کے پاس بیٹھ جائیں۔" اس کے بعد اس نے شہزادے کو سمجھایا۔ "شہزادے! اگر کوئی تمہارا احترام کرتا ہے تو تم بھی اس کا احترام کرو۔"

ہلاکو خان تخت پر شہزادے کے پاس بیٹھ گیا۔ اس

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

نے نصیر الدین طوسی سے پوچھا۔ ''ان تینوں میں سلیمان شاہ کس کا نام ہے؟''

نصیر الدین طوسی نے شہزادے سے کہا۔ ''آپ اپنے سردار سلیمان شاہ کا تعارف کرا دیں۔''

شہزادے نے سلیمان شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہے سلیمان شاہ اور اس کے پاس جو بیٹھا ہے، سلطان مجاہد الدین ایبک ہے۔ مجاہد الدین سر دوات دار (چیف سیکریٹری) بھی ہے۔''

ہلاکو خان نے ان دونوں کو اپنے پاس بلایا۔ جب یہ دونوں ہلاکو کے سامنے کھڑے ہوئے تو ہلاکو خان نے ازراہِ مذاق کہا۔ ''میں تم دونوں سے مل کر بہت خوش ہوا۔ تم دونوں تیس سال سے میرے آدمیوں کو پریشان کر رہے ہو۔ اصفہان کی راہ سے جتنی فوجیں ادھر بھیجی گئیں، تم دونوں نے انہیں شکست دے کر منتشر کر دیا اور ہاں، تم دونوں کے ساتھ ایک اور شخص ہوا کرتا تھا، کیا نام تھا اس کا؟''

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ''عزالدین کرد۔''

ہلاکو خان نے کہا۔ ''ہاں عزالدین کرد۔ وہ کہاں ہے؟''

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ''پتا نہیں کہاں ہے؟ معلوم نہیں زندہ بھی ہے یا مارا گیا۔''

نصیر الدین طوسی نے والیِ موصل بدرالدین کی طرف دیکھا اور اشاروں ہی اشاروں میں معلوم نہیں کیا باتیں ہوئیں کہ بدرالدین اپنی جگہ کھڑا ہو گیا اور دور ہی سے کہا۔ ''محترم ایل خان! ان کے ساتھ ایک اور شخص بھی ہوا کرتا تھا، درواغ۔ اس کی بابت بھی پوچھ لیجیے۔''

ہلاکو خان نے کہا۔ ''ہاں، میں نے درواغ کی بابت تو کچھ پوچھا ہی نہیں...... وہ کہاں چلا گیا؟ وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا؟''

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ''درواغ بھی لاپتا ہو چکا ہے، پتا نہیں زندہ بھی ہے یا مر گیا۔''

ہلاکو خان نے کہا۔ ''لاپتا تو ہر کسی کو ہو جانا ہے۔ تو بھی لاپتا ہو سکتا ہے، یہ دونوں بھی لاپتا ہو سکتے ہیں۔ میں بھی لاپتا ہو سکتا ہوں۔'' اس کے بعد اس نے شہزادے سے شکایتاً کہا۔ ''شہزادے! مجھ کو آپ سے یہ شکایت ہے کہ آپ نے درواغ سے میرے خلاف کام لیا حالانکہ دوستی کا تقاضا یہ تھا کہ اس کو بغداد سے نکال باہر کرتے، یا اس کو میرے آدمیوں کے حوالے کر دیتے۔''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''محترم ایل خان! درواغ نے اسلام قبول کر لیا تھا......''

ہلاکو خان نے بات کاٹ دی۔ ''ہاں، کسی لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو کر۔ میں جانتا ہوں۔ اگر درواغ بغداد میں موجود ہو تو اس کو میرے حوالے کر دیا جائے۔''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''اگر وہ مل گیا تو ضرور آپ کے حوالے کر دیا جائے گا۔''

ہلاکو خان نے کہا۔ ''شہزادے! آپ واپس جا کر خلیفہ سے کہہ دیں کہ میں یہاں جنگ کرنے نہیں آیا ہوں۔ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں اگر خلیفہ مناسب سمجھے تو اپنے وزیر ابن علقمی کو لے کر میرے پاس آ جائے۔ میں خود بھی خلیفہ کی خدمت میں حاضری دے سکتا تھا مگر اس خوف سے بغداد میں داخل نہیں ہونا چاہتا کہ میرے ساتھ میرا لشکر بھی بغداد میں داخل ہونا چاہے گا اور جب لشکر بغداد میں داخل ہو گا تو پھر یہ بے قابو ہو جائے گا اور شکایت پیدا ہو جائے گی اور میں نہیں چاہتا کہ خلیفہ یا بغداد والوں کو مجھ سے کسی قسم کی شکایت پیدا ہو۔''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''میں آپ کا پیغام امیر المومنین تک پہنچا دوں گا۔''

ہلاکو خان نے ان تینوں کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

واپسی میں شہزادے نے پوچھا۔ ''آپ دونوں نے ہلاکو خان کے بارے میں کیا رائے قائم کی؟''

سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ''میں ہلاکو خان پر اب بھی اعتبار کرنے کو تیار نہیں۔''

سلطان ایبک نے کہا۔ ''درمیان میں اگر ابن علقمی نہ ہوتا تو میں اس کی باتوں پر اعتبار کر سکتا تھا۔''

اتنے میں بدرالدین لولو والیِ موصل بھاگا بھاگا ان تینوں کے پاس پہنچا، بولا۔ ''سلیمان شاہ تو میرا دوست ہے، ہلاکو خان بہت اچھا آدمی ہے۔ یہ دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا دشمن ہے۔ اب اگر اس نے تم لوگوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے تو یہ تم سب کا فرض ہے کہ کوئی ایسی بات نہ ہونے دو جس سے ہلاکو خان کو دکھ پہنچے اور وہ انتقامی کارروائی پر آمادہ ہو جائے۔''

سلیمان شاہ نے کہا۔ ''دوست! تم مجھے مشورہ دو کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

والیِ موصل نے جواب دیا۔ ''ابھی تمہاری عدم موجودگی میں تمہارا ذکر چھڑا تھا۔ ہلاکو خان تمہاری بہادری سے بہت متاثر ہے۔ تم اپنے خاندان کے ساتھ ہلاکو خان کی خدمت میں چلے جانا۔ وہ تم دونوں کو کوئی اعلیٰ منصب دینا

WWW.P1KSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

چاہتا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ ان دونوں کو میں فوجیں فراہم کردوں گا تاکہ یہ دونوں فی سبیل اللہ جہاد میں مشغول ہوجائیں۔''

سلیمان شاہ نے پوچھا۔ ''سچ؟ واقعی؟''

والیِ موصل نے جواب دیا۔ ''میں جھوٹ کیوں بولوں گا، وقت ہے فائدہ اٹھالو۔'' والیِ موصل یہ مشورہ دے کر واپس چلا گیا۔

سلطان ایبک نے کہا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں ہلاکو خان پر اعتماد کرنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے خدا نے اس کے دل میں نیکیاں ڈال دی ہوں۔''

سلیمان شاہ نے کہا۔ ''بہت ممکن ہے۔''

خلیفہ ان تینوں کا بڑی بے چینی سے انتظار کررہا تھا۔ اس دوران ابن علقمی نسطوری عیسائی جاثلیق کے ساتھ ہلاکو خان کے دربار میں پہنچا۔ ہلاکو خان کے بعد ان دونوں نے ہلاکو خان کی بیوی دوقوز سے ملاقات کی۔ اس وقت دوقوز اپنے چیپل میں مصروفِ عبادت تھی۔ نسطوری عیسائی جاثلیق نے دوقوز کو دعائیں دیں اور ابن علقمی کا خاص طور پر تعارف کرایا۔ دوقوز ہنسنے لگی، جاثلیق سے کہا۔ ''تو یہ ہے وہ شخص جس نے بغداد کی فتح کو آسان بنادیا ہے۔''

جاثلیق نے جواب دیا۔ ''جی محترم خاتون! آپ نے صحیح فرمایا۔''

دوقوز نے کہا۔ ''پھر تو عیسائی کیوں نہیں ہوجاتا؟''

ابن علقمی نے جواب دیا۔ ''محترم خاتون! یہ ساری باتیں ہدایت اور توفیق کی ہیں۔ میں دن رات اپنے رب سے یہی دعا مانگتا رہتا ہوں کہ خدا جو صحیح راہ ہو، اسی پر چلائے۔''

ابن علقمی جب بغداد میں واپس گیا تو اس کے پاس ہلاکو خان کی درخواست بھی تھی۔ ہلاکو خان نے ایک بار پھر خلیفہ کو بلایا تھا۔ ابن علقمی نے خلیفہ کو سمجھایا۔ ''امیر المومنین! آپ کو بھی میرے ساتھ چلنا چاہیے کیونکہ دوسری طرف ہلاکو خان کا اشتیاق بڑھتا جارہا ہے اور وہ خلیفہ سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔''

خلیفہ نے کہا۔ ''میں ہلاکو خان کے پاس جانے کے لیے تیار ہوں لیکن کیا ہلاکو خان پر اعتبار کیا جاسکتا ہے؟''

ابن علقمی نے جواب دیا۔ ''شہزادے نے آپ کو کیا بتایا؟ سلیمان شاہ کیا کہتا ہے؟ سلطان ایبک نے کیا تاثر دیا؟ ایک اکیلے میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ امیر المومنین! ہلاکو خان کو میں نے تنہا نہیں دیکھا ہے، آپ ہلاکو خان کے بارے میں بدظنی کی بات نہ کریں۔''

خلیفہ چپ ہوگیا اور ہلاکو خان کے پاس جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ جب خلیفہ ہلاکو خان کے پاس جارہا تھا تو اس کے ساتھ ابن علقمی تھا اور بغداد کے بارہ سو معززین بھی تھے۔ ان میں بغداد کے ممتاز سردار بھی تھے، صدر بھی علما بھی، اکابر بھی، تاجر بھی اور حکومت کے اعلیٰ کارکن بھی۔ خلیفہ خوش خوش ہلاکو خان کے لشکر کی طرف بڑھا چلا جارہا تھا۔ اس کو شہزادہ بتاچکا تھا کہ جب وہ منگولوں کی حدود میں داخل ہوا تھا تو ہلاکو خان کے معزز سرداروں نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا تھا، خلیفہ کو یقین تھا کہ اس کا استقبال زیادہ شاندار ہوگا۔

جب یہ لوگ ایک کھلے میدان میں بیوت النحل (شہد کی مکھیوں کے چھتے) جیسے شہر میں داخل ہوئے تو خلیفہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ میلوں کے رقبے میں آباد یہ عارضی شہر بہت دبدبہ رکھتا تھا۔ اس نے ابن علقمی سے پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟ ہلاکو خان کی طرف سے کوئی استقبالی دستہ نہیں آیا؟''

ابن علقمی نے جواب دیا۔ ''امیر المومنین! آپ فکر نہ کریں...... وہ ضرور آئے گا۔''

خلیفہ خاموش ہوگیا۔ خلیفہ کی نظریں سامنے جمی ہوئی تھیں، انڈوں کی طرح نصف مدور آبادی کے فوجی شہر کی طرف۔ اچانک اس کی نظر ان سواروں پر پڑی جو ان کی طرف بھاگے چلے آرہے تھے۔

ابن علقمی نے کہا۔ ''امیر المومنین! ادھر سامنے تو دیکھیے۔ ہلاکو نے ہماری پیشوائی کے لیے ایک دستہ روانہ کردیا ہے۔''

خلیفہ ان کو پہلے ہی دیکھ چکا تھا، وہ بہت خوش تھا۔ ہلاکو خان جیسا وحشی اور جنگجو بھی خلیفہ کی عزت کرنے پر مجبور تھا۔ خلیفہ یہ سوچ سوچ کر خوش ہورہا تھا۔ سوار دم بدم ان کے قریب آتے جارہے تھے۔ جب یہ سوار بالکل ان کے پاس آگئے تو انہوں نے غیر متوقع طور پر انہیں اپنے حصار میں لے لیا۔

خلیفہ گھبرا گیا، پوچھا۔ ''ابن علقمی! یہ کیا چکر ہے؟''

ابن علقمی نے جواب دیا۔ ''چکر وکر کچھ نہیں، یہ سب آپ کے استقبال کو آئے ہیں۔''

منگول سردار قام دستور کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان کے گھوڑوں کی زینیں اطلس سے آراستہ تھیں۔ شانوں پر بھیڑیوں کی بھوری کھالیں پڑی ہوئی تھیں۔ گھوڑوں کی لگاموں میں چاندی کے زیور پڑے ہوئے تھے اور جب یہ آپس میں ٹکراتے تھے تو موسیقی کی لہریں گونج جاتی تھیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ہتھیاروں سے آراستہ، کسی کسی کے ہاتھ میں یاک کی دموں کے پرچم اور نیلے جھنڈے تھے۔ عام سوار پوستینیں پہنے ہوئے تھے۔ تقریباً پانچ سو منگولوں نے ان سب کو اپنے نرغے میں لے لیا۔

خلیفہ نے ابن علقمی سے پوچھا۔ ''یہ منگول ہمارا استقبال کررہے ہیں یا گرفتار کرنے آئے ہیں؟''

ابن علقمی نے جواب دیا۔ ''مستعصم! معاملہ کچھ گمبھیر معلوم ہوتا ہے۔''

خلیفہ خوفزدہ ہوگیا۔ ابن علقمی نے امیرالمومنین کے بجائے خلیفہ کا نام لیا تھا۔ فوراً ہی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ ابن علقمی کی بے ادبی اور بدتمیزی نے خلیفہ کو بڑا دکھ پہنچایا تھا، وہ مزید کوئی سوال نہ کرسکا۔

ایک منگول سردار آگے بڑھا اور ابن علقمی اور خلیفہ کو الگ کرلیا۔ بقیہ کو منگول دستے کے حوالے کردیا گیا۔ وہ ان سب کو لے کر منگول عساکر کے پیچھے چلا گیا۔ منگول سردار ان دونوں کو ہلاکو خان کے خیمے کی طرف لے چلا گیا۔ ہلاکو خان کے خیمے کا دروازہ جنوب کی طرف تھا اور دروازے کے دونوں طرف آگ کے الاؤ روشن تھے۔ خلیفہ اور ابن علقمی کو دونوں الاؤ کے بیچ سے گزار کر ہلاکو خان کے سامنے پہنچادیا گیا۔

یہاں ابن علقمی کو خلیفہ سے الگ کردیا گیا۔ اس کو سامنے کی رو میں داہنی طرف بٹھادیا گیا۔ خلیفہ یکہ وتنہا کھڑا تھرتھر کانپ رہا تھا۔

ہلاکو خان اپنی جگہ سے اٹھا اور خلیفہ پر نظریں جمائے اس کے قریب گیا۔ ابن علقمی سے پوچھا۔ ''اس کو عالمِ اسلام میں کیا کہا جاتا ہے؟''

ابن علقمی نے جواب دیا۔ ''امیرالمومنین۔''

ہلاکو خان نے طنزاً کہا۔ ''امیرالمومنین! مسلمانوں کے امیر! تیری امارت کی نشانیاں کہاں ہیں؟ نہ ہتھیار، نہ فوج، نہ دبدبہ۔ ان کے بغیر امارت؟'' پھر ہلاکو خان نے ابن علقمی سے پوچھا۔ ''بغداد میں موجود عمائدینِ سلطنت اور اکابرِ ملت اب بھی موجود ہوں گے؟''

ابن علقمی نے جواب دیا۔ ''جی محترم ایل خان۔''

ہلاکو خان نے حکم دیا۔ ''ان سب کی ایک فہرست تیار کر۔ ان میں علما اور ان فوجی سرداروں کو بھی شامل کرلیا جائے جو ذرا سی بھی مزاحمت کرسکتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو ہتھیار اٹھا سکتے ہیں۔ فہرست کے ساتھ ایک حکم نامہ بھی تیار کیا جائے، امیرالمومنین کی طرف سے۔ اس حکم نامے کی رو سے ان سب کو امیرالمومنین کی خدمت میں حاضری دینا ہے۔ ان سب سے ہتھیار رکھوالیے جائیں تاکہ جب وہ آجائیں تو صلح نامے کی شرائط طے کرلی جائیں۔''

ابن علقمی نے فہرست تیار کی اور خلیفہ کی طرف سے ایک حکم نامہ تیار کرکے اس پر خلیفہ کے دستخط لیے۔ خلیفہ نے رعشہ زدہ ہاتھ سے دستخط کیے تو نصیرالدین طوسی کو اس پر اعتراض ہوا کہ خلیفہ کے دستخط مشتبہ ہوگئے ہیں۔

ہلاکو خان نے حکم دیا۔ ''کوئی پروا نہیں۔ حکم نامہ پڑھ کر سنایا جائے۔ جب تک وہ لوگ نہیں آئیں گے، خلیفہ ان کا انتظار کرتا رہے گا۔ ویسے بھی ہماری فوجیں تاچوکی سرکردگی میں بغداد کے بابِ کلواذی سے داخل ہوکر برج عجمی پر چڑھ چکی ہیں اور اب وہاں ہمارے جھنڈے لہرارہے ہیں۔''

یہ حکم نامہ بغداد روانہ کردیا گیا۔ ہلاکو خان اپنی جگہ پر واپس گیا۔ ابن علقمی بھی کچھ خوفزدہ تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''محترم ایل خان! کیا میری جاں بخشی ہوچکی ہے؟''

ہلاکو خان نے جواب دیا۔ ''ہاں، تیری جاں بخشی ہوچکی ہے۔''

خلیفہ نے ابن علقمی کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھا، گویا کہہ رہا ہو۔ ''ابن علقمی! میری سفارش بھی کردو۔''

ہلاکو کے خیمے میں اس کا ایک دربان داخل ہوا اور ایل خان کو مطلع کیا۔ ''شہزادہ ولی عہد، سلطان ایبک اور سلیمان شاہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ آچکے ہیں، ان کے لیے کیا حکم ہے؟''

ہلاکو خان نے حکم دیا۔ ''ان تینوں کو قید اور ان کے اہل وعیال کو قتل کردیا جائے۔''

خلیفہ اتنا سہما ہوا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رونا بھی اس کے اختیار میں نہ تھا۔ اس نے آہستہ سے کپکپاتی آواز میں کہا۔ ''منگول سلطان! انہیں تو عزت اور تحفظ دیا جاچکا ہے۔''

ہلاکو خان نے جواب دیا۔ ''چپ رہ، مجھے معلوم ہے کہ کس وقت کیا کرنا ہے اور کس کو عزت، تحفظ اور کس کو ذلت اور رحلت سے دوچار کرنا ہے۔''

کچھ دیر بعد شہزادہ، سلطان ایبک اور سلیمان شاہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہلاکو خان کے سامنے لائے گئے۔ ابن علقمی انہیں اس حال میں دیکھ کر خوش ہورہا تھا۔ سلیمان شاہ نے داہنی جانب کی دوسری صف میں موصل کے فرماں روا بدرالدین کو بیٹھے دیکھا۔ بدرالدین جو سلیمان شاہ کا گہرا دوست تھا۔ بدرالدین نے نظریں چرائیں اور منہ پھیر لیا۔

ہلاکو خان نے پوچھا۔ ''بدرالدین! ان تینوں میں تیرا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ایک دوست بھی ہے، اس کا نام تو بتا۔"

بدرالدین نے گھبرا کر جواب دیا۔ "ان میں میرا کوئی دوست نہیں۔"

لیکن ابن علقمی نے نشان دہی کر دی، بولا۔ "محترم ایل خان! بدرالدین، سلیمان شاہ کی دوستی پر شرمندہ ہے۔"

ہلاکو خان نے بدرالدین کو تسلی دی۔ "بدرالدین! تو میرا وفادار ہے۔ میں اس سے خوش ہوں لیکن اب خبردار! میرے کسی دشمن سے دوستی ہرگز نہ کرنا کیونکہ میں عفو و درگزر کا قائل ہی نہیں۔"

ہلاکو خان کے خیمے کے سامنے جو میدان تھا وہاں شہزادہ، سلیمان شاہ اور سلطان ایبک کے رشتے داروں اور خلیفہ کے ساتھ بارہ سو آنے والے عمائدینِ سلطنت، ارکانِ دولت، علما و فقہا کو قتل کر دیا گیا۔ قتل کے بعد ان کی لاشیں خندقوں میں پھنکوا دی گئیں۔ اس دردناک منظر کا انتہائی روح فرسا یہ نظارہ تھا کہ جب مذکورہ ہجوم کو قتل کیا جا رہا تھا تو خلیفہ مستعصم، ابن علقمی، شہزادہ ابوبکر، سلیمان شاہ اور سلطان ایبک کو قتل ہونے والوں کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ ابن علقمی اس نظارے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس نے خلیفہ سے کہا۔ "مستعصم! یہ اس کا جواب ہے جو تیرے آباؤاجداد نے فاطمی خلافت کے ساتھ کیا تھا۔ آج میں نے اس کا بدلہ لے لیا۔"

شہزادے نے خلیفہ سے کہا۔ "امیرالمومنین! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ابن علقمی نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے؟"

خلیفہ کے ہوش و حواس ہی ٹھکانے نہیں تھے، اس نے آہستہ سے کہا۔ "ابوبکر! یہاں ایسی باتیں نہ کر۔ ابن علقمی ہمارے باتیں سن نہ لے کہیں۔"

شہزادے نے جواب دیا۔ "امیرالمومنین! جو ہونا تھا ہو چکا۔ جلاد کی تلوار ہماری منتظر ہے، اب ڈر کس بات کا؟"

ہلاکو خان نے پوچھا۔ "یہ دونوں کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں؟"

ابن علقمی نے جواب دیا۔ "یہ دونوں مجھے گالیاں دے رہے ہیں۔" پھر ہلاکو خان سے نہایت لطیف پیرائے میں عرض کیا۔ "محترم ایل خان! ان کی زندگیوں کے پیمانے لبریز ہو چکے ہیں۔ کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ انہیں بھی ان کے مرحوم اعزہ کے پاس پہنچا دیا جائے؟"

ہلاکو خان نے کہا۔ "نہیں، ابھی نہیں۔ حساب کتاب لیے بغیر کسی کو نہیں جانے دیا جائے گا۔"

نصیرالدین طوسی نے آگے بڑھ کر عرض کیا۔ "انہیں بغداد میں لے جا کر، ان سے حساب کتاب ضرور لیا جائے گا۔"

خلیفہ، ولی عہد شہزادہ، سلطان ایبک اور سلیمان شاہ کو ایک خیمے میں قید کر دیا گیا۔ دوسرے دن خلیفہ کے حکم نامے کے بموجب سارے ہی مذکورہ لوگ آ گئے، ہلاکو خان اپنی گردن پر چھری پھیرنے کی نقل کرنے لگا یعنی یوں ہی جھوٹ موٹ، فروگی۔ اس نے ان سب کو تڑپا تڑپا کر قتل کرا دیا۔

ابن علقمی کو تشویش تھی کہ اگر کسی طرح خلیفہ رفوچکر ہو گیا تو بات بہت زیادہ بگڑ جائے گی اور عباسی خلیفہ ایک بار پھر برسرِاقتدار آ جائے گا۔ اس نے ہلاکو خان سے کہا۔ "محترم ایل خان! خلیفہ اور ولی عہد کے بارے میں آپ کیا فرمائیں گے؟"

ہلاکو خان نے ابن علقمی کو ڈانٹ دیا۔ "میں نے ایک بار کہہ جو دیا کہ مجھے ان سے حساب کتاب کرنا ہے، حساب کتاب لینا ہے۔"

اس بار ہلاکو خان نے ابن علقمی سے ایک اور فرمان تیار کرایا، اہالیانِ بغداد کے نام۔ اس کی طرف سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ بغداد کے شہری اپنے ہتھیار شہر کے دروازے پر ڈال کر نہتے منگولوں کے عساکر میں چلے آئیں تاکہ انہیں معاف کر دیا جائے۔ خلیفہ نے اس فرمان پر بھی دستخط کر دیے۔

یہ فرمان شہریوں کو پڑھ کر سنایا گیا تو شہر کے باہر ہتھیاروں کا ڈھیر لگ گیا اور نہتے شہری جوں ہی منگولوں کے لشکر میں داخل ہوتے، قتل کر دیے جاتے۔ یہ دلدوز منظر بھی خلیفہ، ولی عہد، سلطان ایبک اور سلیمان شاہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ ابن علقمی بہت خوش تھا۔

آخر ہلاکو خان کی فوجیں بغداد میں داخل ہو گئیں۔ انہیں لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی اجازت دے دی گئی۔

نہتے اور امن پسند بچے کھچے شہری اپنے سروں پر قرآن پاک اٹھائے اور وا حسرتا وامصیبتا وا حسرتا اور واویلا کی دلدوز آوازیں بلند کرتے اپنے گھروں سے نکلے اور منگولوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ سڑکوں، گلی کوچوں اور بازاروں میں خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔ نالیوں اور نالوں میں خون بہہ رہا تھا۔ دجلہ کا رنگ سرخ ہو گیا۔ ان لاشوں کو ان خندقوں میں ڈال دیا گیا جنہیں ہلاکو خان کی آمد سے پہلے جنگی حکمتِ عملی سے کھدوایا گیا تھا لیکن پھر بھی بغداد کے گلی کوچے لاشوں سے پٹے پڑے تھے۔ لوٹ مار کے بعد مکانوں کو آگ لگا دی گئی۔ ہر طرف شعلے اٹھتے دکھائی دے رہے تھے۔

ہلاکو خان اپنے قیدیوں کے ساتھ قصرِ خلافت میں داخل ہوا۔ اس نے حکم دیا۔ "مستنصریہ کو برباد نہ کیا جائے اور اس

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کے اساتذہ، علما اور فقہا کو اس کے روبرو حاضر کیا جائے۔''
جب مستنصریہ کے علما، اساتذہ اور فقہا کو ہلاکو خان کے سامنے حاضر کر دیا گیا تو ہلاکو خان نے نصیر الدین طوسی سے کہا۔ ''بقیہ کام تو انجام دے۔'' اور ابن علقمی سے پوچھا۔ ''میرے خلاف جہاد کا فتویٰ کن لوگوں سے کس کی خواہش پر جاری کیا گیا تھا؟''
ابن علقمی نے شہزادہ ابوبکر کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کی خواہش اور حکم پر۔''
ہلاکو خان نے پوچھا۔ ''یہ فتویٰ کس نے تیار کیا تھا اور اس پر کس کس نے دستخط کیے تھے؟''
ابن علقمی نے رضی الدین علی بن طاؤس کے سینے پر انگلی رکھ دی، کہا۔ ''اس نے۔'' اور دوسرے علما، اساتذہ اور فقہا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس پر ان سب نے دستخط کیے تھے۔''
ہلاکو خان کے چہرے پر کرب اور غصے سے تناؤ پیدا ہو گیا اور پیشانی پر بل پڑ گئے۔ وہ ابھی کوئی حکم بھی نہ دے سکا تھا کہ خواجہ نصیر الدین طوسی آگے بڑھا، بولا۔ ''محترم ایل خان! ان کا کوئی قصور نہیں۔ یہ تابعدار اور فرماں بردار لوگ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔''
ہلاکو خان نے پوچھا۔ ''ان فرماں بردار لوگوں نے میرے خلاف جہاد کا فتویٰ دے کر جو جرم کیا ہے، اس کی سزا تو انہیں ملنی ہی چاہیے۔''
خواجہ طوسی نے عرض کیا۔ ''انہیں ان کی غلطی کی سزا ضرور ملے گی محترم ایل خان۔''
اس کے بعد خواجہ طوسی نے ان علما سے پوچھا۔ ''علمائے کرام و فقہائے عظام! محترم ایل خان تم سے بشکلِ فتویٰ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کافر عادل فرماں روا بہتر ہے یا مسلمان غیر عادل سلطان؟''
علما اور فقہا ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ خلیفہ نے سر جھکا لیا۔ شہزادہ ابوبکر، سلیمان شاہ اور سلطان ایک اپنی اپنی سانسیں روکے فقہا کے جواب کا انتظار کر رہے تھے۔
ذرا سے توقف کے بعد رضی الدین علی بن طاؤس نے ایک کاغذ پر صاف صاف لکھ دیا۔ ''کافر عادل، غیر عادل مسلمان سے بہتر ہے۔'' اس کے نیچے رضی الدین علی بن طاؤس نے سب سے پہلے دستخط خود کیے، بعد میں دوسرے علما و فقہا نے بھی دستخط کر دیے اور یہ فتویٰ خواجہ طوسی کے ذریعے ہلاکو خان تک پہنچ گیا۔ خواجہ طوسی نے کہا۔ ''یہ لوگ مجبور و بے بس ہیں۔ حکمراں جب اور جیسا فتویٰ طلب کرتے ہیں، یہ دے دیتے ہیں۔''
ہلاکو خان نے انہیں معاف کر دیا۔
اب ہلاکو خان، شہزادہ ابوبکر سے مخاطب ہوا، پوچھا۔ ''ولی عہد! تو میرے خلاف کوششیں کرتا رہا اور منگول عساکر کے خلاف فوج کشیاں کراتا رہا، آخر کیوں؟ کیا تجھ کو معلوم نہیں تھا کہ خاقان ناقابلِ شکست ہے اور نیلے جاودانی آسمان نے ہمیں ظالموں اور جابروں کے خلاف اپنا قہر بنا کے نازل کیا ہے۔''
شہزادے نے جواب دیا۔ ''ہلاکو خان! ہمارا خیال تھا تیری اصل اونچی اور اعلیٰ ہے اور تیری فتوحات کے پیچھے ایک مردِ کامل کی ذات کارفرما ہوگی۔ ہم نے تجھے بہادر اور بااصول بادشاہ سمجھا تھا مگر تو نہ بادشاہ ہے، نہ مرد۔ تو نے غداری کی حالانکہ بادشاہ غدار اور نامرد نہیں ہوتے۔''
ہلاکو خان نے ایک منگول سردار کو اشارے سے قتل کا حکم دیا اور شہزادے کو قتل کر دیا گیا۔
ہلاکو خان نے حکم دیا۔ ''ہماری فوج میں جو مسلمان موجود ہیں، انہیں حاضر کیا جائے اور انہیں بھی جو خلیفہ کا ساتھ چھوڑ کے میرے پرچم تلے آچکے ہیں۔''
دیکھتے ہی دیکھتے مسلمان سرداروں سے محل سرا کا بہت بڑا حصہ بھر گیا۔ ان میں ابن علقمی اور والیٔ موصل بدر الدین بھی شامل تھے۔
ہلاکو خان نے سلیمان شاہ سے کہا۔ ''پُرجوش مگر بے وقوف سردار! انہیں پہچان۔ یہ سب مسلمان ہیں اور میرے سایۂ عاطفت میں آکر امن و چین کی زندگی گزار رہے ہیں اگر تو چاہتا تو آج تو بھی ان لوگوں میں آزاد اور بے خوف و خطر کھڑا ہوتا۔''
سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ''ہلاکو خان! اپنا اور ہمارا وقت ضائع نہ کر۔ شہزادے کی طرح ہمیں بھی قتل کرا دے۔''
ہلاکو خان نے طنزاً کہا۔ ''میں نے سنا ہے تو نجومی بھی ہے؟ تو نے اپنے مستقبل کی بابت علم نجوم سے پہلے ہی سے کیوں نہ معلوم کر لیا تھا؟''
سلیمان شاہ نے خلیفہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''افسوس کہ امیر المومنین نے اپنی اور ہماری بدنصیبی سے ابن علقمی جیسے غدار پر اعتماد کر لیا تھا۔ اگر ہم پر اعتماد کیا جاتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتے۔'' اس کے بعد سلیمان شاہ نے ایک سرد آہ بھری، بولا۔ ''ہلاکو خان! میں نے بچپن میں، ایک حکایت پڑھی تھی۔ لوہا کسی درخت کے تنے کے پاس

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

گیا اور کہا...... میں تجھ کو کاٹ دوں گا۔ درخت نے لوہے کا مذاق اڑایا اور کہا... تو مجھے نہیں کاٹ سکتا۔ لوہا واپس گیا اور لکڑی کا دستہ لگا کر کلہاڑے کی شکل میں واپس آیا اور پوچھا...... بول اب کیا کہتا ہے درخت لوہے میں لکڑی کا دستہ دیکھ کر اداس ہو گیا اور جواب دیا...... ہاں اب تو ہمیں کاٹ سکتا ہے کیونکہ تجھ میں لکڑی کے دستے کی شکل میں ایک غدار جو شامل ہو گیا ہے۔"

خواجہ طوسی اور ابن علقمی کے چہرے لٹک گئے۔ ہلاکو خان سے کہا۔ "محترم ایل خان! اس گستاخ کو زیادہ موقع نہ دیجیے۔"

ہلاکو خان کے حکم پر سلیمان شاہ اور سلطان ایبک کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اب صرف خلیفہ ہی رہ گیا تھا، وہ اتنا گھبرایا ہوا تھا کہ اس کی ایک ایک بات اس کو باؤلا ثابت کر رہی تھی۔

ہلاکو خان نے خلیفہ سے کہا۔ "مستعصم! ہم تیرے مہمان ہیں، ہمارے لیے کچھ حاضر کر۔"

اس کے سامنے کنجیوں کے گچھے پڑے ہوئے تھے مگر بدحواسی اور دہشت نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی سلب کر رکھی تھی۔ اس نے خزانے کے تالے تڑوا ڈالے اور اس میں سے دو ہزار نہایت نفیس پوشاکیں، ہزار دینار اور بہت سارے سونے کے زیورات ہلاکو خان کی خدمت میں پیش کر دیے۔

ہلاکو خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مستعصم! یہ چیزیں تو میری ہی ہیں۔ اگر تو نہ دیتا تب بھی میں انہیں حاصل کر لیتا۔"

ہلاکو خان نے یہ چیزیں اپنے سرداروں میں تقسیم کر دیں اور کہا۔ "ان خزانوں کے پتے بتا جن کا پتا تیرے سوا کوئی نہیں جانتا...... وہ کہاں دفن ہیں؟"

خلیفہ نے کسی پس و پیش کے بغیر خزانوں کا پتا بتا دیا۔ یہ زمین میں دفن تھے اور انہیں کھود کر نکال لیا گیا۔

خلیفہ کو دو دن سے کھانا بھی نہیں دیا گیا تھا۔ پیاس الگ ستا رہی تھی۔ اس نے ہلاکو خان سے درخواست کی۔ "محترم ایل خان! تیرے آدمیوں نے دو دن سے مجھ کو نہ تو کھانا دیا اور نہ ہی پانی...... براہِ کرم ان دونوں کو فراہم کر دیا جائے۔"

ہلاکو خان نے جواہرات سے بھرا طشت خلیفہ کے سامنے رکھوا دیا اور کہا۔ "امیر المومنین نوش فرمائیں۔"

خلیفہ نے حسرت سے ہلاکو خان کی طرف دیکھا اور کہا۔ "میں انہیں کس طرح کھا سکتا ہوں؟"

ہلاکو خان نے کہا۔ "جب تم اسے کھا نہیں سکتے تو اسے خرچ کیوں نہیں کیا؟ اس سے فوج تیار کر کے تم اپنی اور لاکھوں مسلمانوں کی جانیں بچا سکتے تھے۔"

خلیفہ، ہلاکو خان کی صورت دیکھتا رہ گیا۔

ہلاکو خان نے خواجہ طوسی سے پوچھا۔ "میرا خیال ہے اب اس کا قصہ پاک کر دیا جائے۔"

خواجہ طوسی اور ابن علقمی نے تقریباً ایک ہی بات کہی۔

ہلاکو خان وہاں سے ہٹ گیا۔

جب سب چلے گئے تو ابن علقمی اس کچلی ہوئی مسخ لاش پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے خواجہ طوسی سے کہا۔ "آج میرا انتقام پورا ہوا۔"

العاضد آخری فاطمی خلیفہ سن ہجری کے اعتبار سے فاطمی خلافت کو تقریباً نوے سال پہلے خلیفہ مستضی بامر اللہ کے لیے اسی کے حکم پر صلاح الدین نے ختم کر دیا تھا اور فاطمی خلافت عباسی خلافت میں ضم کر دی گئی تھی۔

ہلاکو خان نے خلافت کے کتب خانے کو دریائے دجلہ میں پھکوا دیا۔ کتابیں پانی کے بہاؤ کے لیے پشتہ بن گئیں اور پانی ادھر ادھر خشکی پر بہنے لگا پھر جب کاغذ گلا اور سیاہی چھوٹی تو دجلہ کا رنگ سرخ ہونے کے بجائے سیاہ ہو گیا۔

اسی دوران اس نے والیِ موصل بدر الدین کو حکم دیا کہ سلیمان شاہ کا سر اس دروازے پر لگا دیا جائے جہاں بدر الدین نے اس کو ایک دوست کی حیثیت سے ٹھہرایا تھا۔ سلطان ایبک کا سر دوسرے دروازے پر نصب کر دیا گیا۔

بدر الدین نے سلیمان شاہ کا سر اپنے محل کے ایک دروازے پر نصب تو کر دیا مگر وہ جب بھی ادھر جاتا اور دیکھتا تو اس کی آنکھیں بھر آتیں اور دل ڈوبنے لگتا اور وہ ہر بار زیرِ لب یہی کہتا۔ "دوست! سلیمان شاہ! میں مجبور تھا، میں مجبور ہوں۔"

عز الدین کرد کا کچھ پتا نہ چلا کہ وہ کہاں، کس طرح اور کس کے ہاتھوں ہلاک ہوا مگر در داغ بہت چالاک نکلا۔ وہ ہلاکو خان اور اس کے نامی گرامی فوجی سردار تاچو کی آمد سے پہلے ہی علیہ اور صفیہ کو لے کر براہِ حلب مصر چلا گیا۔ مصر...... جہاں مملوک چھائے ہوئے تھے۔ جہاں شاہی محل سرا کے محافظ سلطان بننے کی تیاری کر رہے تھے۔

ماخذات

تاریخ تمدنِ اسلام، جرجی زیدان۔ ابنِ ندیم۔ الفہرست، طبقاتِ ناصری، منہاج سراج۔ الفخری،
ابن طباطبا۔ تاریخ اسلام، شاہ معین الدین ندوی۔ تاریخ الخلفا، مولانا جلال الدین سیوطی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

رنگو میرا پالتو بندر ہے لیکن عام بندروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوشیار اور ذہین واقع ہوا ہے۔ اس لیے جیسے ہی اس نے ساحل پر کھڑی میری کشتی کے باہر کسی کے آنے کی آواز سنی تو فوراً ٹی وی بند کر دیا حالانکہ اس وقت میرا پسندیدہ پروگرام وا اینڈی گرفتھ شو چل رہا تھا لیکن میں ان لوگوں میں سے ہوں جو مہمانوں کے آنے پر ٹی وی بند کر دیتے ہیں تاکہ ان کی بات توجہ سے سن سکیں اور میرا اندازہ ہے کہ رنگو نے مجھے ایسا کرتے ہوئے کئی بار دیکھا ہوگا۔ اسی لیے اس نے میری تقلید کرتے ہوئے مجھے ٹی وی بند کرنے کی زحمت سے بچالیا۔

سٹ کام دیکھنے سے مجھے سوچنے میں مدد ملتی ہے۔ اس روز بھی میرے پاس دو کیس تھے۔ ایک مقامی جیولری شاپ سے ہیرے کی انگوٹھی چوری ہوگئی تھی۔ دوسرا کیس ایک خاتون سے متعلق تھا جس کے بارے میں اس کے شوہر نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ وہ اس سے بے وفائی کی مرتکب ہو رہی ہے۔ ان مزاحیہ پروگراموں کے قہقہے اور بے معنی مکالمے سن کر میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگتا ہے اور میں مسئلے کے حل کے قریب پہنچ جاتا

انگوٹھی کا راز

تنویر ریاض

بعض اوقات آنکھوں دیکھی حقیقت کو بھی انسان جھٹلانے پر مجبور ہو جاتا ہے مگر... اس کا انحصار اس وقت اس کی ذہنی کیفیت پر ہوتا ہے کہ سامنے کا منظر اسے کس حوالے سے، کس طرح نظر آرہا ہے۔ وہ بھی اس وقت ایک ایسے ہی سحر میں گرفتار تھا جس کی روشنی میں اسے وہ منظر ویسا ہی نظر آیا جیسا وہ سوچ رہا تھا۔

ماورائی واقعات کے حوالے سے تاریخ کے طالب علم کا انداز نظر

Downloaded From
Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہوں۔ اسی لیے میں دن کے گیارہ بجے بیئر پینے کے ساتھ ساتھ سٹ کام بھی دیکھ رہا تھا۔

میں نے عرشے پر آکر دیکھا کہ میرا مہمان ہوئے، تھا جسے میں نے گزشتہ ایک سال سے نہیں دیکھا تھا لیکن سرخ رنگ کے ڈاج پاور ویگن ٹرک کو میں کیسے بھول سکتا تھا۔ اس نے معمول کے مطابق کاؤبوائے ہیٹ پہن رکھا تھا جس کے بارے میں مجھے پورا یقین تھا کہ وہ اسے نہاتے وقت بھی نہیں اتارتا ہوگا۔ اس نے ایک ہاتھ میں کاغذ کا تھیلا پکڑ رکھا تھا۔ میں نے فریج سے دو عدد بیئر کی بوتلیں نکالیں اور عرشے پر رکھی کرسیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ہوئے...... میرے دوست! کیا ہو رہا ہے؟“

”کچھ نہیں۔“ اس نے کہا۔ ”میں صرف یہ دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“

بہت کم لوگوں کو میرے اس ٹھکانے کے بارے میں معلوم ہے لیکن میں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ اس نے کاغذ کے تھیلے میں سے پیاز کے کٹے ہوئے گول ٹکڑوں کا پیکٹ نکالا اور اسے رنگو کی طرف اچھال دیا جسے اس نے فوراً ہی دبوچ لیا۔ عام طور پر بندر ایسی چیزیں نہیں کھاتے لیکن رنگو کی عادتیں سب سے مختلف تھیں۔ اسے جو چیز پسند آجائے، وہ منٹوں میں چٹ کر جاتا ہے۔

ہوئے ٹانگیں پھیلا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے کاؤ بوائے بوٹ اتار دیے اور بیئر کے گھونٹ لینے لگا۔ اس کا اصل نام جانی چینگ تھا لیکن لوگ اسے ہوئے کے نام سے پکارتے تھے کیونکہ اس کے باپ دادا کا گارڈن سپلائی اور نرسری کا بہت بڑا کاروبار تھا اور اس کے باپ نے بچپن ہی سے اسے کھدائی کے کام پر لگا دیا تھا۔ وہ سارا دن کدال، بیلچے اور کھرپی کی مدد سے مٹی کھودتا، پودے لگاتا اور انہیں پانی دیتا پھر وہ تاریخ کی تعلیم حاصل کرنے ٹیکساس یونیورسٹی چلا گیا لیکن یہ نام اس کی ذات سے چپک کر رہ گیا۔ اب وہ عجائب گھر میں ناظم کے طور پر کام کر رہا تھا۔

”تمہاری ٹانگ کا کیا حال ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”ابھی اس میں دیمک نہیں لگی۔“ میں نے اپنی لکڑی کی ٹانگ پر انگلی مارتے ہوئے کہا۔ اس مصنوعی ٹانگ کی بھی ایک الگ کہانی ہے لیکن اس کا تعلق صرف میری ذات سے تھا اس سے کسی کو دلچسپی نہیں ہوسکتی تھی۔

اس نے پیاز کے باقی بچے ہوئے چھلّے رنگو کے لیے عرشے پر رکھ دیے اور کاغذ کی تھیلی کو موڑ کر اپنی جینز کی جیب میں رکھ لیا۔ پیاز کی بو سونگھ کر کئی بگلے اس جانب لپکے لیکن رنگو کو وہاں بیٹھا دیکھ کر واپس چلے گئے۔

”لی! میرے ساتھ ایک مسئلہ ہوگیا ہے۔“ اس نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

”کیا؟“

اس نے مسکراتے ہوئے بیئر کے گلاس پر نظریں جمائیں پھر وہ سمندر کی طرف دیکھنے لگا۔ دور فاصلے پر کوسٹ گارڈ کی کشتی اپنا معمول کا گشت مکمل کرکے واپس جا رہی تھی۔ میں نے بے چین ہوکر گھڑی دیکھی۔ اینڈی گرفتھ کا شو ختم ہونے میں دس منٹ باقی رہ گئے تھے۔

”اب کچھ بولو گے بھی یا یونہی میرا وقت ضائع کرتے رہو گے؟“ میں نے جھلّاتے ہوئے کہا۔

”ایک بھوت مجھے تنگ کر رہا ہے۔“ اس نے کہا۔ ”یا پھر یہ اس سے ملتی جلتی کوئی چیز ہے۔“

میں بیئر کا گھونٹ لینے ہی والا تھا لیکن اس کی بات سن کر رک گیا اور حیران ہوتے ہوئے بولا۔ ”یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“

”مجھے معلوم ہے کہ کوئی بھی اس بات پر یقین نہیں کرے گا لیکن میں نے خود اسے دیکھا ہے۔ وہ گزشتہ رات بھی آئی تھی۔ وہ عرشے پر رو رہی تھی اور میں نے اسے اتنے قریب سے دیکھا جتنا کہ تم اس وقت میرے پاس ہو۔ یہاں تک کہ میں اس کے وجود کی مہک بھی محسوس کرسکتا تھا۔ اس کے جسم سے سبز سیبوں جیسی خوشبو آرہی تھی۔ خدا کے واسطے میری مدد کرو۔“

میرا خیال تھا کہ وہ بھی رو دے گا لیکن وہ بیئر کے گلاس کو دیکھتا رہا جیسے اس کے سوال کا جواب بلبلوں کی تہ میں ہو۔

”کون؟“ میں نے پوچھا۔ ”تم نے کسے دیکھا تھا؟“

”رات کے چوکیدار کی بیوی کو۔“

کھانے کا وقت ہوگیا تھا، میں نے چولہا جلایا اور فریج سے مچھلی نکال کر اسے تلنے لگا۔ اس کے ساتھ جھینگے اور ٹماٹر کا ساس بھی تھا۔ ہم نے عرشے پر بڑی چھتری کے سایے تلے کھانا کھایا گو کہ اکتوبر کا آخری دن تھا لیکن اس کے باوجود دھوپ میں تیزی تھی اور ہوا بھی بالکل بند تھی پھر بھی مزے دار کھانے میں لطف آرہا تھا۔

لیکسنگٹن جہاں ہوئے کام کرتا تھا، امریکا کا قدیم ترین طیارہ بردار جہاز تھا جسے اب تیرتے ہوئے عجائب گھر کی شکل دے دی گئی تھی۔ اسے کورپس کرسٹی کے شمالی ساحل پر کھڑا کردیا گیا تھا۔ اسے جاپانی ریڈیو نے دا بلیو گھوسٹ کا نام دیا تھا کیونکہ دوسری جنگِ عظیم کے دوران جاپانی افواج کی جانب سے یہ خبر دی گئی تھی کہ یہ جہاز ڈوب چکا ہے لیکن ایک رات

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں :-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایڈ فری لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ کا ایک پیج پر
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety
پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1
پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

اس کی نیلی روشنیوں نے اسے جھوٹ ثابت کر دیا۔ ہوئے نے ٹیکساس یونیورسٹی سے تاریخ میں پی ایچ ڈی کیا تھا۔ اس نے اس جنگی جہاز کو سیاحوں کے لیے پُرکشش بنانے پر کافی کام کیا اور اب وہ اس عجائب گھر کے سربراہ کے طور پر کام کر رہا تھا۔

''اس جہاز سے بھوتوں کی کئی کہانیاں وابستہ ہیں۔'' ہوئے نے مچھلی کا ٹکڑا اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''گو کہ مجھے اس سے کوئی پریشانی نہیں ہوتی بلکہ ان سے لوگوں کی دلچسپی بڑھتی ہے اور وہ زیادہ تعداد میں عجائب گھر دیکھنے آتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے سپاہیوں کو دوسری جنگ عظیم کی وردیوں میں ملبوس دیکھا ہے اور پُراسرار نوعیت کی چیخیں بھی سنی ہیں۔ ایک دفعہ جاپانی طیارہ، جہاز سے ٹکرایا تھا اور انجن روم میں کئی لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔ غالباً میوزیم دیکھنے کے لیے آنے والوں نے اسی طرح کی عجیب و غریب باتیں سن رکھی ہیں۔''

''لیکن اب تک تم نے اس طرح کی کوئی پُراسرار بات دیکھی اور نہ ہی سنی؟'' میں نے کہا۔

''میں ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن گزشتہ رات جو کچھ ہوا، وہ غیر معمولی تھا۔ میں نہیں جانتا کہ اسے کیا نام دیا جائے۔''

''ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ تم نے کیا دیکھا؟''

''ایک بھوت نما عورت عرشے پر نظر آئی۔ وہ اس طرح گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی تھی جیسے کوئی گمشدہ شے تلاش کر رہی ہو۔ جیسا کہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ اس کا شوہر نائٹ واچ مین تھا جب فلپائن میں جہاز پر خودکش حملہ ہوا۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ عورت اکثر و بیشتر اپنے شوہر کو تلاش کرتی ہوئی دیکھی گئی ہے تا کہ اسے اپنے ساتھ واپس ٹیکساس لے جا سکے۔''

''یہ سن کر بہت افسوس ہوا۔'' میں نے اظہارِ ہمدردی کے طور پر کہا۔

''تمہیں بھی اسے دیکھنا چاہیے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہم خاموشی سے کھانا کھاتے رہے۔ اس دوران میں نے اس کا دھیان بانٹنے کی خاطر دوسرے موضوعات پر گفتگو کرنے کی کوشش کی لیکن اسے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ مسلسل پہلو بدل رہا تھا اور اس کی کیفیت دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے وہ عورت ہمارے ساتھ ہی بیٹھی ہوئی ہے۔ کھانا ختم کرنے کے بعد میں نے کافی بنائی اور اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''دیکھو، میں نہیں جانتا کہ جو کچھ تم نے دیکھا اس پر کیا کہوں۔ تم جانتے ہو کہ میں اس قسم کے معاملات میں نہیں پڑتا۔''

''تم میری بات کا غلط مطلب لے رہے ہو۔'' ہوئے نے کہا۔ ''میں تو یہ سوچ کر آیا تھا کہ شاید تم میری مدد کے لیے کچھ وقت نکال سکو۔ تم وکیل رہ چکے ہو اور پولیس سے بھی تمہارا تعلق رہا ہے اور اب تم ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہو۔''

''میرے پاس لائسنس نہیں ہے اور میرا ریکارڈ بھی جرائم سے پاک نہیں ہے۔ اس لیے میں خود بخود ہی اس کام کے لیے نااہل ہو گیا ہوں۔''

''میں نے تم سے یہ سب نہیں پوچھا۔'' اس نے کہا۔

''لیکن میں بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں کیونکہ میں نے کبھی بھوتوں کی جاسوسی نہیں کی۔''

کافی ختم ہو چکی تھی اور میں اس گفتگو کو سمیٹنا چاہ رہا تھا۔ میں نے حجت تمام کرنے کے لیے کہا۔

''تم واقعی بھوتوں پر یقین نہیں رکھتے؟''

''نہیں۔'' اس نے کہا۔ ''میرا مطلب ہے ہاں۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن تمہیں بتا رہا ہوں کہ میں نے اسے گزشتہ شب دیکھا تھا...... نصف شب کے فوراً بعد اور یہ وہی وقت ہے جب جہاز پر خودکش حملہ ہوا تھا۔ وہ عرشے پر گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی تھی۔ میں اپنی طرف سے کوئی کہانی کیوں گھڑوں گا؟''

''تا کہ تمہارے ٹکٹ زیادہ سے زیادہ فروخت ہو سکیں۔'' میں نے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' اس نے کہا۔ ''یہ ایک اضافی بونس ہو سکتا ہے لیکن میں نے ابھی تک اس بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ ممکن ہے کہ اس طرح کچھ ٹکٹ زیادہ فروخت ہو جائیں لیکن اس کے ساتھ وہ میری ذہنی حالت پر بھی شبہ کریں گے۔ میرا مطلب ہے کہ کیا تم بھوتوں پر یقین رکھتے ہو؟''

''ہاں۔'' میں نے پلیٹیں صاف کر کے کوڑے دان میں کچرا پھینکا اور ایک سگریٹ سلگا لیا۔ ہوئے نے بھی اپنے دونوں پیر میز پر رکھے اور سگریٹ جلا کر بیٹھ گیا۔

ہم دونوں دیر تک سمندر کا نظارہ کرتے رہے پھر ہوئے مجھے اپنے عجائب گھر میں آنے کی دعوت دے کر چلا گیا۔ رنگو بھی چھلانگیں مارتا ہوا واپس آ گیا۔ وہ کافی تھکا ہوا لگ رہا تھا اس لیے ٹانگیں پھیلا کر میرے برابر میں ہی لیٹ گیا۔

''بہت زیادہ آرام طلب مت بنو۔'' میں نے کہا۔ ''لگتا ہے کہ اب ہمیں بھوتوں کو پکڑنا ہوگا۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

میں نے نصف شب سے پہلے ہوئے سے لیکونگٹن میں ملنے کا پروگرام بنایا تھا لیکن اس سے پہلے مجھے شہر میں کچھ اور کام نمٹانے تھے۔ میں نے غروب آفتاب کے وقت اپنی جیپ نکالی اور شہر کی جانب روانہ ہوگیا۔ رنگو معمول کے مطابق میرے برابر والی نشست پر چوکنا بیٹھا ہوا تھا۔ راستے میں ایک اسٹور پر رک کر میں نے سگریٹ کا پیکٹ اور پے فون کے لیے ایک ڈالر کا کارڈ خریدا۔ مجھے اپنے دو موکلوں کو فون کرنا تھا۔ ان میں سے ایک وہ شخص تھا جسے اپنی خوب صورت اور عمر میں تیس سال چھوٹی بیوی پر بے وفائی کا شبہ تھا۔ عام طور پر میں اس طرح کے کیسز لینے سے انکار کردیتا ہوں لیکن بیچ کنگ موٹیل کے مالک کارل کنگ نے گزشتہ مہینے مجھ پر ایک احسان کیا تھا اس لیے اسے انکار نہ کرسکا۔ اس کے علاوہ مجھے اس سے ہمدردی بھی تھی۔ وہ گزشتہ ہفتے جب میرے پاس آیا تو بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ اس نے فریاد کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔

”میں سمجھ رہا تھا کہ ڈیبورا روئے زمین پر آخری ہستی ہوگی جو مجھ سے بے وفائی کرے گی۔ اسے پراسرار قسم کے فون آتے ہیں۔ اکثر رات کو دیر سے گھر آتی ہے اور اگر میں کچھ کہوں تو رونے بیٹھ جاتی ہے۔“

میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ چند روز تک اس کی بیوی کا تعاقب کرکے اصل بات کا پتا لگانے کی کوشش کروں گا لیکن میں نے ابھی تک اس کام کا آغاز نہیں کیا تھا کیونکہ مجھے اس طرح کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے اسی روز اس کی جاسوسی شروع کرنے کا پروگرام بنایا تھا کہ ہوئے اپنی پریشانی سمیت بیچ میں کود پڑا۔

میں نے اسٹور کی پارکنگ لاٹ سے کارل کو فون کیا تاکہ اسے تسلی دے سکوں۔ اسے مطمئن کرنے کے لیے مجھے جھوٹ کا سہارا لینا پڑا اور میں نے کارل سے کہا کہ ابھی تک اس کی بیوی کی کوئی غیر معمولی سرگرمی دیکھنے میں نہیں آئی جبکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ ساری ساری رات غیر مردوں کے ساتھ کلب میں ڈانس کرتی رہتی تھی۔ میں نے اس معاملے کو اگلے روز تک کے لیے ملتوی کردیا۔ آج کی رات مجھے ہوئے کو یہ یقین دلانا تھا کہ اس کے جہاز پر کوئی بھوت نہیں ہے اور جو کچھ اس نے دیکھا، وہ اس کا وہم بھی ہوسکتا ہے۔

میں نے اس سے یہ بات مذاق میں نہیں کہی تھی کہ میں بھوتوں پر یقین رکھتا ہوں لیکن میرا یہ بھی ماننا ہے کہ بہت سے لوگ وہی کچھ دیکھتے ہیں جو وہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہوئے تمام دن وہاں آنے والوں کو بھوتوں کی کہانیاں سناتا رہتا۔ تاریخ اس کا مضمون ہے اور وہ اس جہاز کی تاریخ کو نمک مرچ لگا کر بیان کرسکتا ہے۔ یہ میرا تجربہ ہے کہ بسا اوقات ان سایوں کے پیچھے کوئی نحوست چھپی نہیں ہوتی۔

وہ ہالوین کی رات تھی جب لوگ بھیس بدل کر اور بچے ڈراؤنے ماسک لگا کر شوخیاں کرتے ہیں۔ میں پارکنگ لاٹ میں بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ وقت گزاری کے لیے پہلے کارل کنگ سے فون پر بات کی پھر وہاں آنے والی فیملیز اور بچوں سے باتیں کرنے لگا جنہوں نے مختلف روپ دھار رکھے تھے۔ کوئی ویمپائر بنا ہوا تھا تو کوئی اہرام مصر کی ممی..... اور کسی نے سفید چادر اوڑھ کر بھوت بننے کی کوشش کی تھی۔ وہاں سے روانہ ہونے کے بعد میں راستے میں یہی سوچتا رہا کہ کسی نے بھوت کا روپ دھار کر ہوئے کو تنگ کرنے کی کوشش تو نہیں کی۔

ہوئے کے مزاج میں غصہ تھا اسی لیے وہ عجیب وغریب حرکتیں کیا کرتا تھا۔ جیسے کار کے ہوتے ہوئے ٹرک چلانا اور اپنے جوتوں میں اعشاریہ دو دو کا ریوالور رکھنا گو کہ وہ اس طرح کی کوئی چیز اپنی کام کی جگہ پر لے کر نہیں آتا تھا۔ کالج کے دنوں میں، میں ایک دفعہ اس کے ساتھ فٹ بال میچ دیکھنے ٹیکساس گیا تھا جہاں نشے میں دھت تین لڑکوں نے اس سے الجھنے کی کوشش کی تو وہ جان ڈین بن گیا اور ان لڑکوں نے بڑی مشکل سے اپنی جان چھڑائی۔ اس لیے یہ امکان بہت کم تھا کہ کوئی اس کے ساتھ مذاق کررہا ہو۔ کم از کم جو لوگ اسے جانتے تھے، ان سے اس حرکت کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

جب میں کورپس کرسٹی جانے والی شاہراہ ہائی وے پینتیس پر پہنچا تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ میں نے پل پر چڑھنے کے بجائے گاڑی کا رخ نارتھ شور کنٹری کلب کی جانب موڑ لیا کیونکہ میں اپنے دوسرے موکل جیمز ڈین جیولرز سے ملنا چاہ رہا تھا۔ میں نے جیپ پارکنگ لاٹ میں کھڑی کی لیکن اس کا انجن بند نہیں کیا تاکہ رنگو ایئرکنڈیشنر کی ٹھنڈک سے لطف اندوز ہوتا رہے۔

جیمز ڈین بھاری بھرکم شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے گول شیشوں کا چشمہ لگا رکھا تھا اور کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا شوکیس میں کسی گھڑی کا معائنہ کررہا تھا۔ اس نے سفید تھری پیس سوٹ اور سرخ رنگ کی ٹائی لگا رکھی تھی۔ دکان میں کافی گاہک موجود تھے جن سے ڈین کے معاونین نمٹ رہے تھے۔ میں نے اس کے قریب جا کر کہا۔ ”ڈین! میں ویڈیو ٹیپ لینے آیا ہوں۔“

مسٹر ڈین نے نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا اور اپنے پیچھے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

آنے کا اشارہ کیا۔ وہ مجھے اپنے دفتر میں لے گیا اور دروازہ بند کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ بعید از قیاس ہے لیکن ممکن ہے کہ میرے کسی ملازم نے وہ انگوٹھی چرائی ہو لیکن مجھے اس کا امکان صفر نظر آتا ہے۔''

''کیا تمہیں کسی خاص ملازم پر شبہ ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''اس انگوٹھی کی قیمت انیس ہزار ڈالرز ہے اور کسی نہ کسی کو یہ قیمت ادا کرنا ہوگی۔''

ڈین ایک ہوشیار شخص تھا لیکن زیادہ تر ناخوشگوار موڈ میں رہتا۔ ہم دونوں نارتھ شور کنٹری کلب کے ممبر تھے۔ گزشتہ ہفتے اس نے گالف کھیلنے کے دوران مجھ سے اس چوری کا تذکرہ کیا تھا۔ غالباً انشورنس مسائل کے سبب وہ ابھی اس معاملے میں پولیس کو ملوث نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ اس نے ایک ویڈیو ٹیپ لفافے میں بند کر کے میرے حوالے کی اور کہا۔

''میرے پاس جدید قسم کا فول پروف سیکیورٹی سسٹم ہے۔ اس ویڈیو ٹیپ میں ان تمام لوگوں کی فوٹیج موجود ہے جو انگوٹھی گم ہونے والے دن دکان میں آئے یا گئے۔ ان میں گاہک، ملازمین اور دیگر لوگ بھی شامل ہیں۔ وہ چور بھی اس ٹیپ میں موجود ہے اور اب یہ تمہارا کام ہے کہ اسے تلاش کرو۔''

''ٹھیک ہے۔ میں پوری کوشش کروں گا۔''

جیسے ہی میں نے اپنی جیپ لیکونکشن کی پارکنگ لاٹ میں کھڑی کی، مجھے پچاس بچوں نے گھیر لیا۔ ان کے ہاتھ میں پلاسٹک کی تلواریں تھیں جو اندھیرے میں روشنی بکھیر رہی تھیں۔ وہ ایک دوسرے کے لباس پکڑ کر کھینچ رہے تھے اور ان کے ہاتھوں میں کینڈی، پاپ کارن اور لولی پاپ کے پیکٹ تھے۔ میں نے جیپ میں سے ایک بڑا سا سرخ رومال نکال کر رنگو کے کندھوں پر ڈال دیا جو میری کوئی سابق محبوبہ جیپ میں بھول کر چلی گئی تھی۔ مجھے ایک پلاسٹک کی تلوار بھی مل گئی تھی۔ رضاکاروں نے لیکونکشن کو بھوت گھر کی شکل دے دی تھی۔ وہاں اسکول کے بچوں کے لیے ڈریس اپ پارٹی کا بھی اہتمام تھا۔ وہ جمعے کی شب تھی اس لیے کسی کو بھی دوسرے دن اسکول جانے کی فکر نہیں تھی۔ رنگو فوراً ہی بچوں کی توجہ کا مرکز بن گیا لیکن مجھے ہوئے سے ملنے کی جلدی تھی اور اس تک پہنچنے کے لیے مجھے بھوت گھر میں داخلے کا ٹکٹ پانچ ڈالر میں خریدنا پڑا۔

ہوئے کسی نوجوان عورت سے باتیں کر رہا تھا جو مصری ممی کے روپ میں تھی اور دو بچے ان کے گرد اس طرح منڈلا رہے تھے جیسے پتنگے روشنی کے گرد چکر کاٹتے ہیں۔

''اوہ کتنا پیارا ہے۔'' اس عورت نے کہا۔ ''تمہارا چھوٹا سا بنڈر بالکل ولی نیلسن لگ رہا ہے۔''

میں نے رنگو کو دیکھا۔ پلاسٹک کی تلوار غائب ہو چکی تھی، صرف رومال باقی رہ گیا تھا اور دونوں بچے دائرے کی شکل میں اس کا پیچھا کر رہے تھے۔

''یہ بلی ہے۔'' ہوئے نے میرا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔ ''اس کا کہنا ہے کہ یہ اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرے گا۔''

''اوہ!'' وہ میرے قریب ہوتے ہوئے بولی۔ ''کیا تم بھوتوں کا قلع قمع کر سکتے ہو؟''

''ہاں۔'' ہوئے نے میری طرف سے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ بہت محتاط ہے۔ رات کو جیسے ہی میوزیم بند ہوگا، میں اور بلی اس کے ہر حصے کا معائنہ کریں گے۔''

''میں نے مسٹر وائز مین کو یہاں چوہوں کی موجودگی کے بارے میں بتا دیا ہے۔'' ہوئے نے کہا۔

''ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ یہ تمہارے عام سیاہ چوہے ہی ہوں۔ انہیں بھورے چوہوں کی نسبت تباہ کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔''

''واؤ۔'' وہ عورت بولی۔ ''واقعی تمہاری معلومات حیرت انگیز ہیں۔''

میں نے تعظیماً اپنا سر جھکا دیا۔ اس عورت کے جانے کے بعد ہوئے نے میرا بازو پکڑا اور اپنے دفتر کی جانب لے جاتے ہوئے بولا۔ ''تم چوہوں کے بارے میں اتنا زیادہ کیسے جانتے ہو؟''

''میں نیویارک میں ایک موسم گرما گزار چکا ہوں۔''

میں نے کئی سال سے لیکونکشن نہیں دیکھا تھا لیکن یہاں آنے کے بعد محسوس کیا کہ اگر یہاں کوئی بھوت آیا ہوگا تو اسے یہ جگہ گھر جیسی لگی ہوگی۔ جب یہ جہاز قابلِ استعمال تھا تو اس کے ہینگر میں بیک وقت سولہ طیارے کھڑے ہوتے تھے۔ ان میں سے باقی رہ جانے والے جہازوں کو دوبارہ رنگ و روغن کر کے عرشے پر کھڑا کر دیا گیا تھا۔

''ہم آج کے دن بچوں کے لیے مختلف کھیلوں اور تفریحات کا بندوبست کرتے ہیں۔'' ہوئے نے اپنی میز پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا تھا اور کھڑکیوں کے پردے گرا دیے تھے۔ اس نے اپنی میز کی دراز سے مشروب کی بوتل نکالی اور دو گلاس بنائے۔ اس کے دفتر کے باہر بچے کھیل رہے تھے اور والدین کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے وہ کسی بیس بال کے میچ سے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY

لطف اندوز ہو رہے ہوں۔

"میں جو کچھ دیکھ چکا ہوں، اس کی وجہ سے مجھے یہ پروگرام منسوخ کرنا پڑا۔" ہوئے نے مجھے مشروب کا گلاس پکڑاتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہم نے بھوت گھر صبح سویرے ہی کھول دیا تھا تاکہ لوگ پورے دن اس سے لطف اندوز ہوسکیں۔"

"تم چوہوں کی بات کر رہے ہو؟" میں نے کہا۔

"ہاں۔ میں نے لوگوں کو یہی بتایا ہے کیونکہ خود بھی نہیں جانتا کہ میں نے کیا دیکھا تھا۔ اس لیے میں نے بھوت والی بات کسی کو نہیں بتائی ورنہ بچے ڈر جاتے۔"

"اچھا نکتہ ہے۔"

اس نے اپنا گلا صاف کیا اور بولا۔ "میں یہ سوچ کر حیران ہو رہا ہوں کہ وہ اتنے سالوں بعد کیوں واپس آگئی؟"

"کون؟"

"وہی چوکیدار کی بیوی۔" اس نے کہا۔

اس نے میز کے نیچے سے ایک باکس اٹھایا اور میز کے اوپر رکھ دیا۔ میں نے پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟"

"میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں۔" اس نے کہا۔ "اور آج کل اس کی ایڈیٹنگ ہو رہی ہے۔ یہ خطوط کا مجموعہ ہے اور اس میں سو کے قریب خطوط شامل ہیں۔ یہ سب ان ملاحوں کی بیویوں کے خط ہیں جو انہوں نے جنگِ عظیم دوم کے دوران اپنے شوہروں کو لکھے تھے۔ اس میں نچلے درجے کے عہدے سے لے کر ایڈمرل تک کے لوگ شامل تھے۔"

"اچھا آئیڈیا ہے لیکن میں اس کے عنوان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"میں نے کئی خطوط منتخب کیے ہیں اور نقل نویسوں کی ایک ٹیم کی خدمات حاصل کرلی ہیں۔ میں ان خطوط کو پڑھ کر ٹیپ ریکارڈر میں منتقل کر رہا ہوں۔" اس نے ایک ٹیپ ریکارڈر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے جو خطوط ٹائپ کروانے ہیں، انہیں بہ آوازِ بلند پڑھتا ہوں اور پھر یہ کیسٹ نقل نویسوں کو بھیج دیتا ہوں۔ یہ کام نصف شب کے قریب کرتا ہوں جب میوزیم بند ہوجاتا ہے اور میں بھی اپنے تمام کاموں سے فارغ ہوجاتا ہوں۔"

"اور تم اس کے علاوہ بھی دوسری پراسرار آوازیں سنتے رہتے ہو؟"

"نہیں لیکن گزشتہ شب میں نے محسوس کیا کہ ان میں سے ایک خط اسی عورت ایڈیلیڈ بیوماؤنٹ کا تھا جو نائٹ واچ مین کی بیوی ہے۔ اس کا شوہر ہنری بیوماؤنٹ مکینیکل انجینئر تھا جس نے اسٹیم ٹربائن کی خصوصی مہارت حاصل کر رکھی تھی جو جہاز کو چلاتی ہے۔ اس خط میں کوئی خاص بات نہیں تھی سوائے اس کے کہ وہ اپنے شوہر کو بری طرح یاد کر رہی تھی۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا کہ کیا کہہ رہا ہوں لیکن یہ بہت عجیب بات ہے۔ ادھر میں نے اس کا خط پڑھا اور اسے جہاز پر دیکھ بھی لیا۔"

"تم نے گزشتہ شب جو کچھ دیکھا، اس کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔"

"مجھے یوں لگا جیسے میں نے دروازہ کھول کر اسے جہاز پر آنے اور اپنے شوہر کو ڈھونڈنے کی دعوت دی ہو۔"

ہم دونوں ہی اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ رنگو نے بھی اس بے چینی کو محسوس کیا اور آنکھیں کھول دیں۔ باہر تیز ہوا چل رہی تھی لیکن اس کے باوجود وہ آواز بڑی واضح تھی۔ ہم سب اپنی جگہ سے اچھل پڑے۔ رنگو چھلانگ لگا کر فائل کیبنٹ پر چڑھ گیا پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ ہوئے نے ہمت کر کے کہا۔ "آجاؤ۔"

ایک بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا اور بولی۔ "ڈاکٹر چنگ! میں تمہیں صرف یہ بتانے آئی ہوں کہ ہم ایک گھنٹے بعد عجائب گھر بند کرنے والے ہیں۔"

"شکریہ مسز براؤن۔" ہوئے نے کہا۔ وہ عورت دروازہ بند کر کے چلی گئی۔ ہوئے نے میرے لیے ایک اور گلاس بھرا۔ جب ہم مے نوشی سے فارغ ہوئے تو گیارہ بج چکے تھے اور لگتا تھا کہ اب جہاز خالی ہوچکا ہے۔ بچوں اور رضاکاروں کی چیخ و پکار کی جگہ اب پورے ماحول پر خاموشی چھا گئی تھی جس میں ہلکی سی آواز بھی واضح سنائی دیتی۔

ہوئے نے اپنی دراز سے دو عدد ٹارچیں نکالیں، ان میں سے ایک اس نے مجھے پکڑا دی۔ میں نے دفتر سے باہر نکلتے ہوئے اس سے پوچھا۔ "کیا ہمیں ٹارچ کی ضرورت پیش آسکتی ہے؟"

"ہاں تاکہ تمہیں اندھیرے میں ڈر نہ لگے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "خیر، یہ تو مذاق کی بات تھی۔ دراصل بجلی والے کام کر رہے ہیں اس لیے زیادہ تر حصے کی لائٹ بند ہے۔"

ہم ٹارچ کی روشنی میں عرشے سے باہر آئے اور جہاز کے پچھلے حصے کی طرف جانے والی سیڑھیوں کی جانب بڑھنے لگے۔ ہوئے نے کہا۔ "ہم یہاں سے شروع کرتے ہیں اور باری باری ہر حصے کو دیکھیں گے۔ اس میں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹا لگے گا اور جب ہمیں یقین ہوجائے گا کہ یہاں کوئی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

نہیں ہے تو ہم نصف شب کے قریب عرشے پر اسی جگہ واپس آجائیں گے جہاں اس عورت کے شوہر کی موت واقع ہوئی تھی اور وہیں میں نے اس عورت کو گزشتہ رات دیکھا تھا۔"

اس نے اپنے کاؤبوائے ہیٹ کو مضبوطی سے باندھا اور میرے آگے چلنے لگا۔ ہم تقریباً آدھے گھنٹے تک ایک کے بعد ایک کمرا دیکھتے رہے۔ ہوئے نے کہا۔ "اس طرح بہت دیر لگ جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں الگ ہو کر کام کرنا چاہیے۔ تم پورٹ سائڈ پر جاؤ۔ میں دائیں جانب دیکھتا ہوں۔ اگر میں نے کوئی غیر معمولی بات دیکھی تو چیخ ماردوں گا اور تم بھی اسی طرح کرنا۔"

"اوہ...... یقیناً۔ تم بے فکر رہو۔" میں نے کہا اور اسے اندھیرے میں گم ہوتا دیکھتا رہا۔ رنگو میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ تمام کمروں کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ میں نے ہر کمرے میں ٹارچ کی روشنی سے جائزہ لیا۔ زیادہ تر میں عام استعمال کی چیزیں مثلاً بالٹیاں، باکس، فالتو پرزے، اوزار اور مختلف مشینوں کے حصے پڑے ہوئے تھے۔ آگے چل کر میری نظر انجن روم پر گئی جس میں بڑی بڑی مشینیں اور پائپوں کا جال بچھا ہوا تھا۔

انجن روم میں قدم رکھتے ہوئے میں نے اپنے جسم میں ایک سرد لہر سی محسوس کی۔ جہاز کا بھاری بھرکم ڈیزل پلانٹ اسکول بس سے بھی بڑا تھا۔ اس کے کنٹرول پینل پر لگے ہوئے گلاس گیج ٹارچ کی روشنی پڑنے پر چمگادڑ کی آنکھوں کی طرح چمکنے لگتے۔ کمرے کے آخری سرے پر میں نے کسی کو کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس کی پشت میری جانب تھی اور وہ ایک چھوٹے کنٹرول پینل کے سامنے منہ کیے ہوئے تھا۔ مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ کمرا کسی کوئلے کی کان کی طرح سیاہ اور تاریک تھا لیکن میں نے ٹارچ کی مدھم روشنی میں دیکھا۔ اس کے کندھے سخت اور چوڑے تھے اور اس کا سر میری نظروں سے اوجھل تھا۔ اس کے برابر میں ایک بوتل رکھی ہوئی تھی۔

"ہم نے تمہیں سوتے ہوئے پکڑا ہے۔" میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

وہ ساکت بیٹھا رہا۔ میں نے رنگو کی طرف دیکھا۔ اس نے چھلانگ لگائی اور دوڑتا ہوا اس کے زانو پر بیٹھ گیا پھر بھی اس نے کوئی حرکت نہیں کی۔ میں نے اس جگہ ایک گہرا سرخ دھبا دیکھا جہاں اس کا سر ہونا چاہیے تھا اور ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ کر ہانپتے ہوئے بولا۔ "رنگو! اسے مت چھونا۔" میں نے اس کی گود میں جہاں رنگو بیٹھا ہوا تھا ایک گیلی چپڑ چپڑ کرتی آواز سنی۔ جو کچھ میں نے دیکھا اسے نظر انداز کرتے ہوئے اس کے گرد چکر لگایا اور سامنے سے اس پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

وہ ایک کٹا ہوا کدو تھا اور رنگو اس کے بیج کھا رہا تھا۔ اس کوشش میں کدو کا ریشے دار گودا اس کے منہ سے چپک گیا تھا اور وہ اپنے جبڑوں سے اسے پُرشور آواز میں کھا رہا تھا۔ میں نے یہ دیکھ کر اپنے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیے اور ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ "پیارے دوست! ہم بھول گئے تھے کہ آج اس جگہ کو بھوت گھر بنایا گیا ہے اور یہاں ایسی ہی چیزیں ملیں گی۔"

رنگو نے اپنا ہاتھ نیچے کیا اور عین اس وقت جب وہ مزید کچھ بیج منہ میں ڈالنے والا تھا تو ہم نے ایک زوردار چیخ سنی۔ وہ عورت ہسٹریائی انداز میں چلا رہی تھی۔ رنگو کا پنجہ فضا میں منجمد ہوگیا۔ میں بھی اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا تھا۔ میں نے اپنے کان اسی جانب لگا دیے جہاں سے آواز آئی تھی پھر میں نے ہوئے کے بھاری بوٹوں کی دھمک لوہے کے فرش پر سنی۔ مجھے یوں لگا جیسے کوئی مشین گن چل رہی ہو۔ پھر مجھے اس کی آواز سنائی دی۔ "بلی۔ بلی۔ جلدی آؤ۔"

"تم کہاں ہو؟" میں نے کہا اور تیزی سے اس جانب لپکا جہاں سے اس کی آواز آئی تھی۔ ٹارچ کی روشنی ناکافی تھی اور مجھے نیم تاریکی میں کہیں بھی ٹھوکر لگ سکتی تھی لیکن یہ وقت ان باتوں کے سوچنے کا نہیں تھا۔ بالآخر وہ مجھے ہال کے سرے پر نظر آ گیا۔ اس نے اپنی ٹارچ سے ایک جانب اشارہ کرتے

مہکتی کلیاں

☆ محبت اندھی ہوتی ہے، اس کے باوجود اس کی آنکھیں بڑی خوب صورت ہوتی ہیں۔

☆ چاند اپنی روشنی پورے جہاں میں پھیلا دیتا ہے لیکن داغ اپنے سینے تک محفوظ رکھتا ہے۔

☆ اعتماد روح کی طرح ہوتا ہے جو ایک بار نکل جائے تو پلٹ کر واپس نہیں آتا۔

☆ زندگی وہ منتظر آنکھ ہے، جو موت کا انتظار کرتی ہے۔

☆ دنیا میں کہیں بھی آپ کی سیرت پر آپ کی صورت کو ترجیح نہیں دی جائے گی۔

☆ اپنی خوشی منانے سے پہلے دوسروں کے غموں کا خیال کرو۔

☆ دنیا کے لیے ایک بندہ مرتا ہے اور مرنے والے کے لیے ساری دنیا مرجاتی ہے۔

مرسلہ۔ احسان سحر، میانوالی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ہوئے کہا۔ ''یہ مسز براؤن کی آواز ہے۔ آؤ دیکھتے ہیں۔''
ہم دونوں اور رنگو ہوئے کے دفتر کی طرف دوڑ پڑے۔ لوہے کی سیڑھیاں چڑھ کر ہم نے ایک تنگ راہداری عبور کی اور دفتر کے دروازے پر پہنچ کر کان لگادیے۔
''مسز براؤن!'' میں نے بہ آوازِ بلند اسے پکارا۔
''اوپر آجاؤ۔'' عرشے سے آواز آئی۔ ہم ایک بار پھر سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ اوپر پہنچ کر ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے ہمارا استقبال کیا۔ مسز براؤن بے ڈھنگے پن سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی ٹانگیں عرشے پر پھیلا رکھی تھیں۔ ہم دوڑتے ہوئے اس کے پاس گئے۔ رنگو اپنی عادت کے مطابق اس کی گود میں بیٹھ کر گلے لگ گیا۔
''تم ٹھیک تو ہو؟'' ہوئے نے مسز براؤن سے پوچھا۔
''کیا معاملہ ہے؟'' میں نے بھی بولنا ضروری سمجھا۔
اس عورت نے گہرے گہرے سانس لیے اور بولی۔ ''میں نے اسے دیکھا ہے۔''
''کسے؟'' میں نے پوچھا اور ہم دونوں مل کر اسے کھڑا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔
''چوکیدار کی بیوی کو۔'' اس نے کہا۔ ''وہاں کنٹرول روم میں۔''
میں نے جہاز کے ٹاور کی طرف دیکھا جہاں وہ انگلی سے اشارہ کر رہی تھی۔ سرمئی کنٹرول ٹاور کے ساتھ ریڈار کا انٹینا، تار، کئی قسم کے ہارن اور سائرن لٹکے ہوئے تھے اور وہاں سے پھوٹنے والی نیلے رنگ کی روشنی جہاز کے اس حصے پر پڑ رہی تھی جہاں جہاز کا نام بڑے بڑے حروف میں کندہ تھا اور اس کے دائیں جانب ایک کھڑکی میں وہ عورت کھڑی ہوئی تھی۔
''کیا تم نے دیکھا؟'' ہوئے بولا۔
''ہاں، میں اسے دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے اپنے اندر کے خوف پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
ہوئے نے اپنا اعشاریہ دو دو کا ریوالور نکالا لیکن میں نے وہ اس کے ہاتھ سے چھین کر عرشے پر پھینک دیا۔
''یہ تم نے کیا کیا؟'' وہ ناراض ہوتے ہوئے بولا۔
''تم ٹی وی بہت دیکھتے ہو۔'' میں نے کہا۔
''یہ کون سی نئی بات ہے...... کیا تم ٹی وی نہیں دیکھتے؟''
''ہاں لیکن ہتھیار استعمال کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ نشانے پر کون ہے۔''
میں نے کنٹرول ٹاور کی طرف دوڑ لگادی۔ حالانکہ لکڑی کی ٹانگ کی وجہ سے میرے لیے تیز دوڑنا محال تھا۔ اس کے باوجود میں ممکنہ حد تک تیز بھاگ رہا تھا۔ پولیس کی نوکری کے دوران خوب تیزی سے دوڑتا تھا لیکن اب ایک ٹانگ کی وجہ سے مشکل پیش آرہی تھی جبکہ ہوئے اور رنگو کو ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا اور وہ پوری رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ مسز براؤن ہمارے مقابلے میں زیادہ ہوشیار ثابت ہوئی اور اس نے اپنی جگہ پر رکنے کو ہی ترجیح دی۔
میں ٹاور کی اندرونی سیڑھیوں کے ذریعے اوپر جانا چاہ رہا تھا لیکن جیسے ہی میں دروازے پر پہنچا، میں نے عرشے کے اس حصے میں جو کنٹرول ٹاور اور جہاز کے مرکزی برج کے درمیان واقع تھا، ایک کپڑے کی جھلک دیکھی۔ لہٰذا میں نے بھی اپنی سمت تبدیل کرلی اور اس جانب قدم بڑھانے لگا۔
وہ ایک نوجوان عورت تھی اور اس کا شفاف چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ ستاروں کی مدھم روشنی میں اس کی چمک دار ... جلد واضح طور پر نظر آرہی تھی اور اس کے لمبے بال تیز ہوا کی وجہ سے لہرا رہے تھے۔ اس نے سفید رنگ کا گاؤن پہن رکھا تھا۔ وہ ڈیک پر جھکی ہوئی فرش پر کچھ تلاش کر رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں اضطرابی کیفیت نمایاں تھی۔ آہٹ سن کر اس نے میری طرف دیکھا اور بے اختیار میرے حلق سے ایک چیخ برآمد ہوئی۔ رنگو نے بھی میرا ساتھ دیا۔
ہوئے کی آنکھیں پھڑپھڑا کر بند ہوگئیں اور وہ پیچھے کی جانب گرنے لگا لیکن اس سے پہلے کہ وہ فرش سے ٹکراتا میں نے اسے پکڑ لیا اور اس کا ہیٹ اتار کر اس سے ہوا دینے لگا۔
وہ عورت آہستہ سے کھڑی ہوئی اور اس نے دوڑ لگادی۔ ہم نے بھی اس کا تعاقب کیا۔ میں لنگڑاتا ہوا تیزی سے ٹاور کے پاس سے گزرا۔ وہ عورت بے آواز قدموں سے دوڑ رہی تھی۔ میں نے اپنے سامنے اس کے لہراتے ہوئے بال اور ہوا میں پھڑپھڑاتا گاؤن دیکھا۔ میں نے اپنے سینڈل اتارے اور پوری قوت سے اس کا پیچھا کرنے لگا۔ رنگو نے اپنی جدوجہد ترک کردی تھی اور وہ تھک کر عرشے پر بیٹھ گیا تھا۔
میرے دل کی دھڑکن اچانک ہی تیز ہوگئی جب میرا پاؤں زور سے اچھلا اور میں عرشے پر تقریباً گھسٹنے لگا۔ میرے دونوں بازو فضا میں لہرا رہے تھے۔ میں نے اپنے آپ پر قابو پانے کی بہت کوشش کی لیکن دیر ہوچکی تھی اور میں پیچھے رہ گیا تھا۔ عرشے کے کنارے پر پہنچ کر اس عورت نے چھلانگ لگائی اور وہاں کھڑے ہوئے ایک پرانے لڑاکا طیارے کے پیچھے بھاگ گئی جو بھی اس جہاز کا حصہ تھا۔ میں نے اپنے جسم کا رخ اس جانب موڑا اور اسے ایک آخری دھکا دیا۔ اچانک ہی طیارے کے دوسری طرف فلائٹ ڈیک میرے راستے کی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

رکاوٹ بن گیا اور میری آنکھوں کے آگے اندھیرے کی چادر تن گئی۔ میں نے اپنے آپ کو روکنے کی کوشش کی۔ وہاں کوئی ریلنگ بھی نہیں تھی جس کا سہارا لے سکتا اور ایک سیکنڈ کے لیے میرا سر نیچے کی جانب لٹک گیا۔ میں نے اپنے بازو پھیلائے اور برق رفتاری کے ساتھ جہاز سے نیچے آن گرا۔

میں ننگی زمین پر چت لیٹا اپنی سانسیں درست کر رہا تھا پھر میں نے تاروں بھرے آسمان کی طرف دیکھ کر ایک سرد آہ بھری۔ نائٹ واچ مین کی بیوی جا چکی تھی۔ ہفتے کی صبح میں اپنی کشتی پر واپس آیا۔ میں نے راستے میں رک کر کچھ کھانے کا سامان لے لیا تھا کیونکہ بھوک سے میرا برا حال تھا۔ عام طور پر ہم عرشے پر موم بتیوں کی روشنی میں رات کا کھانا کھاتے پھر میں کچھ پڑھنے بیٹھ جاتا اور رنگو جمائیاں لیتا ہوا اپنی جگہ پر سونے کے لیے چلا جاتا لیکن اس رات لیکزنگٹن سے واپس آتے ہوئے ہم اتنا تھک چکے تھے کہ اپنے کیبن میں آرام کرنے کو ترجیح دی۔

میں نے اپنا سامان میز پر رکھا۔ ان میں کچھ خطوط تھے جن کی نقول ہوئے نے مجھے دی تھیں۔ لیکزنگٹن پر ایک کتاب اور جیمز ڈین کی دی ہوئی ویڈیو ٹیپ بھی شامل تھی۔ میں نے ٹی وی آن کر دیا۔ اس وقت مورک اینڈ منڈی شو چل رہا تھا۔ یہ ایک بے معنی مزاحیہ پروگرام تھا جسے دیکھنے کے لیے دماغ پر زور دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس وقت مجھے ایسے ہی پروگرام کی ضرورت تھی۔

مجھے بہت زور کی نیند آ رہی تھی لیکن پاؤں کی تکلیف نے مجھے بے چین کیا ہوا تھا۔ جب میں نے اس جگہ کو ہاتھ سے چھوا تو مجھے وہاں خون کی موجودگی کا احساس ہوا۔ عرشے پر پھسلنے کی وجہ سے وہ جگہ چھل گئی تھی۔ میں نے الماری کھول کر فرسٹ ایڈ باکس نکالا پھر زخم صاف کر کے دوا لگائی اور پٹی باندھ دی۔ اب میری نیند غائب ہو چکی تھی چنانچہ میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگا لیا۔ اچانک میری نظر میز پر رکھے ہوئے ویڈیو ٹیپ پر گئی۔ مجھے نیند تو ویسے بھی نہیں آ رہی تھی اور نہ ہی ٹی وی پر کوئی مزاحیہ پروگرام چل رہا تھا چنانچہ میں نے وہ ویڈیو اپنے وی سی آر میں لگا دی۔ بالائی شاٹ سے اسٹور میں آنے والے ہر فرد کو دیکھا جا سکتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ ٹیپ کافی طویل ہے اور میں صبح ہونے تک بھی پوری ٹیپ نہیں دیکھ سکوں گا اور نہ ہی مجھے یقین تھا کہ جو کچھ میں دیکھنا چاہ رہا ہوں وہ مجھے مل سکے گا یا نہیں لیکن تجسس کی وجہ سے میں نے کچھ دیر مزید جاگنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں ریموٹ کے ذریعے غیر ضروری حصوں کو نظر انداز کر کے ٹیپ کو آگے بڑھا رہا تھا کہ اچانک ایک شاٹ پر میری نظریں جم کر رہ گئیں۔ میں نے اپنی آنکھوں کو مسلا اور گال پر ہلکا سا تھپڑ مارا۔ یہ جاننے کے لیے کہ کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ میں نے ٹیپ ریوائنڈ کر کے تصویر ساکت کر دی اور اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھا رہا۔ میں نے ایک اور سگریٹ سلگایا اور کیبن میں چہل قدمی کرنے لگا۔ پھر میں نے کافی کی میز پر رکھے ہوئے فولڈر میں سے ایک کاغذ پھاڑا اور اس پر اسکرین سے براہِ راست بلیک اینڈ وائٹ تصویر اتار لی۔ اب میرے ہنسنے کی باری تھی۔ میں نے اتنی زور سے قہقہہ لگایا کہ رنگو کی بھی آنکھ کھل گئی۔ اس نے مجھے گھور کر دیکھا اور دوبارہ کروٹ لے لی۔ میں نے سگریٹ بجھایا اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔

اگلی صبح میں نے بیچ کنگ موٹیل کے مالک کارل کنگ کو فون کیا۔ ”تمہارے لیے اچھی خبر ہے۔“ میں نے کہا۔ ”تمہاری بیوی بے وفا نہیں۔ بس تھوڑی سی غیر ذمے دار ہے۔“

”اوہ!“ اس نے اطمینان بھری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”کیوں نہ آج تم اور تمہاری بیوی میرے ساتھ ناشتا کرو۔ میں اپنے ایک اور دوست کو بھی بلا رہا ہوں۔ تمہاری بیوی اور میں ہر بات واضح کر دیں گے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری بیوی بالکل بے قصور ہے۔“

صبح کی سفیدی پھیل چکی تھی اور آسمان پوری طرح روشن تھا۔ میں اور ہوئے دونوں ڈیک پر بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ گرم ہوا چل رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ کچھ دیر بعد گرمی میں اضافہ ہونے والا ہے۔ ہم دونوں کافی سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ پرانے دوستوں، فٹ بال میچوں اور سیاست پر گفتگو کر رہے تھے۔ حیرت انگیز طور پر ہوئے نے مجھ سے اب تک یہ نہیں پوچھا تھا کہ میں نے اسے اتنی صبح کیوں بلایا ہے۔

میں نے پہلے سے ہی ناشتے کا اہتمام کر رکھا تھا اور صبح ہی صبح جا کر بینی بیٹ کی دکان سے تازہ سینڈوچ لے آیا تھا۔ میں انہیں پلیٹوں میں رکھ ہی رہا تھا کہ کارل کنگ کی گاڑی وہاں آ کر رکی۔ اس کی بیوی ڈیبورا بھی برابر والی نشست پر بیٹھی ہوئی تھی۔ جیسے ہی وہ دونوں میاں بیوی کار سے باہر آئے، ہوئے انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اسے اب تک کچھ نہیں بتایا تھا۔ صرف اتنا کہا تھا کہ کیا وہ چوکیدار کی بیوی کے ساتھ ناشتا کرنا پسند کرے گا۔ جیسے ہی کارل اور اس کی بیوی قریب آئے، ہوئے نے اپنا کاؤ بوائے ہیٹ اٹھایا اور

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا جیسے وہ درد سے پھٹا جا رہا ہو۔

''اوپر آجاؤ دوستو۔'' میں نے کہا۔ ''ہمارے پاس باتیں کرنے کے لیے بہت کچھ ہے۔''

ناشتے کے دوران مکمل خاموشی رہی پھر میں نے گلا صاف کیا اور جو کچھ ویڈیو میں دیکھا تھا، وہ تفصیل سے بیان کردیا۔ وہ کارل کی بیوی ڈیبورا تھی جسے دیکھ کر میں چونک گیا تھا۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ وہ خود ہی وضاحت کردے کہ یہ سب کیسے ہوا۔ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ بڑی مشکل سے اس نے سر اٹھایا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''ہم کھانے کے وقفے کے دوران جیمز ڈین جیولرز گئے تھے۔ میرے ساتھ ڈی لیون ایلیمنٹری اسکول کی دو ٹیچرز اور بھی تھیں۔''

وہ لمحہ بھر کے لیے رکی اور اورنج جوس کا گھونٹ لیتے ہوئے بولی۔ ''ہم محض وقت گزاری کے لیے وہاں گئے تھے۔ اسی روز سہ پہر میں ہم بچوں کو لے کر لیکسنگٹن گئے۔ وہاں گھومنے پھرنے کے دوران میری نظر اتفاقاً اپنے ہاتھ پر گئی اور میں یہ دیکھ کر پریشان ہوگئی کہ میں نے اسٹور میں گھومنے کے دوران غلطی سے ایک انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن لی تھی جو میں واپس کرنا بھول گئی۔ میں نے سوچا کہ کام سے فارغ ہونے کے بعد اسٹور جا کر انگوٹھی واپس کردوں گی۔''

''اوہ بے بی!'' کارل نے کہا۔ اس کے لہجے میں اپنی بیوی کے لیے ہمدردی اور پیار امڈ آیا تھا۔ ڈیبورا نے نیپکن سے آنکھیں صاف کیں اور بولی۔ ''ڈاکٹر چننگ! تم نے ہمارے گروپ کو پورا جہاز دکھایا ہم ہر جگہ گئے۔ انجن روم، ہینگرز اور تمام نمائشی مقامات دیکھے۔ اسی دوران مجھ پر انکشاف ہوا کہ وہ انگوٹھی کہیں گر گئی ہے۔ بہر حال وہ میرے سائز کی نہیں تھی۔''

ہوئے بناوٹی انداز میں مسکرایا اور اپنا سر ہلانے لگا جیسے اسے ڈیبورا کی بات پر یقین نہ آرہا ہو۔

''اسکول واپس جا کر میں خوب روئی۔ وہ انگوٹھی جہاز پر ہی کہیں گر گئی تھی لیکن میں یہ بات جیمز ڈین کو نہیں بتا سکتی تھی۔ وہ کبھی اس پر یقین نہیں کرتا اور نہ ہی تمہیں پریشان کرنا چاہ رہی تھی ڈاکٹر چننگ!'' پھر وہ اپنے شوہر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگی۔ ''ہم ایک فضول سی انگوٹھی کے لیے بیس ہزار ڈالرز خرچ کرسکتے تھے۔''

مسٹر کنگ نے ازراہِ ہمدردی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''تمہارا جہاز بیچ کنگ موٹیل سے تھوڑے ہی فاصلے پر ہے۔ لہٰذا میں نصف شب کے قریب شب خوابی کے لباس میں باہر نکلی اور لیکسنگٹن کے عرشے پر پہنچ گئی۔ میں نے اچھی طرح چاروں طرف کا جائزہ لیا کہ کہیں کوئی مجھے دیکھ تو نہیں رہا۔ میں نے جہاز کا کونا کونا چھان مارا۔ چھ دفعہ وہاں جا چکی ہوں لیکن ابھی تک وہ انگوٹھی نہیں ملی۔''

''ڈیبورا!'' کارل چلاتے ہوئے بولا۔ ''تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ میں اور ڈاکٹر انگوٹھی کی تلاش میں تمہاری مدد کرسکتے تھے۔''

''براہِ کرم مجھے ہوئے کہو۔'' اس کے دل سے سارا خوف دور ہو چکا تھا اور وہ بڑے اطمینان سے سینڈوچ کھا رہا تھا۔ ''مجھے یقین ہے کہ ہم انگوٹھی ڈھونڈ لیں گے۔ میں آج ہی اپنے عملے کو ہدایات دیتا ہوں اور انہیں ایک چھوٹے سے انعام کی پیشکش بھی کروں گا۔''

کارل اور اس کی بیوی فرطِ مسرت سے آپس میں لپٹ گئے۔ ڈیبورا نے مجھے بھی گلے لگا لیا۔ اس کے جسم سے وہی مخصوص سبز سیبوں کی خوشبو آرہی تھی۔

''صرف ایک سوال......'' میں نے کہا۔ ''گزشتہ رات تم کنٹرول ٹاور سے عرشے تک اتنی جلدی کس طرح پہنچ گئیں اور اس کے بعد لڑاکا طیارے کے پیچھے غائب ہوگئیں جبکہ ہم نے تمہیں کھڑکی میں دیکھا تھا۔''

اس نے قہقہہ لگایا اور اپنے بالوں کو پونی ٹیل کے انداز میں باندھتے ہوئے بولی۔ ''مجھے پورا یقین تھا کہ تم مجھے پکڑ لو گے لیکن وہاں عرشے کے کنارے پر ایک چھوٹا دروازہ ہے جہاں سے ایک راستہ میوزیم کے عقب تک جاتا ہے۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ میں زمانہ طالب علمی میں ریس چیمپئن رہ چکی ہوں۔''

''بہت خوب!'' ہوئے نے کہا۔ ''میں اس راستے کو تو بھول ہی گیا تھا۔ تم تو جانتی ہی ہو کہ میں اس وقت کتنا پریشان تھا اور میرا دماغ ان خطوط میں الجھا ہوا تھا جن کی مدد سے میں اپنی کتاب مرتب کر رہا ہوں۔''

میں نے ہوئے کی طرف دیکھا۔ میری سمجھ میں آگیا کہ وہ اسے چوکیدار کی بیوی کیوں سمجھ رہا تھا کیونکہ جس وقت اس نے کارل کی بیوی کو سفید گاؤن اور کھلے بالوں میں دیکھا تو اس وقت وہ ایڈیلیڈ بیوماؤنٹ کا خط پڑھ رہا تھا۔ اس کے دماغ میں وہی عورت سوار تھی اس لیے وہ یہی سمجھا کہ چوکیدار کی بیوی اپنے شوہر کو ڈھونڈنے آتی ہے۔ میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''اب تو تمہیں بھوت کی حقیقت معلوم ہوگئی ہوگی۔''

وہ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔ ''اب میں چلتا ہوں۔ مجھے اپنی کتاب پر کام کرنا ہے۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

لفظوں کے کھلاڑی ہوں یا قلم کے لکھاری... عادی ہوں یا پیشہ ور... یہ لوگ بے موسم بھی مال فروخت کر دیتے ہیں مگر اتنی تیز رفتاری کے باوجود کوئی لمحہ، کوئی ایک جملہ ان کے اندر آگہی کے در کھول دیتا ہے جو انہیں صحیح یا غلط کی نشاندہی ضرور کرتا ہے... ایسے ہی ایک لمحے کی گرفت میں وہ بھی آگیا تھا جس کا قلم معاشرے کی بے حسی پر نوحے لکھتے لکھتے تھک چکا تھا۔

ذہن کی بغاوت پر ایک زہریلی مگر...... منفرد تحریر

بانجھ

علی اختر

Downloaded From
Paksociety.com

عبادت گاہ کے فلک بوس میناروں کی چوٹی پر چاروں طرف لگے اسپیکروں کا زیادہ تر وقت خاموشی میں گزر جاتا تھا۔ بس دن میں جب عبادت کے لحات آتے تو گنبد اور میناروں کے درمیان ٹھہری ہوا کو چیرتی آواز عبادت کرنے والوں کو چند لمحوں کے لیے اپنی طرف متوجہ کر لیتی۔ اس کے بعد ان پر وہی سکوت دوبارہ طاری ہو جاتا۔ ان اسپیکروں کے اردگرد چھوڑی خالی جگہوں پر مختلف انواع کے پرندوں نے اپنے اپنے ٹھکانے بنا رکھے تھے۔ صبح آنکھ کھلتے ہی وہ ان ٹھکانوں سے نکل جاتے اور دن کی آنکھ میں شام کا سرمہ پھیلتے ہی دوبارہ اپنی جگہ لوٹ آتے۔

وہ دونوں اس جگہ شاید نئے آئے تھے...... اس لیے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

www.paksociety.com

وہ دونوں آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے۔ بالکل کسی نوبیاہتا جوڑے کی طرح...... جن کے مزاج روٹھتے مانتے...... اور مفاہمت کی نئی راہیں تلاشتے وقت اختیار کرتے ہیں۔ وہ اٹھکیلیاں کرتے...... ایک دوسرے کی چونچ میں چونچ ڈال کر لڑتے جھگڑتے تھے۔ کئی بار تو یوں لگتا جیسے وہ ابھی زمین پر گر پڑیں گے مگر پھر وہ جلد ہی سنبھل کر فضا میں اپنے پر پھیلا کر یوں تیرنے لگتے جیسے پانی کی ہموار سطح پر بطخیں تیرتی ہیں۔ ان میں ایک نر چیل تھی...... اور دوسری مادہ۔

شاید ان کا جوڑا ابھی نیا نیا بنا تھا...... جبھی ان کے مزاج آپس میں میل نہ کھاتے تھے اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے۔ ان کے ایسا کرنے سے مینار میں چھوڑی گئی خالی جگہ پر رکھا اسپیکر احتجاج کرنے لگ جاتا...... وہ یوں شور کرتا جیسے تیز ہوا زور کی آندھی میں اپنے اکیلے ہونے پر اِدھر اُدھر سر پٹخ کر احتجاج کرتی ہو۔

وہ اپنی چھت پر لیٹا اکثر یہ تماشا دیکھا کرتا تھا......

اب تو موسم بدلنے لگا تھا۔ گرمیوں کی تپتی ہوئی دوپہریں، راتوں کا حبس اور اُمس دھیرے دھیرے دم توڑنے لگا تھا...... خنکی کا احساس بھی جاگنے لگا تھا انہی دنوں میں یہ جوڑا مینار کی خالی جگہ آکر ٹھہرا تھا۔

آوارگی کے دنوں میں سر چھپانے کے لیے تھوڑی جگہ بھی بہت لگتی ہے۔ شاید اسی لیے انہیں بھی یہ جگہ ایسے موسم میں پسند آگئی تھی کہ وہ ادھر کے ہی ہو رہے۔ ہر روز صبح سویرے ہی مادہ چیل کے چیخنے کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل جاتی تھی۔ عبادت گاہ کے یہ فلک بوس مینار اس کے گھر کی چھت کے بالکل نزدیک تھے مگر حیرانی کی بات یہ تھی کہ ان میناروں سے اپنی طرف بلانے والی آواز پر اس کی آنکھ بہ مشکل ہی کھلتی تھی...... لیکن مادہ چیل کے شور مچانے پر وہ ہمیشہ جاگ جایا کرتا تھا۔ کبھی کبھی وہ یہ سوچ کر خود بھی حیران ہو کر مسکرا دیتا۔

صنفِ نازک کسی بھی صورت میں ہو...... ان کا چیخنا، چلانا ہمیشہ ایک ہی طرح کا ہوتا ہے، بالکل اس کی بیوی ریمونہ کی طرح جو اس کی کاہلی اور سست روی پر اسی مادہ چیل کی طرح چیختی چلاتی تھی۔ اس روز بھی یہی ہوا۔ دن نے رات بھر کی مسافت سے اپنے بدن پر طاری ہونے والی کسلمندی ابھی اتاری نہ تھی کہ عبادت گاہ کے اسپیکر کی بغل میں بنائی جگہ پر ٹھہری مادہ چیل حسبِ معمول چیخنے چلانے لگی...... تب اس کی آنکھ کھل گئی۔

اپنے بستر پر لیٹے لیٹے وہ مادہ چیل کی حرکات دیکھنے لگا...... محض دل بہلانے کو...... مادہ چیل چیختے ہوئے قریب بیٹھی...... نر چیل پر بری طرح جھپٹی تھی...... دونوں فضا میں آگئے مگر دونوں کا توازن ہوا کے ساکت ہونے کی وجہ سے ڈانواں ڈول ہونے لگا تھا...... تب نر چیل اپنا آپ چھڑا کر اسے جھکائی دے کر دوسری طرف نکل گئی۔ مادہ چیل اس کے پیچھے لپکی اور جب وہ اس کی دسترس میں نہ آئی تو دونوں فضا میں اپنے پر پھیلا کر تیرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد مادہ چیل دوبارہ اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئی اور اپنے پنجے سے اپنی چونچ صاف کرنے لگی...... نر چیل اس دوران دور نکل گئی تھی۔

''اب بھی تو تھک ہار بیٹھی ہو۔'' وہ بڑبڑایا اور خود ہی ہنس دیا۔

اتنی دیر میں اس کی بیوی ریمونہ کی کان پھاڑتی آواز اسے سنائی دی۔ وہ غالباً نیچے صحن سے اسے آوازیں دے رہی تھی۔

''جواد...... اٹھ جاؤ...... دیکھو اب تو دھوپ دیواروں کو چومنے لگی ہے اور تم ہو کہ ابھی تک چارپائی توڑ رہے ہو۔''

''ارے...... میں کونسا سرکاری ملازم ہوں جو صبح صبح اٹھ کر کام پر جانے کے لیے کمر کسنے لگوں...... اٹھ جاتا ہوں۔ کونسا جلدی پڑی ہے......'' اس نے کسلمندی سے جواب دیا۔

''کاش تم سرکاری ملازم ہی ہوتے...... کم از کم ایک لگی بندھی تنخواہ کی آس امید تو رہتی...... اور یوں بے نام خواہشوں کا روز اس گھر میں ماتم تو نہ کرنا پڑتا۔'' ریمونہ نے افسردگی سے کہا۔

''خواہشیں یوں پوری ہونے لگیں تو ذہن کی وسیع عمارت ان کے بے گور و کفن لاشوں کے تابوتوں سے یوں بھری نہ رہتی۔'' جواد بھی بڑبڑایا۔

''میری راہوں میں تو شروع دن سے ہی خواہشوں اور نہ پوری ہونے والی تمناؤں کی میخیں گڑی ہیں۔ ایک سے پاؤں بچاتی ہوں تو پیر دوسری سے چھل جاتا ہے۔'' شاید اس نے جواد کی بڑبڑاہٹ سن لی تھی، تبھی چھت پر آتے آتے اس نے مایوسی سے جواب دے ڈالا تھا۔

''دن نکلتے ہی شروع ہو جاتی ہو...... اللہ کی بندی...... دن تو روشن ہو لینے دیا کرو......'' جواد نے مفاہمت کی راہ نکالی۔

''اٹھو گے تو کا غذوں کے اجلے بدن رنگنے لگو گے۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''اپنا اپنا کام ہے...... مجھے اس کام سے رزق ملتا ہے تو پھر اس میں کوتاہی کیوں کروں۔'' جواد نے ہنس کر جواب دیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"کاش...... ایسا ہوتا...... میں نے تو اب اپنی خواہشوں کا گلا گھونٹ ڈالا ہے مگر پھر بھی تمہاری اس ہوائی روزی نے کہیں بھی میری امیدوں کی انگلی نہ پکڑی۔" اس کے لہجے میں تلخی کے ساتھ ساتھ مایوسی بھی جھلکنے لگی تھی۔

"ریمونہ بیگم! ہم سب اپنی اپنی سوچ اور پسند کی کابکوں میں بیٹھے آنکھیں بند کیے آنے والے سہانے موسموں کا انتظار کرتے رہتے ہیں اور یہ موسم یا تو ہماری بند آنکھوں سے پرے پرے گزر جاتے ہیں اور یا پھر ہم پر اترتے ہی نہیں۔" جواد نے دھیرے سے جواب دیا اور جھکائی دے کر اس کی دسترس سے نکلنا چاہا۔

"بس...... بس...... تم یہی کرسکتے ہو...... جب تمہیں جوش آتا ہے اس میز کے گرد آبیٹھتے ہو...... اور میرے ہونٹوں پر امید بھرا تالا لگا دیتے ہو......" ریمونہ کا غصہ ابھی ختم نہ ہوا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی چھت سے نیچے آگئی تھی۔

"اب چپ ہوجاؤ۔ مجھے آج کا کالم لکھ کر اپنے اخبار کو ڈسپیچ کرنا ہے۔" وہ بولا۔

"نا جواد...... مجھے ایک بات سمجھاؤ...... جتنی مغزماری تم ان کاغذوں کا حلیہ بگاڑنے پر کرتے ہو اگر یہی محنت کسی اور کام میں کرتے تو انسانی بھلائی کی کوئی نہ کوئی نئی ایجاد کر ڈالتے۔" ریمونہ کے لہجے میں شدید کاٹ تھی۔

اس کی باتیں کسی حد تک ٹھیک بھی تھیں۔ جواد ایک معروف ملکی اخبار کا مستقل کالم نگار تھا...... جس کی گہری نظریں اردگرد کے ماحول، ملکی سیاست اور بین الاقوامی حالات پر رہتی تھیں۔ اس کے پڑھنے والے اس کی تحریر میں چھپے گہرے طنز...... فقروں اور جملوں کے بین السطور حقیقت نگاری کی کاٹ کے بے حد دلدادہ تھے...... یہی وجہ تھی کہ اس کے ہر چھپنے والے کالم پر ای میل کے ذریعے بے شمار لوگوں کی آراء اس تک پہنچتیں تو وہ پھولے نہ سماتا تھا۔ ایک لکھاری کا سب سے بڑا اعزاز تو یہی ہوتا ہے کہ اس کے پڑھنے والے اس کو دل کی گہرائیوں سے چاہیں۔ جب بھی اسے کسی قاری کا ای میل ملتا یا ٹیلی فون آتا تو اس کے حوصلوں کو مزید تقویت مل جاتی اور وہ دوبارہ نئی توانائیوں سے لکھنے لگتا۔

اخبار کے مالکان پہلے پہل اس کے کالم اعزازی طور پر چھاپتے تھے اور کبھی کبھار اس کے کالموں کی تعریف کرکے اس کا دل بہلا دیتے تھے لیکن جب پڑھنے والوں نے اس کی تحریروں کو پسند کرنا شروع کردیا اور جواد کو بھی اپنی اہمیت کا اندازہ ہوا، تب اس نے مالکان سے اپنے کالموں کا معاوضہ طے کرلیا۔ اس کا یہ انداز مالکان کو پسند نہ

بہترین تحریریں، لاجواب روداد اور اعلیٰ داستانیں پڑھنے والوں کے لیے سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

ماہنامہ سرگزشت کراچی

شمارہ اکتوبر 2016ء کی جھلکیاں

فیض رساں
ایک عالم دین کی سرگزشت جس نے ہلچل مچادی تھی

جہد مسلسل
کراچی کی اس نوعمر دوشیزہ کی داستان جسے ہالی ووڈ کی اداکارہ سالما ہایک اور گلوکارہ میڈونا تعظیم دیتی ہیں

غزا کے بچے
ظلم و ستم کی چکی میں پسنے والے بچوں کی آواز، ایک الگ انداز کی داستان

لاکھوں میں ایک
پاکستان کی ایک منفرد اداکارہ کے شب و روز کا احوال

شمشال سے تورنتو
یورپ میں بسنے والے پاکستانیوں کے مصائب کا ادراک، ایک دلچسپ سفرنامہ

تشنہ لب
اس نے خود اپنی زندگی سراب بنائی، تاعمر تشنہ لب رہی۔ دل دکھا دینے والی سچ بیانی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

آیا تو انہوں نے ایک دو بار اخبار میں اس کے کالم چھاپ کر معذوری ظاہر کردی۔

اب تک اس کے پڑھنے والوں کی تعداد بن چکی تھی۔ جن کے تقاضوں پر جواد کو دوبارہ اس کی شرائط پر چھاپنا شروع کر دیا لیکن اس کے معاوضے کی ادائیگی کرتے ہوئے انہیں روز اول کی طرح تکلیف ہوتی رہی۔ معاوضہ ایک ترتیب سے ملے تو آسودگی کی راہیں ہموار ہونے لگتی ہیں مگر اس کی بے ترتیبی...... مالی پریشانیوں میں اضافے کا سبب بنتی ہیں۔ یہی جواد کے ساتھ ہوا تھا۔ معاوضے کی بے ترتیبی سے مالی پریشانیاں مستقلاً اس کے ساتھ ساتھ رہنے لگی تھیں جس سے اس کے اندر کی گھٹن بڑھتی چلی گئی۔

اندر کی گھٹن جب بڑھنے لگے تو اظہار کی قوت میں خود بخود اضافہ ہونے لگتا ہے۔ وہ چاہے کسی صورت میں بھی ہو...... جواد کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ ایک تو اظہار کی قوت کا دباؤ...... اوپر سے پڑھنے والوں کی پسندیدگی...... دونوں نے مل کر اس کے جذبوں کو اس قدر ہوا دی کہ اس نے اظہار کے اسی وسیلے کو اپنا روزگار بنا لیا۔

ریمونہ سے شادی کے دو چار سال تو پلک جھپکتے ہی گزر گئے پھر حالات اس کے قابو سے باہر ہونے لگے۔ مہنگائی کا بھوکا عفریت...... سارے وسائل کھانے لگا۔ تو شکوے شکایت کے دروازے بھی آہستہ آہستہ کھلنے لگے۔

وہ ایک ایسا ہی دن تھا جب پہلی بار ریمونہ نے اپنی خواہشات کی بڑھتی ہوئی تشنگی سے مجبور ہو کر شکایت کی تو جواد نے اسے سمجھایا۔

”ریمونہ! ہمارے معاشرے کا بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ یہاں انسانی عمروں کا ایک بڑا حصہ تعلیم کا حصول کھا جاتا ہے۔ ایسے میں اگر کہیں پاؤں لڑکھڑا جائے تو سالوں کا دائرہ اور بڑھ جاتا ہے۔ جو عمر کو پھپھوندی کی طرح لگ جاتا ہے اور جیتے جی ختم نہیں ہو پاتا۔ تعلیمی گرداب میں میرا پاؤں تو نہ پھسلا مگر جب عملی زندگی میں پہلی بار داخل ہوا تو پتا چلا، اس کے حصول کا فائدہ تبھی ہو سکتا تھا جب اس کے ساتھ دوسری بیساکھیاں بھی میرے ہاتھ میں ہوتیں۔ ریمونہ! نہ تو میرے آبا ؤ اجداد اس قدر استطاعت رکھتے تھے کہ وہ ایسے وقت میں میرا ساتھ دے سکتے...... اور نہ ہی ہمارے آنگن میں دولت کے پھول کھلتے تھے کہ اتار اتار کر دوسروں کے کوٹ کالروں میں لگا کر اپنے مقاصد حاصل کر لیتے۔ چنانچہ عمر بڑھتی رہی اور ڈگریوں کی وقعت گھٹتی چلی گئی۔“

”راستے تو اور بھی بہت سے تھے...... یوں کہو تمہاری تساہل پسند طبیعت کسی اور راہ پر چلنے کو تیار نہ تھی۔“ ریمونہ نے شوخی سے جواب دیا۔

”بس یوں ہی جان لو...... انسان ہمتوں کی جولانی سے ایک بار پھسل جائے تو دوبارہ اس طرف جانے کو دل نہیں مانتا اور میں ہمتوں کی اونچائی تک پہنچتے پہنچتے تھک چکا تھا۔“ جواد نے اپنی شکستگی کا پہلی بار اعتراف کیا لیکن پھر اس کا یہی اعتراف اس کے حوصلوں کی دیواروں کو ہمیشہ کے لیے مسمار کرنے لگا تھا۔ زندگی گزرتے لمحوں کی سان پر چڑھ کر مزید تیکھی اور مشکل ہونے لگی تھی اور اس پر اس کی بے ترتیب کمائی ہر بار شرمندگی میں منہ چھپائے گزرنے لگی تو ریمونہ کی طبیعت بھی چڑچڑے پن کا شکار ہونے لگی۔ یہی وجہ تھی کہ اب ہر روز ان کے درمیان نوک جھوک ہونے لگی تھی۔ باوجود اس کے...... گھر سے باہر اس کے بے شمار لوگ دلدادہ تھے۔ اس دوران اس کی ایسی تحریریں بھی منظر عام پر آئیں جنہوں نے معاشرے کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا اور پھر اسے اخباری دنیا میں بڑا دھانسو کالم نگار تسلیم کیا جانے لگا۔ معاشرے میں موجود ناانصافیوں اور بے اعتدالیوں پر اس کا قلم اس قدر دلیری سے چلتا تھا کہ پڑھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔ اسے پتا تھا کہ معاشرے کو کہاں کہاں ”میخیں“ درکار ہیں۔

یہ سب اس نے اپنے کالموں میں کیا۔ انسانوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافی، لوٹ کھسوٹ، حق تلفی، خوشامد اور سازشی لوگوں کے بدلتے رویوں پر بے تحاشا تحریریں لکھیں۔ مسخ شدہ معاشرے کو اس کی درست سمت کا ادراک بھی کروایا مگر معاشرہ اس قدر تعفن زدہ اور کمینگی اس قدر بڑھ چکی تھی کہ اس کی ان تحریروں سے کسی نے بھی اپنا قبلہ درست نہ کیا۔ بڑی دیر بعد اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اب تک جو لکھتا چلا آرہا ہے، لوگوں کے نزدیک وہ محض تفنن طبع تھی۔ لوگ تو یہاں تک کہتے تھے کہ کالم کی زندگی صرف ایک دن کی ہوتی ہے۔ جونہی دن اترا...... کالم وقت کی قبر میں اتر گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اب اسے ریمونہ کی بہت سی باتیں سچ لگنے لگی تھیں۔ یہ ان ہی دنوں کا ذکر ہے کہ اس نے اپنے ایک کالم میں کسی ذخیرہ اندوز کے بارے میں اشارتاً لکھا...... تو اسی روز اس کا ٹیلی فون آگیا۔

”جواد...... تم جس اسکول میں پڑھتے تھے، میں بھی وہیں سے پڑھا ہوں۔ میں تم سے ایک سال آگے تھا۔ مجھے کچھ روز پہلے اس کا علم ہوا۔ یار...... اپنے دوستوں پر لکھتے وقت ہاتھ ہلکا رکھا کرو۔ تمہارے بھتیجے کی پیدائش کی خوشی میں تمہارے گھر مٹھائی بھجوا رہا ہوں۔“

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"اگر...... تعلیم انسان کے کردار کو اجال نہ سکے تو اس میں ادارے بے قصور ہوتے ہیں۔" جواد نے ہنس کر جواب دیا اور فون بند کر ڈالا۔

اسی شام مٹھائی کی ایک بڑی ٹوکری کے ساتھ ایک لفافہ اس کے گھر پہنچ گیا۔ اس نے لفافہ کھولا تو اس میں اس قدر رقم موجود تھی جو اس کی کسی بھی بڑی ضرورت کو پورا کر سکتی تھی۔

"یہ اچھا ہوا...... اس وقت ہمیں رقم کی بے حد ضرورت تھی۔" ریموںہ نے اسے لفافہ کھول کر رقم گنتے ہوئے دیکھ لیا۔

"تمناؤں کا پیٹ بھرنے کے قابل ہوتا تو حرص و ہوس کے بے لگام گھوڑے معاشرے میں یوں بگاڑ نہ پیدا کرتے۔ میں یہ لفافہ واپس کر رہا ہوں۔" جواد نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا تو ریموںہ ایک بار پھر اس کی نااہلی پر بگڑ گئی۔

"معاشرے کی دوڑ میں تم اسی لیے پیچھے ہو...... تمہاری طرح لفظوں کو سینت سینت کر رکھنے والے بھوکے ہی مرتے ہیں۔ کبھی ان کی طرف دیکھا ہے جنہوں نے ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھایا اور آج خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔ ہماری طرح ترس ترس کر نہیں جی رہے...... اور جن کے لیے تم لکھ رہے ہو...... کبھی دیکھا ان کی طرف...... وہ تو بے حس ہو چکے ہیں۔ ماحول کی خنکی میں ٹھٹھر چکے ہیں۔"

لیکن جواد نے اس کی باتوں پر دھیان نہ دیا اور لفافہ واپس کر دیا۔ یہ بات اس کے ساتھیوں تک پہنچی تو سب نے اس کے جذبوں کو بے حد سراہا لیکن کئی دوستوں نے اس کے اس اقدام کو بزدلی سے تعبیر کیا اور کہا۔ "ایسے مواقع زندگی میں کبھی کبھی ملتے ہیں۔ جواد نے اس کی قدر نہیں کی...... پچھتائے گا۔"

موسم اور وقت بدلتے دیر ہی کہاں لگتی ہے۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آیا جب اس نے ایک بڑے سیاست دان کی بے اعتدالیوں اور کرپشن کے بارے میں لکھا تو اسے ٹیلی فون آ گیا۔

"تمہارا آج کا کالم بڑا مزیدار تھا...... لیکن یار...... تم نے ہماری تعریف میں بہت کم لکھا...... تم نے جو کچھ لکھا، وہ ہماری ہنرمندی اور عقل مندی کا معمولی سا اظہار ہے۔ ہم تو اس سے بہت آگے ہیں۔ کبھی تم اس بارے میں بھی لکھو...... شہرت بنتی ہے اور نیک نامی میں اضافہ ہوتا ہے...... پھر بھی ہم تمہارے شکر گزار ہیں۔"

اس روز کے ٹیلی فون نے اس کے ذہن میں ایک طوفان سا برپا کر ڈالا تھا۔ وہ وقت کے ساتھ بدلتے لوگوں کے رویوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کے اردگرد رہنے والے سارے بے حس ہو چکے تھے۔ اس کے دوستوں نے درست کہا تھا۔ جس معاشرے پر بددیانتی اور بدنیتی کے گہرے بادل چھا جائیں، ان کا ہٹنا بہت مشکل ہوتا ہے اور پھر بانجھ سے کی انگڑائی اور جھاڑے کی چاندنی یوں ہی بیکار جاتی ہے۔

وہ ساری رات انہی سوچوں میں پریشان رہا۔ یہ اس سے اگلی صبح تھی، جب وہ چھت پر لیٹا عبادت گاہ کے ان فلک بوس میناروں کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ کاش جس معاشرے میں وہ جی رہا ہے، اس کا کردار بھی ان میناروں کی طرح بلند اور عبادت گاہوں کے اردگرد پھیلی خوشبودار ہواؤں کی طرح پاک اور قابلِ احترام ہوتا...... تو معاشرہ جنتِ نظیر ہوتا۔

اس کی نظریں میناروں میں موجود خالی جگہوں پر رکھے اسپیکروں کے اردگرد ٹھہرے پرندوں کی طرف اٹھ گئیں۔ شاید کوئی نیا اسے دیکھنے کو مل جائے...... اس نے سوچا۔

کتنے ہی موسم گزر چکے تھے لیکن اس جگہ ٹھہرنے والے پرندوں نے اپنے ٹھکانے نہ بدلے تھے۔ آج صبح ہی وہاں رہنے والی مادہ چیل اپنی چونچ میں پکڑے بہت سے تنکے لے کر اپنے ٹھکانے کی طرف آئی تھی۔ وہ تنکے وہاں چھوڑ کر دوبارہ پلٹ گئی۔

لگتا تھا، وہ ان تنکوں سے اپنا نیا گھر بنانے کی کوشش میں ہے اور نر چیل اس معاملے میں اس کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔ یہ دیکھ کر اس کی سوچوں میں لمحہ بھر کو ایک طوفان اٹھا کہ پرندے بھی کسی نہ کسی موسم میں...... اپنی زندگی کے کسی نہ کسی لمحے میں اپنے گھر بنانے کا سوچتے ہیں مگر اس کے مقابل ایک ہم ہیں۔ کتنے ہی برس آ کے گزر گئے ہیں لیکن ہم میں سے کسی نے اپنے ملک کی تعمیر کے بارے میں کبھی نہیں سوچا...... بلکہ اپنی اپنی ہمت اور استطاعت بھر اسے کھانے، نچوڑنے اور توڑنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کیا ہم ان پرندوں سے بھی کمتر ہیں......؟ اس کے ذہن میں اندھیرے اترنے لگے تھے۔

کہا یہ جاتا ہے کہ گھٹن جب زیادہ بڑھ جائے تو اظہار کی تلخی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہوا...... جب ایک تند و تیز کالم لکھنے پر اسے اقتدارِ اعلیٰ نے گھر سے اٹھوا لیا...... لوگ تب بھی خاموش رہے۔ جھوٹے موسموں میں نحیف سا سچ برداشت کے ذہن پر چرکا لگا جاتا ہے۔ شاید اس کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded From
Paksociety.com

شیش محل

قسط نمبر: 14

اسماء قادری

جہاں، پر انسان کی بے بسی کی انتہا ہو... وہیں سے ربِّ جلیل کی رحمتوں کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ بات کبھی اس نے بچپن میں سنی تھی مگر حادثات و واقعات اور طبقاتی کشمکش میں گھری مختصر سی فانی زندگی کے پیچ و خم میں الجھ کر اسے کچھ یاد نہ رہا... اسے نہیں معلوم تھا کہ یکسانیت سے بے زار اور تنوع کے متلاشی لوگ معزز اور بلند مقام کے حصول کی خاطر خود کو کتنی پستی میں گرا لیتے ہیں۔ وہ ذہین وفطین نوجوان بھی آنکھوں میں خوش امیدی کے خواب لیے راہ میں پلکیں بچھائے اس کا منتظر رہتا تھا لیکن ناکام آرزوئوں اور ناآسودہ تمنائوں کے انجام نے اس کے مندمل زخموں کو لہو لہو کردیا... راکھ میں دبی چنگاری نے اس کے تمام ارادوں کو خاکستر کر ڈالا۔ دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کے ساز کے درمیان جو خوش امیدی کبھی اس کی زندگی کا حصہ تھی اب نہ تو وہ خوش دکھائی دیتا تھا اور نہ ہی کسی کی آنکھ میں اس کے لیے کوئی امید باقی تھی۔ جانے یہ زندگی کا کونسا موڑ تھا... وہ تو شیش محل کے ہر منظر میں محبوب کی مسکراتی آنکھوں کے جلتے دیپ میں اپنے عکس کو دیکھنے کا عادی تھا... کھلتے گلابوں اور محبتوں کی برستی پھوار میں خود کو بھیگا محسوس کرتا تھا کہ اچانک اس شیش محل میں ہر جانب لپکتے شعلوں کی جھلک دکھائی دی تو احساس ہوا کہ وہ لوگوں کے ہجوم میں کس قدر تنہا ہے... جسے وہ اپنا ہمسفر اور رفیق سمجھتا رہا اس سے بڑا رقیب کوئی نہ نکلا۔

اسرار و تحیر کے پردوں میں ملفوف سطر سطر رنگ بدلتی واردات قلبی کی عکاس دلچسپ داستان

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

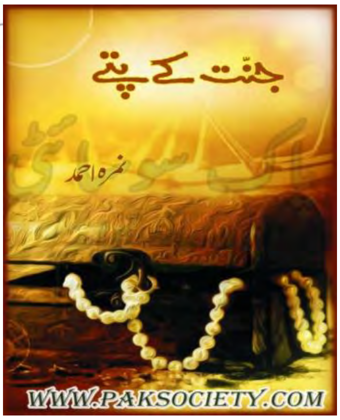

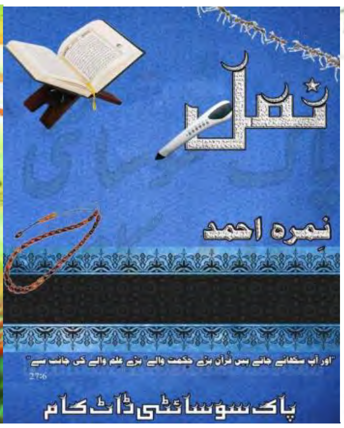

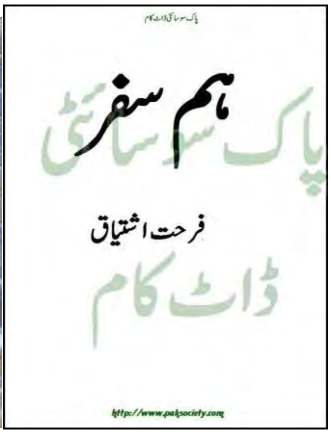

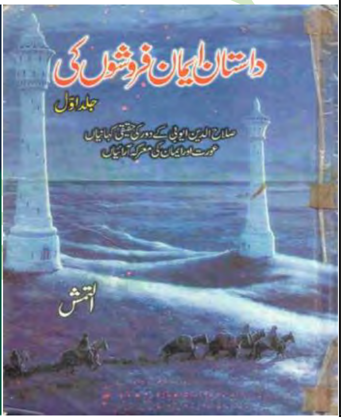

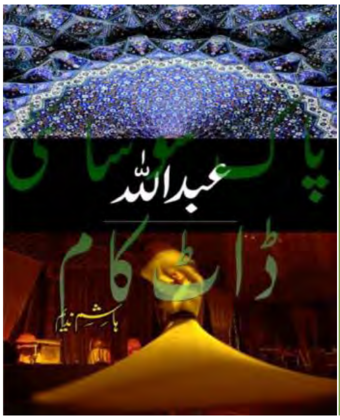

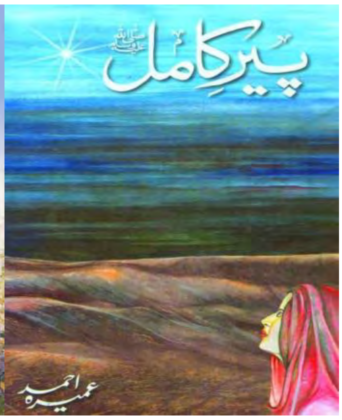

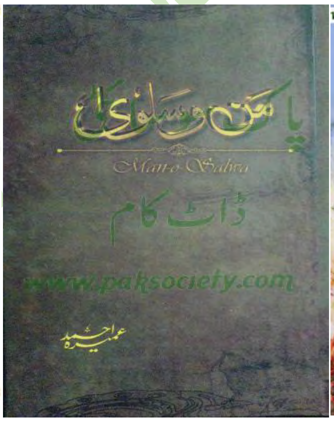

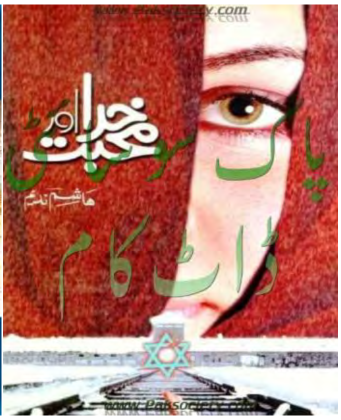

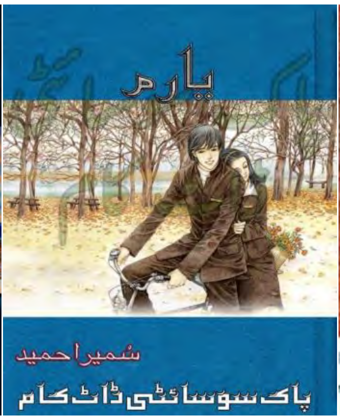

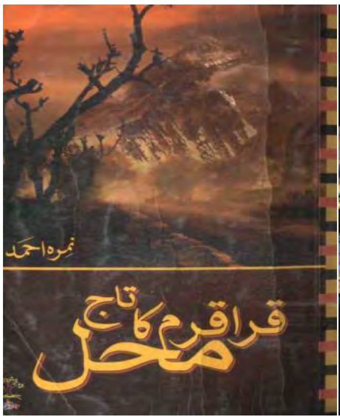

Downloaded From
paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

www.paksociety.com

گذشتہ اقساط کا خلاصہ

یہ قیامِ پاکستان سے قبل کا زمانہ ہے۔ جولیٹ ایک مقامی عیسائی لڑکی ہے جس کے والدین نے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے کے باوجود اسے اعلیٰ تعلیم دلائی ہے اور وہ ایک اخبار کے دفتر میں ملازمت کر رہی ہے۔ اس کا محبوب اور کلاس فیلو عارف بھی اس کا کولیگ ہے۔ مذاہب کے فرق کے باوجود وہ ایک دوسرے سے شادی کے خواہش مند ہیں لیکن عارف پہلے اپنی بہنوں کے فرض سے فارغ ہونا چاہتا ہے۔ زمانہ طالب علمی میں ان کی ایک ساتھی ثنا بھی رہی ہے جو عارف کو پسند کرتی ہے لیکن عارف کے جولیٹ کی طرف جھکاؤ اور طبقاتی فرق کی وجہ سے کھل کر اظہار نہیں کرتی اور ایک جاگیردار و سیاست داں دلدار آغا سے شادی کر لیتی ہے۔ دلدار آغا کانگریس سے تعلق رکھتا ہے۔ جولیٹ اپنے اخبار کی طرف سے دلدار آغا کا انٹرویو لینے جاتی ہے۔ دلدار آغا اچھے کردار کا مالک نہیں ہوتا۔ اس کے انٹرویو کے بعد جولیٹ مشکل میں پڑ جاتی ہے۔ آغا کی طرف سے پیغامات اور تحائف کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور ان حربوں میں ناکامی کے بعد بالآخر جولیٹ کو اغوا کر لیا جاتا ہے۔ حالتِ بے ہوشی میں اسے زیادتی کا نشانہ بنانے کے بعد اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ آغا سے نکاح پر راضی ہو جائے۔ جولیٹ کے انکار کو خاطر میں لائے بغیر نکاح کے انتظامات جاری ہوتے ہیں کہ ثنا اس کی مدد کے لیے پہنچ جاتی ہے اور اسے فرار کروا دیتی ہے۔ لٹی پٹی جولیٹ گھر پہنچتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لٹنے کی داستان اس سے پہلے گھر پہنچ چکی ہے اور اس کی ماں جوزفین حرکت قلب بند ہونے سے مر گئی ہے۔ باپ جوزف بھی بیٹی اور بیوی کے دکھ میں بستر سے لگ جاتا ہے۔ ان مشکل حالات میں جولیٹ عارف سے جذباتی اور اخلاقی سہارے کی خواہش مند ہوتی ہے لیکن عارف ایک روایتی مرد کی طرح داغ دار لڑکی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ان حالات میں جولیٹ اپنے مجرم سے انتقام لینے کا فیصلہ کرتی ہے اور اس سلسلے میں محلے کے ایک بدمعاش فاروق کی مدد لینے کا فیصلہ کرتی ہے۔ فاروق رین دادا کے اڈے سے وابستہ ہے اور جولیٹ کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتا ہے۔ جولیٹ اس کے جذبات سے واقف ہے لیکن ظاہر ہے ایک غنڈے کی محبت کو قبول نہیں کر سکتی۔ وہ اس کے ایک ساتھی سے ایک مہلک چاقو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس چاقو کی مدد سے وہ دلدار آغا کو قتل کرنے کی خواہش مند ہوتی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ ان جلسے جلوس میں پابندی سے شرکت کرتی ہے جن میں آغا کی موجودگی کا امکان پایا جاتا ہے لیکن اسے تمام تر کوشش کے باوجود اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہو پاتی۔ کشمکش کے اس عرصے میں اس کے باپ جوزف کی حالت مزید خراب ہو جاتی ہے اور مرنے سے قبل وہ جولیٹ کو بتاتا ہے کہ اس کی ماں جوزفین نے اس کے لیے ایک صندوقچی میں کچھ چیزیں رکھ چھوڑی ہیں۔ جولیٹ صندوقچی کھولتی ہے تو اس میں سے ایک ڈائری، ہیرے جڑا ایک لاکٹ اور دھندلائی ہوئی ایک بلیک اینڈ وہائٹ تصویر برآمد ہوتی ہے۔ تصویر جوزفین اور ایک اجنبی مرد کی جوانی کی ہے۔ جوزفین کی ڈائری پڑھنے کے بعد اسے علم ہوتا ہے کہ اس کی ماں ماضی میں ایک نواب خاندان کی گورنس کے طور پر ملازمت کرتی تھی۔ دورانِ ملازمت جوزفین اور نواب زادہ اسد اللہ کو ایک دوسرے سے محبت ہو جاتی ہے۔ ادھر فاروق سر میں چوٹ لگنے کے باعث اسپتال میں ایڈمٹ ہو جاتا ہے۔ وہاں ایک نرس کے ساتھ بدسلوکی کرنے پر فاروق ایک شخص کی مرمت کرتا ہے اور وہیں ان کی ملاقات سیٹھ بھابیہ سے ہو جاتی ہے۔ سیٹھ رین دادا کی خدمات حاصل کر لیتا ہے۔ ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق فاروق کو آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے شملہ بھیج دیا جاتا ہے اور وہ وہاں سیٹھ بھابیہ کی رہائش گاہ پر بطور مہمان قیام کرتے ہیں۔ وہیں اس کی ملاقات بھابیہ کی بیٹی بملا سے ہوتی ہے جو بیوہ تھی۔ بملا اور فاروق میں دوستانہ تعلقات قائم ہو جاتے ہیں۔ ادھر طوائف زادی چاند بانو جو فاروق سے محبت کرتی ہے اور فاروق کے دل میں چاند بانو کی محبت نہ سہی مگر وہ چاند بانو کا دل سے احترام کرتا تھا، بملا چاند بانو سے رقابت کے جذبات محسوس کرتی ہے۔ رین دادا محلے کی ایک بیوہ ثریا بانو کی شادی کے انتظامات کرتا ہے۔ جگو دادا اپنی ناکامی کا بدلہ لینے کے لیے اپنے دو غنڈوں کے ذریعے رین کے ایک آدمی کو قتل کرا دیتا ہے۔ رین کو اب جگو کی تلاش ہوتی ہے۔ رین جولیٹ سے ملاقات کے دوران کچھ سوالات کرتا ہے جس سے اسے جولیٹ کی زندگی تباہ کرنے والے کے بارے میں چھان بین کا موقع مل جاتا ہے۔ بملا ایک غنڈے کے ذریعے چاند بانو کا ایکسیڈنٹ کرا دیتی ہے جس میں زمرد بائی جان سے جاتی ہے۔ فاروق بملا سے حساب لینے کا سوچتا ہے۔ ادھر رین فاروق کا حساب چکتا کرنے کے لیے ولیم کو اٹھا لیتا ہے اور اسے شدید تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ خفیہ اطلاع پر پولیس رین کے پیچھے پڑ جاتی ہے۔ تاہم رین اڈے سے نکل کر پنجاب روانہ ہو جاتا ہے۔ ادھر فاروق پر بمبئی واپسی کے دوران ٹرین میں ماجد علی حملہ کرتا ہے اور اسی لڑائی کے دوران ماجد چلتی ٹرین سے گر کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ پولیس کارروائی کے لیے انہیں ایک چھوٹے شہر میں رکنا پڑتا ہے۔ وہاں گھومنے پھرنے کے دوران انہیں ایک لڑکا اکبر ملتا ہے جس پر ایک ہندو خاندان تشدد کر رہا ہوتا ہے۔ فاروق اسے وہاں سے بچا کر اپنے ساتھ لے آتا ہے۔ فاروق بمبئی لوٹ آیا تھا لیکن یہاں آتے ہی اسے پتا چلا کہ رین پر ولیم نامی گورے افسر پر بدترین تشدد کا الزام ہے۔ ادھر رین جولیٹ کا بدلہ لینے کے لیے پنجاب میں دلدار آغا کی رہائش گاہ پہنچا لیکن دلدار آغا ملک سے باہر تھا اس لیے رین کو واپس آنا پڑا۔ رین اور فاروق نے ولیم والے معاملے کو نمٹانے کے لیے وکیل اشوک بچن کی خدمات لیں اور فاروق کو اسی سلسلے میں کلکتہ جانے کا کہا گیا۔ ادھر جولیٹ نے اپنی ماں کی ڈائری پڑھ لی تھی اور وہ اپنے دل میں انتقام کی آگ لیے خاموشی سے حیدرآباد جانے کے لیے نکل کھڑی ہوئی۔ وہاں پہنچ کر وہ نواب سلیم اللہ کی حویلی پہنچ گئی۔ وہ نواب صاحب کے سامنے کھڑی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولنے کے لیے تیار تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"میں نواب زادی جولیٹ اسد اللہ ہوں۔" اس کا دل یہ جملہ ادا کرنے کے لیے شدت سے تڑپ رہا تھا لیکن اس نے اپنے دل کی اس خواہش کو دبا لیا اور متانت سے بولی۔

"میں نواب زادی صاحبہ کو تعلیم دینے کے ارادے سے آئی ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کے خاندان کی خواتین باپردہ ضرور ہیں لیکن آپ اپنی حویلی میں ہی ان کو جدید تعلیم دینے کا اہتمام کرتے ہیں۔ میں نے ایم اے کر رکھا ہے اور میں یہ سمجھتی ہوں کہ میں آپ کے معیار پر پورا اترنے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔"

"بہت خوب! لیکن آپ سے کس نے کہا کہ ہمیں نواب زادی صاحبہ کے لیے استانی کی ضرورت ہے...... ہم نے تو اس سلسلے میں کوئی اشتہار بھی نہیں دیا تھا؟" نواب سلیم اللہ نے اس کے اعتماد کو محسوس کیا۔

"کسی نے نہیں کہا، میں خود ہی قسمت آزمانے آ گئی ہوں۔ سنا ہے آپ کے ہاں ملازمت مل جانا بڑی خوش قسمتی کی علامت ہے۔" جولیٹ نے جواب دیا۔

"اور شاید آپ خوش قسمت ہیں کہ ہمارے بڑے پوتے حبیب اللہ کی بیٹی کی رسم بسم اللہ دو دن پہلے ہی ادا کی گئی ہے۔ نواب زادی کی دینی تعلیم کا آغاز ہو چکا ہے اور اب ہم اسی فکر میں تھے کہ ان کی انگریزی تعلیم کا بھی کوئی بندوبست ہو جائے۔ آپ کے چلے آنے سے ہمیں اپنا یہ مسئلہ حل ہوتا نظر آ رہا ہے۔ آپ فی الحال حویلی میں قیام کریں۔ آپ سے تفصیلی انٹرویو ہمارے صاحب زادے اسد اللہ لیں گے۔ ضعف نے اب ہمارے اندر اتنی ہمت باقی نہیں رکھی ہے کہ ہم کسی کے ساتھ بہت طویل ملاقات کر سکیں۔" انہوں نے بڑے سلیقے سے ملاقات ختم ہونے کا اشارہ دیا۔ جولیٹ جو اپنے دل میں اس حویلی کے افراد کے لیے شدید نفرت کا جذبہ لے کر آئی تھی، چاہتے ہوئے بھی ان کی شخصیت کے رعب و دبدبے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ دوسری طرف نواب زادہ اسد اللہ کے نام نے بھی اس کے دل کی دھڑکنوں میں تلاطم برپا کر دیا تھا۔ اس کے لیے اپنے حقیقی باپ سے ملاقات کا خیال ہی سنسنی خیز تھا۔ وہ شخص جس کے نام سے بھی وہ چند دن پہلے تک واقف نہیں تھی، اس سے اپنے باپ کی حیثیت سے ملنا یقیناً ایک انوکھا تجربہ تھا۔ نواب صاحب کے منشی نے اسے زنان خانے میں پہنچایا، تب تک وہ اسی بارے میں سوچتی رہی۔

"لیجیے سروری بیگم، انہیں خاص اہتمام سے ٹھہرائیے۔ یہ نواب زادی ماہ نور کی انگریزی تعلیم کے لیے تشریف لائی ہیں۔" زنان خانے کی مہتمم سے منشی نے کہا تو جولیٹ چونک گئی۔ سروری نام اس کے لیے شناسا سا تھا۔ جوزفین نے اپنی ڈائری میں جن کرداروں کو بیان کیا تھا، ان میں سے ایک کردار سروری کا بھی تھا۔ جوزفین کے بیان کے مطابق اس زمانے میں سروری ایک نوعمر اور چاق و چوبند لڑکی تھی لیکن اب اتنے برسوں بعد وہ ایک پختہ عمر اور قدرے فربہ عورت میں تبدیل ہو چکی تھی جو نوعمر سروری کی طرح فراک اور چوڑی دار پاجامے کے بجائے ساڑی باندھے ہوئے تھی اور اس کے بال جوڑے کی شکل میں بندھے ہوئے تھے۔ نرم نقوش والی اس عورت کو دیکھ کر قطعی احساس نہیں ہوتا تھا کہ ماضی میں وہ جوزفین کے خلاف کی جانے والی سازش کا ایک حصہ رہی تھی۔ وہی تو تھی جس نے نواب زادی عالیہ کے زیورات جوزفین کی الماری میں رکھے تھے اور پھر وہ زیورات کئی گواہان کی موجودگی میں جوزفین کی الماری سے برآمد کیے گئے تھے۔

"تشریف لائیے مس صاحب! آپ کے آرام کا پورا خیال رکھا جائے گا۔" سروری نے اس کی گم صم سی کیفیت کو محسوس کیا اور خوش اخلاقی سے مخاطب ہوئی۔ اسے لگا تھا کہ یہ نئی آنے والی استانی شاید کچھ گھبراہٹ کا شکار ہے۔

"آپ کا اسم مبارک کیا ہے؟" جولیٹ کو اپنی راہنمائی میں لیے اندر کی طرف جاتے ہوئے اس نے دریافت کیا تو وہ ایک بار پھر چونکی۔ زنان خانے کی راہداریوں سے گزرتے ہوئے وہ مسلسل اپنی ماں کو یاد کر رہی تھی۔ کم عمری جوزفین نے جب نہایت غربت سے نکلنے کے بعد اس حویلی کی شان و شوکت دیکھی ہوگی تو وہ کتنی مرعوب ہوئی ہوگی، اس بات کا اندازہ وہ آج بھی لگا سکتی تھی کیونکہ حویلی کی وہ شان و شوکت اب بھی برقرار تھی۔ طرز تعمیر اور سجاوٹ دونوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ ہر شے کا بہت باقاعدگی سے خیال رکھا گیا ہے، جب ہی یوں محسوس ہوتا ہے کہ سب کچھ بالکل نیا ہے لیکن وہ جو ایک قدیم آرٹسٹک ٹچ تھا، وہ بتا رہا تھا کہ برسوں سے یہ حویلی اسی انداز سے قائم ہے۔ طویل برآمدوں کی دونوں جانب بنے کمروں میں سے جب اسے ایک کمرے میں ٹھہرایا گیا تو بھی اسے جوزفین یاد آئی بلکہ حقیقتاً وہ لحہ بہ لحہ اس کے ساتھ ہی موجود تھی کیونکہ حویلی میں پہنچ کر اس کو بھی وہی کچھ دیکھنے کو ملا جو برسوں پہلے اس کی ماں نے دیکھا تھا۔ ان ہی سارے مراحل سے گزر کر جب وہ نواب زادہ اسد اللہ کے روبرو پہنچی تو پل بھر کے لیے ساکت رہ گئی۔ جوزفین نے اپنی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ڈائری میں ان کا حلیہ بہت تفصیل سے لکھا تھا لیکن پڑھنے اور دیکھنے میں بہر حال فرق ہوتا ہے۔ نواب زادہ اسد اللہ کے بال کنپٹیوں پر سے سفید ہو گئے تھے، اس کے باوجود ان کی شخصی وجاہت پر کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ جولیٹ کو تسلیم کرنا پڑا کہ اگر اس کی ماں نواب زادہ اسد اللہ کے آگے اپنا سب کچھ ہار بیٹھی تھی تو ایسا ہونا ہی تھا کہ وہ تھے ہی اتنی شاندار شخصیت کے مالک۔ انہیں دیکھ کر جولیٹ کو خیال آیا کہ اس کی اپنی شخصیت میں جو چیزیں جوزفین سے مختلف تھیں تو کیوں تھیں۔ اسے دیکھنے والے کہتے تھے کہ وہ اپنی ماں جیسے نقوش کی مالک تو ضرور ہے لیکن پھر بھی اس سے بہت الگ ہے تو اس میں جو کچھ "الگ" تھا، وہ اپنے باپ کی طرف سے آیا تھا۔ وہی سیاہ چمکتے ہوئے بال، گھور سیاہ آنکھیں، اجلی رنگت اور دراز قامت اسے بھی ملی تھی جو نواب زادہ اسد اللہ کی شخصیت کا حصہ تھی۔

"تشریف رکھیے۔" جولیٹ کے رکنے کو محسوس کر کے نواب زادہ اسد اللہ اس سے انگریزی میں مخاطب ہوئے۔

"شکریہ۔" جولیٹ بھی بہ زبانِ انگریزی بولی۔

"آپ بمبئی کی رہائشی ہیں۔ صحافت کے پیشے سے بھی وابستہ رہی ہیں پھر کیسے خیال آیا کہ یہاں حیدر آباد آ کر قسمت آزمائی جائے، وہ بھی بطور ایک معلمہ۔ یہ تو آپ کے پیشے سے قطعی مختلف کام ہے۔" نواب زادہ اسد اللہ نے اس کی اپنی خدمت میں پیشی سے قبل ہی اس کی تعلیمی اسناد اور دیگر کوائف منگوا بھیجے تھے اور اب اسی فائل کو اپنے سامنے رکھے اس سے سوال جواب کر رہے تھے۔

"صحافت کا پیشہ خواتین کے لیے بہت مشکل ہے۔ فیلڈ میں رہ کر کام کرنے کی کوشش کرو تو لوگ جینا حرام کر دیتے ہیں اور دفتر کی میز پر بیٹھ کر کام کرنے میں کچھ نہیں رکھا کیونکہ اس صورت میں اوپر والے سمجھتے ہیں کہ ہم کچھ کر ہی نہیں رہے ہیں اور کام کے انبار پر انبار لگاتے جاتے ہیں۔ اس کے بدلے میں کوئی بینیفٹ بھی نہیں ملتا اور نہایت قلیل تنخواہ میں گزارہ کرنا پڑتا ہے تو میں نے سوچا کہ پیشہ بدل لیا جائے۔ صحافت سے ہٹ کر معلمی کے پیشے پر نظر گئی تو ایک دوست نے مشورہ دیا کہ عام درس گاہوں میں قسمت آزمانے کے بجائے کسی ریاست سے وابستہ ہو جاؤ کیونکہ اس صورت میں عام درس گاہوں کے مقابلے میں بہت زیادہ اچھا مشاہرہ مل سکتا ہے۔ اس دوست نے ہی حیدر آباد میں قسمت آزمائی کا مشورہ دیا اور یہ معلومات بھی جمع کر کے دیں کہ نواب سلیم اللہ اپنے خاندان کی خواتین کو انگریزی تعلیم دلوانے میں دلچسپی رکھتے ہیں اور ماضی میں ان کے خاندان کی خواتین انگریزی تعلیم حاصل کرتی رہی ہیں۔ نئی نسل میں ایک عدد نواب زادی کی موجودگی کا بھی علم ہو گیا تو بس میں یہاں چلی آئی۔" جولیٹ کے پاس ان کے سوال کا جواب تیار تھا۔

"ایک طرح سے آپ اعتراف کر رہی ہیں کہ شوقِ معلمی سے زیادہ آپ کی دلچسپی مالی فائدے میں ہے۔" اسد اللہ کے ماتھے پر ناگواری کا اظہار کرتا ایک بل نمودار ہوا۔

"آپ کو میری دلچسپی سے زیادہ میری اہلیت پر نظر رکھنی چاہیے۔ یہ میری راست گوئی ہے کہ میں نے آپ کو حقیقت سے آگاہ کر دیا ورنہ ہونے کو تو یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میں اپنے شوقِ معلمی پر آپ کے سامنے ایک زوردار تقریر کر ڈالتی اور اس امر میں مجھے کوئی مشکل بھی پیش نہ آتی کہ الفاظ کو برتنا میرا پیشہ رہا ہے اور یقیناً آپ کے پاس ایسا کوئی پیمانہ بھی نہیں ہے کہ آپ میرے سچ جھوٹ کو پرکھ پاتے تو کیا آپ اسے بہتر نہیں سمجھتے کہ میں نے آپ سے وہی کہا جو سچ ہے۔ میری نیت پر گرفت کرنے کا آپ حق بھی نہیں رکھتے، ہاں اگر مجھ سے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی ہو تو میں آپ کے سامنے جواب دہ ہوں کیونکہ میں نے اس ملازمت کے لیے درخواست اس یقین کے ساتھ دی ہے کہ میں اس کی اہلیت رکھتی ہوں۔" اس نے نواب زادہ اسد اللہ کی ناگواری کو خاطر میں لائے بغیر اتنے اعتماد سے اپنے حق میں دلائل دیے کہ انہیں قائل ہونا پڑا اور وہ ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجاتے ہوئے بولے۔

"آپ کی اہلیت تو آپ کی اسناد سے بھی ظاہر ہے اور گفتگو میں بھی ثبوت مل رہے ہیں۔ بہر حال آپ کو اس ملازمت کے لیے عارضی طور پر تعینات کیا جاتا ہے۔ آپ کی اہلیت خود آپ کو اس ملازمت پر مستقل کر دے گی اور آپ وہ معقول و پرکشش مشاہرہ بھی حاصل کر سکیں گی جس کی امید میں یہاں تک آئی ہیں۔"

"شکریہ نواب زادہ صاحب! مجھے یقین ہے کہ میں آپ کے معیار پر پوری اتروں گی۔" جولیٹ نے ایک اہم مرحلہ طے ہو جانے پر خوشی محسوس کی۔

"یہ تو وقت ہی بتائے گا۔ ہمارا تجربہ ہے کہ انسانی عقل و شعور کے فیصلوں کے مقابلے میں وقت کے فیصلے مختلف ہوتے ہیں۔ وقت انسان کی شخصیت پر پڑے نقاب اتار دیتا ہے اور یہ نقاب اترنے پر عموماً تکلیف دہ انکشافات کا ہی سامنا کرنا پڑتا ہے۔" اسد اللہ نے جولیٹ کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کوائف دیکھے تھے۔ وہ ماں باپ کے سائے سے محروم ایک ضرورت مند لڑکی تھی اور مذہب کے علاوہ اس قدرِ مشترک نے انہیں اس جوزفین کی یاد دلادی تھی جو برسوں قبل ان کے دل کے سنگھاسن پر براجمان ہوئی تھی اور پھر ان کے اعتماد کو پارہ پارہ کرکے ہمیشہ کے لیے ان کی زندگی سے نکل گئی تھی۔ اپنے سامنے بیٹھی جولیٹ جوزف میں وہ جوزفین کے نقوش کی مانوسیت کو بھی محسوس کررہے تھے لیکن وہ اپنے قد کاٹھ اور رنگ روپ میں جوزفین سے مختلف تھی۔ ان کا دل چاہا کہ وہ اس سے اس کی ماں کا نام دریافت کریں لیکن پھر انہوں نے اپنا یہ ارادہ ملتوی کردیا۔ وہ جوزفین کی بیٹی تھی بھی تو کیا فرق پڑتا تھا۔ جوزفین ان کی زندگی سے نکل چکی تھی اور وہ اس کا ذکر چھیڑ کر خود کو دکھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ادھر جولیٹ کو بھی ان کے الفاظ نے چونکا دیا تھا اور اسے لگا تھا کہ شاید اسد اللہ کو اس کی ذات پر کسی قسم کا شبہ ہوگیا ہے اور اس بات کو سوچتے ہوئے وہ تھوڑی سی گھبراہٹ محسوس کر رہی تھی لیکن اس کی فطری خود اعتمادی نے اسے فوراً ہی سنبھالا دے دیا اور وہ ہونٹوں پر کاٹ دار سی مسکراہٹ سجا کر بولی۔

”پھر بہتر ہے کہ ہم وقت کے فیصلے کا ہی انتظار کرلیں کیونکہ یہ تو میں نے بھی سنا ہے کہ وقت سب سے بڑا منصف ہوتا ہے اور اس کی عدالت میں ہر چھوٹے بڑے کی کبھی نہ کبھی پیشی ہو ہی جاتی ہے۔“ نواب زادہ اسد اللہ کو اس کے الفاظ سے اختلاف نہیں تھا لیکن اس کی کاٹ دار مسکراہٹ پر انہوں نے اپنے اندر بے چینی اترتی محسوس کی۔

”کون ہے یہ لڑکی اور کیوں آئی ہے؟“ وہ خود سے سوال کیے بنا نہیں رہ سکے اور اپنی جگہ گم صم سے ہوگئے۔ جولیٹ کو خود ہی ان سے رخصت کی اجازت طلب کرنی پڑی جو انہوں نے اسی کیفیت میں رہتے ہوئے اسے عطا کردی۔

☆☆☆

فاروق بنا اطلاع کے کلکتہ پہنچا تھا۔ اڈے والوں نے اس کا حیرت آمیز خوشی سے استقبال کیا۔ پہلے ملنے ملانے اور خاطر مدارت کا سلسلہ چلا پھر فاروق نے اڈے کے دادا عبدالرحیم عرف عبدل کو اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کیا۔ عبدل نے اسے یقین دلایا کہ اس کی طرف سے بھرپور تعاون کیا جائے گا اور ایک چھوڑ دس بندے گواہی دینے عدالت پہنچ جائیں گے کہ ولیم والے واقعے کے دنوں میں ربن کلکتہ میں مقیم تھا۔ عبدل، ربن کے بہترین دوستوں میں سے تھا اور اس نے یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ ربن پر ولیم کے حوالے سے جو الزام لگایا جارہا تھا، وہ صحیح تھا یا غلط۔ عبدل سے معاملات طے ہوگئے تو فاروق نے اس سے اجازت چاہی۔ وہ اس کے یوں آناً فاناً روانہ ہونے کے ارادے پر حیران ہوا اور اصرار کرنے لگا کہ کچھ عرصے تو اڈے پر قیام کرے۔ عبدل خود متعدد بار بمبئی آچکا تھا اور فاروق بھی دو ایک بار ربن کے ساتھ کلکتہ کا چکر لگا چکا تھا اس لیے عبدل اور وہ ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف تھے اور ایک طرح سے ان کے درمیان دوستانہ مراسم تھے۔ عبدل کی حیرت اور اصرار کے جواب میں فاروق نے اسے بتایا کہ بمبئی سے اس کے ساتھ ایک خاتون بھی آئی ہے جسے وہ لوگ ایک ہوٹل میں ٹھہرانے کے بعد اڈے پر آئے ہیں اور اب انہیں اپنی ہم سفر خاتون کی خبرگیری کے لیے واپس ہوٹل جانا ہوگا۔ آج کے دن آرام اور کچھ خریداری کے بعد اس نے اگلے دن ثریا بانو کے سسرال جانے کی خواہش کا بھی اظہار کیا۔ ساتھ ہی وہ عبدل کا شکریہ بھی ادا کرتا رہا کہ اڈے کی طرف سے ثریا بانو کا خاطر خواہ خیال رکھا گیا اور عبدل کا ہاتھ اس کے سر پر ہونے کی اطلاع کی وجہ سے دشمنوں کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ ثریا بانو کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ کر پاتے۔ عبدل نے اس کے شکریے کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے اسے اپنی دوستی کا فرض قرار دیا اور اسے اور اکبر کو اس وعدے کے ساتھ اڈے سے رخصت کیا کہ کل وہ ثریا بانو سے ملاقات کے بعد دوبارہ اڈے پر آئیں گے۔ فاروق نے اس کے اصرار کو دیکھتے ہوئے ہامی بھرلی ورنہ وہ اپنے دل میں ارادہ کیے بیٹھا تھا کہ ثریا بانو کی خیر خیریت معلوم کرنے کے بعد کل ہی بمبئی کے لیے واپس روانہ ہوجائے گا۔ عبدل کے اصرار کے آگے اس نے اپنے اس پروگرام کو مزید ایک رات کے لیے آگے بڑھا دیا۔ وہ اور اکبر، عبدل کے اڈے سے جس تانگے میں روانہ ہوئے اس کا انتظام بھی عبدل ہی نے کیا تھا۔

”جب میں نے پہلی بار آپ کو دیکھا تھا تو مجھے لگا تھا کہ آپ میں کوئی خاص بات ہے۔ کوئی آدمی تو کبھی کسی انجان شخص کو بچانے کے لیے یوں بے دھڑک قدم نہیں اٹھا سکتا جیسے آپ نے میرے لیے اٹھایا تھا لیکن اب آپ کے ساتھ ہوں تو اندازہ ہورہا ہے کہ آپ میرے اندازے سے بھی زیادہ خاص لوگوں میں سے ہیں۔“ تانگا اڈے سے ہوٹل کی طرف روانہ ہوا تو اب تک خاموشی سے سب دیکھتے اکبر نے اس سے کہا۔ وہ اپنے شہر سے اپنی محبوبہ کی جدائی کا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

غم دل میں لے کر آیا تھا اور اس کم عمری میں یہ اتنا بڑا دکھ سہنا آسان نہیں تھا اس لیے عموماً وہ گم صم سی کیفیت میں ہی رہتا تھا۔ فاروق کو اس کی کیفیت کا احساس تھا اسی لیے اس نے اس سفر میں اپنے ساتھ کے لیے اکبر کا انتخاب کیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اکبر دنیا کی مصروفیت اور رنگوں میں الجھے تو اسے اپنی اس کیفیت سے نکلنے کا موقع ملے اور شاید بہت آہستگی سے یہ عمل شروع بھی ہو چکا تھا جب ہی تو اکبر نے اس سے اتنی بات کی تھی۔ فاروق اس کی بات سن کر مسکرایا اور بولا۔

''دنیا کا ہر آدمی خاص ہوتا ہے یار...... بس فرق یہ ہوتا ہے کہ کون کس کے لیے خاص ہے۔''

''آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن آپ جیسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو جس سے ملتے ہیں اس کے لیے خاص ہو جاتے ہیں۔'' اکبر اس سے اتفاق کرنے کے باوجود اپنی بات پر قائم رہا۔

''ایسا بھی نہیں ہے میرے بھائی! بہت جگہ سے دھتکارا ہوا آدمی ہوں میں۔'' فاروق نے اس کی غلط فہمی دور کی۔

''میں نہیں مان سکتا۔ آپ اتنے شاندار ہیں کہ آپ کو کوئی احمق ہی دھتکار سکتا ہے۔'' اکبر نے یقین نہیں کیا۔

''مجھ میں شان والی بھلا کیا بات ہے۔ اڈے کی دنیا کا آدمی ہوں اور ہماری دنیا کے لوگوں کو باقی دنیا کن نظروں سے دیکھتی ہے یہ تم بھی جانتے ہو گے۔ میں تو تمہیں بھی یہ مشورہ دوں گا کہ مجھ سے الگ رہ کر اپنی زندگی بناؤ اور عام لوگوں کی طرح ہنسی خوشی رہو۔ ہاں، میری مدد کی جہاں ضرورت پڑے، وہاں بتا دینا...... میں انکار نہیں کروں گا۔'' فاروق نے اداسی سے مسکراتے ہوئے اسے مشورہ دیا۔

''یتیمی اور مفلسی نے مجھے دنیا کی اتنی پہچان کروا دی ہے کہ برے اور بھلے آدمی کا فرق جان سکتا ہوں اور اگر قسمت نے مجھے ایک بھلے آدمی کا ساتھ عطا کر ہی دیا ہے تو اسے چھوڑ کر چلے جانا میری حماقت ہوگی۔'' اکبر کا جواب واضح تھا۔ ان ہی باتوں میں وہ ہوٹل پہنچ گئے۔ کیتھرائن اس عرصے میں تازہ دم ہو چکی تھی۔ اس نے فاروق کا چیک اپ کر کے اپنی ڈیوٹی نبھائی۔ اب فاروق کی طبیعت میں خاصی بہتری آ چکی تھی لیکن کیتھرائن پہلے دن کی طرح اب بھی پوری تندہی سے اس کا خیال رکھتی تھی۔ اب بھی اس نے فاروق کو سختی سے آرام کرنے کا مشورہ دیا اور خریداری کو شام تک ملتوی کیے رکھنے کو کہا۔ اصل میں وہ بمبئی سے جس عجلت اور جن حالات میں نکلے تھے، انہیں خریداری کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا اور ثریا بانو کے سسرال خالی ہاتھ جانا ممکن نہیں تھا چنانچہ ربن نے بہت سی رقم اس کے حوالے کر کے اس سلسلے میں ہدایت دے دی تھی۔

فاروق نے کیتھرائن کے حکم پر سر خم کر دیا اور خریداری شام تک ملتوی کر دی۔ شام تک بھرپور آرام کر لینے کے بعد وہ تینوں خریداری کے لیے نکلے۔ اس موقع پر اکبر ان کے ساتھ نہیں جانا چاہتا تھا لیکن فاروق نے زبردستی اسے اپنے ساتھ رکھا اور خریداری کے دوران کیتھرائن کے ساتھ ساتھ اس کی رائے بھی لیتا رہا۔ ثریا بانو اور اس سے متعلقہ افراد کے لیے تحائف لینے کے علاوہ اس نے اکبر اور کیتھرائن کے لیے بھی تحائف خریدے۔ ان دونوں نے بہت انکار کیا خصوصاً کیتھرائن کے انکار میں تو بڑی شدت تھی کیونکہ فاروق اسے چنڈی گڑھ اور شملہ سے بھی متعدد چیزیں دلا چکا تھا لیکن فاروق نے ایک برادرانہ ڈانٹ پلاتے ہوئے اس کے انکار کی پروا نہیں کی۔ خریداری سے فارغ ہو کر انہوں نے ہوٹل کی راہ لی اور رات کا کھانا کھا کر جلد سو گئے۔ دوسرے دن ناشتے کے بعد وہ ثریا بانو کے گھر جانے کے لیے تیار تھے۔ تحائف تو وہ پہلے ہی لے چکے تھے، راستے سے تازہ پھلوں اور مٹھائیوں کے ٹوکرے تیار کروائے اور ثریا بانو کے گھر جا پہنچے۔ آج ہفتہ وار چھٹی کا دن تھا اس لیے ثریا بانو کا شوہر گھر پر ہی تھا۔ اس کی اس سے قبل فاروق سے ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن ثریا کی زبانی بے حد ذکر سن چکا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو مجو دادا کے قبضے میں جانے سے بچانے کے سلسلے میں فاروق کی بے حد شکر گزار تھی اور اسی حوالے سے اس نے اپنے خاوند سے فاروق کی بے حد تعریف بھی کی تھی۔

یہ ثریا بانو کی خوش قسمتی تھی کہ پہلی شادی کے بھیانک تجربے کے بعد دوسری شادی اسے راس آ گئی تھی اور اس کا دوسرا شوہر سمجھ دار اور نیک طبیعت کا آدمی تھا۔ ثریا بانو خود بھی بہت اچھی عادت کی مالک تھی اور شوہر کی پہلی بیوی سے ہونے والی ننھی بچی کو بالکل سگی ماں جیسی محبت اور توجہ سے پال رہی تھی۔ گھریلو امور میں اپنا خاطر خواہ کردار ادا کرنے سے بھی سب پر اس کا اچھا تاثر پڑا تھا، الغرض مختصر عرصے میں اس نے سسرال والوں اور میاں کے دل میں اپنی جگہ بنا لی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب فاروق اور اس کے ساتھی اس کے میکے والوں کی حیثیت سے وہاں پہنچے تو ان کا بہت کھلے دل سے استقبال کیا گیا۔ فاروق کو لدا پھندا اپنے سسرال کی دہلیز پر کسی سگے بھائی کی طرح میکے کے سے مان سے پا کر ثریا بانو کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ بہت دیر تک اس کی طبیعت

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

پوچھتی رہی۔ ربن کا حال بھی بہت تفصیل سے پوچھا اور اہل محلہ کے بارے میں بھی دریافت کرتی رہی پھر خاطر داری کے لیے باورچی خانے میں مصروف ہوگئی۔ کیتھرائن کو وہ اپنے ساتھ زنان خانے میں ہی لے گئی تھی جہاں کیتھرائن نے چپکے سے اسے ہدایت کردی کہ فاروق سے جولیٹ کے بارے میں کوئی بات نہ کی جائے۔ ادھر مردانے میں بھی فاروق اور ثریا بانو کے شوہر کے درمیان گفتگو کا سلسلہ جاری تھا۔ ثریا کے سسر بھی اس محفل میں شامل تھے۔ غفور چاچا نے انہیں ثریا بانو کے جملہ حالات سے آگاہ کرنے کے بعد یہ رشتہ طے کیا تھا اس لیے انہیں پیش آنے والے کسی واقعے پر اعتراض نہیں تھا بلکہ وہ لوگ بہت دیر تک ربن کی نیک دلی اور بصیرت کی تعریف کرتے رہے تھے۔ انہوں نے کمو کا بھی خصوصی ذکر کیا تھا جس نے اپنی جان دے کر برات کی بمبئی سے کلکتہ بحفاظت واپسی کو ممکن بنایا تھا۔

کمو کے ذکر پر فاروق کے دل پر چھریاں سی چل گئیں۔ وہ اپنے اس پیارے ساتھی کے جنازے تک میں شریک نہیں ہوسکا تھا۔ بہرحال یہ موضوع بھی بدل گیا اور ملکی حالات پر گفتگو ہونے لگی۔ وہ لوگ بھی اس بات پر تشویش کا شکار تھے کہ ملک میں جگہ جگہ مسلمانوں سے زیادتی کی جارہی تھی اور نوبت یہاں تک آپہنچی تھی کہ مسلمان اپنی جان، مال اور عزت کو غیر محفوظ محسوس کر رہے تھے۔ کئی مقامات پر بلووں کی خبریں بھی مل چکی تھیں، ان حالات میں مسلمانوں کو فیصلہ کرنا تھا کہ وہ جہاں ہیں وہیں ٹکے رہیں یا ملک کے ان حصوں میں ہجرت کر جائیں جن کے مسلم اکثریتی علاقے ہونے کے باعث پاکستان میں شامل ہونے کے زیادہ امکانات تھے۔ ثریا بانو کے سسرال والے بھی اسی کشمکش کا شکار تھے۔ فاروق کو خیال آیا کہ انہوں نے تو اس حوالے سے کچھ سوچا ہی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ربن کی زبان پر بھی اس حوالے سے کوئی بات نہیں آئی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ بمبئی ان میں اور وہ سب بمبئی میں ایسے رچ بس گئے تھے کہ جدائی کے بارے میں سوچنا مشکل تھا پھر اڈا کونسا کسی ایک مذہب کے لوگوں پر مشتمل تھا۔ مسلمان، ہندو، عیسائی سب ہی تو شامل تھے اس کنبے میں اور یہ کیسے ممکن تھا کہ کنبے کے کچھ لوگ ہجرت کر جاتے اور کچھ وہیں رہ جاتے اس لیے بس خاموشی ہی مناسب سمجھی گئی تھی۔

گفتگو کے اتار چڑھاؤ میں کب دوپہر کے کھانے کا وقت ہوگیا، اندازہ ہی نہیں ہوسکا۔ وسیع دسترخوان پر خوش رنگ و خوشبودار کھانے پروسے گئے تو سب کے معدوں میں چھپی بھوک بھی انگڑائی لے کر جاگ اٹھی۔ کھانے کے بعد وہ لوگ ثریا بانو اور دیگر گھر والوں کے اصرار کے باوجود زیادہ دیر وہاں نہیں رکے۔ فاروق کو عبدل سے وعدہ نبھانے کے لیے اڈے پر جانا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ گواہان کو اپنے ساتھ لے کر ہی بمبئی روانہ ہوگا۔ اس ملاقات میں معاملے کی دیگر باریکیوں پر بھی غور کرلیا جاتا تو مناسب ہوتا کیونکہ اس طرح گواہان کے بیان میں اختلاف پیدا ہونے کا احتمال نہ رہتا۔

اکبر اور کیتھی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوتے ہوئے اس نے ان لوگوں کو بمبئی آنے کی دعوت دی اور خود بھی وعدہ کیا کہ اگر دوبارہ کلکتہ آنا ہوا تو ملاقات کے لیے ضرور آئے گا۔ ہوٹل واپس پہنچ کر کیتھرائن نے فاروق کو معمول کی دوائیں کھانے کے لیے دیں پھر وہ اور اکبر اڈے کے لیے روانہ ہوگئے۔ کیتھرائن ہوٹل میں ہی مقیم تھی۔ عبدل کے اڈے پر ایک بار پھر ان کے کئی گھنٹے گزرے۔ اس کی ممکنہ آمد کی وجہ سے عبدل نے آج کے تمام کام ملتوی کردیے تھے اور اب وہ کل سے بھی زیادہ کھل کر گفتگو کررہے تھے۔ عبدل نے جن لوگوں کو بطور گواہان بھیجنے کا ارادہ کیا تھا انہیں بطور خاص اس محفل میں شامل کیا گیا اور جب فاروق ہر طرح سے مطمئن ہوگیا تب ہی یہ ملاقات اختتام کو پہنچی۔

گفتگو کے دوران عبدل نے بندہ بھیج کر ان کی واپسی کے لیے بکنگ کروادی تھی چنانچہ جب وہ اڈے سے اٹھ کر ہوٹل پہنچے تو انہیں اس سلسلے میں بے فکری تھی لیکن ہوٹل پہنچ کر انہیں بہت بڑا جھٹکا لگا۔ کیتھرائن ہوٹل کے اس کمرے میں موجود نہیں تھی جہاں وہ اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ اس کی غیر موجودگی پر یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ کسی ضرورت کے تحت ازخود باہر گئی ہے۔ اس کے کمرے کا دروازہ بس یونہی بھڑا ہوا تھا اور اندر سے کنڈی نہیں لگی ہوئی تھی۔ اس کے جوتے بھی کمرے میں ہی پڑے ہوئے تھے اور کسی طور نہیں سوچا جاسکتا تھا کہ وہ بغیر جوتوں کے کہیں جاسکتی ہے۔ پھر وہ کہاں ہے؟ یہ ایسا سوال تھا جس نے ان دونوں کے ہوش اڑادیے تھے۔

☆☆☆

”سوری۔ میں یہ لباس نہیں پہن سکتی۔ میرے پاس میرے اپنے کپڑے موجود ہیں اور میں ان کپڑوں میں خود کو زیادہ بہتر محسوس کرتی ہوں۔“ جولیٹ نے ملازمہ کے لائے ہوئے ملبوسات پر ایک نگاہِ غلط ڈالی اور ٹھوس لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا۔

”پر مس جی یہ تو ادھر حویلی کا رواج ہے۔ آپا بیگم کا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

حکم ہے کہ زنان خانے میں کوئی کرسٹانوں کے لباس میں نظر نہ آئے۔'' نوعمر ملازمہ نے اسے حویلی کے ایک ایسے اصول سے آگاہ کیا جس سے وہ پہلے ہی واقف تھی۔ آخر اس کی ماں نے بھی تو یہ سب سہا تھا لیکن وہ جوزفین نہیں جولیٹ تھی جس کی رگوں میں اسی خاندان کا خون دوڑ رہا تھا اور وہ خود میں ان لوگوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت پاتی تھی۔

''میں نے کہہ دیا نا کہ میں یہ لباس نہیں پہنوں گی۔ تم جاکر اپنی آپا بیگم کو اطلاع دے دو۔'' اس نے سختی سے ملازمہ کو جواب دیا اور رخ پھیر کر ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''انہوں بہت اصولوں والے ہیں مس جی۔ آپ ان کی بات سے انکار نکو (نہیں) کرو ورنہ آپ کی نوکری چلی جائے گی۔'' معلوم نہیں ملازمہ نے اس سے ہمدردی جتائی تھی یا اسے دھمکی دی تھی۔

''یہ نوکری مجھے نواب زادہ صاحب نے دی ہے اور انہوں نے میرے سامنے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی تھی۔'' جولیٹ نے بل کھا کر جواب دیا۔

''وہ تو صرف آپ کی قابلیت جانچے ہوں گے نا پر زنان خانے کے اصول تو آپا بیگم ہی بتاتے ہیں۔'' ملازمہ نے اسے اطلاع فراہم کی۔

''اس صورت میں، میں نواب زادہ صاحب سے ایک ملاقات کرنا چاہوں گی۔'' اس نے اپنا فیصلہ سنایا تو ملازمہ بے بسی سے باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد سروری اس کے سامنے تھی۔ اس کی ماں کے زمانے کی کم عمر سروری اب حویلی میں وہی مقام حاصل کر چکی تھی جو کبھی اکا بیگم کا ہوا کرتا تھا۔ وہ یہاں موجود ملازماؤں کی نگراں تھی اور اس کا بیگمات میں خاصا اثر و رسوخ سمجھا جاتا تھا۔ سروری نے بھی اس سے تقریباً وہی ساری باتیں کیں جو اس سے پہلے ملازمہ کر چکی تھی.... جواب میں اس نے بھی نواب زادہ اسد اللہ سے ملاقات کا مطالبہ دہرا دیا۔ ناچار سروری نے اس ملاقات کا اہتمام کروا دیا۔ وہ پورے اعتماد سے ملاقات کے لیے جا پہنچی۔ اس وقت اسد اللہ تنہا نہیں تھے۔ ان کے ساتھ دو جوان العمر حضرات بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اسد اللہ نے پہلے اسے بیٹھنے کی اجازت دی اور ان دونوں سے اس کا تعارف کروایا۔

''یہ حبیب اللہ ہیں۔ ہمارے بڑے بھتیجے اور آپ کی شاگرد ماہ نور کے والد۔'' پہلے انہوں نے اپنے دائیں جانب کرتہ پاجامے میں ملبوس شخص کا تعارف کروایا۔ حبیب اللہ کے چہرے کے نقوش گواہی دے رہے تھے کہ وہ اسی حویلی کے فرد ہیں البتہ اسد اللہ کے بائیں جانب جو جوان بیٹھا تھا، وہ بہت مختلف تھا۔ مضبوط کاٹھی، بے پناہ گوری رنگت، سنہری بال اور چہرے کے نقوش سے جھلکتا کھردرا پن۔ اپنے حلیے سے وہ اس خطے کا باسی ہی نہیں لگ رہا تھا۔

''یہ آصف خان ہیں۔ ہمارے عزیز دوست واصف خان کے صاحب زادے۔ پشاور سے تشریف لائے ہیں اور ہمارے معزز مہمان ہیں۔'' اسد اللہ کے کروائے تعارف نے اس کے اندازے کی تصدیق کردی۔ اس نے دونوں حضرات سے سرسری سی علیک سلیک کی اور اسد اللہ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''سروری نے بتایا کہ آپ کسی اہم مسئلے پر ہم سے گفتگو کرنا چاہتی ہیں۔ فرمایئے ہم آپ کی کیا مدد کرسکتے ہیں۔'' اسد اللہ بھی فوری طور پر اصل مقصد کی طرف آگئے۔

''مسئلہ کوئی نہیں ہے لیکن بنایا جارہا ہے۔ اگر یہاں ملازمت کے کچھ اصول تھے تو تقرری کے وقت آپ کو مجھے ان کے بارے میں آگاہ کرنا چاہیے تھا۔ ایسا کوئی اصول جس سے میری شخصی آزادی پر حرف آئے، میرے لیے قطعی قابل قبول نہیں ہے۔ میں نے یہاں بطور معلمہ ملازمت اختیار کی ہے اور میں اس بات کی پابند ہوں کہ وقتِ مقررہ پر نواب زادی ماہ نور کو بہترین تعلیم دوں۔ میری اس خدمت کے علاوہ کسی کو میرے کسی عمل پر پابندی لگانے یا شرائط رکھنے کی قطعی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ میرا لباس، کھانا پینا اور سونے جاگنے کے اوقات قطعی میرے ذاتی معاملات ہیں اور ان معاملات میں کسی کی دخل اندازی کو میں اپنی شخصی آزادی پر ضرب لگانے کے مترادف تصور کرتی ہوں۔''

اسے علم تھا کہ سروری نے اسد اللہ کو مسئلے کی نوعیت سے بھی آگاہ کردیا ہوگا چنانچہ کھل کر ایک ہی بار ان سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ اس حویلی کے اصولوں سے واقف تھی اور ان پر ضرب لگانے کا فیصلہ کر کے آئی تھی۔

''اصل میں زنان خانے کا سارا انتظام ہماری پھپھی بیگم کے ہاتھوں میں ہی ہے اور وہ ذرا قدامت پسند خاتون ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ حویلی کی خواتین پر کسی دوسری تہذیب کا اثر نہیں پڑنا چاہیے اس لیے وہ اس قسم کی پابندیاں عائد کرتی ہیں اور عموماً کوئی ان سے اختلاف بھی نہیں کرتا اس لیے ہم نے آپ سے خصوصاً ان معاملات پر گفتگو نہیں کی تھی۔'' اسد اللہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں وضاحت دی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

''اگر آپ کو ان کا خوف درست لگتا ہے تو آپ کو چاہیے کہ اپنی ہی برادری سے کسی کو اس ملازمت کے لیے منتخب کریں کیونکہ صرف لباس بدل لینے سے کسی کے نظریات تو نہیں بدل سکتے۔ اصل چیز تو میرے خیال و افکار ہیں جو میں اتنی آسانی سے نواب زادی کے ذہن میں منتقل کر سکتی ہوں کہ کسی کو خبر بھی نہیں ہو سکے گی۔'' اس نے دلیل دی جس نے وہاں موجود تینوں ہی حضرات کو متاثر کیا اور وہ دلچسپ نظروں سے اسے دیکھنے لگے، پھر اسد اللہ بولے۔

''آپ نے وہ مقولہ تو سنا ہوگا کہ روم میں رہ کر رومی بن جاؤ تو بس آپ بھی ایسا کریں، بحث سے تو مسائل بڑھتے ہیں۔''

''میں اس قسم کے سمجھوتوں کی قائل نہیں اور نہ ہی بحث کر رہی ہوں۔ میں صرف آپ کو اپنے موقف سے آگاہ کر رہی ہوں۔ آپ کو حق حاصل ہے کہ اسے رد کر کے اپنا فیصلہ سنا دیں۔'' اس نے مضبوط لہجے میں اسد اللہ کی بات کو رد کیا۔ اس کے اس انداز پر ان کے چہرے کی رنگت ذرا سی تبدیل ہوئی۔ آنکھوں میں حیرت بھی دکھائی دینے لگی۔

''یہ جو آصف خان صاحب ہیں آپ کے دوست کے صاحب زادے...... یہ بھی تو حویلی میں رائج لباس سے مختلف لباس پہنے ہوئے ہیں۔ انہیں آپ نے روم میں رہ کر رومی بننے کا مشورہ کیوں نہیں دیا۔'' جولیٹ نے ان کی کیفیت بھانپی اور ایک اور ضرب لگائی۔ اس کے اس انداز پر کھلے پائنچوں کی گھیر دار شلوار قمیص اور واسکٹ میں ملبوس آصف خان کے ہونٹ گھنی مونچھوں تلے بے ساختگی سے مسکرائے۔ حبیب اللہ نے بھی اپنی جگہ پہلو بدلا اور ذرا سا گلا کھنکھار کر بولا۔

''مس جوزف کی بات کافی حد تک درست ہے چچا جان۔ ہم ان کی شخصی آزادی سلب کرنے کا حق نہیں رکھتے اور اگر ہمارا ایسا کوئی مطالبہ تھا تو انہیں ملازمت پر رکھتے وقت ہمیں انہیں آگاہ کرنا چاہیے تھا۔ اب ایسی کوئی پابندی لگانا اخلاقیات کے منافی ہے۔''

''ہم بھی ان کے موقف کی تائید کرتے ہیں لیکن پھپھی بیگم اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیں گی۔'' اسد اللہ نے اصل مسئلے کی نشاندہی کی۔

''انہیں قائل کرنا ہمارا کام ہے۔ ان کا ذمہ ہم لیتے ہیں۔'' حبیب اللہ نے گویا مسئلہ حل کر دیا۔

''تو پھر ٹھیک ہے۔ ہمیں بھی کوئی اعتراض نہیں۔'' اسد اللہ نے جواب دیا اور جولیٹ یوں مسکرائی جیسے اس نے کوئی محاذ جیت لیا ہو۔ اس کی مسکراہٹ نے اسد اللہ کے دل میں چٹکی سی لی اور بے ساختہ ہی وہ گلاب کی پنکھڑی سے ہونٹ یاد آئے جو مسکراتے تھے تو ان کے دل کی دنیا زیر و زبر ہو جاتی تھی۔

☆☆☆

دیپک ہوٹل میں اس وقت ایک ہنگامہ بپا تھا۔ فاروق زخم کھائے ہوئے شیر کی طرح دھاڑ رہا تھا۔ وہ متحمل مزاج آدمی تھا اور بلند آواز سے شاذ ہی بات کرتا تھا لیکن اس وقت حادثہ ہی ایسا بیتا تھا کہ اس کی ساری متحمل مزاجی اور دھیما پن اڑن چھو ہو گیا تھا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ کیتھرائن جسے اس نے اپنی بہن کا درجہ دے رکھا تھا اور اسے اپنی ذمے داری سمجھتا تھا، پُراسرار طور پر غائب ہو چکی تھی اور اس کا کوئی اتا پتا بھی نہیں تھا۔ فاروق نے اسے کمرے سے غائب پا کر سب سے پہلے استقبالیہ سے رابطہ کیا لیکن وہاں سے کیتھرائن کے سلسلے میں لاعلمی کا اظہار کیا گیا۔ ہوٹل کے دربان اور بیروں میں سے بھی کسی کو کچھ علم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا بیتی ہے۔ ان میں سے کسی نے اسے ہوٹل سے باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی کسی کو ایسے کسی شخص کا علم تھا جو کیتھرائن کے کمرے میں ملاقات کے لیے گیا ہو۔ یہ صورت حال سخت مخدوش تھی۔ فاروق نے ہوٹل کی انتظامیہ کو اس صورت حال کا ذمے دار ٹھہرایا اور سختی سے عملے کے ساتھ باز پرس کرنے لگا۔ اس موقع پر ہوٹل کا منیجر انوپم اس کے مقابل آ گیا اور اپنے ہوٹل کا دفاع کرتے ہوئے بولا۔

''دیکھیں مسٹر! میرے عملے میں سے کسی کو علم نہیں ہے کہ آپ کی ساتھی خاتون کہاں گئی ہیں۔ ممکن ہے وہ اپنی مرضی سے کہیں گئی ہوں اور کچھ دیر میں از خود واپس آ جائیں۔ ایسے میں آپ کا یہ رویہ ہوٹل کے عملے کے ساتھ زیادتی تصور کیا جائے گا۔'' سوٹ کے ساتھ میچنگ ٹائی لگائے منیجر نے شاید فاروق کو مرعوب کرنے کے لیے انگریزی میں یہ جملے ادا کیے تھے۔

''میری ساتھی کے جوتے کمرے میں موجود ہیں اور بغیر جوتوں کے ظاہر ہے وہ کہیں نہیں جا سکتی۔'' فاروق نے اسے گھورتے ہوئے بہ زبان انگریزی ہی جواب دیا۔

''ہو سکتا ہے ان کے پاس جوتوں کی کوئی دوسری جوڑی موجود ہو اور وہ اسے پہن کر باہر گئی ہوں۔'' منیجر نے دلیل دی جو قابلِ قبول سمجھی جا سکتی تھی لیکن فاروق نے کیتھرائن کے جوتوں کو جس بے ترتیبی سے کمرے میں ادھر

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ادھر پڑا ہوا دیکھا تھا وہ اس کے مزاج کے قطعی خلاف تھا۔ پھر کمرے کا دروازہ بھی مقفل نہیں تھا۔ اگر کیتھرائن از خود کہیں جاتی تو دروازہ مقفل کرنے کے بعد چابی استقبالیہ پر دے کر جاتی۔ اس نے ہوٹل کے منیجر کو یہ دلائل دیے تو منیجر پل بھر کے لیے خاموش ہو گیا لیکن پھر دوبارہ خم ٹھونک کر میدان میں اترا اور بے رخی سے بولا۔

”فرض کرلیں کہ آپ کی ساتھی کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آگیا ہے، تب بھی ہوٹل انتظامیہ اس سلسلے میں ذمے دار نہیں ہے۔ خاتون کے اس طرح اغوا ہونے کے پیچھے یقیناً آپ کی کسی دشمنی کا ہاتھ ہوگا اور ہم اپنے گاہکوں کو صرف یہاں قیام وطعام کی سہولت فراہم کرنے کے پابند ہیں۔ انہیں ان کے دشمنوں سے محفوظ رکھنا ہماری ذمے داری نہیں ہے۔“

”اس طرح کی باتیں کر کے تم خود کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے۔ میں تمہاری بات مان لیتا ہوں کہ میری ساتھی کسی پرانی دشمنی کا نشانہ بنی ہے پھر بھی ہوٹل کی انتظامیہ کو اپنے ہوٹل کی حدود میں پیش آنے والے واقعات وحادثات کا علم ہونا چاہیے۔ میری ساتھی ایک جوان لڑکی تھی، کوئی مکھی نہیں جسے لے جانے والا ماچس کی ڈبیا میں بند کر کے لے گیا ہوگا۔ اسے اگر زبردستی یہاں سے لے جایا گیا ہے تو لازماً کچھ لوگوں کو اس واقعے کا عینی شاہد ہونا چاہیے تھا لیکن عینی شاہد کے نہ ہونے سے یہ گمان ہوتا ہے کہ ہوٹل کے عملے میں سے کچھ لوگ اغوا کاروں سے ملے ہوئے تھے جنہوں نے میری ساتھی کو خفیہ طور پر غائب کرنے میں دشمنوں کا ساتھ دیا اور مجھے وہ لوگ درکار ہیں جنہوں نے یہ کام کرنے میں مدد دی ہے۔“ فاروق استقبالیہ کاؤنٹر پر زور سے ہاتھ مار کر چلایا تو لکڑی کے کاؤنٹر پر رکھی چیزیں اپنی جگہ سے ہل گئیں۔ ایک خوب صورت نیلے رنگ کا گلدان لڑھک کر نیچے گرا اور چکنا چور ہو گیا۔

”اپنا یار بالکل ٹھیک بولتا ہے منیجر۔ اپنے کو تمہارے اسٹاف میں سے وہ سالا کمینہ لوگ نکال کر دو، اپن ان کے حلق سے خود ہی لڑکی کا پتا نکلوا لے گا۔“ گلدان ٹوٹنے پر غصے سے دانت کچکچاتا منیجر فاروق کو کوئی سخت بات کہنے ہی والا تھا کہ اس نے فاروق کی پشت پر کھڑے عبدل کو دیکھا اور عبدل کی زبان سے نکلے کلمات نے اسے لرزا کر رکھ دیا۔

عبدل کے آدمی شہر کے ہر قابلِ ذکر مقام پر موجود رہتے تھے اس لیے شہر میں ہونے والے ہر اہم واقعے کی اطلاع اس تک پہنچ جاتی تھی۔ دیپک ہوٹل میں بھی اس کے دو آدمی موجود تھے۔ جن میں سے ایک صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے وہیں رک گیا تھا جبکہ دوسرے نے برق رفتاری سے اڈے پر اطلاع پہنچادی تھی، نتیجتاً عبدل یہاں موجود تھا۔

”سب لوگ تمہارے سامنے ہیں دادا۔ میں کس کا نام لوں؟“ عبدل کو سامنے پا کر منیجر کا سارا کروفر رخصت ہو گیا اور وہ گھگیاتے ہوئے بولا۔

”بس تو پھر اب اپنا منہ بند رکھنا۔ لڑکی کو ہم خود تلاش کرلیں گے۔“ عبدل نے اسے تنبیہ کی اور بلند آواز میں اپنے ساتھیوں کو ہدایات دینے لگا۔ اس کی ہدایت پر انہوں نے سب سے پہلے ہوٹل کے خارجی راستے بند کیے اور پھر ایک ایک کمرے کی تلاشی لینے لگے۔ اس عمل پر کئی مسافروں نے احتجاج بھی کیا لیکن منیجر انہیں سمجھاتا بجھاتا رہا اور دلیل دی کہ یہ لڑکی کے اغوا کا معاملہ ہے اور اگر ہم نے پولیس کو کال کی، تب وہ بھی یہی سب کرے گی۔ لوگ قائل ہوئے یا نہیں لیکن عبدل اور اس کے ساتھیوں کی دہشت کے باعث انہیں تعاون کرنا پڑا۔ عبدل اپنے ساتھ شاید آدھے سے زیادہ اڈے کے لوگ اٹھا لایا تھا چنانچہ تلاشی کا کام بہت تیزی سے ہو رہا تھا۔ اس کام کے دوران ہوٹل کے تمام بیروں، باورچی اور دیگر ملازمین کو ایک جگہ جمع کرلیا گیا تھا اور ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

”فکر نہ کرو فاروق استاد۔ تمہاری ساتھی کو صحیح سلامت تمہارے حوالے کرنا عبدل کی ذمے داری ہے۔ اپنے آدمی اس ہوٹل کو ادھیڑ کر رکھ دیں گے۔ آس پاس بھی بندوں کی ڈیوٹی لگا دی ہے۔ سب کتوں کی طرح سونگھتے پھر رہے ہیں۔ لڑکی ادھر سے نکلی ہے تو میرے بندے اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔“ عبدل نے بے چین فاروق کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی، جواب میں فاروق صرف ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔ اس کے ساتھ موجود اکبر بھی اس صورتِ حال پر متوحش تھا اور بار بار فاروق کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دباتے ہوئے اسے خاموش تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ عبدل کے آدمی تیزی سے تلاشی کا عمل جاری رکھے ہوئے لمحہ بہ لمحہ اس تک اطلاعات بھی پہنچا رہے تھے۔ ابھی تک کیتھرائن کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔

”تم میں سے کسی کو کچھ معلوم ہے تو بول دو ورنہ بعد میں اپن بخشے گا نہیں۔“ عبدل نے ایک جگہ جمع کیے گئے جملہ اسٹاف کو دھمکی دی جس پر کئی کے چہروں پر زردی چھا گئی تاہم زبان سے کوئی کچھ نہیں بولا۔ غم وغصے میں بل کھاتا فاروق بھی ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا اور ایک ایک کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تقریباً سب ہی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

خوف زدہ تھے۔ شاید انہیں ڈر تھا کہ عبدل ان سے لڑکی کا پتا اگلوانے کے لیے انہیں تشدد کا نشانہ بنائے گا۔ ان خوف زدہ چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے فاروق کی نظر بیس بائیس سال کے ایک لڑکے پر پڑی۔ وہ بیرے کی وردی میں تھا اور بار بار اپنے ہونٹوں کو دانتوں سے کاٹ رہا تھا۔ بے خودی کی کیفیت میں اس عمل کو جاری رکھے ہوئے اسے یہ بھی ہوش نہیں تھا کہ اس طرح کرنے سے اس کا نچلا ہونٹ بری طرح مجروح ہو گیا ہے اور ہونٹ سے خون کی سرخی چھلک رہی ہے۔ فاروق اپنی جگہ سے حرکت میں آیا اور تیر کی طرح جھپٹ کر اس لڑکے کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔ ایک ہی جھٹکے میں اس کے گریبان کے سارے بٹن ٹوٹ گئے اور کھلے گریبان سے اس کا عریاں سینہ جھلکنے لگا۔

''کہاں ہے میری ساتھی۔ جلدی بتا ورنہ تیری ایک ایک ہڈی توڑ ڈالوں گا۔'' فاروق نے اسے مہلت دیے بغیر ایک طوفانی گھونسا اس کے دائیں جبڑے پر رسید کیا۔ گھونسا اتنا زوردار تھا کہ اس نوجوان کا جبڑا ہل کر رہ گیا اور منہ سے خون بہنے لگا۔ اس بہتے ہوئے خون کے ساتھ دو عدد ٹوٹ جانے والے دانت بھی تھے۔ ''زبان تو تجھے کھولنی ہی ہوگی ورنہ میں تیرا ایک ایک جوڑ کھول کر رکھ دوں گا۔'' اس بار فاروق نے اس کی کلائی کو زوردار جھٹکا دیا۔ اس جھٹکے سے یقیناً اس کی کلائی کا جوڑ کھل گیا تھا کیونکہ نوجوان بیرے نے اس بار بالکل کسی ذبح ہوتے ہوئے جانور جیسی چیخ ماری تھی۔ اس کی دلدوز چیخ سن کر عبدل کے رعب کے باعث زبان بندی اختیار کر لینے والا منیجر بلبلا کر اپنی جگہ سے اٹھا اور عبدل کے قریب جا کر اس سے بولا۔

''اس وحشی کو روکو دادا، ورنہ وہ اس بے چارے ویٹر کی جان لے لے گا۔''

''وہ تیرے باپ کا سگا ہے جو تیرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔'' عبدل نے منیجر کو گھورا تو وہ کھسیا کر پیچھے ہٹ گیا۔ عبدل دلچسپی سے فاروق کی کارروائی دیکھنے لگا۔ اب فاروق نے ویٹر کی گردن کو اپنی آہنی انگلیوں کی گرفت میں لے لیا تھا۔ گردن اس تکنیک سے پکڑی گئی تھی کہ سانس کی نالی پر زیادہ دباؤ نہیں آ رہا تھا لیکن ویٹر کو ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی گردن کو پیچھے سے کسی آہنی شکنجے نے جکڑ لیا ہو۔

''اب بھی نہیں بولے گا تو گردن کو وہ جھٹکا دوں گا کہ تیری جان نہیں نکلے گی لیکن مرتے دم تک مُردوں سے بھی بدتر حال میں بستر پر پڑا رہے گا۔'' فاروق کی غراہٹ میں کوئی ایسی بات تھی کہ نوجوان کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی اور وہ بلک بلک کر اس سے معافی طلب کرنے لگا۔

''پہلے میری بہن کا پتا بتا۔'' فاروق اسی سرد لہجے میں غرایا۔

''لانڈری میں میلے کپڑوں کے نیچے۔'' نوجوان بیرے نے لرزتی آواز میں بتایا اور بے ہوش ہو گیا۔ شاید یہ بے ہوشی ارادتاً اختیار کی گئی تھی۔ فاروق کے دل میں اس شخص کے لیے کوئی رحم نہیں تھا۔ اس نے بے پروائی سے اس شخص کی گردن چھوڑ دی، نتیجتاً وہ دھڑام سے پکے فرش پر گر گیا۔ فاروق نے اس پر نگاہِ غلط ڈالے بغیر منیجر کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ گیا اور مستعدی سے بولا۔

''میرے ساتھ آیئے، میں آپ کو لانڈری تک لے چلتا ہوں۔'' فاروق، اکبر اور عبدل کے چند ساتھی ان کے ساتھ ہو لیے۔ بے ہوش ویٹر کو عبدل کے دو ساتھیوں نے اس کے اشارے پر اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔ فاروق اور اس کے ساتھی منیجر کی راہنمائی میں لانڈری والے حصے کی طرف بڑھے۔

یہ حصہ زیر زمین تہ خانے میں بنایا گیا تھا۔ یہاں ہوٹل کے عملے کے علاوہ مسافروں کی خواہش کے مطابق ان کے کپڑے دھونے کا مکمل انتظام تھا لیکن بڑی تعداد بستر کی چادروں، تکیہ غلاف اور پردوں وغیرہ کی تھی اور یہ چیزیں ایک ڈھیر کی صورت میں ایک جگہ جمع کی گئی تھیں۔ ایک طرف لکڑی کے بڑے بڑے شیلف بھی بنے ہوئے تھے جن میں دھلی ہوئی چادریں اور پردے وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ دیپک ہوٹل کلکتہ کے اچھے ہوٹلوں میں سے ایک تھا اور یہاں صفائی کا خاص اہتمام رکھا جاتا تھا۔ بستروں کی چادریں اور تکیوں کے غلاف روزانہ تبدیل کیے جاتے تھے۔ غسل خانوں میں استعمال ہونے والے تولیے بھی ہمیشہ صاف ستھری حالت میں ملتے تھے اور پردوں کو بھی ہفتہ وار دھویا جاتا تھا۔ منیجر نے بتایا کہ آج پردوں کی تبدیلی کا دن تھا اس لیے کپڑوں کا ڈھیر کچھ زیادہ تھا۔

فاروق ایک بڑے سے ڈھیر کی طرف لپکا اور کپڑے ہٹاتے ہوئے کیتھرائن کو آوازیں دینے لگا۔ دوسرے لوگ بھی اس کی مدد کرنے لگے۔ کپڑوں کا ڈھیر ہٹا تو ایک چادر میں لپٹی کیتھرائن نظر آ گئی۔ وہ بے ہوش تھی۔ فاروق اسے اپنے بازوؤں میں اٹھائے اوپر کی طرف لپکا۔ وہ پتا نہیں کتنی دیر سے میلے کپڑوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی کہ اس سے سانس بھی ڈھنگ سے نہیں لی جا رہی تھی۔ فاروق نے باہر لا کر اسے کھلی ہوا میں لٹایا اور اس کے ہاتھ

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پیروں کی بندشیں کھولنے لگا۔ اس کے منہ میں ٹھونسا گیا کپڑا وہ تہ خانے میں ہی نکال چکا تھا۔ اس کے بندشیں کھولنے کے دوران کسی نے کیتھرائن کے چہرے پر پانی کے چھینٹے بھی مارنا شروع کر دیے تھے۔ فاروق اس کی ہتھیلیاں سہلانے لگا۔ اس کے چہرے پر شدید رنج اور غصے کے تاثرات تھے چنانچہ کسی اور میں اتنی ہمت بھی نہیں ہو سکی کہ کیتھرائن کو ہاتھ لگا پاتا پھر خواتین میں سے ہی ایک نے ہمت کی اور اس کے تلوے سہلانے لگی۔ کچھ پانی کیتھرائن کے منہ میں بھی ٹپکایا گیا تو بتدریج اس کی حالت میں تبدیلی آنی شروع ہوئی اور وہ دھیرے دھیرے کسمسانے لگی۔

''میں نے ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے۔ وہ بس پہنچتا ہی ہوگا۔'' پریشان حال منیجر نے اطلاع دی اور اس کی اطلاع کے پانچ چھ منٹ بعد ہی ڈاکٹر وہاں موجود تھا۔

''ایسا لگتا ہے بہت دیر تک انہیں ڈھنگ سے آکسیجن کی فراہمی نہیں ہوئی اس لیے یہ اس حال کو پہنچ گئی ہیں، بٹ ڈونٹ وری۔ کچھ دیر میں یہ بہتر ہو جائیں گی۔ میں نے انجیکشن دے دیا ہے۔'' ڈاکٹر نے پوری توجہ سے اس کا معائنہ کیا اور اس کے بازو میں انجیکشن لگاتے ہوئے پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''اگر ضرورت ہو تو انہیں اسپتال شفٹ کر دیتے ہیں ڈاکٹر۔'' فاروق نے مضطربانہ انداز میں ڈاکٹر کی رائے چاہی۔

''میرے حساب سے تو ضرورت نہیں ہے۔ بس ان کے گرد ہجوم کم کر دیں اور انہیں آرام کرنے دیں۔'' ڈاکٹر نے مشورہ دیا۔ عبدل نے بھی اس کی تائید کی اور کیتھرائن کو ہوٹل کے عملے کے تعاون سے اس کے کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ کمرا کھلا اور ہوادار تھا۔ چھت پر برقی پنکھا بھی موجود تھا، اس کے باوجود منیجر نے ایک اضافی پیڈسٹل فین بھی فراہم کر دیا۔

''یہ بے ہوش نہیں ہیں۔ بس میں نے سکون آور انجیکشن لگا دیا ہے۔ کچھ گھنٹے آرام سے سوتی رہیں گی تو جلدی ری کور کر لیں گی۔'' ڈاکٹر نے ایک بار پھر فاروق کو تسلی دینا ضروری سمجھا۔ اصل میں فاروق وغیرہ کی کوشش سے وہ ہوش میں تو پہلے ہی آ گئی تھی لیکن صاف محسوس ہوتا تھا کہ اس کے حواس ٹھیک طرح کام نہیں کر رہے ہیں۔ اتنی دیر میلے کپڑوں کے ڈھیر کے نیچے بندھی ہوئی حالت میں آکسیجن کی کمی کے ساتھ پڑے رہنا یقینی طور پر اس کے ذہن پر اثر انداز ہوا تھا اور اسے ذہنی سکون کی ضرورت تھی۔

''ہمارے ساتھ کوئی خاتون نہیں ہیں اگر آپ ان کے لیے کسی نرس کا انتظام کر دیں تو بہتر ہوگا۔'' فاروق نے ڈاکٹر سے خواہش ظاہر کی۔

''ویسے تو اتنی ضرورت نہیں ہے لیکن آپ چاہتے ہیں تو میں نرس کو بھجوا دوں گا۔'' ڈاکٹر نے اسے جواب دیا اور مزید ایک بار کیتھی کا معائنہ کرنے اور فاروق کو تسلی دینے کے بعد وہاں سے روانہ ہو گیا۔

''تم یہاں کیتھی کے پاس رکو اکبر! میں ذرا اڈے کا چکر لگا کر آتا ہوں۔'' فاروق کے ہاتھوں مار کھانے والے بیرے کو عبدل کے آدمی اپنے ساتھ اڈے لے گئے تھے۔ فاروق کو کیتھرائن کی فکر نہیں ہوتی تو وہ بیرے سے اسی وقت اس کی حرکت کا مقصد بھی اگلوا لیتا۔ اب بھی اسے وجہ جاننے کی بے چینی تھی اس لیے کیتھرائن کی طرف سے اطمینان ہوتے ہی اڈے کا قصد کیا۔ نکلنے سے قبل وہ اکبر کو ہدایات دے کر نکلا تھا کہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں وہ کیا قدم اٹھائے۔ ہوٹل میں انہیں عبدل کا مہمان جان کر منیجر ہر قدم کے لیے تیار تھا اس کے باوجود عبدل اپنے دو آدمیوں کو چھوڑ کر گیا تھا کہ حفاظت بھی ہوتی رہے اور کسی ضرورت کے وقت بھی دشواری پیش نہ آئے۔

''آؤ آؤ فاروق استاد۔ میں تمہاری ہی راہ دیکھتا تھا۔'' وہ اڈے پہنچا تو عبدل کو اپنا منتظر پایا۔

''کہاں ہے وہ سور کا! کچھ اگلا اس نے یا نہیں؟'' فاروق کا غصہ ابھی بھی قائم تھا۔

''سب اگلوا لیا ہے استاد۔ تم آرام سے بیٹھو۔'' عبدل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا اور کسی کو آواز دے کر ٹھنڈا شربت لانے کا حکم دیا۔

''کیا بولتا ہے وہ کس کے لیے کام کر رہا تھا؟'' فاروق کا دماغ بیرے میں ہی اٹکا ہوا تھا۔

''بھاڑے کا ٹٹو ہے۔ زیادہ کام کی بات نہیں اگلا۔ بس اتنا بتایا کہ دوپہر میں ایک موچھوں والا آدمی ہوٹل آیا تھا اور اسی نے اس آدمی کو لنچ کے واسطے سروس دیا تھا۔ کھانا کھا کر اس آدمی نے سندر نام کے اس ویٹر کو موٹی ٹپ دیا اور پھر چپکے سے بولا کہ اگر سندر اس کا ایک کام کر دے تو وہ اسے بھاری رقم دے گا۔ سندر (بیرا) کی بہن کا اگلے مہینے بیاہ ہونے والا ہے اس لیے وہ لالچ میں آ گیا اور تم لوگوں کی غیر موجودگی میں کیتھرائن کو بے ہوش کر کے نیچے تہ خانے میں پہنچا دیا۔ وہ بستر کی چادریں اور پردے وغیرہ تبدیل کرنے کے بہانے کیتھرائن کے کمرے میں گھسا تھا اور چادروں وغیرہ میں ہی اسے چھپا کر نیچے پہنچا دیا تھا۔ اس سے کام لینے والے آدمی کا کہنا تھا کہ وہ موقع دیکھ کر خود ہی اس سے لڑکی کو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

لے جائے گا اور اسی وقت پیسے بھی دے دے گا لیکن پہلے ہی ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور دونوں ہی کام نہ ہو سکے۔ نہ لڑکی گئی، نہ اس حرام کے پلّے کو روپے ملے۔ الٹا پیٹ بھر کر مار کھانے کے بعد آپ پڑا زمین چاٹ رہا ہے۔"

"سندر کو اس آدمی کے بارے میں کچھ معلوم ہے کیا؟ ہو سکتا ہے وہ بھی دیپک ہوٹل میں ہی ٹھہرا ہوا ہو۔" عبدل کی زبانی ساری تفصیل سننے کے بعد فاروق نے سوال داغا۔

"نہیں۔ وہ آدمی دیپک ہوٹل میں نہیں ٹھہرا ہوا تھا۔ نہ ہی سندر اسے کسی اور طرح جانتا ہے، ہاں اس نے حلیہ ضرور بتایا ہے۔" عبدل نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے سندر کی زبانی سنا حلیہ تفصیل سے بیان کر دیا۔ فاروق کی یادداشت میں اس حلیے کا کوئی آدمی نہیں تھا۔

"تم کیا بولتے ہو...... کون ہے اس کام کے پیچھے؟" عبدل نے اس کی رائے جاننی چاہی۔

"دشمن تو بہت ہیں لیکن اس طرح کی گری ہوئی حرکت ہوئی ہے، اس سے تو یہی لگتا ہے کہ یہ مجو کے کسی گرگے کا کام ہے۔ وہی ہے جو انتقام کی دھن میں گھٹیا سے گھٹیا حرکت بھی کر سکتا ہے۔" فاروق نے فوراً اندازہ لگایا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو استاد۔ اپن کو بھی یہی شک ہے۔ ادھر ربن نے ثریا بانو نامی جس عورت کے لیے کھلوایا تھا، اس کی تو میرے آدمی پوری خبر گیری کر رہے ہیں۔ میں نے ثریا بانو کے اپنی پناہ میں ہونے کا اعلان بھی کروا دیا تھا اس لیے اس پر تو ہاتھ ڈالنے کی کسی کی ہمت نہیں ہوئی لیکن موقع دیکھ کر سالے یہاں وار کر گئے۔ مجھ سے بھی غلطی ہوئی کہ تمہارے پیچھے ہوٹل میں نگرانی کا بندوبست نہیں کیا ورنہ ایسی نوبت ہی نہ آتی۔" عبدل نے اس کی رائے کی تائید کرتے ہوئے حالات کا تفصیلی جائزہ لیا۔

"جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ شکر ہے کہ کیتھرائن محفوظ رہی۔ اب کل اگر اس کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو ہم بمبئی واپس لوٹ جائیں گے۔ پیچھے تم چوکنے رہنا۔ اس حرکت سے ظاہر ہے کہ دشمن نے پیچھا نہیں چھوڑا ہے۔ بس ڈر کر دبک کر بیٹھا ہوا ہے۔" فاروق نے رفتہ رفتہ اپنے غصے پر قابو پا لیا تھا اور اب معمول کے انداز میں بات کر رہا تھا۔

"اس چھوکرے کا کیا کرنا ہے؟"

"کون، وہ ویٹر سندر......!" فاروق نے تصدیق چاہی۔

"ہاں وہی۔ بولو تو اسے چوک میں کھڑا کر کے ڈنڈے لگواؤں۔"

"جانے دو دادا! بے چارہ اپنی ضرورت سے مجبور ہو کر بک گیا اور ہاتھ بھی کچھ نہ آیا۔ ٹھیک ٹھاک مار تو پہلے ہی کھا چکا ہے وہ۔ تم ایسا کرنا کہ میری طرف سے اسے یہ تھوڑی سی رقم دے دینا۔ اپنا علاج بھی کروا لے گا اور بہن کی شادی میں بھی کام آ جائے گی۔" فاروق نے اپنی جیب سے نکال کر اچھی خاصی رقم عبدل کے ہاتھ پر رکھی تو وہ ہنس پڑا اور بولا۔

"ہونا آخر ربن کے چیلے۔ وہ بھی دیکھو تو ابھی گرم ہے اور ابھی نرم پڑ گیا۔ کس کے ساتھ کیسے پیش آئے گا، یہ پر ہی پتا چلتا ہے۔"

"آدمی دیکھ کر برتاؤ کرنا پڑتا ہے دادا۔ ہم اپنے اوپر اٹھنے والے ہاتھوں کو توڑ ڈالنے کی طاقت رکھتے ہیں لیکن کسی لاچار کے ساتھ زیادتی کرنے کا کبھی نہیں سوچتے۔" فاروق نے ربن کا وضع کردہ سیدھا سادہ اصول بیان کیا۔

"ہماری دنیا میں سب لوگ ایسا نہیں سوچتے۔ ربن ایسا ہے جب ہی تو سب سے الگ دکھائی پڑتا ہے۔" عبدل نے ربن کی تعریف کی۔

"یہ تو تم نے سولہ آنے ٹھیک کہا دادا! وہ واقعی سب سے جدا ہے۔ اس جیسا تو بس کوئی کوئی ہی ہوتا ہوگا۔" عبدل کی تائید کرتے ہوئے فاروق کا دماغ خود ہی ماضی کی یادوں کو کھنگالنے لگا تھا۔ وہ بمبئی میں اس کا چوتھا دن تھا۔ وہ کوئی آٹھ روز قبل اپنے گھر سے نکلا تھا۔ نکلتے وقت دماغ پر غصہ سوار تھا اس لیے تن کے کپڑوں میں ہی خالی ہاتھ ہی نکل کھڑا ہوا تھا۔ جیب میں کچھ رقم ضرور موجود تھی لیکن وہ کب تک ساتھ دیتی۔ بمبئی آنے سے قبل وہ راستے میں ایک دو جگہ رکتا ہوا آیا تھا۔ ریل کے کرایے، رہائش اور کھانے پینے میں اچھی خاصی رقم خرچ ہو گئی تھی چنانچہ جب وہ بمبئی پہنچا تو اس کے ہاتھ میں بہت تھوڑے پیسے تھے۔ یہ پیسے بھی کب تک ساتھ دیتے۔ ختم ہو گئے اور نوبت یہ آ گئی کہ کمرے کا کرایہ دینا تو دور کی بات، اس کے پاس پیٹ بھرنے کے لیے بھی کچھ نہ بچا۔ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی عادت نہیں تھی اور زندگی اتنے عیش و آرام میں گزری تھی کہ کبھی ایک وقت کا کھانا بھی چھوڑنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ یوں تو اس نے میٹرک کا امتحان دے رکھا تھا لیکن کسی قسم کا کاغذی ثبوت پاس نہیں تھا اور نہ ہی اتنا تجربہ تھا کہ دفتروں میں چکر لگا کر نوکری کے حصول کے لیے جدوجہد کر پاتا۔ بس کشمکش کے عالم میں وقت گزارتا رہا اور جب رقم ختم ہو گئی تو خاموشی سے ہوٹل کا کمرا چھوڑ کر ایک قریبی پارک میں جا بیٹھا۔ شام، رات میں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ڈھلی تو پارک میں ویرانی چھانے لگی۔ اندھیرا، تنہائی، بھوک اور بے سروسامانی...... ایسی سخت رات فاروق کی زندگی میں پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ عمر ہی کتنی تھی؟ ماضی کے عیش یاد آئے تو آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آنسو بہاتے ہوئے اس نے خود سے پوچھا کہ کیا اسے گھر واپس لوٹ جانا چاہیے لیکن خون میں ضد تھی اور ساتھ ہی یہ زعم بھی کہ اس نے ایک اصولی بات پر گھر چھوڑا ہے اس لیے واپسی کے حق میں فیصلہ نہ ہو سکا لیکن یہاں رہتا تھا تو اس مفلسی کے عالم میں کیسے رہا جاتا۔ وہ بے آواز آنسو بہاتا، خود سے الجھتا ایک بینچ پر سکڑا سمٹا پڑا رہا اور اسے خبر نہیں ہوئی کہ وہ کچھ بدخصلت لوگوں کی نظر میں آ گیا ہے۔ اصل میں تو وہ اسے شام سے ہی یہاں بیٹھا دیکھ رہے تھے۔ اس کا لباس اگرچہ میلا تھا لیکن وہ گدڑی کے لعل کی طرح چمک رہا تھا۔ اجلی رنگت، خوب صورت نقوش، اٹھتی جوانی کا بانکپن اور عیش و آرام کی زندگی گزارنے کے باعث نرم و ملائم ہاتھ پیر۔ وہ تو قوم لوط کی باقیات کے لیے ایک تر نوالہ تھا۔

بدخصلت شام سے رات ہونے تک اس پر گھات لگائے بیٹھے رہے۔ رات گہری ہوئی اور ہر سُو سناٹے کی حکمرانی ہو گئی تو انہوں نے اسے گھیر لیا۔ وہ کم عمر اور ناتجربہ کار لڑکا تھا۔ پہلے تو ان کے تیور پہچان ہی نہیں سکا اور یہی سمجھا کہ وہ مال و متاع کی خاطر اس کے گرد جمع ہوئے ہیں۔ خوف زدہ لہجے میں انہیں اپنی بے سروسامانی سے آگاہ کیا تو وہ قہقہے لگانے لگے اور پھر اسے آگاہ کیا کہ انہیں کیا درکار ہے۔ وہ بری طرح بدک گیا۔ خلافِ عادت و تربیت انہیں گالیاں بھی بکیں اور الٹے سیدھے ہاتھ پیر بھی چلائے لیکن ان بدمعاشوں کے ٹولے کے سامنے اس کی حیثیت ہی کیا تھی۔ انہوں نے منٹوں میں اسے بے دست و پا کر دیا۔ اپنی بے بسی پر اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور اس نے دل کی گہرائیوں سے رب کو پکارا۔ اس کے دربار میں اس کی پکار رائگاں نہیں گئی اور ربن کسی رحمت کے فرشتے کی طرح وہاں پہنچ گیا۔ اس کی للکار میں شیر کی سی گرج تھی اور بدن برق کی طرح لپک جھپک حرکت کرتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ان تینوں مسٹنڈوں کا بھرکس نکال دیا۔ وہ مقابلہ کیا کر پاتے۔ ان کے لیے اپنی جانیں بچا کر بھاگنا مشکل ہو گیا۔ ان سے فارغ ہو کر ربن فاروق کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بارش میں بھیگے بلی کے بچے کی طرح بینچ پر سکڑا سمٹا بیٹھا تھا۔ اس کا کئی دن کا میلا لباس غنڈوں سے ہاتھا پائی میں کئی جگہ سے پھٹ گیا تھا۔ روشن آنکھوں اور موہنی صورت والا فاروق اسی پل ربن کے دل پر راج کرنے لگا۔ اس نے فوری طور پر اس سے کچھ نہیں پوچھا اور اسے اپنے ساتھ اپنے ٹھکانے پر لے گیا۔ غنڈوں سے ہونے والی مڈبھیڑ نے فاروق کو بے حد خوف زدہ کر دیا تھا۔ اس کا خوف شاید اسے ربن کے ساتھ جانے سے بھی روک لیتا لیکن ربن میں کوئی ایسی بات تھی کہ اس نے اس پر اعتبار کر لیا۔ اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر ربن نے اس کے لیے لباس کا انتظام کروایا اور جب وہ نہا دھو کر اس صاف ستھرے لباس میں فراہم کردہ گرما گرم کھانا کھانے بیٹھا تو ربن بے ساختہ ہی بول اٹھا۔

”تُو تو شہزادہ ہے رے! ادھر بمبئی کی گلیوں میں کدھری رلتا پھر رہا ہے؟“ اس کے جملے پر فاروق کی آنکھیں نم ہو گئیں اور نوالہ توڑتا ہاتھ رک گیا۔ ربن نے اس کی کیفیت کو محسوس کر کے اسے دلاسا دیا اور بہ اصرار کھانا کھلایا۔ شکم سیری کے بعد فاروق کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں۔ ربن نے اس کے لیے سونے کا انتظام بھی کروا دیا۔ فاروق اندر سے سہما ہوا تھا اس کے باوجود اسے اس رات بہت گہری اور پرسکون نیند آئی۔ دوسری صبح اس کے لیے حیرت کا ایک نیا جہان کھل گیا۔ وہ جس بڑے سے مکان میں موجود تھا، وہاں بھانت بھانت کے مرد بھرے ہوئے تھے اور عورت کے وجود کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ وہ یہ دیکھ کر بھونچکا رہ گیا کہ مرد صبح صبح کسرت کر رہے ہیں۔ ایک دوسرے سے داؤ پیچ لڑا رہے ہیں، چاقو زنی اور خنجر زنی کی مشقیں ہو رہی ہیں۔ اس نے ایسی دنیا بھلا کہاں دیکھی تھی۔ دیکھی تو دیکھتا رہ گیا۔ اس گہما گہمی میں بھی اس کی طرف سے غفلت نہیں برتی گئی۔ ایک آدمی لپک جھپک اس کے پاس آیا اور اسے صاف ستھرے غسل خانے میں پہنچا دیا۔ وہ ضروریات سے فارغ ہو کر واپس اپنے کمرے میں آیا تو اسے باداموں کا حریرہ پیش کیا گیا۔ حریرہ بہت خوش ذائقہ تھا۔ بجو کے ہاتھ کے ذائقے کے اس اولین تجربے کے بعد بھی اس نے ہمیشہ اس کے ہاتھ کے کھانوں کو بہترین پایا۔ بہرحال وہ اس کی اڈے پر پہلی صبح تھی۔ حریرہ پی چکنے کے بعد وہ کافی دیر اپنی جگہ تذبذب کے عالم میں بیٹھا رہا۔ سمجھ نہیں آتا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ اصل میں یہ بات اسے شروع ہی سے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ غصے اور جذبات میں وہ فوری طور پر گھر سے تو نکل گیا تھا لیکن اس کے ذہن میں بالکل نہیں تھا کہ گھر کے باہر کی دنیا میں وہ کس طرح اپنی بقا کی جنگ لڑے گا اور کیونکر اپنا گزارہ کر پائے گا۔ یہی کیفیت اب بھی تھی۔ ربن نے اسے پیغام بھیج کر ناشتے کے لیے بلوایا تو وہ اس بڑے سے کمرے کا

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایمایے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

http://paksociety.com http://paksociety.com

www.paksociety.com

منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔

صاف ستھری چاندنیوں پر وسیع دسترخوان بچھا ہوا تھا جن کے اطراف وہی سب نہائے دھوئے، صاف ستھرے لباس میں بیٹھے ہوئے تھے جنہیں اس نے کچھ دیر قبل مختلف مشغلوں میں مصروف پایا تھا۔ کمرے میں ہر سو خوشبوئیں اڑتی پھر رہی تھیں۔ انڈے، پراٹھے، نہاری اور سوجی کا حلوا دسترخوان کی رونق بڑھا رہے تھے۔ بالکل کسی دعوت کا سا سماں تھا۔ اس کی آمد پر ربن نے آواز دے کر اسے اپنے پاس بلالیا۔ ربن کے کہنے پر اس کے دائیں پہلو میں بیٹھتے ہوئے اس نے ربن کے بائیں جانب بیٹھے گولو کو دیکھا۔ وہ اس صحت مند سے بچے کو اتنے مردوں کے درمیان پا کر حیران رہ گیا۔ یہ گمان بھی ہوا کہ شاید وہ ربن کا بیٹا ہے۔ ربن اس کا خیال بھی بہت رکھ رہا تھا لیکن بچے کے انداز میں وہ بے تکلفی نہیں تھی جو باپ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ ناشتے کے دوران ربن نے فاروق کا بھی بہت خیال رکھا اور کھانے پر اصرار کرتا رہا۔ ناشتا خوش ذائقہ تھا لیکن ایک تو فاروق نے رات کا کھانا بھی بہت تاخیر سے کھایا تھا اور صبح صبح حریرہ بھی پی لیا تھا اس لیے بہت کم کھایا۔ ناشتے کے بعد ربن نے کچھ ضروری امور نمٹانے کے بعد اس سے دوبارہ ملاقات کا عندیہ دیا اور وہ انتظار کا یہ وقت گزار کر دوبارہ ربن کی خدمت میں پہنچایا گیا تو اس وقت تک وہاں کی گہما گہمی بہت کم ہو چکی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ بیشتر افراد مکان سے باہر جا چکے ہیں۔ گولو البتہ اب بھی ربن کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔

ربن نے پہلے تو فاروق سے اس کا احوال دریافت کیا۔ اس نے زیادہ تفصیل سے کچھ نہیں بتایا بس اتنا ہی بولا کہ گھر والوں سے ناراض ہو کر گھر سے نکل گیا ہے اور واپس گھر جانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ربن نے اسے نصیحت کی کہ اگر گھر کے حالات بالکل ہی ناقابلِ برداشت نہیں ہیں تو اسے واپس لوٹ جانا چاہیے کیونکہ باہر کی دنیا کتنی ظالم ہے اس کی ایک جھلک فاروق دیکھ چکا تھا۔ فاروق بھی اس واقعے سے سہما ہوا تھا لیکن مزاج میں ضد اور انا تھی اور دماغ اب بھی واپس پلٹنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ معلوم تھا کہ واپس جائے گا تو طنزیہ نگاہوں اور کٹیلے جملوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور یہ سب برداشت کرنا اس کے مزاج کا حصہ نہیں تھا۔ ربن نے اپنے طور پر اسے سمجھایا کہ اس میں دنیا کا مقابلہ کرنے کے گر نہیں ہیں اور خدشہ ہے کہ یہ دنیا اسے نگل لے گی۔ فاروق سب سنتا رہا لیکن زبان سے کچھ نہیں بولا۔ آخر ربن نے خود ہی موضوع بدل دیا اور اسے اپنے بارے میں آگاہ کرنے لگا۔ اس نے کھل کر فاروق سے اپنی دنیا کا تعارف کروایا اور بتایا کہ معاشرے میں ان لوگوں کا کیا مقام ہے۔

فاروق نے اڈے پاڑے کی دنیا کا بس ذکر ہی سنا تھا، وہ بھی بہت سرسری سا۔ اس دنیا کو نزدیک سے دیکھنا اس کے لیے انوکھا تجربہ ثابت ہوا۔ اسی نشست میں اس نے گولو کے بارے میں بھی جانا۔ اپنے ساتھ ربن کی نیکی کا تجربہ اسے ہو چکا تھا۔ گولو کی داستان سن کر مزید متاثر ہو گیا۔ سوتیلی ماں کے مظالم کا شکار اس بچے کو ربن نے جس طرح اپنے سائے میں لے لیا تھا، ایسا ہر کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ تو کسی صاحب دل کا ہی طرزِ عمل ہو سکتا تھا۔ وہ صاحب دل اگر دادا کی گدی پر بیٹھا تھا اور بمبئی کا ایک اڈا چلاتا تھا تو اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ بہت سے نیک نام لوگوں سے بہتر تھا۔

فاروق نے لمحوں میں فیصلہ کرلیا۔ اسے اب اسی دنیا میں رہنا تھا اور وہ سارے ہنر سیکھنے تھے جو اس دنیا کے باسیوں کے لیے ضروری تھے۔ یہ فیصلہ اس نے رات پیش آنے والے واقعے کی وجہ سے بھی کیا تھا۔ وہ خود کو اتنا مضبوط کرنا چاہتا تھا کہ کوئی ہاتھ اس کی طرف بڑھے تو وہ اسے توڑ سکے۔ ربن نے اسے اپنے فیصلے پر اچھی طرح سوچ بچار کے لیے چند دن کی مہلت دی۔ وہ ایک بار فیصلہ کر کے اس پر قائم رہنے کا عادی تھا چنانچہ مہلت کے بعد بھی فیصلہ وہی رہا اور یوں ربن کے زیرِ سایہ اس کی تربیت کا آغاز ہوا۔ دورانِ تربیت اس کے ساتھ کسی طرح کی رعایت نہیں کی جاتی تھی اور وہ سارے اصول و قواعد اس پر بھی لاگو ہوتے تھے جن کے اڈے کے دیگر افراد پابند تھے لیکن اس کے علاوہ اسے خصوصی مراعات حاصل تھیں۔ ربن نے اسے پہلے دن شہزادہ کہا تھا اور ہمیشہ شہزادوں ہی کی طرح رکھا تھا۔ ہر ہنر میں طاق کر دینے کے باوجود وہ کبھی فاروق کو عملی میدان میں نہیں لایا تھا اور یوں فاروق اتنے سال اڈے پر رہنے کے باوجود پوری طرح اس دنیا کا باسی نہیں تھا۔ وہ تو شہزادہ تھا شہزادہ...... خود ساختہ جلاوطنی اختیار کر لینے والا شہزادہ...... جس کی جڑیں بہرحال اب بھی اپنے اصل میں ہی گڑی ہوئی تھیں اسی لیے اڈے پر رہتے ہوئے بھی شخصیت کا بانکپن قائم و دائم تھا۔

☆☆☆

حویلی میں رہ کر جولیٹ کو یہاں کے بارے میں خاصی معلومات حاصل ہو رہی تھیں۔ اس کی دادی یعنی نواب زادہ اسد اللہ کی والدہ وفات پا چکی تھیں۔ نواب سلیم اللہ اب بھی حویلی کے حکمران تھے لیکن بڑھاپے کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

باعث بہت زیادہ فعال نہیں رہے تھے اور عملاً باگ ڈور دونوں بیٹوں کے ہاتھ میں تھی۔ آپا بیگم بھی بہت ضعیف ہوگئی تھیں لیکن زنان خانے میں بہر حال اب بھی ان کے نام کا سکہ چلتا تھا۔ اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے بھی وہ سارے معاملات سے باخبر رہتی تھیں۔ ان کی بیٹی عشرت جہاں اورنگ آباد میں بیاہی گئی تھی اور سننے میں آیا تھا کہ اس کا شوہر اور سسرالی ذرا سخت مزاج کے لوگ ہیں اس لیے کم کم ہی میکے آپاتی ہے۔ جولیٹ نے اندازہ لگایا کہ عشرت جہاں کے سسرالی ذرا کیا ذرا زیادہ ہی تیز مزاج کے لوگ ہوں گے جو ماضی کی تنک مزاج اور نخریلی عشرت جہاں کو نکیل ڈالنے میں کامیاب رہے۔ عشرت کا بھائی صفدر نواب سلیم اللہ کا داماد تھا۔ عالیہ اس حویلی کی بیٹی ہوتے ہوئے بھی آپا بیگم کی بہو کی حیثیت سے ان کے زیر عتاب رہتی تھی اور اس کا سارا دن ان کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے گزرتا تھا۔ اس کے مقابلے میں حسن و چنچل حسیب اللہ کی بیوی زیادہ آرام سے رہتی تھی۔ حسیب اللہ کو آپا بیگم کے مزاج میں خاصا دخل حاصل تھا اور اسی رعایت سے اس کی بیوی رعنا کو بھی چھوٹ حاصل تھی۔ عالیہ کی بدقسمتی تھی کہ اول تو اللہ نے اولاد کی دولت سے نہیں نوازا، دوسرے صفدر بھی کم کم ہی حویلی میں پایا جاتا تھا۔ اس نے مستقل لندن میں سکونت اختیار کر رکھی تھی اور سال میں صرف ایک ڈیڑھ ماہ ہی یہاں گزرتا تھا۔ یہاں شک کیا جاتا تھا کہ صفدر نے لندن میں دوسری شادی کر رکھی ہے لیکن خود اس نے بھی تائید یا تردید نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ نواب زادہ اسد اللہ نے بھی کبھی اس سلسلے میں زبان نہیں کھولی تھی حالانکہ وہ ایک طویل عرصے تک لندن میں رہے تھے اور اب بھی کبھی کبھار وہاں کا چکر لگا لیتے تھے۔

جولیٹ کو یہ ساری معلومات اس شوخ سی نوجوان ملازمہ زہرہ سے حاصل ہوئی تھیں جو اس کی خدمت پر مامور تھی۔ جولیٹ نے معلومات کے حصول کے لیے خاص طور پر اس سے دوستی گانٹھی تھی اور اس کی یہ ترکیب ناکام نہیں رہی تھی۔ پٹر پٹر بولنے والی زہرہ سے اسے بہت سے قصے سننے کو ملتے تھے۔ خود اپنے بارے میں اس نے بتایا تھا کہ وہ ماضی میں حویلی کی منتظم رہنے والی آغا بیگم کی نواسی تھی۔ آغا بیگم نے طویل عرصے حویلی میں خدمات انجام دی تھیں اور اب صاحب فراش تھیں۔ ان کی خدمات کے صلے میں حویلی کی طرف سے ان کے لیے تاحیات وظیفہ مقرر کر دیا گیا تھا اور اب ان کی یتیم نواسی زہرہ یہاں خدمات انجام دے رہی تھی۔ زہرہ نے چپکے سے جولیٹ کو بتایا تھا کہ یوں تو حویلی والے بہت دیالو تھے لیکن ملازمین کو ذرا سی غلطی پر بڑی ہتک اور بسا اوقات سخت سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ زنان خانے میں یہ سزائیں آپا بیگم کی طرف سے جاری کی جاتی تھیں اور اکثر بڑی عجیب وغریب ہوتی تھیں۔ مثال کے طور پر زہرہ نے ماضی قریب کا ایک قصہ بھی سنایا تھا۔ یہ سزا روٹیاں پکانے والی عورت کو دی گئی تھی۔ اس سے نامعلوم کیسے ایک روٹی کچی رہ گئی اور شومئی قسمت کہ وہ روٹی آپا بیگم کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ انہوں نے ہنگامہ مچا دیا کہ کچی روٹیاں کھلا کر یہ عورت حویلی کے مکینوں کا پیٹ خراب کردے گی۔ اسے سزا دی گئی کہ وہ ایک وقت کے لیے گوندھا جانے والا آٹا کچا کھائے گی۔ اتنا سارا کچا آٹا کھانا کوئی مذاق نہیں تھا لیکن ملازمہ کو کسی نہ کسی طرح یہ کرنا پڑا۔ زہرہ کے مطابق تازہ گوندھے ہوئے آٹے کو کھاتے ہوئے اس ملازمہ کی حالت غیر ہونے لگی تھی لیکن پھر بھی کسی نہ کسی طرح اس نے آٹے کا تھال خالی کر دیا۔ اس سزا کو قبول کرنے سے انکار کی صورت میں اسے نواب صاحب کے پالتو کتے کے ساتھ ایک کمرے میں بند کر دینے کی دھمکی دی گئی تھی۔ ظاہر ہے ملازمہ اس خونخوار کتے کے ساتھ بند رہنا قبول نہیں کر سکتی تھی اس لیے کچا آٹا کھانا منظور کر لیا۔ آٹا کھاتے کھاتے اس کی حالت غیر ہوگئی اور وہ الٹیاں کرنے لگی۔ شام تک اس کے پیٹ میں شدید درد بھی شروع ہوگیا۔ علاج کے اخراجات حویلی کی طرف سے ہی ادا کیے گئے لیکن ساتھ ہی منہ بند رکھنے کی دھمکی اور آئندہ ایسی غلطی نہ کرنے کی تنبیہ بھی کر دی گئی۔ جولیٹ نے یہ قصہ سنا تو انگشت بدنداں رہ گئی۔ صاحب اختیار ہونے کے زعم میں اپنے زیر نگیں افراد سے ایسا سلوک...... یہ تو قطعاً انسانیت کی توہین تھی لیکن جہاں بے حد وحساب دولت ہو، وہاں اس طرح کے رویے غیر معمولی بھی نہیں ہوتے۔ تاریخ بھری پڑی تھی صاحب اختیار وصاحب ثروت لوگوں کے ظلم وستم کی داستانوں سے۔ یہاں تو پھر بھی شاید کچھ رعایت سے کام لیا جاتا تھا۔ کم از کم حویلی کے ملازمین کو تنگ دستی کا سامنا نہیں تھا اور انہیں دل کھول کر نوازا جاتا تھا شاید اسی وجہ سے ملازمین یہاں سے علیحدہ ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔

جولیٹ نے حویلی کے سب سے اہم کردار نواب زادہ اسد اللہ کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی تھیں۔ زہرہ نے اسے بتایا تھا کہ کئی برس پہلے نواب زادہ اسد اللہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کی شادی ہوئی تھی لیکن ان کی بیوی پہلی زچگی کے دوران ہی فوت ہوگئی تھی اور اس کے بعد نواب زادہ اسداللہ نے باوجود اصرار کے دوسری شادی نہیں کی۔ زہرہ نے اسے چپکے سے بتایا کہ نواب زادہ صاحب نے پہلی شادی بھی اپنی والدہ کے شدید اصرار پر اس وقت کی تھی جب وہ بسترِ مرگ پر تھیں اور اسداللہ کے لیے مرتی ہوئی ماں کی خواہش کو رد کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ حویلی میں گردش کرتی خفیہ داستانوں میں سے ایک داستان نواب زادہ اسداللہ کے عشق کی بھی تھی۔ یہ داستان کبھی کھل کر سامنے نہیں آئی تھی لیکن اتنا بہرحال کہا جاتا تھا کہ جوانی میں اسداللہ کسی کی زلفوں کے اسیر ہوگئے تھے۔ ان کے دل پر راج کرنے والی ہستی کون تھی، اس کا زہرہ کو علم نہیں تھا۔ اس سلسلے میں اس کی نانی نے بھی کبھی زبان نہیں کھولی تھی اور جتنا اسے علم تھا، وہ بھی حویلی کی دوسری ملازماؤں کے سبب۔ اسداللہ نسبتاً خاموش مزاج اور لیے دیے رہنے والے آدمی تھے جنہوں نے کبھی کسی کو ایک لفظ نہیں کہا تھا پھر بھی سب کے دلوں پر ان کا رعب تھا۔ وہ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ جائداد کا انتظام والصرام سنبھالتے تھے اور باقی کا وقت پڑھنے لکھنے میں گزرتا تھا۔

جولیٹ کے لیے ان کے بارے میں حاصل ہونے والی یہ معلومات انکشاف کا درجہ رکھتی تھیں۔ وہ اپنے دل میں ان کے لیے نفرت اور انتقام کے جذبات لے کر آئی تھی کیونکہ اس کے اندازے کے مطابق وہ ایک عیاش نواب زادے تھے جنہوں نے اس کی کم عمر ماں کو اپنی شخصیت کے سحر میں جکڑ کر اپنا مطلب نکالا تھا جب ہی تو جوزفین کے سازش کے تحت حویلی بدر کیے جانے کے بعد اس کی کوئی خیر خبر نہیں لی تھی۔ اگر وہ جوزفین سے سچی محبت کرتے تھے تو اس پر لگائے گئے چوری کے الزام کو محض الزام ہی جانتے اور کچھ نہیں تو الزام کی حقیقت جاننے کے لیے ہی اس سے رابطہ کرتے لیکن انہوں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی اور جوزفین کے حویلی چھوڑنے کے بعد خود اطمینان سے اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن روانہ ہوگئے تھے۔ ان کے پاس جوزفین کا بمبئی کا پتا موجود تھا۔ اس پتے پر جوزفین نے کتنے ہی دن ان کی راہ دیکھی تھی اور پھر مجبور ہوکر جوزف کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اگر جوزف اپنی محبت میں سچا نہ ہوتا تو جوزفین کا کیا ہوتا اور خود جولیٹ آج کہاں ہوتی؟ یہ دو ایسے سوالات تھے جو وہ نواب زادہ اسداللہ کی شخصیت کی تمام تر کشش کے باوجود خود کو انہیں معاف کرنے پر آمادہ نہیں کر پاتی تھی اور دماغ میں کوئی خاص منصوبہ نہ ہونے کے باوجود انتقام کی نیت سے حویلی پہنچ گئی تھی۔

حویلی میں آمد کے ساتھ ہی یہاں کی کرتا دھرتا آپا بیگم کے ساتھ اس کے اختلافات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ پہلا اختلاف لباس کے سلسلے میں ہوا تھا جس پر حسیب اللہ نے آپا بیگم کو منالیا تھا اور جولیٹ کے حق میں دلیل دی تھی کہ اگرچہ اس کا لباس مسلم خواتین سے مختلف ہے لیکن وہ مکمل لباس پہنتی ہے جو ستر پوشی کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے اور پھر اس کے لباس میں اسکارف کا بھی اہتمام ہوتا ہے جو کچھ نہ کچھ دوپٹے کا نعم البدل سمجھا جاسکتا ہے۔ حسیب اللہ کو جولیٹ کے حق میں پاکر آپا بیگم کو بھی قائل ہونا پڑا تھا۔

جولیٹ نے دوسرا اختلاف کھانے پینے کے اوقات کے سلسلے میں کیا تھا اور طے شدہ وقت پر کھانے کے کمرے میں حاضر ہونے سے انکار کردیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنے موڈ اور پسند کے مطابق کھانا کھانا پسند کرتی ہے اس لیے ایسی کوئی پابندی قبول نہیں کرسکتی۔ اس معاملے میں اسداللہ نے اس کا ساتھ دیا تھا اور آپا بیگم کو سمجھایا تھا کہ وہ حویلی کی فرد نہیں ہے اور نہ ہی اس کی حیثیت ذاتی خدمت گاروں جیسی ہے اس لیے اس سلسلے میں اس پر دباؤ ڈالنا ٹھیک نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی پھپھی صاحبہ کو استاد کے احترام اور مقام کے سلسلے میں بھی کافی دلائل دیے تھے چنانچہ انہیں یہاں بھی پسپائی اختیار کرنی پڑی تھی اور ان کی یہ پسپائی جولیٹ کے لیے باعثِ مسرت تھی۔ جوزفین کے حالاتِ زندگی پڑھنے کے بعد اسے حویلی میں آپا بیگم کے غیر معمولی اثر و رسوخ کا اندازہ ہوگیا تھا اور اس کا اندازہ تھا کہ آپا بیگم جو کہ اپنی کم رو بیٹی عشرت جہاں کو نواب زادہ اسداللہ کے سر منڈھنے کی شدت سے خواہاں تھیں، اپنی وفادار ملازماؤں کی زبانی جوزفین اور اسداللہ کے عشق کی داستان سن کر چونکی ہوئی ہوں گی اور اس سے قبل کہ محبت کی یہ کہانی شادی کے انجام تک پہنچ پاتی، انہوں نے سازش کا ایسا تانا بانا بُنا کہ جوزفین کو نہ صرف حویلی بلکہ اسداللہ کی زندگی سے بھی نکالنے میں کامیاب ہوگئیں، پر افسوس کہ وہ اپنی بیٹی کو پھر بھی اسداللہ کی بیوی نہ بنا سکیں اور یہ امر بھی جولیٹ کے لیے خوشی کا باعث بنا تھا۔

اس کی ماں کو اسداللہ کی زندگی سے نکالنے والے خود اپنے مقاصد میں بھی کامیاب نہیں رہے تھے، اس انکشاف نے دل کو ایک گونا گوں ہی تسلی دی تھی۔ دل کو یہ احساس ہوا تھا کہ انسانوں کی تمام تر فرعونیت کے باوجود ایک نظام انصاف تھا جو کہیں نہ کہیں سے چل رہا تھا اور اسی کے بل پر

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

یہ کائنات قائم تھی ورنہ تو یہ صاحب اختیار لوگ شاید یہ دنیا ہی الٹ کر رکھ دیتے۔ اس نظامِ انصاف پر یقین بحال ہونے کے باعث ہی اسے یہ آس بھی بندھی تھی کہ ایک نہ ایک دن اس پر ظلم ڈھانے والے دلدار آغا کا بھی احتساب ہوگا اور وہ اپنے کیے کی سزا بھگتے گا۔ وہ اس حویلی میں آتے ہوئے اپنے دل میں بہت سی نفرت لے کر آئی تھی، کچھ کچھ گھبراہٹ بھی تھی کہ معلوم نہیں حالات اس کے قابو میں آ بھی سکیں گے یا نہیں لیکن حیرت انگیز طور پر سب کچھ بہت آسانی سے ہوتا چلا جا رہا تھا اور وہ اتنی تیزی سے حویلی میں ضم ہوتی جا رہی تھی جیسے ہمیشہ سے ہی یہاں رہتی آئی ہو حالانکہ حویلی میں بالخصوص زنان خانے میں اسے اتنے زیادہ کھلے دل سے قبول نہیں کیا گیا تھا۔ مالکاؤں کے ساتھ ساتھ ملازمائیں بھی عموماً اس سے گریزاں رہتی تھیں اور شاید ایسا آپا بیگم کی اس کے لیے ناپسندیدگی کی وجہ سے تھا۔ ملازماؤں میں زہرہ اور مالکان میں واحد حبیب اللہ کی بیوی ہی تھی جو اس سے کھل کر گفتگو کر لیتی تھیں، اس کے باوجود یہاں قیام کے بعد سے وہ خود کو بہت پُرسکون محسوس کر رہی تھی۔ جلتا سلگتا دل کچھ حالتِ قرار میں تھا اور وہ اپنی اس تبدیلی پر خود بھی حیران تھی۔

''کیا اپنے اصل تک پہنچ جانے کے باعث میری یہ کیفیت ہے؟'' حویلی کے پائیں باغ میں بیٹھی اس وقت بھی وہ خود سے سوال کر رہی تھی۔

''لیکن اصل تک پہنچنا اسے تو نہیں کہتے۔ کتنی ہی معزز اور محترم سہی، پر کہلاؤں گی تو میں اس حویلی کی ایک تنخواہ دار ملازمہ ہی...... میں کوئی جولیٹ اسد اللہ کی حیثیت سے تو یہاں مقیم نہیں ہوں۔'' اپنے سوال کے جواب میں اس کے پاس یہ الجھن بھری سوچ تھی جس سے الجھتے ہوئے اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ کوئی اس کی تنہائی میں دخل اندازی کے لیے وہاں چلا آیا ہے۔ آنے والے نے کھنکھار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ اسد اللہ کے دوست کا بیٹا آصف خان تھا جس نے آج بھی اپنے روایتی گھیردار شلوار قمیص کے اوپر واسکٹ پہن رکھی تھی۔

''کس سوچ میں گم ہیں میڈم۔ بہت دیر سے آپ کو ایک ہی زاویے سے بیٹھا دیکھ رہا ہوں۔ سوچا اگر کوئی مسئلہ ہے تو پوچھ لیتا ہوں، ہوسکتا ہے میں کچھ مدد کرسکوں۔'' وہ بزبانِ انگریزی جولیٹ سے مخاطب ہوا۔ حویلی میں موجود بیشتر مرد حضرات انگریزی سے اچھی طرح واقف تھے اور اس سے اسی زبان میں گفتگو کرنا پسند کرتے تھے۔

''آپ کے خیال میں کیا مسئلہ ہوسکتا ہے؟'' جولیٹ اسے اپنی سوچوں کے بارے میں کیا بتاتی چنانچہ ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے خود اسے ہی الجھا دیا۔

''حویلی کے اصولوں میں سے کوئی اصول آپ کی شخصی آزادی کو متاثر کر رہا ہوگا۔'' آصف خان نے جس بے ساختگی سے اندازہ قائم کیا، وہ خود بھی اسی بے ساختگی کے ساتھ ہنس پڑی اور پھر بولی۔

''حویلی والوں نے جان لیا ہے کہ وہ مجھے اپنے کسی اصول میں نہیں جکڑ سکیں گے اس لیے اب میرے سامنے یہاں کا کوئی اصول بیان نہیں کیا جاتا۔''

''ایسا صرف اسد انکل کی مہربانی کی وجہ سے ہے۔ وہ آپ کی پشت پر کھڑے ہیں اور آپ کے پاس اتنا مضبوط سہارا دیکھ کر کوئی آپ کو دھکا دینے کی ہمت نہیں کر پا رہا ہے۔'' آصف خان نے گویا اس پر انکشاف کیا۔

''اس ملازمت کے لیے انہوں نے میرا انتخاب کیا ہے اور اپنے انتخاب کو درست ثابت کرنے کے لیے انہیں میرا مددگار بننا ہی چاہیے۔ یہ خود ان کی اپنی عزت کا سوال ہے۔'' آصف خان کے انکشاف نے پل بھر کے لیے اسے چونکایا تو تھا لیکن اسد اللہ کے رویّے کے لیے جو دلیل اس کے دماغ میں آئی، وہ اس سے بھی کہہ ڈالی۔

''ایسی بات تو میرے دماغ میں آئی ہی نہیں تھی۔ بس میں یہی سوچ رہا تھا کہ اسد انکل بہت روشن خیال اور معتدل مزاج آدمی ہیں اس لیے ایسا کر رہے ہیں لیکن آپ کی دلیل میں بھی وزن محسوس ہوتا ہے۔'' آصف خان نے اسے سراہنے والے انداز میں کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

''آپ بہت پُراعتماد اور باوقار شخصیت کی مالک ہیں اور مجھے لگتا ہے آپ کی ان ہی خوبیوں کی وجہ سے انکل نے آپ کا انتخاب کیا ہے ورنہ آپ سے زیادہ تعلیمی قابلیت رکھنے والی کسی شخصیت کو اس ملازمت پر رکھ لینا ان لوگوں کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ بے پناہ صاحبِ ثروت لوگ ہیں۔ میرے والد خود ایک قبیلے کے سردار ہیں اور ہمارا شمار اپنے علاقے کے باحیثیت لوگوں میں ہوتا ہے لیکن یہاں کی شان و شوکت دیکھ کر تو میں خود دنگ رہ جاتا ہوں۔ میں نامعلوم مدت تک قیام کے لیے یہاں آیا ہوں پھر بھی یہ لوگ ہر روز میری ایسی خاطر مدارت کرتے ہیں جیسے میں چند دن کے لیے آنے والا کوئی خاص الخاص مہمان ہوں۔ یہاں قیام کے عرصے میں میری الماری میں اتنے نئے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

جوڑوں کا اضافہ ہوا ہے کہ میں گنتی بھی نہیں کر پایا ہوں۔ ملازم جب بھی دھلے ہوئے کپڑے الماری میں رکھنے آتا ہے تو ساتھ میں چند نئے جوڑے بھی لے آتا ہے پھر بھی یہاں والوں کو شکایت ہے کہ میں اپنی زبان سے اپنی پسند یا خواہش کا اظہار نہیں کرتا۔ میرے پاس بہترین خوشبوؤں کا ڈھیر لگ چکا ہے۔ پھر بھی ہر دو چار دن بعد ملازمہ میرے کمرے میں ایک نئی خوشبو رکھ جاتی ہے۔ اپنی اتنی مدارات پر میں شرمندگی محسوس کرنے لگا ہوں اور کئی بار احتجاج بھی کیا ہے لیکن سب بے کار ہے۔ کوئی میرے احتجاج کو خاطر میں نہیں لاتا۔" وہ اسے حویلی والوں کی دریا دلی کے قصے سنا رہا تھا جس کی ذات ان کی تنگ دلی سے براہ راست متاثر ہوئی تھی۔ وہ اتنے دریا دل ہوتے تو جوزفین کو اسد اللہ کی پسند جان کر قبول کر لیتے اور یوں وہ بمبئی کے اس محلے میں پل کر جوان نہ ہوتی جہاں شاید اس حویلی کا کوئی مکین قدم دھرنا بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

"بہت زیادہ دولت مندوں کو شوق ہوتا ہے اپنی دولت کی نمائش کرنے کا تاکہ دوسروں کو متاثر کر سکیں۔ آپ یہاں سے واپس جائیں گے تو یقیناً اپنے والد سے ان کے دوست کی سخاوت اور مہمان داری کی تعریف کریں گے حالانکہ ہو سکتا ہے انہوں نے اپنی زندگی میں بڑی بے ایمانیاں اور حق تلفیاں کی ہوں اور ان کی وجہ سے کسی کی زندگی برباد ہو گئی ہو۔" اس کے اندر کی تلخی خود بخود ہی اس کے لہجے میں در آئی۔

"اوہ نو۔ اسد انکل بالکل بھی ایسے آدمی نہیں ہیں۔ وہ بہت سادگی پسند اور وضع دار آدمی ہیں۔ میرے بابا لندن میں ان کے ساتھ تھے اور وہ ہمیشہ اسد انکل کے اعلیٰ کردار و اخلاق کی تعریف کرتے ہیں۔ میں نے بھی اپنے قیام کے عرصے میں انہیں نہایت نفیس آدمی پایا ہے اور میں یقین نہیں کر سکتا کہ زندگی میں وہ کبھی بے ایمان یا غاصب رہے ہوں گے۔ آپ کس بنیاد پر ان پر اتنا بڑا الزام لگا رہی ہیں۔" آصف خان کے سفید رنگ میں سرخی سی جھلکی۔

"میں الزام نہیں لگا رہی بس ایک عام سی بات کر رہی ہوں۔ کسی بھی انسان کی شخصیت کا کوئی ایک پہلو تھوڑی ہوتا ہے اور اسے جاننے والے اس کے ہر پہلو سے واقف ہوں، یہ بھی ضروری نہیں ہوتا۔" جولیٹ نے تیزی سے بات بنائی۔

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن اگر اسد انکل کی شخصیت کا ایسا کوئی تاریک پہلو ہوا تو میرے لیے یہ ایک شاک ہوگا۔ میرے نزدیک تو وہ ایک آئیڈیل انسان ہیں۔" جولیٹ کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے بھی آصف خان اسد اللہ کی تعریف کیے بنا نہیں رہ سکا جس پر جولیٹ کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ یہ مسکراہٹ پھولوں کے کنج کے پیچھے براجمان اسد اللہ نے بھی دیکھی۔ وہ بہت دیر سے اس گوشۂ عافیت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جولیٹ ان کے بعد یہاں آئی تھی لیکن نہ تو وہ خود کسی سے بات کرنے کے موڈ میں تھے اور نہ ہی اس کی تنہائی میں مخل ہونا چاہتے تھے اس لیے خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ انہوں نے آصف خان کے ساتھ ہونے والی جولیٹ کی ساری گفتگو سنی تھی اور ان کے دل میں پھر وہی شک ابھرا تھا کہ کہیں جولیٹ جوزفین کی بیٹی تو نہیں ہے۔ اس کا بمبئی سے یہاں تک از خود ملازمت کے لیے آنا اور پھر حویلی کے اصولوں کو شدت سے رد کرنا انہیں غیر معمولی لگا تھا۔ اس کا رویہ بھی چونکانے والا تھا۔ وہ پہلی بار اس حویلی میں آئی تھی لیکن اس کے انداز سے یوں لگتا تھا کہ وہ یہاں کے بارے میں سب جانتی ہے۔ پہلے اس کے شناسا نقوش اور بعد میں رویوں نے انہیں شک میں مبتلا کر دیا تھا کہ ہو نہ ہو، وہ جوزفین کی بیٹی ہے۔ اس جوزفین کی بیٹی جسے ان کی پہلی محبت ہونے کا اعزاز حاصل تھا لیکن پھر وہ ان کی زندگی سے یوں نکل گئی تھی کہ وہ اسے تلاش ہی نہیں کر سکے تھے اور اب یہ لڑکی آگئی تھی جو انہیں جوزفین کی یاد دلاتی تھی۔ اس کے نقوش کی مانوسیت نے ان کے دل پر اثر ڈالا تھا وہ زخم جو کچھ مندمل ہونے لگے تھے ایک بار پھر تازہ ہونے لگے تھے اور اپنی زندگی کا وہ دور یاد آتا تھا جو پوری زندگی پر محیط ہو گیا تھا۔ وہ کبھی خود کو اس دور کی یادوں سے آزاد بھی نہیں کروا پائے تھے اور وہ تھی کہ سب کچھ ختم کر کے چلی گئی تھی اور جب سب ختم ہی کر دیا تھا تو اب یہ نیا سلسلہ کیا تھا؟ کیوں اس نے اپنی بیٹی کو یہاں بھیجا تھا؟ وہ خود سے جوں جوں سوالات کرتے جاتے، الجھن بڑھتی جاتی اور اس الجھن میں جولیٹ کی آنکھوں کی تحریر کی وجہ سے مزید اضافہ ہو جاتا۔ اس کی آنکھوں کو دیکھ کر انہیں یوں لگتا تھا کہ وہاں کوئی طوفان موجزن ہے جو اپنے ساتھ سب کچھ بہا لے جانا چاہتا ہے لیکن کیوں؟ وہ اس بات کا جواب بھی تلاش نہیں کر پائے تھے لیکن جولیٹ کے لیے ان کے دل میں ایک نرم گوشہ تھا۔ جوزفین نے ان کے ساتھ کچھ بھی کیا تھا اور جولیٹ اپنے دل میں کیسے ہی عزائم لے کر آئی تھی، وہ اپنے دل سے مجبور تھے جو کبھی جوزفین کے خلاف جا ہی نہیں سکا تھا۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

فاروق بمبئی پہنچا تو اس بار سب اس کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ شملہ سے واپسی پر تو اس کی صرف ربن اور راموسے ہی ملاقات ہو پائی تھی، باقی سب ملاقات کے لیے ترسے ہوئے تھے چنانچہ اس کی شکل دیکھتے ہی اس کی طرف دوڑے اور بے تابی سے اس کے ساتھ لپٹ گئے۔ ہر ایک فوری طور پر گلے ملنا چاہتا تھا اس لیے وہ ایک دوسرے کے اوپر چڑھ سے گئے تھے اور اتنے افراد کے اپنے گرد لپٹ جانے کے باعث فاروق کا اپنا وجود گویا گم ہو گیا تھا۔ وہ ان کی اس دیوانگی پر ہنس رہا تھا اور دل ہی دل میں اپنے رب کا شکر بھی ادا کر رہا تھا کہ اس نے اسے اتنی محبتوں سے نواز رکھا ہے جو دنیا میں بہت کم لوگوں کا ہی نصیب ہوتی ہیں۔ اسٹیشن پر موجود لوگ بھی اس تماشے کو دیکھ رہے تھے اور حیران تھے کہ ایسا کونسا خاص آدمی ہے جس کے لیے سب اتنے دیوانے ہو رہے ہیں۔ ان دیوانوں کی دیوانگی کو ربن کی آواز نے لگام ڈالی اور وہ بہ مشکل فاروق سے جدا ہو کر واپسی کے لیے تیار ہوئے۔ مسکراتی ہوئی کیتھرائن بھی فاروق کے ساتھ تھی۔ پیش آنے والے واقعے نے اسے خوف زدہ ضرور کیا تھا لیکن اس نے خود پر قابو پالیا تھا۔ فاروق نے اس سے خاص طور پر معذرت کی تھی کہ وہ ان کی دشمنی کا نشانہ بنی لیکن جواب میں کیتھرائن نے بہت اپنائیت کا مظاہرہ کیا تھا اور کہا تھا کہ ان کے درمیان بہن بھائی کا رشتہ جڑ چکا ہے اور اگر ایک بہن کو اپنے بھائی کے لیے تکلیف اٹھانی پڑی ہے تو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی اس وجہ سے ان کے مابین تعلق ٹوٹ سکتا ہے۔ فاروق اپنے دل میں ارادہ کر چکا تھا کہ اب کیتھرائن کو خود سے دور رکھے گا اور شاید یہ بات کیتھرائن نے بھانپ لی تھی چنانچہ از خود کہہ ڈالا تھا کہ اس واقعے سے خوف زدہ ہو کر وہ فاروق سے اپنا تعلق نہیں توڑ سکتی۔ وہ یتیم خانوں اور مشنریز کی مہربانی سے پل کر جوان ہونے والی ایک ایسی لڑکی تھی جس کا دامن رشتوں سے خالی تھا، ایسے میں فاروق کے پُرخلوص ساتھ کو کیسے چھوڑ سکتی تھی۔ فاروق بھی اس کے احساسات کو سمجھتا تھا چنانچہ کیتھرائن سے کوئی بحث نہیں کی تھی لیکن اپنے طور پر بہت کچھ سوچ لیا تھا۔

کیتھرائن نے استقبال کے لیے آئے ہوئے ربن سے کسی بزرگ جیسے احترام سے ملاقات کی۔ ربن بھی اس سے شفقت کے ساتھ پیش آیا اور فاروق سے پہلے خود ہی اس کی قیام گاہ تک واپسی کا انتظام کر ڈالا۔ کیتھرائن کو اس کی منزل کی طرف روانہ کرنے کے بعد ہی ان کا قافلہ واپسی کے لیے گامزن ہوا۔ فاروق کے استقبال کے لیے وہاں آنے والوں میں منو پہلوان بھی شامل تھا۔ راستے میں فاروق کی اس سے جو بات چیت ہوئی، اس سے فاروق کو اندازہ ہوا کہ موہن داس عرف منو یہاں آکر بہت خوش ہے۔ اڈے پر اسے مختلف داؤ پیچ سیکھنے کا موقع بھی مل رہا تھا اور بمبئی کی سیریں بھی ہو رہی تھیں۔ ربن مہمان نواز تھا چنانچہ پریشان کن حالات کے باوجود منو کا وہاں ہر طرح سے خیال رکھا جا رہا تھا۔ وہ نانا کی طرف بھی چلا جاتا تھا۔ نانا بھی اس کے چچا سے پرانی دوستی کے باعث اس پر بہت مہربان تھا، یوں منو کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں ہونے والا معاملہ تھا۔ راستے میں ہی فاروق نے ساتھ موجود رامو سے مقدمے کے حوالے سے معلومات حاصل کیں۔ اس نے بتایا کہ اشوک بچن اپنی مہارت اور قابلیت کا استعمال کرتے ہوئے قبل از گرفتاری ربن کی ضمانت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اس لیے انسپکٹر وکرم اور اس کے حواری ہاتھ ملنے کے سوا کچھ نہیں کر پا رہے تھے۔ وہ بس اتنا کر سکے تھے کہ انہوں نے فوری طور پر عدالت میں کیس شروع کروا دیا تھا۔ انگریز افسر کی وجہ سے عدالت بھی تیزی دکھا رہی تھی لیکن یہاں بھی بچاؤ کی ساری تدابیر اور انتظامات ہو چکے تھے۔

فاروق کلکتہ سے آتے ہوئے اپنے ساتھ دو گواہان لے کر آیا تھا۔ اگلی پیشی پر ان گواہان کو پیش کر دیا جاتا تو کیس میں بالکل ہی جان نہیں رہتی۔ ویسے بھی وکیل اشوک بچن نے جو نکات اٹھائے تھے، انہوں نے خود پولیس کی پوزیشن کو کمزور کر دیا تھا۔ ولیم کے کہنے پر فاروق کو غیر قانونی طور پر زیر حراست رکھنا اور پھر خطرناک تشدد کا نشانہ بنانا معمولی باتیں نہیں تھیں اور ولیم کے ساتھ ہونے والے سلوک کو ربن کی طرف سے انتقامی کارروائی قرار دینے میں خود پولیس کی ہی سبکی تھی۔ ساری صورت حال جان کر فاروق نے اپنے دل میں سکون سا محسوس کیا۔ ہاں، دل کا ایک گوشہ تھا جہاں کسی پل قرار نہیں تھا اور اسے اس وقت بھی قرار نہیں آیا جب وہ لوگ اپنے علاقے میں داخل ہوئے۔ کوچۂ جاناں کے لیے تڑپتا دل کوچۂ جاناں میں پہنچ کر بھی بے قرار تھا تو یہ حیرت کا مقام تھا اور اس حیرت کو رفع کرنے کے لیے فاروق یہی سوچ سکا کہ عرصے کے پیاسے دیدہ و دل کو جب تک مے دیدار نہیں میسر ہوگی، قرار بھی حاصل نہیں ہوگا۔

اڈے پہنچ کر وہی معمول کی گہما گہمی شروع ہو گئی۔ وسیع دسترخوان، عمدہ کھانوں کی خوشبوئیں، ساتھیوں کی محبت

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

لٹاتی نظریں اور چہکاریں...... سب نے مل ملا کر وقتی طور پر اس کے دل کو بہلانے کا انتظام کر دیا۔ مہمان بھی اس ماحول میں بہت خوش تھے۔ بڑی دیر میں جا کر، وہ بھی سفر سے آنے والوں کا خیال کر کے یہ محفل برخاست ہوئی۔ فاروق اپنے کمرے میں آیا تو مانوسیت کے احساس نے دل کو جکڑ لیا۔ یہ مانوسیت نہ تو شملہ کی خوبصورتی میں تھی اور نہ ہی بھاٹیہ سیٹھ کی پُرتعیش رہائش گاہ میں۔ وہ بستر پر لیٹا تو نیند خود بخود ہی اس کی آنکھوں میں اتر آئی۔ نیند اور خوابوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس کی آنکھیں بھی خواب دیکھنے لگیں اور خواب میں بس اس ساحرہ کا ہی بسیرا تھا جو خود اس کی پہنچ سے بہت دور تھی۔ اس بار فاروق نے اسے پھولوں بھرے ایک باغ میں دیکھا لیکن وہ اس باغ میں بھی خوش نظر نہیں آتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوش نما پھول تھا اور وہ اس پھول کی پتیاں نوچ نوچ کر پھینک رہی تھی۔ فاروق کی آنکھ کھلی تو شام ڈھل رہی تھی اور دماغ پر اس خواب کا اثر تھا۔ اس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور بال سنوارے۔ اتنی دیر میں گولو اس کے لیے چائے لے کر آ گیا۔ وہ فاروق کے سونے کے دوران بھی گاہے بگاہے اس کے کمرے کا چکر لگاتا رہا تھا اور اب چائے پینے کے دوران اس کے قریب بیٹھا اسے بتا رہا تھا کہ چندی گڑھ سے واپسی پر جب وہ فاروق کے حکم کے مطابق کیتھرائن کو اس کے ٹھکانے پر چھوڑ کر اڈے پہنچا تو فاروق، اکبر اور منو کو وہاں نہ پا کر اس پر کیا گزری اور کیسے اس سمیت سب نے کانٹوں پر وہ وقت گزارا۔ فاروق ان محبتوں سے واقف تھا چنانچہ ساری داستان سننے کے دوران گولو کی دلداری بھی کرتا رہا البتہ اس کا اپنا دل بے قرار تھا اور وہ جلد از جلد جولیٹ کو دیکھنا چاہتا تھا۔

مئے دیدار کو ترسے ہوئے کو جولیٹ کی آمد و رفت کے سارے اوقات یاد تھے۔ اب بھی اس نے گھڑی دیکھی...... جولیٹ کی دفتر سے واپسی کا وقت ہوا ہی چاہتا تھا۔ گولو کو چائے کے برتن رکھنے کے بہانے بھجوا کر وہ دریچے میں آ کھڑا ہوا۔ اتنے عرصے بعد محبوب نظر کی دید کی چاہت میں اس کا دل تو کیا روح بھی آنکھوں میں سمٹ آئی لیکن اسے اس راہ پر کہاں آنا تھا۔ وہ تو یہ شہر ہی چھوڑ کر جا چکی تھی۔ انتظار کی جاں گسل گھڑیاں گزرتی رہیں اور وہ پیاسی آنکھیں لیے اپنی جگہ کھڑا رہ گیا۔ ڈھلتی شام نے رات کی اوڑھنی اوڑھی تو وہ اپنی مایوسی کو ایک بار پھر نئی امید دلاتا دریچے سے ہٹا اور سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچ گیا۔ نیچے موجود افراد میں سے کچھ نے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کسی کو بھی جواب دیے بغیر باہر نکلتا چلا گیا۔ وہ بہت دنوں کا پیاسا تھا اور اب ضبط کا بندھن ٹوٹنے لگا تھا۔ باہر نکل کر اس کے قدم خود بخود گلی میں جولیٹ کے گھر کی طرف بڑھنے لگے۔ اس کے دروازے پر پہنچ کر وہ کیا کرے گا، اسے خود بھی علم نہیں تھا بس ایک خیال تھا کہ شاید آج جولیٹ دفتر نہ گئی ہو اور گھر پر ہی موجود ہو، سو وہ بنا سوچے سمجھے اس کے گھر کی طرف چل پڑا تھا۔ اس کے دروازے پر پہنچ کر اس کے جوش میں اٹھتے قدم خود بخود ہی ٹھٹک گئے۔ دروازے پر تالا تھا یعنی جولیٹ ابھی تک دفتر سے واپس نہیں آئی تھی حالانکہ وہ اتنی دیر سے کبھی واپس نہیں آتی تھی۔ وہ بیک وقت حیرانی اور پریشانی کا شکار ہونے لگا، اسی وقت غلامو چاچا اپنے گھر کے دروازے سے باہر نکلا۔ فاروق کو گلی میں کھڑے دیکھ کر وہ اسی کی طرف چلا آیا۔

”کیا حال ہے استاد! شملہ سے کب واپس آئے؟ سنا تھا تم ڈاکٹر کے مشورے پر علاج کے لیے وہاں رہ رہے ہو۔“ وہ فاروق سے اس کی خیریت دریافت کرنے لگا۔

”الحمدللہ۔ اب میں ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیے مزاج کیسے ہیں؟ باقی محلے والوں کا کیا حال ہے۔“ وہ براہ راست تو جولیٹ کے بارے میں دریافت نہیں کر سکتا تھا چنانچہ مشترکہ طور پر پورے محلے کا حال پوچھ ڈالا۔

”سب ٹھیک ہیں بس یہ اپنی جولی ہی مصیبت میں ہے۔ بے چاری لڑکی بڑے بڑے طوفانوں میں گھری رہی ہے اور معلوم نہیں اب کس مشکل میں پڑی ہے کہ کسی کو اس کی کوئی خبر ہی نہیں ہے۔“ غلامو چاچا جو کچھ بول رہا تھا، وہ اسے پوری طرح سمجھ تو نہیں پا رہا تھا لیکن یہ جان گیا تھا کہ اس کے دل کی بے قراری بے وجہ نہیں تھی اور یہاں جولیٹ کے ساتھ کچھ بہت ہی برا ہو چکا تھا۔ کیا......؟ یہ جاننے کے لیے وہ غلامو چاچا سے کوئی سوال کرتا اس سے قبل ہی اسے اپنے شانے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔ وہ اس مانوس لمس کو پہچانتا تھا اور جانتا تھا کہ خاموشی کی زبان میں کچھ کہتا یہ ہاتھ ربن کا ہے۔ شدید ضبط کی کوشش میں اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ ادھر غلامو نے بھی ربن کو دیکھ لیا تھا اور اب تپاک کے ساتھ اس سے حال احوال دریافت کر رہا تھا۔ ربن نے اسے مختصر جوابات دیے اور پھر فاروق سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

”اکیلے کیوں نکل کھڑا ہوا شہزادے۔ ابھی تیری طبیعت پوری طرح ٹھیک نہیں ہے۔“

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"بس کرو دادا۔ کب تک مجھے یوں ہتھیلی کا چھالا بنا کے رکھو گے۔ موم کا نہیں بنا ہوا کہ ذرا سی حرارت پر پگھل جاؤں گا۔" ربن کو جواب دیتے ہوئے فاروق کے لہجے میں تلخی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ بہت کچھ ہے جو ربن نے اس سے چھپایا ہے اور اب بھی چھپائے رکھنے کی کوشش میں وہ اس کے اڈے سے باہر نکلنے کی اطلاع پا کر خود پیچھے چلا آیا ہے لیکن اسے تھوڑی سی تاخیر ہو گئی تھی اور فاروق نے غلامو چاچا سے چند چونکا دینے والے جملے سن لیے تھے۔

"اپن تیرے کو موم کا بنا کیسے سمجھ سکتا ہے۔ اپن نے تیرے کو فولاد مافق بنایا ہے اور اپنے کو معلوم ہے کہ تو ہمیشہ اپنی تربیت کی لاج رکھے گا۔" ربن کے جملے اسے پیش بندی کی کوشش محسوس ہوئے۔

"اچھا غلامو بھائی۔ اپن پھر بعد میں ملیں گے تم سے۔ ابھی تو اپنا شہزادہ اتنے ٹیم کے بعد آیا ہے تو اپنے کو اس کے ساتھ رہنے کا ہے۔" ربن نے غلامو سے کہا اور اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر فاروق کے شانوں کے گرد اپنے بازو کا گھیرا ڈالے اسے لے کر اڈے کی طرف واپس چلا۔

"جولی کے ساتھ کیا ہوا ہے؟" ربن فاروق کو سیدھا اس کے کمرے میں لے آیا تھا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر فاروق نے ربن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے پوچھا۔

"چھری تلے ذرا دم لے۔ تو نہیں بھی پوچھتا تو اپن تیرے کو بتانے کا ہی تھا۔ بس اپن ذرا تیری طبیعت سنبھلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ڈاکٹر نے بولا تھا کہ دماغ کی چوٹ کا معاملہ ہے اور تیرے سامنے کوئی ایسی بات نہیں کرنے کا ہے جس سے تیرے دماغ پر اثر پڑے۔ اس لیے اپن تیرے کو کچھ نہیں بولا تھا۔" ربن نے اسے حالات سے باخبر کرنے سے پہلے تمہید باندھی پھر رفتہ رفتہ وہ جولیٹ کے اغوا، اس کے والدین کی یکے بعد دیگرے موت اور آخر میں جولیٹ کے پراسرار غیاب تک کی پوری داستان سناتا چلا گیا۔ یہ سب سنتے ہوئے فاروق کو حیرت تھی کہ اس کا دل ابھی تک کیسے دھڑک رہا ہے، اسے تو غم سے پھٹ جانا چاہیے تھا۔ جولیٹ اتنے بڑے بڑے صدموں اور حادثات سے گزر گئی تھی اور وہ وہاں شملہ میں آرام کر رہا تھا، یہ اس کے لیے کٹ مرنے کا مقام تھا۔

"دیکھ شہزادے! جو اس کی تقدیر میں لکھا تھا وہ ہوا۔ میں یا تو اسے بدل نہیں سکتے تھے پر اپن نے خود سے وعدہ کر رکھا ہے کہ اس کے مجرموں کو چھوڑنے کا نہیں ہے۔ جولیٹ اپنے ساتھ کو آپریٹ کرتی اور اپنے کو پہلے دن ہی اس حرام کے جنے کا نام بتا دیتی تو اپن ابھی تک اس کو نرگ (جہنم) پہنچا چکے ہوتے پر اس کے منہ نہ کھولنے سے اپن کو تھوڑا ٹیم لگ گیا اور اپنے پہنچنے سے پہلے وہ...... ملک سے باہر نکل گیا۔ پر جائے گا کدھری۔ لوٹ کر تو اسے ادھری آنا ہے نا۔ وہ جیسے ہی ہندوستان کی زمین پر قدم رکھے گا، اپن اس کی گردن ناپ لے گا۔" ربن فاروق کی کیفیت اچھی طرح سمجھ رہا تھا چنانچہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے دلاسا دینے کی کوشش کی۔

"تم نے جولیٹ کی تلاش کے لیے کیا کیا؟" ساکت بیٹھے فاروق نے ربن سے اس طرح یہ سوال کیا کہ اس کے جسم کا ہر عضو ساکت تھا اور صرف ہونٹ جنبش کر رہے تھے۔

"اپن اسے تلاش کروا رہا ہے۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور مل گیا ہے جس نے اس کو اسٹیشن تک پہنچایا تھا۔ ڈرائیور نے بتایا ہے کہ جولی پہلے قبرستان گئی تھی پھر وہاں سے اسٹیشن۔ اسٹیشن پر اس ٹیم کون کون سی گاڑیاں لگی ہوئی تھیں یا لگنے والی تھیں، اپن نے سارا حساب کتاب جمع کر لیا ہے اور تو سمجھ سکتا ہے کہ اس حساب کتاب سے جولی کو تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کونسی گاڑی کدھری جا رہی تھی اور راستے میں کتنے اسٹیشنوں پر رکی تھی، یہ جاننے کے بعد بھی اپن کیسے طے کرے گا کہ جولی کس شہر یا گاؤں کے اسٹیشن پر اتری۔ اسے ڈھونڈنا بھوسے میں سے سوئی ڈھونڈنے کے برابر ہے۔" ربن اسے اپنی کارکردگی سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ مشکلات کو بھی بیان کرتا جا رہا تھا تاکہ فاروق کو اندازہ ہو سکے کہ وہ اب تک جولیٹ تک نہیں پہنچ سکا تو کیوں؟

"اسے ڈھونڈنا کتنا ہی مشکل ہو، میں اسے ڈھونڈوں گا۔" فاروق نے تلخ لیکن مضبوط لہجے میں اپنے عزم کا اظہار کیا۔

"تو اکیلا نہیں ہے۔ ہم سب تیرے ساتھ ہیں لیکن تو وعدہ کر کہ جو کچھ کرے گا، ہوش میں رہ کر کرے گا۔ اپنے کو معلوم ہے کہ جولیٹ بڑی ذہین اور سمجھدار لڑکی ہے اور اپنے حالات سے لڑ سکتی ہے۔ اپن کو جو بھی ثبوت ملے ہیں، ان سے پتا چلتا ہے کہ جولیٹ جہاں بھی گئی ہے، اپنی مرضی سے گئی ہے اور لازمی ہے کہ کچھ سوچ سمجھ کر ہی گئی ہو گی۔ اپن کو یہ بھی شک ہو رہا تھا کہ کہیں وہ خود ہی تو دلدار آغا سے بدلہ لینے کے لیے نہ نکل کھڑی ہوئی ہو لیکن اس کے جانے والے ٹیم پر اسٹیشن پر ایسی کوئی ٹرین نہیں تھی جو پنجاب کی طرف جا رہی ہو اس واسطے ہمارے لیے فیصلہ کرنا اور مشکل ہو گیا ہے۔" ربن بہت پیار سے اور بہت سنبھال کر اس سے بات

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

کر رہا تھا جیسے وہ کوئی نازک آبگینہ ہو جو ذرا سی ٹھیس آنے پر ٹوٹ جائے گا۔

"ٹھیک ہے دادا۔ تم سے جو بن پڑا تم نے کیا۔ اب آگے کیا کرنا ہے، یہ سوچنا پڑے گا۔ ابھی تو میرا دماغ کام ہی نہیں کر رہا ہے۔" فاروق کو احساس ہو گیا کہ وہ اس پُرخلوص آدمی کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے۔ پچھلے کچھ عرصے سے اڈے کے جو حالات تھے وہ ان سے بالکل ہی بے خبر تھا۔ مجو دادا سے دشمنی پالنے کے بعد وہ لوگ مسلسل مشکلات کا شکار تھے۔ ایسے میں ربن نے جولیٹ کے لیے جس حد تک کیا تھا، وہ بھی بڑی بات تھی اور وہ جانتا تھا کہ یہ اتنا کچھ صرف اور صرف اس کی اپنی خاطر کیا گیا تھا۔ ربن، دلدار آغا کو اس کے کیے کی سزا دینے خود بمبئی سے اس کے شہر تک گیا تھا تو یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اب یہ تو آغا کی ہی قسمت اچھی تھی کہ وہ ربن کے شکنجے میں آنے سے پہلے ہی نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا ورنہ اب تک اپنے انجام کو پہنچ چکا ہوتا۔

"تو دماغ پر جاستی زور مت ڈال۔ اپن ہے نا۔ اپن دیکھے گا سب۔" ربن نے اسے اطمینان دلایا۔ وہ حیران تھا کہ فاروق کا ردِعمل اس کے خدشات کے برعکس اتنا شدید نہیں تھا جتنی کہ وہ توقع کر رہا تھا۔ اسے اس کے ضبط سے ڈر لگ رہا تھا۔ وہ چیختا، چلاتا یا شور مچاتا تو یہ شاید نارمل ہوتا لیکن اب تو کسی طوفان سے پہلے کی سی خاموشی تھی۔

"مجھے تم پر اعتبار ہے دادا...... بس اب تم جاؤ اور اپنا کام دھندا دیکھو۔ میں تھوڑی دیر اکیلا رہنا چاہتا ہوں۔" فاروق نے کس برداشت سے کام لیتے ہوئے یہ جملے ادا کیے، یہ وہی جانتا تھا۔ اگر اسے ربن کی محبت کا پاس نہ ہوتا تو کبھی اتنی برداشت سے کام نہ لے پاتا۔

"جیسی تیری مرضی پر یاد رکھنا کہ تو اکیلا نہیں ہے۔ ہم سب تیرے ساتھ ہیں۔" ربن اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ربن کے باہر نکلتے ہی اس نے اندر سے دروازے کی کنڈی چڑھا لی۔ اب وہ اپنے کمرے کی تنہائی میں گزری ہوئی پر ماتم کرنے کے لیے آزاد تھا۔ ربن کے سامنے جس برداشت سے کام لیا تھا، اب وہ جواب دے چکی تھی اور وہ دیواروں سے سر ٹکراتا کھل کر اپنے غم پر آنسو بہا رہا تھا۔

☆☆☆

"تشریف رکھیے۔" جولیٹ، سروری کی راہنمائی میں آپا بیگم کے کمرے میں پہنچی تو وہ لمحہ بھر تنقیدی نظروں سے اس کا جائزہ لیتی رہیں پھر سپاٹ لہجے میں اسے حکم دیا۔ وہ بیٹھ گئی تو انہوں نے سر سے پیر تک اس کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ سبز رنگ کے لانگ اسکرٹ کے ساتھ سفید بلاؤز اور سفید ہی اسکارف پہنے ہوئے وہ بہت پُرکشش لگ رہی تھی۔ نرم نقوش، سیاہ چمکیلے بالوں اور سرو قامتی نے اس کی شخصیت کو بڑا متاثر کن بنا رکھا تھا اور جانے کیوں وہ اس خوب صورتی سے خائف تھیں حالانکہ اب تو حویلی میں کوئی کنوارا مرد بھی موجود نہیں تھا جس کے بہک جانے کا انہیں ڈر ہو۔

"آپ نے مجھے بلوایا...... آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے کیا؟" جولیٹ زیادہ دیر اپنے وجود پر ان کی تنقیدی نظروں کو برداشت نہیں کر سکی اور ان سے پوچھ ڈالا۔

"ہمیں تم سے کیا کام ہو سکتا ہے۔ ہمارے پاس خدمت گاروں کی فوج موجود ہے جو ہماری آنکھ کے معمولی اشارے پر بھی ہر خدمت کے لیے تیار رہتی ہے۔" انہوں نے نخوت زدہ لہجے میں اسے جواب دیا۔

"جی مجھے معلوم ہے لیکن آپ نے مجھے بلایا ہے تو اس کی کوئی تو وجہ ہو گی۔" جولیٹ کے لہجے میں خود بخود ہی تلخی سی آ گئی۔ اس کے انداز پر آپا بیگم اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے تلملا کر رہ گئیں۔ یہ لڑکی جب سے حویلی آئی تھی، ان کے لیے چیلنج بنی ہوئی تھی۔ حویلی کی تنخواہ دار اس لڑکی کے یہ انداز انہیں قطعی نہیں بھاتے تھے لیکن وہ اسد اللہ کی وجہ سے مجبور تھیں۔ اسد اللہ جولیٹ کے سفارشی بنے ہوئے تھے اور وہ اسد اللہ کی کسی بات کو نہیں ٹال سکتی تھیں۔ اس سلسلے میں انہیں اپنے بیٹے سے خصوصی ہدایت ملی ہوئی تھی ورنہ ہونے کو تو یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ براہِ راست بڑے نواب صاحب سے بات کرتیں اور اسد اللہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جاتے۔ وہ جہاندیدہ خاتون تھیں اور اندازہ کر سکتی تھیں کہ اسد اللہ ان کے بیٹے کے بہت سے اعمال سے واقف ہیں اور محض دوستی اور رواداری میں انہوں نے اب تک نواب صاحب کے سامنے منہ سے کوئی بات نہیں نکالی ہے۔ اگر ان کی زبان کھل جاتی تو حویلی میں ایک بھونچال سا آ جاتا۔ نواب سلیم اللہ کے غصے کا کچھ معلوم نہیں تھا کہ غصے میں وہ اپنے اکلوتے داماد کے ساتھ کیا کریں اور جب داماد ہی زیرِ عتاب آ جاتا تو وہ اس کی ماں یعنی اپنی بہن کو کب بخشتے۔ نتیجتاً حویلی میں برسوں سے چمکتا ان کے اقتدار کا سورج غروب ہو جاتا اور وہ بنا اقتدار کے نہیں رہ سکتی تھیں۔ انہیں حکم چلانے اور سب پر اپنی مرضی مسلط کرنے کی عادت پڑ چکی تھی۔

"آپ کو اس حویلی میں آئے ہوئے کتنے دن ہو چکے ہیں؟" اسے سخت نظروں سے گھورتے ہوئے آپا بیگم نے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اس سے سوال کیا۔
"مجھے حیرت ہوتی اگر آپ کے پاس خود اس سوال کا جواب موجود نہ ہوا۔" جولیٹ نے پھر انہیں ٹیڑھا جواب دیا۔
"ہم حیران ہیں کہ اتنی کم مدت میں آپ نے کس قدر پر پرزے نکال لیے ہیں لیکن آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ نواب سلیم اللہ کی حویلی ہے جہاں کی عورتوں کے سر کبھی ننگے نہیں رہتے اور نہ ہی کبھی وہ نامحرم مردوں سے کلام کرتی ہیں۔" آپا بیگم کے سخت لہجے میں کہی گئی بات پر جولیٹ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا اور اس نے پہلو بدلتے ہوئے آپا بیگم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور تیز لہجے میں بولی۔
"یہ سب آپ مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟ میں حویلی کی فرد نہیں ہوں۔"
"ہماری ملازمائیں بھی ان اصولوں پر عمل کرتی ہیں اور فی الحال تو ہم یہ سب آپ کی بھلائی کے لیے آپ کو بتا رہے ہیں۔ آصف خان سے آپ کا بڑھتا ہوا میل جول ہمارے علم میں ہے اور ہم آپ کو آگاہ کردینا چاہتے ہیں کہ آصف خان ذی حیثیت تو بے شک ہیں لیکن ان کے کردار کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ جہاں تک ہمارے علم میں ہے، انہوں نے اپنے علاقے میں کسی کو قتل کردیا تھا اور اب اسی قتل کی سزا سے بچنے کے لیے یہاں چھپے بیٹھے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ انہیں ایک ذی حیثیت شخص جان کر ان کے ساتھ وابستہ ہونے اور اپنا سماجی رتبہ بڑھانے کی خواہش کررہی ہوں لیکن ہم نے مناسب سمجھا کہ آپ کو پہلے ہی سے باخبر کردیں، کہیں بعد میں آپ کو پچھتانا نہ پڑے۔" ان کے لہجے میں طنز وتضحیک تھی اور اس خلوص کا کوئی اتا پتا نہیں تھا جس کا وہ اظہار فرما رہی تھیں۔ جولیٹ سمجھ گئی کہ اس کی آصف خان سے ہونے والی ایک آدھ اتفاقیہ ملاقات کو بہانہ بنا کر وہ اسے بے عزت کرنے کی کوشش کررہی ہیں چنانچہ دل میں ابلتے غصے کو اندر ہی دبا کر متانت سے بولی۔
"آپ کی اس قدر خیال داری کا شکریہ۔ اب میں اپنے مقصد کے حصول کے لیے آصف خان کے بجائے کسی اور کا انتخاب کروں گی اور اگر یہ انتخاب حویلی میں سے ہوا تو مجھے امید ہے کہ آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" یہ بات نہیں چنگاری تھی جس نے آپا بیگم کے خزاں رسیدہ وجود میں آگ سی لگا دی۔ بڑھاپے سے ضعف کا شکار ان کا جسم غصے کی شدت سے کانپنے لگا۔ جولیٹ اپنی بات کہہ کر وہاں رکی نہیں اور پلٹ کر باہر نکل گئی۔ راہداری میں اس کی نواب زادی عالیہ سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے اس کا سرخ چہرہ دیکھا اور اسے ساتھ اپنے کمرے میں آنے کا اشارہ کیا۔
"آپ یہاں ایڈجسٹ ہوگئیں؟ کوئی پرابلم تو نہیں ہے؟" اپنے کمرے میں لاکر اسے بٹھانے کے بعد انہوں نے اس سے دریافت کیا۔ انہیں انگریزی پر عبور حاصل نہیں تھا لیکن وہ اپنی گفتگو میں جابجا انگریزی الفاظ کا استعمال کرتی تھیں اور جولیٹ جانتی تھی کہ یہ استعمال انہیں اس کی ماں نے سکھایا ہے۔
"مجھے تو کوئی پرابلم نہیں ہے لیکن مجھے لگتا ہے کہ حویلی والوں کو میرے یہاں رہنے سے پرابلم ہے اسی لیے میری ہر بات پر آبجیکشن کیا جاتا ہے۔" وہ آپا بیگم کے کمرے سے غصے کی حالت میں نکلی تھی اس لیے بغیر لگی لپٹی کے جو دل میں آیا کہہ گئی۔
"ہمارے خیال میں آپ پھپھی بیگم کی بات کررہی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ آپ سے خوش نہیں ہیں۔ اصل میں وہ پرانے خیالات کی خاتون ہیں اور ہر معاملے کو اپنے اصولوں کے مطابق چلانا چاہتی ہیں۔ اس سے قبل انہیں اپنی اس خواہش کی تکمیل میں کسی رکاوٹ کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑا۔ آپ کے سلسلے میں بھائی جان کی حمایت کی وجہ سے وہ تھوڑی مجبور ہوگئی ہیں لیکن ہم آپ کو ایڈوائز کرنا چاہتے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ تھوڑا سا کمپرومائز کرلیں تو یہ آپ کے لیے اچھا ہوگا۔ ان کی برداشت کی حد ختم ہوگئی تو وہ بھائی جان کو کراس کرکے ابا جان تک پہنچ جائیں گی اور ابا جان نے زندگی میں کبھی ان کی بات رد نہیں کی۔" نواب زادی عالیہ دبے لفظوں میں اسے جو سمجھانا چاہ رہی تھیں، وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی لیکن اسے آپا بیگم جیسی مطلق العنان خاتون سے شکست کھا جانا منظور نہیں تھا۔ وہ کیوں شکست تسلیم کرتی؟ وہ کوئی جوزفین نہیں تھی۔ وہ جولیٹ تھی جس کی رگوں میں اسی خاندان کا لہو دوڑتا تھا۔
"نواب صاحب نے اگر اپنی بہن کی عادتیں بگاڑی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ساری دنیا ان کے ناز اٹھاتی رہے گی۔ دنیا میں بڑے بڑے فاتح ایسے گزرے ہیں جنہیں کہیں نہ کہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ آپ کی پھپھی بیگم تو کسی گنتی شمار میں ہی نہیں ہیں۔"
"یہ آپ کس قسم کی گفتگو کررہی ہیں؟" نواب زادی عالیہ اس کے الفاظ پر حیران و پریشان ہوگئیں۔
"میں وہی کہہ رہی ہوں جو حق اور سچ ہے۔ مجھے تو حیرت ہے کہ آپ نے کبھی اس انداز میں کیوں نہیں سوچا۔ یہ حویلی آپ کی ہے۔ آپ بہن بھائی اس کے قانونی وارث

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اور حق دار ہیں پھر یہاں کسی اور کے نام کا حکم کیوں چلتا ہے۔ کیا آپ نے صرف اس وجہ سے کہ وہ آپ کی ساس ہیں، سارے حقوق ان کے نام کردیے ہیں۔ حالانکہ خود آپ کو اپنے سارے حقوق حاصل نہیں اور سال میں مشکل سے ایک آدھ بار ہی آپ کو اپنے شوہر نامدار کی شکل دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔'' وہ بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی۔ نواب زادی عالیہ کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھٹ سی گئیں۔ حویلی کی تنخواہ دار لڑکی حویلی کے اندرونی معاملات پر اتنا کھل کر بول سکتی ہے، انہیں اب تک یقین نہیں آرہا تھا۔

''آپ کو کیا حق حاصل ہے ان معاملات میں بولنے کا۔ یہ ہمارے ذاتی معاملات ہیں اور ان میں آپ کی دخل اندازی قطعی ناقابلِ برداشت ہے۔'' بالآخر انہوں نے اپنی حیرت پر قابو پا کر اسے اس کی گستاخی پر ٹوک ہی دیا لیکن ان کی آواز حیرت اور غصے کی زیادتی سے کانپ رہی تھی۔

''ذاتی معاملات میں دخل اندازی بری لگتی ہے نا......؟ یہی بات آپ اپنی پھپھی بیگم کو کیوں نہیں سمجھاتیں جو اپنی طاقت اور بڑائی کے زعم میں دوسرے کے کردار پر انگلیاں اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔ وہ جھوٹے الزامات لگانے کی عادی ہیں لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہر ایک اتنا کمزور نہیں ہوتا کہ الزامات سے ڈر کر بھاگ نکلے۔ مجھ میں اہلیت ہے کہ میں ہر الزام کا ڈٹ کر مقابلہ کرسکوں۔ میرے قدم بہت مضبوط ہیں اور کوئی اتنی آسانی سے انہیں زمین سے نہیں اکھاڑ سکتا۔'' وہ عالم طیش میں بولتی چلی گئی۔ نواب زادی عالیہ اس کی جرأت و بے باکی پر انگشت بدنداں تھیں۔ جولیٹ اپنی کہہ کر ان کے سامنے سے ہٹ گئی، تب بھی وہ اسی کیفیت میں بیٹھی رہیں۔

☆☆☆

شب ماتم بیت گئی تھی اور صبح عمل طلوع ہوچکی تھی۔ رات بھر رنج والم میں بتانے کے بعد وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگیا تھا کہ جو گزر چکا، اسے کسی طور بدلا نہیں جاسکتا۔ نہ ہی اس میں کسی کا دوش ہے۔ ربن نے اگر اسے ان سارے حالات سے بے خبر رکھا تھا تو وہ اپنے اس عمل میں درست تھا۔ اگر ربن کی جگہ وہ ہوتا اور اس کے کسی پیارے کو بھی وہی کچھ درپیش ہوتا جو خود اس کے ساتھ تھا تو وہ بھی وہی کرتا جو ربن نے کیا۔ بعد میں بھی اڈے کے نازک حالات کے باوجود ربن نے جولیٹ کے لیے بہت کچھ کیا تھا اور اب جو کچھ کرنا تھا، اسے خود کرنا تھا۔ اس نے تسلیم کرلیا تھا کہ بیٹھ کر رونے پیٹنے یا دوسروں پر الزامات لگانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اسے عملی اقدامات اٹھانے ہوں گے اور سب سے پہلا مرحلہ جولیٹ کی تلاش کا تھا۔

ربن اسے بتا چکا تھا کہ جولیٹ خود انتقامی کارروائی کرنے کے چکر میں محسوس ہورہی تھی۔ ایک نازک سی لڑکی کے لیے یہ کوشش خطرناک ہوسکتی تھی اس لیے سب سے پہلے اسے اس کے ارادوں سے باز رکھنا ضروری تھا۔ سب طے کرچکنے کے بعد اس نے اپنی صبح کا آغاز معمول کے مطابق کیا۔ ورزش اور غسل کے بعد وہ ناشتے کے لیے سب کے درمیان پہنچا تو ربن اسے دیکھ کر مسکرایا۔ یہ بڑی حوصلہ دلاتی اور شاباش دیتی ہوئی مسکراہٹ تھی۔ وہ خوش تھا کہ فاروق نے اس کی تربیت کی لاج رکھی اور مشکل ترین وقت میں ڈھنے کے بجائے حوصلے سے خود کو سنبھال لیا۔

''آج تیرے کو چیک اپ کے لیے اسپتال جانے کا ہے۔'' ناشتے کے دوران ربن نے اسے اطلاع دی تو پہلے لمحے میں اس کا دل چاہا کہ انکار کردے لیکن پھر ارادہ بدل دیا۔ اچھا تھا کہ اس طرف سے بھی اطمینان ہوجاتا تو پھر وہ یکسوئی سے جولیٹ کو تلاش کرسکتا تھا۔ محبت نے اسے دوسروں کی محبت کو سمجھنے کا سلیقہ سکھا دیا تھا اور وہ ربن سمیت اڈے کے ہر فرد کی محبت کا پہلے سے بھی زیادہ قدردان ہوگیا تھا اس لیے فیصلہ کیا کہ پہلے ان محبت کرنے والوں کے اطمینان کا سامان کردے۔ ناشتے کے بعد وہ اسپتال کے لیے روانہ ہوا تو منو پہلوان اور اکبر اس کے ہمراہ تھے۔ ربن کو پیشی کے لیے عدالت جانا تھا۔ اڈے کے کچھ لوگ اور اس کے ساتھ جارہے تھے۔ رامو، مجو دادا والے اڈے پر تھا لیکن ایسی بات نہیں تھی کہ کوئی فاروق کے ساتھ اسپتال جانے والا ہی نہیں تھا۔ منو اور اکبر کا انتخاب اس نے ازخود کیا تھا۔ بمبئی اس کے لیے کوئی اجنبی شہر نہیں تھا کہ اسے کسی کے ساتھ کی ضرورت ہوتی۔ منو اور اکبر کو اس نے اس لیے ساتھ لے لیا تھا کہ وہ بمبئی دیکھ لیں گے۔ اسپتال میں کیتھرائن کی موجودگی کی وجہ سے بھی ربن کو اطمینان تھا اس لیے اس نے فاروق پر کسی کو ساتھ لے جانے کے لیے زیادہ دباؤ نہیں ڈالا تھا۔ فاروق اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ اسپتال پہنچا اور کیتھرائن کی مدد سے معائنے کے تمام مراحل سے گزرتا چلا گیا۔ ڈاکٹرز نے اس کی طرف سے اطمینان کا اظہار کیا البتہ حتمی جواب ٹیسٹوں کی رپورٹ آنے کے بعد ہی دیا جاسکتا تھا۔ اسپتال سے فارغ ہونے میں انہیں دوپہر ہوگئی تھی لیکن فاروق واپس اڈے لوٹ کر جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اس نے منو اور اکبر کو اپنے اگلے پروگرام

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سے آگاہ کیا اور ان کی تائید پاکر پہلے کہیں کھانا کھانے کا فیصلہ سنایا۔ کھانا ایک ایسے ہوٹل میں کھایا گیا جنہیں دہلی کے کھانے بنانے میں مہارت کا دعویٰ تھا۔ انہوں نے کھانا منگوایا اور کھانا شروع کیا تو کھانے پینے کا شوقین منو ایک ایک نوالے پر کھانے کی تعریف کرتا چلا گیا۔ البتہ اکبر اور فاروق کا معاملہ مختلف تھا۔ اپنی اپنی ذات کے دکھوں میں گھرے وہ دونوں بس دنیاداری ہی نبھاتے رہتے تھے اور زندگی سے رشتہ قائم رکھنے کے لیے کھاتے پیتے تھے۔

کھانے سے فراغت کے بعد انہوں نے حسب پروگرام اسٹیشن کا رخ کیا۔ ان کا انتخاب وہ اسٹیشن تھا جہاں سے جولیٹ کی کسی دوسرے شہر روانگی کی اطلاع ملی تھی۔ اسٹیشن پہنچ کر اس نے منو اور اکبر کو اجازت دے دی کہ وہ اسٹیشن پر گھومیں پھریں اور خود بکنگ آفس کا رخ کیا۔ وہاں دو کلرک موجود تھے اور ان کے پاس بات کرنے کی فرصت نہیں تھی لیکن فاروق کی جیب سے نوٹ برآمد ہوئے تو ان کے پاس فرصت بھی نکل آئی اور وہ پوری طرح تعاون کے لیے آمادہ نظر آنے لگے۔ فاروق نے جولیٹ کی روانگی والے دن کا پورا اشیڈول حاصل کرلیا۔ جولیٹ کے اسٹیشن پہنچنے کے اوقات میں ایک ٹرین حیدرآباد کے لیے بھی روانہ ہوئی تھی لیکن فاروق کو یقین نہیں تھا کہ وہ حیدرآباد گئی ہوگی۔ راستے میں چھوٹے بڑے بہت سے اسٹیشن پڑتے تھے اور وہ ان میں سے کسی بھی جگہ اتر سکتی تھی۔ حیدرآباد سے تو اس کے خیال کے مطابق جولیٹ کا کوئی تعلق ہی نہیں بنتا تھا لیکن تعلق کسی اور جگہ سے بھی نہیں جوڑا جاسکتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ محلے کے ان گھروں سے، جن سے جولیٹ کے خاندان کے قریبی تعلقات تھے اس سلسلے میں معلومات حاصل کرے گا۔ ہوسکتا ہے ان میں سے کسی کو علم ہو کہ ان میں سے کسی جگہ جولیٹ کے کوئی رشتے دار یا جاننے والے رہتے ہوں۔ اپنے سامنے رکھے ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے وہ اپنی ہی سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔ اس نے اس اسپیشل دودھ پتی چائے کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا جو خاص طور پر اس کے لیے منگوائی گئی تھی۔

''اگر کسی خاص سواری کے بارے میں معلوم کرنا ہے تو بتاؤ بابو! ادھر ایک قلی ہے یار محمد...... اس کی یادداشت بہت اچھی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ آپ کی مشکل حل کردے۔'' اس کے اندر کی الجھن اور کشمکش اس کے چہرے سے بھی ظاہر تھی اس لیے کلرک نے اسے ایک حل پیش کیا۔ وہ امید کی کسی کرن کو کیسے نظرانداز کرسکتا تھا، فوراً ہی اس قلی سے ملنے کی ہامی بھرلی۔ تھوڑی ہی دیر میں یار محمد اس کے سامنے تھا۔ تقریباً پچپن سالہ یار محمد اپنے قد وقامت، رنگت اور نقوش سے پٹھان لگ رہا تھا۔ فاروق نے تنہائی میں اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو وہ اسے ساتھ لے کر باہر آگیا۔ اس وقت پلیٹ فارم پر کوئی ٹرین نہیں لگی ہوئی تھی اس لیے رش کے باوجود وہاں زیادہ ہنگامے یا افراتفری کا عالم نہیں تھا۔ یار محمد اسے لے کر ایک خالی بینچ پر براجمان ہوگیا۔ فاروق کو جولیٹ کا ایک ایک نقش ازبر تھا اور ٹیکسی ڈرائیور کی زبانی یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ جولیٹ نے اس روز سیاہ ماتمی لباس پہن رکھا تھا چنانچہ وہ یار محمد کو تفصیل سے ایک ایک بات بتاتا چلا گیا۔ یار محمد نے اس کا ایک ایک لفظ توجہ سے سنا اور آنکھیں سکیڑ کر یوں خلا میں دیکھنے لگا جیسے ذہن پر زور ڈال رہا ہو۔ بالآخر وہ اپنی اس کیفیت سے باہر نکلا اور امید وبیم کی کشمکش میں مبتلا فاروق کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''کچھ یاد آیا بابا؟'' اس کی مسکراہٹ پر فاروق نے بے تاب ہوکر پوچھا۔

''بالکل یاد آیا۔ ہم حیدرآباد جانے والے ایک خاندان کا سامان ڈبے میں رکھ رہا تھا، تب ہم نے اسے دیکھا تھا۔ وہ بالکل اکیلا تھا۔ اس کے پاس زیادہ سامان بھی نہیں تھا۔ صورت سے ہی بہت دکھی لگتا تھا۔'' بوڑھے قلی نے اسے بتایا۔

''تو کیا وہ حیدرآباد جانے والی ٹرین میں بیٹھی تھی؟'' فاروق نے ایک بار پھر بے تابی سے سوال کیا۔

''بالکل بیٹھا تھا بابا۔ ہم اور کیا بول رہا ہے۔'' قلی نے یقین سے جواب دیا۔

''کیا وہ حیدرآباد جارہی تھی؟'' فاروق نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

''ٹرین تو حیدرآباد ہی کا تھا، پر ہم کیا بول سکتا ہے کہ وہ سیدھا ادھر ہی جارہا تھا یا راستے میں کہیں اترنے والا تھا۔'' قلی نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا تو فاروق کو تسلیم کرنا پڑا کہ اس کا سوال درست نہیں تھا...... بہرحال جتنا کچھ معلوم ہوگیا تھا، وہ بھی بہت تھا۔ کم ازکم اس کے سامنے ایک سمت تو تھی ورنہ ابھی تک تو یہی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کس طرف گئی ہے۔ قلی یار محمد کو یہ قیمتی معلومات فراہم کرنے کے عوض اس نے انعام سے نوازا اور منو اور اکبر کی تلاش میں نظریں ادھر ادھر دوڑائیں۔ وہ تو نظر نہیں آئے لیکن اس کی نظروں نے ایک شناسا چہرے کو اپنی قید میں لے لیا۔ اس چہرے کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ کھڑا نہیں رہ سکا اور اس کی طرف دوڑا۔ وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اسٹیشن سے باہر کی طرف جاتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ فاروق نے اپنے قدموں کی رفتار تیز کر لی اور لمحوں میں اس کے برابر پہنچ گیا۔ کسی کو اپنے اتنے قریب پا کر وہ ذرا سا چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''رکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے ہاتھ میں چاقو ہے جو اپنی بات نہ ماننے کی صورت میں، میں سیدھا تمہارے دل میں اتار دوں گا۔'' اس کے ساتھ بالکل چپک کر چلتے فاروق نے چاقو کی نوک اس کے پہلو میں چبھو کر اسے دھمکی دی۔ وہ چاقو کو اتنی مہارت سے پکڑا ہوا تھا کہ دیکھنے والوں کو اندازہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں چاقو ہے۔ بالکل یوں لگ رہا تھا کہ دو دوست ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے چلے جا رہے ہوں۔

''تم اتنے لوگوں کے بیچ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔'' پہلو میں چبھتی چاقو کی نوک کے باوجود اس شخص نے فاروق کی دھمکی پر یقین نہیں کیا لیکن چاقو کی نوک نے ہی اسے کوئی حرکت کرنے سے بھی روکے رکھا۔ اسے معلوم تھا کہ کوئی بھی غلط حرکت خود اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوگی۔

''میں تمہیں قتل کرنا بھی نہیں چاہتا لیکن اپنی بات نہ ماننے کی صورت میں کرتے ہوئے ہچکچاؤں گا بھی نہیں۔'' فاروق کے لہجے میں ایسی غراہٹ تھی کہ اس شخص کو اس کے ارادے کی پختگی پر کوئی شک نہیں رہا۔

''کیا چاہتا ہے اپن سے۔ اپن تو تیرے کو جانتا بھی نہیں ہے۔'' وہ فوراً ہی مفاہمت پر اتر آیا۔

''لیکن میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم بھاٹیہ سیٹھ اور اس کی بیٹی کے زرخرید کتے ہو اور ان دونوں کے حکم پر لوگوں کو کاٹتے پھرتے ہو۔'' فاروق کے الفاظ اور لہجے کے تنفر پر وہ چونکا اور پھر بولا۔

''اپنے کو یاد نہیں پڑتا کہ کبھی اپن کا تیرے ساتھ ٹاکرا ہوا ہو۔''

''آج ہو گیا ہے نا ٹاکرا...... اب تو اسے اپنی آخری سانس تک یاد رکھے گا۔'' فاروق پھنکارا اور ساتھ ہی اسے اس سمت میں ہنکارا جہاں بیت الخلا بنے ہوئے تھے۔ وہ بمبئی لوٹتے ہوئے بھاٹیہ سیٹھ کے اس غنڈے سے نمٹنے کا عہد کر کے آیا تھا لیکن یہاں آتے ہی حالات ایسے ہو گئے کہ پہلے تو اسے بمبئی میں نکلنا ہی نصیب نہیں ہوا اور کلکتے کا سفر اختیار کرنا پڑا پھر جولیٹ کے ساتھ بیتنے والے حادثات کی خبر سن کر اسے اس کے سوا کوئی ہوش نہیں رہا لیکن یہاں اسٹیشن پر اسے دیکھ کر وہ خود کو روک بھی نہیں سکتا تھا۔

''دیکھو دوست! اپنا کو لگتا ہے تیرے سے کوئی مسٹیک ہو رہی ہے۔'' غنڈا ہونے کے باوجود وہ فاروق کے انداز پر تھوڑا سا گھبرایا ہوا تھا۔

''دوست مت کہو مجھے۔ میرے دوستوں کو نقصان پہنچانے والا میرا دوست نہیں ہو سکتا۔'' فاروق نے اس کے باقی جملے کو نظر انداز کرتے ہوئے خود کو دوست پکارنے پر کاٹ دار لہجے میں اعتراض کیا۔

''اپنے کو یہ تو بتا کہ اپن نے کیا کیا ہے؟'' اس نے فاروق سے مذاکرات کی ایک اور کوشش کی۔ اس دوران میں وہ بیت الخلا کی قطار کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔

''سوال تو نہیں، میں کروں گا۔'' فاروق نے ایک کھلے دروازے سے اسے اندر دھکیلا اور خود بھی اندر گھس کر چٹخنی لگا لی۔ اب اس نے اپنا چمک دار پھل والا چاقو بھی نمایاں کر دیا تھا۔

''تو تو ایسے ہی اپن کے گلے پڑ گیا ہے۔'' اس نے فاروق کے چاقو کی چمک اور اس کی آنکھوں کی وحشت کو دیکھتے ہوئے مفاہمانہ انداز اختیار کیا۔

''ایسے ہی گلے پڑ گیا ہوں......'' فاروق نے غصے سے اس کا گریبان پکڑ کر کھینچا اور چاقو کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی۔

''میں ایسے ہی گلے پڑ گیا ہوں تو تو انکار کر دے کہ تو بھاٹیہ سیٹھ کا کتا غنڈہ نہیں ہے اور کچھ دن پہلے تو بملا بھاٹیہ کے بلاوے پر شملہ نہیں گیا تھا۔'' فاروق نے اسے چاقو کی نوک چبھوئی۔

''ٹھیک ہے۔ اپن گیا تھا۔ پر تیرے کو اس سے کیا لینا دینا ہے؟'' وہ بے شک غنڈا تھا لیکن اس وقت چاقو کی نوک اس کے گلے پر رکھی تھی اس لیے تھوک نگلتے ہوئے کچھ خوف زدہ لہجے میں سوال کیا۔

''سوال نہیں...... سوال سارے اب میں کروں گا۔ تجھے صرف جواب دینے ہیں۔'' فاروق غرایا۔ اس وقت وہ، وہ نفیس مزاج فاروق نہیں تھا جو بہت نرم اور مہذب لہجے میں بات کرتا تھا، جسے پھول اور کتابیں اچھی لگتی تھیں، جو بے شکن لباس پہنتا تھا اور جس پر دوسروں کو اکثر کسی شہزادے کا گمان ہوتا تھا۔ یہ تو وہ فاروق تھا جسے ربن نے اپنے سارے ہنر منتقل کیے تھے اور جو ضرورت پڑنے پر دشمن کی آنکھیں نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ سکتا تھا۔ بمبئی کی وہ پُرہیبت رات جو اسے ربن کی پناہ میں لے گئی تھی اگر اس پر نہ بیتی ہوتی تو وہ یہ سب سیکھ ہی نہیں سکتا تھا لیکن اس نے جانا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

www.paksociety.com

تھا کہ انسان ہمیشہ انسان نہیں رہتا وہ دنیا بھی کبھی کبھی خونخوار وحشی جانوروں سے بھرا ہوا جنگل بھی بن جاتی ہے اور اس جنگل میں اپنی بقا کی جنگ لڑنے کے لیے آدمی کو اپنے اندر شیر کا جگر اور اسی کے جیسی سفاکی بھی پیدا کرنی پڑتی ہے۔ سو اس وقت وہ بھی وہی خونخوار شیر بنا ہوا تھا جو اپنے مقابل کا سینہ چیر کر اس کا کلیجا نکال سکتا تھا۔

''کیا پوچھنا چاہتے ہو؟'' گنیش نے تھوک نگل کر اپنا حلق تر کرنے کی کوشش کی۔

''تو نے نئی فلم اسٹار چاندنی کو کس کے حکم پر قتل کرنے کی کوشش کی تھی؟'' فاروق کا پوچھا سوال گنیش کو کسی ڈنک کی طرح لگا۔

''کک...... کون چاندنی......؟ اپن کیوں اسے قتل کرے گا؟'' گنیش اس راست سوال پر بوکھلا گیا۔

''جھوٹ نہیں بول مجھ سے۔ میں سب جانتا ہوں۔ مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ بملا کے کہنے پر تو نے ہی اس کے شوہر کو جان سے مارا تھا'' فاروق نے جیسے اس کے سر پر دھماکا کر دیا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے فاروق کو دیکھنے لگا۔

''کیا تو انکار کرے گا کہ شملہ کے جنگل میں تو بملا بھابیہ سے ملا تھا اور وہاں اس نے تجھے کسی کو ٹھکانے لگانے کے لیے بڑی رقم دی تھی۔ میں اس ملاقات کا عینی شاہد ہوں لیکن اس وقت میں جان نہیں سکا تھا کہ وہاں ہونے والی سازش چاندنی کے خلاف ہے۔ بس میں تجھ سے اس بات کی تصدیق کروانا چاہتا ہوں کہ تو نے بملا ہی کے کہنے پر چاندنی کی گاڑی کو ٹکر ماری تھی نا؟ میں اس ایکسیڈنٹ کا بھی گواہ ہوں اور میں ہی زخمی چاندنی اور مردہ زمرد بائی کو سڑک سے اٹھا کر اسپتال لے گیا تھا۔'' فاروق جوں جوں بول رہا تھا، گنیش کے چہرے کی رنگت زرد پڑتی جا رہی تھی پھر بھی اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی اور بولا۔

''اپن کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ تم کیا بول رہے ہو۔ اپن ایسا آدمی نہیں ہے۔''

''میں نے کہا نا کہ جھوٹ مت بولنا۔ مجھے صرف اس بات کی تصدیق کرنی ہے کہ تو نے بملا بھابیہ کے کہنے پر ہی چاندنی پر وہ قاتلانہ حملہ کیا تھا یا نہیں؟'' فاروق نے چاقو کی نوک پر دباؤ بڑھایا تو اس کے گلے سے خون کی چند بوندیں چھلک پڑیں۔ فاروق نے ان چند بوندوں کی قطعی پروا نہیں کی کیونکہ اس وقت اس کی نگاہوں میں بے داغ حسن کی مالک چاند بانو کا جھلسا ہوا چہرہ گھوم رہا تھا۔ چاند بانو کا فلمی نام چاندنی تھا اس لیے وہ گنیش سے پوچھ گچھ کے لیے اس نام کا استعمال کر رہا تھا۔

''اپن نے بس بملا کے کہنے پر ہی وہ سب کیا تھا ورنہ اپن کا اس فلمی ہیروئن سے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔'' چاقو کی نوک کے بڑھتے ہوئے دباؤ اور فاروق کی آنکھوں میں اترے خون کو دیکھ کر گنیش نے حقِ وفاداری نبھانے سے زیادہ جرم قبول کر لینے میں ہی عافیت جانی اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ تو صرف ایک ہتھیار تھا جس کا کنٹرول بملا کے ہاتھ میں تھا۔ فاروق کو اس بات کا پہلے ہی سے اندازہ تھا۔ گنیش سے وہ صرف تصدیق کروانا چاہتا تھا۔ گنیش نے اعتراف کر لیا تو اس کے تنے ہوئے اعصاب خود بخود ہی ڈھیلے پڑ گئے اور چاقو کا دباؤ کم ہو گیا۔ گنیش نے اس بات کو فوراً محسوس کر لیا اور ہوشیاری دکھانے کی کوشش کرتے ہوئے فاروق کی ناف پر اپنا گھٹنا رسید کرنے کی کوشش کی۔ فاروق نے بھی ردِعمل میں اپنے جسم کو حرکت دی اور یہاں اس سے چوک ہو گئی۔ وہ گنیش کی گردن پر رکھی چاقو کی نوک کو بھول گیا تھا۔ خود گنیش نے بھی اپنی نازک پوزیشن کا ٹھیک طرح سے اندازہ نہیں لگایا تھا اس لیے ایسی حرکت کر گیا تھا۔ اس حرکت کا نتیجہ بے حد خطرناک نکلا اور فاروق کا تیز.... پھل دار چاقو گنیش کی شہ رگ کو اس طرح کاٹتا چلا گیا کہ اسے چیخنے کا بھی موقع نہیں ملا۔ فاروق اگر بروقت پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو اس کے گلے سے فوارے کی طرح پھوٹتا خون اسے بھگو ڈالتا۔ اب بھی کچھ نہ کچھ چھینٹیں اس کے اوپر آئی تھیں۔ اس نے بیت الخلا کی محدود حدود میں گنیش کی خون اگلتی لاش کو ٹیڑھی میڑھی حالت میں نیچے گرتے ہوئے دیکھا اور اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گرم گرم خون کی بوندوں کو صاف کیا۔ اس کی ہتھیلی پر خون کی سرخی نمایاں ہو گئی۔ اس نے حیرت سے اس سرخی کو دیکھا، وہ ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھا کہ اس سے ایک انسان کا قتل ہو گیا ہے۔ گنیش چاہے غنڈا تھا اور اس کے دل میں اس کے لیے نفرت کا ایک دریا موجزن تھا اس کے باوجود وہ اسے قتل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اس بے ارادہ قتل پر گنگ رہ جانا ایک فطری ردِعمل تھا لیکن وہ زیادہ دیر اس کیفیت میں مبتلا نہیں رہ سکا۔ بیت الخلا کے دروازے پر ہونے والی زوردار دستک نے اسے چونکا کر رکھ دیا۔

زندگی کے تلخ و ترش حقائق اور محبت کی فریب کاریوں کا مزید احوال اگلے ماہ ملاحظہ فرمائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ایڈ فری لنکس
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

http://paksociety.com

www.paksociety.com
Downloaded From
Paksociety.com

ناخدا ہی ملا

ڈاکٹر ساجد امجد

بڑی عجیب و غریب صورتِ حال ہوتی ہے جب انسان کسی اہم مقام پر پہنچنے کے بعد اِدھر کا رہے نہ اُدھر کا رہے... نہ جینے پر دل مائل نہ مرنے پر من قائل... ایسے میں ایک لمحے کے لیے انسان کو یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ کہیں ماضی میں اس سے کوئی ایسی لغزش تو نہیں ہوئی جس کی پاداش میں زندگی بذاتِ خود ایک سوالیہ نشان بن کر رہ گئی ہے... شاید ایسے ہی پل ہمیں خدا کے نزدیک کر دیتے ہیں... ہمیں اپنی ذات کا ادراک دیتے ہیں... کئی پردے آنکھوں سے اٹھ جاتے ہیں۔ اس کا بھی یہی حال تھا جس کا انجام ہر نگاہ کے لیے عبرت بن گیا تھا۔

لڑکھڑاتی زندگی کو سہارا دینے والے ایک کمزور انسان کا

سنگین روپ

ایک دو نہیں کینیڈا میں پورے بائیس سال گزارتے ہوئے شہریار خاں کو اپنی مرحوم بہن کا خیال تک نہیں آیا تھا لیکن اب جبکہ وہ واپس آ گئے تھے، کراچی ائرپورٹ پر پہلا قدم رکھتے ہی انہیں شہناز یاد آ گئی تھی۔ یہی وہ شہر تھا جس کے ایک قبرستان میں انہوں نے شہناز کو مٹی کے سپرد کیا تھا اور اس کے ایک سال بعد ہی اپنا مستقبل سنوارنے اور بہن کی یادوں سے دور ہونے کے لیے انہوں نے کینیڈا کا رخ کیا تھا اور اب وہ دائرے کی شکل میں گھوم کر وہیں آ گئے تھے۔ وہی شہر تھا، وہی

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

بہن کی یاد۔ انہوں نے قریب کھڑے ہوئے اپنے بیٹے شرجیل کی طرف دیکھا جو اب تئیس برس کا خوبرو جوان ہو چکا تھا۔ بیوی ان کی اس کیفیت کو دیکھ ضرور رہی تھی لیکن سمجھ نہیں سکی تھی۔ اگر سمجھی بھی تو صرف اتنا کہ اتنے دنوں بعد ان کے پیروں نے وطن کی مٹی کے لمس کو محسوس کیا ہے۔ اسی لیے ان کی آنکھوں میں نمی اتر آئی ہے۔

شہریار خاں تھکے تھکے قدموں سے لاؤنج سے باہر آئے۔ کینیڈا سے واپس آنے سے پہلے ہی انہوں نے چار سو گز کا مکان خرید لیا تھا۔ اسٹیٹ ایجنٹ کے نمائندے کے ذریعے اسے ڈیکوریٹ بھی کرا لیا تھا۔ انہوں نے ائرپورٹ سے ٹیکسی لی اور سیدھے اپنے نئے گھر میں اتر گئے۔

وہ کینیڈا کے ایک بینک میں نوکری کرتے رہے تھے اور اب اتنا سرمایہ اپنے ساتھ لے آئے تھے کہ چھوٹا موٹا بزنس شروع کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک دوست سے بات بھی کر لی تھی۔ اب تو انہیں صرف یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اس کے ساتھ سرمایہ کاری کریں یا اپنا بزنس الگ کریں۔ شرجیل ایم بی اے کی ڈگری لے کر آیا تھا لیکن بزنس میں اس کا دل نہیں تھا۔ وہ ملازمت کے حق میں تھا۔ وہ اگر بزنس کے حق میں ہوتا تو شہریار خاں کو کچھ سہارا مل جاتا۔ مجبور ہو کر انہوں نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنے دوست کے ساتھ مل کر بزنس کرتے رہیں۔ کچھ دنوں کی تگ و دو کے بعد شرجیل کو ایک بینک میں ملازمت مل گئی۔

شہریار خاں بہت ڈرتے ڈرتے کینیڈا سے واپس آئے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ جو سرمایہ ان کے پاس ہے، وہ کہیں ضائع نہ ہو جائے لیکن اب انہیں اپنی ذہانت پر فخر ہو رہا تھا۔ ایک پیسے کے چار پیسے بن رہے تھے اور زندگی مزے میں گزر رہی تھی بلکہ صرف ایک سال کے عرصے میں انہیں زندگی کی ہر آسائش میسر ہو گئی تھی اور اس آسائش میں بہن کی یاد بھی ذہن سے اوجھل ہو گئی تھی لیکن ایک دن ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا کہ زخموں کے ٹانکے ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے۔ انہوں نے ایک اخبار کے دفتر کو کچھ مشینیں سپلائی کی تھیں۔ ان کی فائنل پے منٹ میں کچھ تاخیر ہو رہی تھی۔ وہ اخبار کے مالک سے میٹنگ کرنے اخبار کے ہیڈ آفس پہنچے تھے۔ جب مذاکرات کامیاب ہو گئے تو اخبار کے مالک نے آفس کلرک کو طلب کیا تاکہ جلد سے جلد بل تیار کر کے پے منٹ کرا دے۔ وہ کلرک اندر آیا تو شہریار خاں اپنی کرسی سے کھڑے ہوتے ہوتے رہ گئے۔ وہ کوئی اور نہیں تاثیر علی تھا۔ ان کا سابق بہنوئی اور چچازاد بھائی۔

انہوں نے غصے سے منہ پھیر لیا۔ تاثیر علی کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن شہریار کی بے مروتی دیکھ کر چپ ہو گیا۔

جب تاثیر علی ہدایات لے کر کمرے سے نکل گیا تو شہریار خاں نے بھی اجازت چاہی۔

”میرا آدمی کل آ کر پے منٹ لے جائے گا۔“

”بس آدھے گھنٹے کی بات ہے۔ پے منٹ آپ ہی کو مل جائے گی۔“

”میرے پاس وقت نہیں ہے۔ پے منٹ کل سہی۔“

شہریار خاں نے کہا اور باہر نکل گئے۔ انہوں نے شیشے کی دیوار کے پیچھے تاثیر علی کو دیکھا۔ وہ انہی کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن شہریار خاں اسے نظرانداز کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔

تاثیر علی وہی شخص تھا جس نے شہریار خاں کی بہن سے شادی کی تھی اور پھر طلاق دے دی تھی۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا لیکن طلاق کے چھ ماہ بعد ہی شہریار خاں کی بہن نے خودکشی کر لی تھی۔ شہریار خاں اپنی بہن کی موت کا ذمے دار تاثیر علی کو قرار دیتے تھے۔ وہ ان کا سگا چچازاد بھائی بھی تھا لیکن طلاق کے واقعے کے بعد انہوں نے رشتے داری کا خیال بھی نہیں کیا تھا اور ملنا جلنا بالکل بند کر دیا تھا۔ اس کے بعد تو وہ کینیڈا ہی چلے گئے تھے۔

اتنے عرصے بعد تاثیر علی کو اپنے سامنے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں خون ضرور اتر آیا تھا لیکن گھر تک پہنچتے پہنچتے انہیں رشتے داری کا خیال بھی آیا تھا اور وہ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنے کے قابل ہو گئے تھے کہ دنیا میں ایک ان کی بہن ہی نہیں تھی جسے طلاق ہوئی تھی۔ رہی اس کی خودکشی تو وہ شہناز کا ذاتی فعل تھا۔ تاثیر علی نے اسے قتل نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس سے کہا تھا کہ خودکشی کر لے۔

وہ گھر پہنچے تو بخار سے ان کا بدن تپ رہا تھا۔ یہ کسی صدمے کا باعث بھی ہو سکتا تھا اور اس الجھن کا سبب بھی جس سے وہ چند گھنٹے پیشتر دوچار ہوئے تھے۔ ان کی بیگم انہیں دیکھ کر ظاہر ہے پریشان ہو گئیں۔

”جب آپ کی طبیعت راستے میں خراب ہو گئی تھی تو ڈاکٹر کو دکھاتے ہوئے آتے۔ ڈرائیور تو آپ کے ساتھ ہی تھا۔“

”یہ بخار کوئی بیماری نہیں ہے بس تھکن سے ہو گیا ہے۔“

”کہا ہے اتنا کام نہ کیا کریں۔“

”یہ ذہنی تھکن ہے، جسمانی نہیں ہے۔“

”میں کب کہہ رہی ہوں کہ آپ گڑھے کھود کر آ رہے ہیں۔“

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''جو مشقت میں اٹھا کر آ رہا ہوں، وہ گڑے مُردے اکھاڑنے سے بھی زیادہ ہے۔''

''ایسی کون سی افتاد آن پڑی؟''

''تاثیر علی ملا تھا۔''

''کون تاثیر علی؟''

''اب تم تاثیر علی کو بھی بھول گئیں۔''

''آپ شہناز کے شوہر کی بات تو نہیں کر رہے ہیں؟''

''ہاں وہی۔''

''کچھ کہہ رہا تھا؟''

''کہتا تو جب، جب میں اس سے ملتا۔''

''ہاں، اب اس سے ملنا بھی کیا۔ کون سا رشتہ باقی رہ گیا۔''

''رشتہ تو خیر ہے۔ وہ میرا چچازاد بھی تو ہے۔''

''رشتے اسی وقت تک اچھے لگتے ہیں جب تک دلوں میں جگہ ہو۔''

''یہ بھی تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔''

''اب آپ آرام کریں۔ سوچتے رہنے سے طبیعت اور خراب ہوگی۔''

ایک ملازم نے انہیں خواب گاہ تک پہنچا کر اندھیرا کر دیا اور بیگم شہریار کی ہدایت پر ڈاکٹر کو فون کر دیا۔ دس منٹ بعد ہی ڈاکٹر آ گیا۔ ڈاکٹر نے انجکشن دے کر انہیں سلا دیا۔

ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اس انجکشن کا اثر صبح تک برقرار رہے گا لیکن وہ رات ہی کو اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ان کا ذہن اس انجکشن کے باوجود کام کر رہا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی وہ پھر تاثیر علی کے بارے میں سوچنے لگے۔ 'ایک شہناز کی وجہ سے پورا خاندان مجھ سے چھوٹ گیا۔ شہناز کو مرے ہوئے بائیس سال ہو چکے ہیں۔ مجھے اب تو سب کچھ بھول جانا چاہیے۔'

وہ صبح اپنے بستر سے اٹھے تو کوئی فیصلہ کر چکے تھے لیکن انہوں نے بیوی کو کچھ بتانا مناسب نہ سمجھا۔ ناشتے سے فراغت کے بعد کچھ دیر اخبار پڑھتے رہے۔ دو چار فون کیے۔ ڈرائیور نے گاڑی لگا دی۔ انہیں کچھ دیر کے لیے آفس جانا تھا اور اس کے بعد انہوں نے کچھ اور سوچا تھا۔

آفس میں کچھ وقت گزارنے کے بعد وہ اسی اخبار کے دفتر میں پہنچ گئے جہاں ایک دن پہلے پہنچے تھے۔ آج انہیں اخبار کے مالک سے نہیں تاثیر علی سے ملنا تھا۔ وہ آفس میں داخل ہوئے اور شیشے کی دیوار کے اس طرف بیٹھے ہوئے تاثیر علی کے پاس پہنچ گئے۔ تاثیر علی انہیں دیکھتے ہی اپنی سیٹ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''بھائی صاحب، مجھ سے جو بھی قصور ہوئے ہیں میں ان کی دل سے معافی چاہتا ہوں۔''

''میرے بھائی، تم سے ایک کوتاہی ضرور ہوئی تھی لیکن اتنا عرصہ گزر گیا کہ اب میں سب کچھ بھلا چکا۔ مجھے شہناز کی طلاق کا دکھ ضرور ہے لیکن ہم کب تک گڑے مردے اکھیڑتے رہیں گے۔''

''مجھے آپ سے یہی امید تھی۔''

''آج کل کہاں رہ رہے ہو؟''

''اسی مکان میں۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں بزرگوں کی نشانیوں کی کتنی قدر کرتا ہوں۔''

''اوہ ہاں، میں تو بھول ہی گیا۔ یہ تو میں ہی ہوں کہ ٹھکانے بدلتا رہتا ہوں۔ اسی مسافرت میں پورے خاندان سے کٹ کر رہ گیا۔''

''آپ تو کینیڈا چلے گئے تھے۔''

''ہاں بائیس سال ضائع کر دیے۔ اب لوٹ کر آیا ہوں۔ اب کہیں نہیں جاؤں گا۔''

''اپنا وطن اپنا ہی ہوتا ہے بھائی صاحب۔''

''اچھا، اب میں چلتا ہوں۔ کسی دن تمہاری طرف آؤں گا۔''

''میرا گھر اس قابل تو نہیں پھر بھی میں آپ کو منع نہیں کر سکتا۔ مجھے خوشی ہوگی اگر آپ تشریف لائیں گے۔''

شہریار خاں وہاں سے اٹھے تو خوش بھی تھے اور مطمئن بھی۔

اگلے دو چار دن وہ ہمت جمع کرتے رہے اور بالآخر ایک دن تاثیر علی کے گھر پہنچ گئے۔ اس گھر میں تاثیر علی، اس کی بیوی اور تین بچے تھے۔ بڑی بیٹی انیس سال کی تھی، اس سے چھوٹا پندرہ سال کا بیٹا تھا سب سے چھوٹا بیٹا بمشکل گیارہ سال کا ہوگا۔ تاثیر علی کے سوا اس گھر میں جو بھی تھا، شہریار سب کے لیے اجنبی تھا۔

تاثیر علی کی بیوی کو دیکھ کر شہریار خاں کو ایک مرتبہ پھر شہناز کی یاد آ گئی۔ انہوں نے قسمت کا فیصلہ قبول کر کے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''یہ میری بڑی بیٹی مریم ہے۔'' تاثیر علی نے تعارف کرایا۔

مریم کو دیکھتے ہی شہریار خاں کی رگوں میں زہر سا دوڑنے لگا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ شہناز کی بھی یہی عمر تھی جب تاثیر علی سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ مریم اپنے باپ کے گھر میں ہے، میری بہن منوں مٹی تلے سو رہی ہے۔

''آپ بھابی کو لے کر نہیں آئے؟'' تاثیر علی نے

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پوچھا۔ شہریار خاں کا ذہن مریم کی طرف سے ہٹ گیا بلکہ مریم خود بھی وہاں سے ہٹ گئی۔

”آج تو میں بس یونہی چلا آیا۔ کسی دن انہیں بھی لے کر آؤں گا۔“ شہریار نے کہا۔ ”کسی دن تم لوگ بھی آؤ۔ فاصلے اسی طرح ختم ہوتے ہیں بلکہ کسی دن کیا کل ہی آجاؤ۔ وقت بتادو۔ میں ڈرائیور کو بھیج دوں گا۔“

”کل کا وعدہ تو نہیں کرتا لیکن کسی دن آؤں گا ضرور۔“

”کس دن آرہے ہو بتا دینا۔ میں ڈرائیور کو بھیج دوں گا۔“

”اس کی ضرورت نہیں۔ ہم آجائیں گے۔“

”اب تم غیریت برت رہے ہو۔“

”اچھا بتادوں گا۔“

ایک ہفتے بعد تاثیر علی بچوں سمیت ان کے گھر آیا۔ ایک مرتبہ پھر گلے شکوے ہوئے۔ سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ بڑوں کی لڑائی سے بچوں کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ہمیں پرانے اختلافات بھلا کر نئی زندگی شروع کرنی چاہیے۔

اس روز انہوں نے مریم کی طرف بڑے غور سے دیکھا۔ شہناز انہیں پھر یاد آگئی۔

تاثیر علی بہت خوش تھا۔ اسے بھی احساسِ جرم ستاتا رہتا تھا۔ شہریار خاں سے اختلافات دور ہوئے تو وہ مطمئن ہوگیا۔ ہر دوسرے تیسرے دن بھائی کے گھر چکر لگا لیتا تھا۔ شہریار خاں بھی کبھی کبھی ہو آتے تھے۔ ان کی مہربانیاں خاص طور پر مریم کے ساتھ تھیں۔ قیمتی تحفے دے کر اسے مانوس بھی کرلیا تھا۔

ان مہربانیوں کا سبب آخر ایک روز ظاہر ہو ہی گیا۔ انہوں نے تاثیر علی کو اعتماد میں لینے کے لیے مریم کا ذکر چھیڑ دیا۔

”تاثیر علی! مریم اب سیانی ہوگئی ہے۔ اس کے لیے کچھ سوچا؟“

”ابھی کہاں بھائی صاحب۔ ابھی تو وہ پڑھ رہی ہے۔“

”میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ کل شادی کردو۔ کوئی اچھا رشتہ ہو تو منگنی کردو۔ اس کی تعلیم کا آخری سال ہے۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد شادی کردینا۔“

”اب وہ آپ کی بیٹی ہے۔ آپ ہی اس کے لیے کوئی اچھا رشتہ تلاش کریں۔“

”میں نے تلاش کرلیا ہے، اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔“

”مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں، آپ مالک و مختار ہیں۔“

”یہ نہیں پوچھو گے کہ میں کس کی بات کررہا ہوں۔ میں مریم کو اپنے بیٹے شرجیل کے لیے مانگ رہا ہوں۔“

”مجھے انکار کی جرأت نہیں لیکن آپ کا اور میرا مقابلہ نہیں۔ شرجیل کو آپ نے نازونعم میں پالا ہے۔ وہ ایک غریب لڑکی سے شادی کیوں کرے گا؟“

”آپس کی بات ہے۔ میں اس کی ترجمانی کررہا ہوں۔ اس کی پسند ہی ہے، تمہیں بتارہا ہوں۔ اسی کے کہنے پر میں تم سے بات کررہا ہوں۔“

”یہ بات شرجیل کے دل میں برابر کھٹکتی رہے گی کہ میں نے اس کی پھوپی کو طلاق دے دی تھی۔“

”میرے گھر میں بچوں کے سامنے ایسی باتیں نہیں ہوتیں۔ اسے تو معلوم بھی نہیں کہ ہوا کیا تھا۔“

”اگر کسی وقت معلوم ہوا تو اس کے اثرات بُرے مرتب ہوں گے۔“

”ان باتوں کو سنبھالنے کے لیے ہم بڑے جو موجود ہیں اور پھر طلاق میری بہن کو ہوئی تھی۔ جب مجھے اعتراض نہیں تو کسی اور کو کیوں ہونے لگا۔“

”بھائی صاحب! میں بہت محتاط ہوگیا ہوں۔“

”اس قدر احتیاط کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں حکم دے رہا ہوں کہ اس رشتے کو منظور کرلو۔“

”یہ فیصلہ مجھ اکیلے کا نہیں ہوگا۔ میں حمیرا سے بات کروں گا، وہ اس کی ماں ہے۔ مریم سے بھی پوچھنا پڑے گا۔“

”تم کیوں پوچھو گے۔ میں خود پوچھوں گا اپنی بیٹی مریم سے۔“ شہریار خاں نے کہا۔ ”بس یہ بتاؤ تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں؟“

”میں تو اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ خاندان پھر سے جڑ رہا ہے۔“

”پھر ٹھیک ہے۔ میں مریم سے اور تمہاری بیوی سے خود بات کروں گا۔“

شہریار خاں جیسے شفیق اور دولت مند تایا نے جب اپنے اعلیٰ تعلیم یافتہ بیٹے شرجیل کا تذکرہ مریم سے کیا تو اس نے شرم سے گردن جھکالی۔

اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد انہوں نے حمیرا سے بات کی۔ حمیرا نہ تو ان کے خاندان کی تھی اور نہ پچھلے واقعات کو تفصیل سے جانتی تھی۔ اسے تو شادی کے وقت صرف یہ بتایا گیا تھا کہ لڑکے (تاثیر علی) نے پہلی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔ لڑکوں کے لیے طلاق کا داغ کوئی اہمیت نہیں رکھتا لہٰذا شادی ہوگئی۔ شہناز کی خودکشی وغیرہ کا قصہ اسے معلوم نہیں تھا۔ شہریار خاں نے جب اس سے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

www.paksociety.com

بات کی تو اس بے چاری نے بھی اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔
"آپ دونوں بھائی ہیں۔ جو فیصلہ کریں گے میرا بھی وہی فیصلہ ہوگا البتہ ایک بات ہے، مریم کی تعلیم کا یہ آخری سال ہے۔ اسے اتنا موقع مل جائے کہ وہ تعلیم مکمل کرلے۔"
"وہ میرے گھر جا کر بھی تعلیم مکمل کر سکتی ہے بلکہ اسے وہاں تعلیم کے زیادہ مواقع ملیں گے۔"
"نہیں بھائی صاحب، شادی کے بعد ہزار ذمے داریاں ہوتی ہیں اور پھر کوئی نہیں جانتا کہ کل کن حالات کا سامنا ہو۔"
"ہاں یہ تو ہے۔ کل کا حال تو مجھے بھی نہیں معلوم۔" شہریار خاں نے کچھ اس طرح کہا جیسے انہیں معلوم ہو اور پھر خود ہی تجویز دی۔ "ایسا کرتے ہیں منگنی کیے لیتے ہیں۔ مریم کا رزلٹ آنے کے بعد شادی کرلیں گے۔"
"بھائی صاحب، منگنی کی ضرورت کیا ہے۔ مریم آپ ہی کی تو ہے۔ وہ امتحان دے لے پھر آکر لے جائیے گا۔"
"نہیں بھائی، میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ منگنی بھی دھوم دھام سے کروں گا اور شادی بھی۔"
شہریار خاں کو اب کوئی فکر نہیں تھی۔ بیوی کی طرف سے تو کوئی خدشہ نہیں تھا لیکن شرجیل سے کھل کر بات کرنی تھی۔ یہ ممکن تھا کہ وہ ان کے منصوبے سے اتفاق نہ کرتا۔ وہ بات کرتے کرتے ڈر رہے تھے۔ بیوی کو اعتماد میں لینے کا مطلب یہ تھا کہ اگر اس نے مخالفت کردی تو وہ شرجیل کو بھی بھڑکا سکتی تھی لہٰذا انہوں نے پہلے شرجیل سے بات کرنا مناسب سمجھا۔ وہ لنچ ٹائم میں اس کے بینک پہنچ گئے اور اسے لے کر قریبی ریسٹورنٹ چلے گئے۔
"تم اپنے چچا تاشیر علی سے تو مل ہی چکے ہو۔"
"جی ہاں، آپ ہی کے ساتھ تو گیا تھا ان کے گھر۔ ایک مرتبہ جب وہ ہمارے گھر آئے تھے تو ملا تھا۔ کیوں کیا ہوا؟"
"تم ان سے ملے ضرور ہوگے لیکن کیا یہ بھی جانتے ہو کہ اس نے میری بہن کو طلاق دے دی تھی؟"
"جی ہاں، سنا تو میں نے بھی ہے لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ طلاقیں ہو ہی جاتی ہیں۔"
"اس نے صرف طلاق نہیں دی تھی۔ وہ میری بہن کا قاتل بھی ہے۔"
"قاتل! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"
"ہاں، اسی نے شہناز کو قتل کیا تھا اور اس قتل کو خودکشی کا رنگ دے دیا تھا۔"
"آپ کو اسی وقت کوئی کارروائی کرنی چاہیے تھی۔ اب اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد آپ کو یہ خیال کیوں آرہا ہے؟"
"اس لیے کہ اب تم جوان ہو چکے ہو۔"
"اس کا میری جوانی سے کیا تعلق؟"
"ہے اور بہت گہرا تعلق ہے۔ اب تم اس کی بیٹی سے شادی کروگے اور صرف چھ ماہ بعد اسے طلاق دے دوگے جس طرح اس نے میری بہن کو طلاق دی تھی۔ یہ طلاق ہوگی تو اسے معلوم ہوگا کہ طلاق کا دکھ کسے کہتے ہیں۔"
"مریم کا قصور کیا ہے جو اسے سزا ملے۔"
"یہ مریم کی نہیں، تاشیر علی کی سزا ہوگی۔"
"ڈیڈی! مجھ سے یہ ظلم نہیں ہوگا۔"
"ٹھیک ہے پھر میں کوئی اور طریقہ سوچوں گا۔ مجھے تسکین اسی وقت ملے گی جب تاشیر علی کو بھی وہی دکھ پہنچے جس دکھ سے میں گزرا تھا۔"
شہریار خاں نے زیادہ اصرار مناسب نہ سمجھا اور یہ کہہ کر اٹھ گئے۔ "اور اچھی طرح سوچ لو، اس کے بعد مجھے قائل جواب دے دینا۔ میں تمہیں تین دن کا وقت دیتا ہوں۔"
ان کے چلے جانے کے بعد شرجیل بینک آگیا لیکن اس کا ذہن ابھی تک ریسٹورنٹ میں ہونے والی گفتگو میں الجھا ہوا تھا۔ وہ تمام باتوں کو دہرا رہا تھا۔
وہ بینک سے لوٹا تو فیصلہ کر چکا تھا کہ ماں سے بات کرے گا تاکہ وہ ڈیڈی سے بات کریں۔ انہیں مجبور کریں کہ وہ انتقام کا راستہ چھوڑ دیں لیکن راستے ہی میں اس نے فیصلہ تبدیل کردیا۔ اگر ممی بھی ڈیڈی کی ہم خیال ہوگئیں تو اسے مجبور ہونا پڑے گا۔ ہوسکتا ہے میری باتیں ڈیڈی کی سمجھ میں آگئی ہوں اور وہ ممی سے بات ہی نہ کریں۔ میں اور دیکھ لوں کہ ڈیڈی کیا کہتے ہیں۔
شہریار خاں اس سے روز پوچھ رہے تھے کہ اس نے کیا سوچا۔ وہ یہ کہہ کر ٹال دیا کرتا کہ ابھی سوچ رہا ہے۔ اس طرح چار دن گزر گئے۔ اسے اپنے باپ کے الفاظ یاد آرہے تھے کہ "میں کوئی اور طریقہ سوچوں گا۔" اس نے سوچا نہ جانے وہ بے قصور مریم کو سزا دینے کے لیے کون سا طریقہ سوچیں، میں مریم سے شادی کرلوں۔ ڈیڈی سے بھی کہوں گا کہ طلاق دے دوں گا۔ جب شادی ہوجائے گی تو ڈیڈی زبردستی طلاق نہیں دلوا سکیں گے۔ چچا تاشیر اور مریم میرے ظلم کا نشانہ نہیں بن سکیں گے۔ شہریار خاں اس سے ملاقات کے لیے آئے تو اس نے مریم سے شادی اور پھر طلاق دینے کی ہامی بھرلی۔
"ڈیڈی! میں نے بہت سوچا اور اس نتیجے پر پہنچا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہوں کہ مجھے آپ کی بات مان لینی چاہیے۔ میں کسی دولت مند گھرانے میں شادی کا خواہش مند تھا۔ مجھے یہ موقع کہاں مل جائے گا۔ مریم کو طلاق دینے کے بعد میں کہیں بھی شادی کرلوں گا۔‘‘

’’شاباش شرجیل...... مجھے تم سے یہی امید تھی۔‘‘

’’بس اب جو کرنا ہے جلدی کیجیے۔‘‘

’’وہ لوگ کہہ رہے ہیں شادی ایک سال بعد ہوگی۔ مریم کے فائنل امتحان کے بعد۔ اس وقت تک کے لیے ہم منگنی کرلیں گے۔‘‘

شرجیل یہ سن کر اور بھی خوش ہوگیا۔ ایک سال بہت ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس دوران ڈیڈی اپنے فیصلے میں تبدیلی کرلیں۔

شہریار خاں نے بیٹے کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد بیوی سے بات کی۔

’’تم نے تاثیر علی کی بیٹی مریم کو تو دیکھا ہے۔‘‘

’’ہاں دیکھا تو ہے۔ بڑی پیاری بچی ہے۔‘‘

’’میں نے تاثیر علی سے بات کی ہے۔ شرجیل کے لیے مریم کیسی رہے گی؟‘‘

’’لڑکی تو اچھی ہے لیکن شرجیل کے لیے تو کسی بڑے گھر کی لڑکی ہونی چاہیے۔‘‘

’’بڑے گھر سے تمہاری کیا مراد ہے؟‘‘

’’آج کل ہر کوئی یہ چاہتا ہے کہ لڑکی دولت مند ہو۔‘‘

’’گھر کی لڑکی ہے اور پھر ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔‘‘

’’تاثیر علی کی طرف سے کچھ تلخ یادیں وابستہ ہیں۔ اس کا بھی سوچ رہی ہوں۔‘‘

’’اس کا تو مجھے سوچنا چاہیے۔ تاثیر علی بھی کوئی غیر نہیں۔ میں نے اسے معاف کردیا۔ اس رشتے سے ٹوٹا ہوا خاندان جڑ جائے گا۔‘‘

’’جب آپ فیصلہ کر ہی چکے ہیں تو مجھے کیا لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ شرجیل سے پوچھ لیتے تو اچھا تھا۔‘‘

’’تم کیا سمجھتی ہو۔ اس سے پوچھے بغیر میں اتنا بڑا قدم اٹھا سکتا تھا۔ میں نے اس سے بات کرلی ہے۔ وہ تیار ہے۔‘‘

شرجیل اس وقت گھر پر ہی تھا۔ انہوں نے اسے اسی وقت بلالیا۔ اس نے بھی ماں کے سامنے کہہ دیا کہ ڈیڈی نے جو فیصلہ کیا ہے، میری بہتری کے لیے کیا ہوگا لہٰذا مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔

جب شہریار خاں ہر طرف سے مطمئن ہوگئے تو بیوی کو تاثیر علی کے گھر لے کر گئے اور منگنی کی تاریخ طے کر آئے۔ انہوں نے ابھی تک بیوی کو اپنے منصوبے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ یہ نہیں بتایا تھا کہ طلاق دلوانے کے لیے مریم سے شادی کی جارہی ہے۔ انہیں یقین تھا کہ شرجیل بھی ماں کو کچھ نہیں بتائے گا۔ انہوں نے موقع دیکھ کر شرجیل کو بھی سمجھا دیا کہ وہ ماں کو کچھ نہ بتائے۔

شہریار خاں نے نہایت دھوم دھام سے منگنی کی تیاری کی۔ کچھ تو دولت کی نمائش کا بہانہ تھا، کچھ وہ تاثیر علی پر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ وہ اس منگنی سے بہت خوش ہیں۔ انہوں نے تاثیر علی کا ایک پیسا بھی خرچ نہیں ہونے دیا۔ شہر کے ایک بہت بڑے پارک میں نہایت دھوم دھام سے منگنی ہوئی۔

منگنی کے بعد شرجیل کا مریم کے گھر آنا جانا بڑھ گیا۔ اس قربت نے اس کے دل میں مریم کی محبت پیدا کردی۔ اس کے برعکس مریم اس کی طرف سے قدرے مایوس ہوئی تھی۔ شرجیل ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ثابت ہورہا تھا۔ ہنسنا تو جیسے اسے آتا ہی نہیں تھا۔ مریم چاہتی تھی کہ وہ اس سے ہنسے بولے لیکن وہ تو اس طرح آتا تھا جیسے کوئی بیمار کی خیریت پوچھنے آتا ہے۔

دن پر دن گزرتے گئے۔ یہاں تک کہ امتحان سر پر آگئے۔ اسے اس مرتبہ بہت زیادہ تیاری کرنی تھی تاکہ اچھے نمبروں سے پاس ہوکر شرجیل کے سامنے سرخرو ہوسکے۔

امتحان شروع ہونے میں صرف ایک مہینا رہ گیا تھا اور انگریزی کا ایک لفظ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ اپنی خالہ کے گھر گئی ہوئی تھی۔ وہاں بھی اس کی اسی کمزوری کا ذکر آیا۔ اس کی خالہ بھی اسکول ٹیچر تھیں لیکن وہ خود انٹر... تھیں، اسے کیا پڑھاتیں۔ باتوں باتوں میں پڑوس کے ایک لڑکے کا ذکر نکل آیا۔

’’ہمارے پڑوسی ہیں۔ ان کا لڑکا ہے راشد۔ پچھلے سال ایم اے انگریزی میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن آئی تھی اس کی۔ بڑا قابل لڑکا ہے مگر بھیا اس ملک میں قابل لوگوں کی قدر کہاں ہے۔ ایک پرائیویٹ اسکول میں نوکری کر رہا ہے۔ ڈھنگ کی نوکری ہاتھ میں نہیں ہے۔ اسکول سے آکر گھر ہی میں پڑا رہتا ہے۔ تم کہو تو میں اس سے بات کروں۔ تمہیں اچھی طرح تیاری کرادے گا۔ پندرہ بیس دن کی تو بات ہے۔ اگر فیس مانگے گا تو ہم وہ بھی دے دیں گے۔‘‘

’’خالہ! بات فیس کی نہیں ہے۔‘‘

’’پھر کیا بات ہے؟‘‘

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

''وہ لڑکا ہے۔ پتا نہیں امی کسی لڑکے سے پڑھنے کی اجازت دیتی ہیں یا نہیں۔''

''وہ لڑکا ہے کوئی خونخوار شیر تو ہے نہیں کہ تمہیں کھا جائے گا۔ آج کل تو لڑکے لڑکیاں ایک ساتھ ہی پڑھ رہے ہیں۔''

''وہ تو ہے خالہ مگر اماں کو تو آپ جانتی ہی ہیں۔''

''وہ میں سنبھال لوں گی۔ تو جلدی سے تیار ہو جا۔ میں تجھے اس کے گھر لے کر چلتی ہوں۔''

''دیکھ لیں خالہ...... امی۔''

''کیا امی امی کی رٹ لگا رکھی ہے۔ چل میرے ساتھ۔''

راشد کے گھر میں داخل ہوتے ہی مریم کو پہلا احساس یہ ہوا کہ یہ بہت غریب لوگ ہیں۔ تاثیر علی کوئی رئیس آدمی نہیں تھے لیکن یہ گھرانا مریم سے بھی زیادہ غریب تھا۔ پڑوسن نہایت سادہ اور خوش اخلاق خاتون تھیں۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ راشد بھی گھر پر ہی تھا۔ مریم کی خالہ نے جب اپنا مدعا بیان کیا تو راشد کی ماں نے اسے آواز دی۔ اس آواز کے جواب میں راشد اپنے کمرے سے باہر آیا۔ ابھی مریم اس کے بارے میں صرف اتنا کہہ سکتی تھی کہ وہ بے حد خوب صورت لڑکا ہے اور کسی قدر شرمیلا بھی۔ نظریں نیچی کیے ہوئے کمرے سے باہر آیا اور اپنی ماں کے پاس بیٹھ گیا۔

''بیٹا شاہدہ خالہ آئی ہیں اور یہ ان کی بھانجی ہے مریم۔''

''جی۔''

''یہ بی اے کا امتحان دے رہی ہے۔ شاہدہ خالہ کہہ رہی ہیں تم اسے انگریزی کے پرچے کی تیاری کروا دو۔''

''امی! میں خالہ کی بات کیسے ٹال سکتا ہوں لیکن امتحان میں پندرہ بیس دن رہ گئے ہیں۔ اس میں کیا تیاری ہوگی۔ پھر بھی میں اتنا کر دوں گا کہ یہ اچھے نمبروں سے پاس ہو جائیں۔''

''بس میں اتنا ہی چاہتی ہوں۔'' مریم کی خالہ نے کہا۔ ''دو گھروں کے بیچ ایک دیوار ہی تو ہے۔ اب بتاؤ تم آؤ گے پڑھانے یا یہ آجایا کرے؟''

''خالہ! یہ کہاں گھر سے نکلیں گی۔ میں آجایا کروں گا۔''

وہ مریم کو پڑھانے کے لیے آنے لگا۔ دو چار دن تو وہ صرف پڑھانے پر زور دیتا رہا لیکن آہستہ آہستہ اس کے مزاج کی شوخی اس پر غالب آگئی۔ اس گھر میں شاید وہ بچپن سے آتا جاتا رہا تھا لہٰذا خالہ سے اس کی بے تکلفی تھی۔ پڑھانے کے بعد بھی گھنٹوں بیٹھا رہتا۔ مریم بھی اس سے جلد ہی بے تکلف ہو گئی بلکہ وہ تو کبھی کبھی یہ سوچا کرتی کہ اس کے لیے ایسا ہی شوخ و شنگ لڑکا ہونا چاہیے تھا۔ وہ شرجیل اور راشد کا موازنہ کرتی تو فیصلہ راشد کے حق میں جاتا پھر وہ فوراً ہی اپنا ذہن جھٹک دیتی۔

اسی دھوپ چھاؤں میں پندرہ دن آنکھ بند کرتے گزر گئے۔ انگریزی کا پرچہ ہو گیا۔ باقی مضامین کے پرچے بھی اس نے خالہ کے گھر رہ کر دیے۔ ان پرچوں کی تیاری میں بھی راشد اس کے ساتھ رہا۔ جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے تھے، راشد کی شوخی، اداسی میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا منہ لٹکا ہوا دیکھ کر ایک دن مریم نے پوچھ لیا۔

''راشد! میں دیکھ رہی ہوں تم کچھ دنوں سے بجھے بجھے سے ہو۔ مجھے نہیں بتاؤ گے کیا بات ہے؟''

''میری اداسی کا سبب تم ہو مریم۔''

''میں نے ایسا کیا کر دیا کہ تم اداس ہو گئے۔''

''کیا یہ حقیقت نہیں کہ تم آج نہیں تو کل اپنے گھر چلی جاؤ گی؟''

''وہ تو ہے۔ کیا میں عمر بھر کے لیے یہاں آگئی ہوں۔''

''مریم! بات یہ ہے کہ اب میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

''راشد! تمہیں شاید یہ معلوم نہیں کہ میری منگنی ہو چکی ہے۔''

''منگنی ہوئی ہے، نکاح تو نہیں ہو گیا ہے۔ تم میری خاطر یہ منگنی توڑ دو۔''

''یہ کوئی اتنی آسان بات ہے؟''

''مشکل بھی کیا ہے۔ منگنی کیا ٹوٹتی نہیں ہے۔''

''یہ منگنی میرے ابو نے کی ہے۔ میری منگنی نے برسوں کی تلخیاں ختم کی ہیں۔ خاندان ایک مرتبہ پھر بکھر جائے گا۔''

''یہ منگنی نہیں ٹوٹی تو میں مرجاؤں گا یا کسی اور کو مار دوں گا۔ تم میری محبت ہو۔ میں اپنی محبت کو اتنی آسانی سے کسی اور کے حوالے نہیں ہونے دوں گا۔'' اس نے اتنی بڑی بات نہایت آسانی سے کہہ دی اور اٹھ کر چلا گیا۔

مریم کو اسی دن اپنے گھر جانا تھا، وہ چلی گئی۔ اس کے پہنچتے ہی شرجیل اس سے ملنے آیا۔ وہ آتا ہی تھا لیکن اب آیا تو مریم کی ایک آنکھ شرجیل کو دیکھ رہی تھی، دوسری آنکھ راشد پر جمی ہوئی تھی۔ پھر دونوں آنکھیں راشد پر جم گئیں۔ وہ دونوں کا موازنہ کر رہی تھی۔ شرجیل کو صرف اتنی برتری حاصل تھی کہ وہ دولت مند تھا۔ اس کے علاوہ راشد کا اور اس کا کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ابھی دو دن نہیں گزرے تھے کہ وہ کسی نہ کسی بہانے سے خالہ کے گھر پہنچ گئی۔ خالہ سے باتیں کرنے کے بعد وہ راشد کے گھر گئی۔ راشد کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اسے احساس ہوگیا کہ وہ کس کرب سے گزر رہا ہے۔ برسوں کا بیمار معلوم ہو رہا تھا۔ مریم کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر پہلے جیسی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آخر میری محبت تمہیں کھینچ ہی لائی۔"

"راشد! میں تم سے محبت کرتی ہوں لیکن میں منگنی نہیں توڑ سکتی۔ تمہیں مجھے بھلانا ہوگا۔"

"منگنی توڑنا تمہارے اختیار میں نہیں، تمہیں بھول جاؤں یہ میرے اختیار میں نہیں۔ میں آہستہ آہستہ مر رہا ہوں، تم وقفے وقفے سے آتی رہنا۔"

"میری مجبوری کو سمجھو۔"

"سمجھ رہا ہوں۔ بس اب تم جاؤ۔"

وہ کچھ اور کہتی لیکن اسی وقت اس کی والدہ کمرے میں آگئیں۔ وہ کچھ اور باتیں کرنے لگی اور پھر اٹھ کر آگئی۔ خالہ کے گھر آتے ہی منہ لپیٹ کر پڑ گئی۔ اس کا ذہن برابر سفر میں تھا۔ وہ ایک ایسے موڑ پر کھڑی تھی جہاں اس کو راستے کا تعین کرنا تھا۔ بہت کچھ سوچنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ اسے ماں باپ کی عزت کا خیال رکھنا چاہیے۔ راشد کچھ دن ماتم کرے گا پھر سنبھل جائے گا۔

وہ اسی دن شام کو اپنے گھر لوٹ آئی۔ وہ گھر تو آگئی تھی لیکن اس کا دھیان خالہ کے گھر میں تھا۔ رہ رہ کر راشد کا خیال آرہا تھا۔ اس نے وہ دن بڑی مشکل سے گزارا اور نہ چاہتے ہوئے بھی موبائل کا سہارا لے کر راشد کو مخاطب کرلیا۔ پھر دونوں طرف سے یہ سلسلہ چل نکلا۔ فون پر باتیں کرنا رنگ لایا۔ بات فون سے آگے بڑھ کر ملاقاتوں تک چلی گئی۔ دونوں کے گھر والوں کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ ان ملاقاتوں میں وہی باتیں دہرائی گئیں جو ان ملاقاتوں کا مقدر ہوتی ہیں۔ مریم کو اب یہ خیال بھی نہیں رہا تھا کہ وہ کسی کی منگیتر ہے۔ وہ سر سے پاؤں تک راشد کی محبت میں ڈوب چکی تھی۔ اس بے ہوشی سے ہوش میں وہ اس وقت آئی جب گھر میں اس کی شادی کی تاریخ طے کرنے کی باتیں ہونے لگیں۔ بہت کچھ سوچنے کے بعد بالآخر وہ ماں کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہوگئی۔

"اماں! مجھے شرجیل سے شادی نہیں کرنی۔"

"تجھے خبر ہے تو کیا کہہ رہی ہے۔ ایک شخص تیرے لیے آٹھ مہینے سے بیٹھا ہوا ہے اور تو کہہ رہی ہے شادی

"میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ شرجیل سے میرا ذہن نہیں ملتا۔ میں اس سے شادی نہیں کرسکتی۔"

"شادی کے بعد سب کے ذہن مل جاتے ہیں۔ تم کوئی انوکھی شادی نہیں کررہی ہو۔"

"جو میں اپنے لیے بہتر سمجھتی تھی، وہ میں نے کہہ دیا۔" مریم نے کہا اور پاؤں پٹختی ہوئی کمرے میں گھس گئی۔

یہ بات ایسی نہیں تھی کہ اس تک محدود رہ جاتی۔ شام آئی تو گھر میں قیامت آگئی۔ تاثیر علی نے سنا تو اسے تو جیسے سکتہ سا ہوگیا۔

اس کی ماں نے اس سے پھر بات کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہ ابھی تک اپنی ضد پر قائم تھی۔ تھک ہار کر اس سے پوچھا گیا کہ آخر اس نے اپنا فیصلہ کیوں بدل دیا۔ اس نے ماں کو یہ بتانے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی کہ وہ راشد کو پسند کرنے لگی ہے اور اس سے شادی کرے گی۔

تاثیر علی نے سنا تو سر پیٹ لیا۔ وہ بھائی کو کیا جواب دے گا۔ ایک مرتبہ پھر ان کا بھائی ان سے چھوٹ رہا تھا۔ انہوں نے مریم سے بات کی۔ دھمکیاں دیں، اللہ رسول کے واسطے دیے۔ جتنا برا بھلا کہہ سکتے تھے کہہ لیا لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔

منگنی ختم ہوئی تو شہریار سے تعلقات ختم ہوئے سو ہوئے، مریم کی خالہ کا گھر بھی چھوٹ گیا۔ راشد چونکہ ان کے پڑوس میں رہتا تھا لہٰذا سارا الزام ان کے سر گیا کہ انہوں نے جان بوجھ کر مریم اور راشد کو ملنے کے مواقع فراہم کیے۔ دونوں بہنوں میں خوب جنگ ہوئی اور بالآخر تعلقات ختم ہوگئے۔

تاثیر علی منگنی ٹوٹ جانے کے بعد بھی کسی صورت اس شادی پر تیار نہیں تھا۔ خاندان کے بہت سے لوگ بیچ میں پڑے اور بالآخر تاثیر علی اس شرط پر شادی کرانے پر تیار ہوا کہ وہ مریم سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا۔ مریم نے یہ شرط بھی قبول کرلی اور اس کی شادی راشد سے ہوگئی۔

منگنی ٹوٹتے ہی شہریار خاں سانپ کی طرح بل کھا کر رہ گئے۔ ایک اکیلی مریم نے ان کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا تھا۔ اب وہ انتقام لیتے تو کس سے لیتے۔ وہ جانتے تھے کہ اس میں تاثیر علی کا کوئی قصور نہیں، یہ سب مریم کا کیا دھرا تھا۔ اب تاثیر علی سے انتقام لینے کا ایک ہی منصوبہ اس کے پاس رہ گیا تھا اور وہ تھا باپ بیٹی کے درمیان فاصلے بڑھاتے رہنا۔ اس گھر میں آگ لگانے کے لیے ضروری تھا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کہ وہ یہاں آنا جانا بند نہ کریں۔ مریم بیاہ کر جاتے ہی اپنی سسرال گئی، شہریار خاں تاثیر علی کے گھر پہنچ گئے۔

”تاثیر علی! میں تمہارے دکھ میں برابر کا شریک ہوں۔ میں نے تو یہ چاہا تھا کہ مریم پھولوں کی سیج پر سوئے، دنیا کی ہر نعمت اسے میسر ہو۔ میرے پاس جو کچھ تھا اسی کا تو تھا۔ اس کی بدنصیبی کہ اس نے ایک اسکول ماسٹر کو پسند کیا۔ تمہاری ناک بھی کٹوائی اور خود کو غریبی کی دلدل میں بھی دھنسا دیا۔ ہفتہ بھر نہیں گزرے گا کہ روتی ہوئی یہیں آئے گی۔“

”میں نے تو کہہ دیا ہے کہ مجھ سے تعلق رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“

”یہ تم نے ٹھیک کیا۔ ایسی سرکش اولاد کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیے۔ ایسی اولاد کا فائدہ ہی کیا جسے باپ کی عزت کا خیال ہی نہ ہو۔“

وہ ہر دوسرے تیسرے دن آتے اور یہی باتیں کر کے چلے جاتے۔ تاثیر علی کا یقین پختہ ہو جاتا کہ اس نے جو کیا اچھا کیا۔

شرجیل کو خوش ہونا چاہیے تھا کہ وہ طلاق دینے سے بچ گیا لیکن منگنی ٹوٹنے کو اس نے اپنی توہین سمجھ لیا۔ کر کچھ نہیں سکتا تھا لیکن کسی مناسب وقت کے انتظار میں اس توہین کو چھپا کر تو رکھ سکتا تھا۔ اس نے اپنے اس جذبے کو باپ سے بھی چھپا کر رکھا۔ اس نے بھی شہریار خاں کی طرح تاثیر علی کے گھر جانا نہیں چھوڑا تھا تاکہ وہاں کے حالات سے باخبر رہ سکے۔

وہ جب اپنی شاندار گاڑی میں ان کے گھر پہنچتا تو تاثیر علی کے دل میں ایک ہوک سی اٹھتی۔ کاش! مریم اس سے شادی کر لیتی تو اس گاڑی میں وہ بیٹھی ہوتی۔ اس کے دل میں مریم کی طرف سے ایک لکیر کا اور اضافہ ہو جاتا۔ تاثیر علی یہ سوچ کر شرجیل پر فخر کرتا کہ اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود اس نے ہم سے تعلق ختم نہیں کیا۔ ایک میری بیٹی ہے کہ ہم سے تعلق ختم کر لیا لیکن اپنی ضد سے پیچھے نہیں ہٹی۔

مریم کو ان دنوں دھوپ بھی سہانی معلوم ہو رہی تھی۔ اسے کوئی ہوش نہیں تھا کہ کس سے تعلق ٹوٹا کس سے قائم رہا، ماں کے گھر جا نہیں سکتی تھی۔ خاندان کے دوسرے لوگوں نے بھی کنارہ کر لیا تھا۔ ایک خالہ تھیں جن سے تعلق برقرار تھا، کبھی فرصت ملتی تو ان کے گھر چلی جاتی تھی۔ ایک دن وہاں گئی تو شرجیل کو وہاں بیٹھے ہوئے

صحیح وارث

لڑکی نے گھر میں داخل ہوتے ہی ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ تمام گھر والے فوراً اکٹھے ہو گئے۔ گھبرایا گھبرایا سا باپ بھی پہنچ گیا اور لرزیدہ آواز میں بولا۔

”کیا بات ہے بیٹی! آج خیریت تو ہے؟“

”ابو جان! ایک لڑکا مجھے مسلسل دو ماہ سے تنگ کر رہا ہے۔“ لڑکی نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

”میں اس کمینے کو ابھی حوالات میں بند کروا کر الٹا لٹکوا کر چھترول کرواتا ہوں۔ آج کل کے لڑکوں میں تو ذرا شرم وحیا نہیں ہے۔“ باپ نے غصے سے کہہ کر جیب سے موبائل نکالنا چاہا تو بیٹی اس سے بولی۔

”نہیں ابو جان! میں اسے اس سے بھی سخت سزا دینا چاہتی ہوں۔“

”مگر وہ کیا بیٹی؟“

”ابو جان! وہ یہ کہ آپ میری اس سے شادی کروا دیں۔“ لڑکی نے چہرے کو سخت اور ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

یہ سنتے ہی باپ نے تالی بجائی اور مسکرا کر بولا۔ ”بیٹی! تم انتقام کے معاملے میں بالکل اپنی ماں پر گئی ہو۔“

انتظار

ایک بار سردار جی کے گھر والے ان کی منگنی کے ارادے سے لڑکی دیکھنے گئے۔ واپس آئے تو انہوں نے سردار جی سے کہا۔

”ویسے تو سب کچھ ٹھیک ہے مگر ایک مسئلہ ہے۔ لڑکی تم سے ایک سال بڑی ہے۔“

سردار جی نے بڑی سمجھ داری سے جواب دیا۔ ”تو اس میں پریشانی والی کیا بات ہے؟ میں ایک سال انتظار کر لوں گا۔“

مرسلہ۔ ماہا ایمان، پنجاب

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

دیکھا۔ وہ صرف اس کا منگیتر نہیں تھا، اس کے تایا کا بیٹا بھی تھا۔ خالہ نے بھی کہا تو وہ جانے کے بجائے کچھ دیر کے لیے وہاں بیٹھ گئی لیکن یہ احساس اسے برابر ہو رہا تھا کہ وہ اس کا منگیتر رہ چکا ہے۔ اگر یہ خبر راشد تک پہنچ گئی تو نہ جانے وہ اپنے دل میں کیا سوچے۔ شرجیل کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد چلا گیا اور وہ کچھ دیر خالہ کے پاس بیٹھنے کے بعد اپنے گھر چلی آئی۔ وہ چاہتی تو شرجیل سے ہونے والی ملاقات چھپا بھی سکتی تھی لیکن اس نے سوچا اگر راشد کو کہیں اور سے معلوم ہوگا تو بری بات ہو جائے گی۔ مجھے چاہیے کہ میں خود ہی اسے بتا دوں۔

''سنیے۔''

''سنائیے۔''

''میں آج خالہ کے گھر گئی تھی۔''

''یہ کون سی نئی بات ہے۔''

''وہاں شرجیل بھی آیا ہوا تھا۔''

''ہاں، یہ نئی بات ہے۔''

''آپ مجھ سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ میں اس سے ملی یا نہیں؟''

''میں یہ کیوں پوچھوں۔ وہ تمہارا رشتے دار ہے مل بھی سکتی ہو۔''

''میں تو سمجھ رہی تھی کہ آپ ناراض ہوں گے۔''

''تم بھی پاگل ہو۔ اس میں ناراض ہونے والی کون سی بات ہے۔ بھئی وہ تمہارا رشتے دار ہے، ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ تو نہیں سکتیں۔''

''شکر ہے آپ نے بُرا نہیں مانا۔'' مریم نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔''

محبتوں کا یہی جھولا جھولتے ہوئے اسے ایک اور خوش خبری مل گئی۔ راشد کو ایک انگریزی فرم میں ملازمت مل گئی اور اتنی آمدنی ہونے لگی کہ باعزت زندگی گزاری جا سکے۔ مریم کا یہ احساسِ کمتری بھی دور ہو گیا کہ وہ قدرے غربت کی زندگی گزار رہی ہے۔ پانچ چھ ماہ گزرے تھے کہ راشد نے سیکنڈ ہینڈ گاڑی خرید لی۔ مریم کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ یہ شرجیل کی طرح شاندار گاڑی تو نہیں تھی مگر گاڑی تو تھی۔ گاڑی آئی تو مریم کو پر لگ گئے۔ ہر شام شاپنگ کے بہانے کہیں نہ کہیں نکل جاتی۔

اب وہ دل ہی دل میں شرجیل کی دولت کا موازنہ راشد سے کر رہی تھی لہٰذا یہ سوچے بغیر کہ راشد کی آمدنی

بہر حال محدود ہے، وہ دل کھول کر خرچ کر رہی تھی۔ مہینے کے اختتام پر دونوں کے درمیان خوب جھگڑے ہوتے تھے۔ ان جھگڑوں کو ختم کرنے کے لیے راشد نے شام کے وقت ایک کوچنگ سینٹر میں پڑھانا شروع کر دیا۔ وہ بے چارہ صبح نکلتا اور رات کو گھر آتا تھا۔ ڈرائیور رکھنے کی ہمت نہیں تھی لہٰذا وہ جب چاہتی ٹیکسی پکڑتی اور شاپنگ کے لیے چلی جاتی۔

خالہ کے گھر شرجیل کا آنا جانا بہت بڑھ گیا تھا۔ وہ جب آتا، خالہ مریم کو بلا لیتیں۔ آہستہ آہستہ یہ ہوا کہ وہ اس کے ساتھ باہر بھی جانے لگی۔ اس کی قیمتی گاڑی میں بیٹھ کر کبھی کبھی اسے پچھتاوا بھی ہوتا تھا کہ اس نے شرجیل سے شادی کیوں نہ کر لی۔ دو دو نوکریاں کرنے کے بعد بھی راشد کی اتنی آمدنی نہیں کہ وہ ایسی ایک گاڑی خرید سکے۔ بڑی مشکل سے سیکنڈ ہینڈ گاڑی خریدی ہے، وہ بھی ایسی کہ آئے دن خراب رہتی ہے۔ فرصت کا یہ عالم کہ اس کے ساتھ کہیں سیر کے لیے بھی نہیں جا سکتی۔

شرجیل بڑی خوب صورتی سے اسے شیشے میں اتار رہا تھا۔ اکثر ماضی کی باتیں چھیڑ دیتا تھا۔ باتوں باتوں میں کہہ جاتا کہ کاش! تم ضد نہ کرتیں اور تمہاری شادی مجھ سے ہو جاتی۔ پھر خود ہی اسے تسلی دیتا کہ جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب وہ راشد کے ساتھ وفاداری سے رہے۔ اس کی تسلیاں کام تو کر رہی تھیں لیکن مریم کو اپنے کیے پر اب پچھتاوا ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی تو یہ زہریلا خیال بھی اس کے دل میں آ رہا تھا کہ وہ راشد سے طلاق لے لے اور شرجیل سے شادی کر لے لیکن پھر راشد کا معصوم چہرہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ شرجیل جیسا شریف لڑکا اسے یہ قدم نہیں اٹھانے دے گا۔ اس نے کشمکش سے بچنے کے لیے کئی مرتبہ سوچا کہ وہ شرجیل سے ملنا جلنا چھوڑ دے لیکن یہ ہمت بھی نہ کر سکی۔

ایک دن اس کی مشکل خود بخود آسان ہو گئی۔

''میں لندن جا رہا ہوں۔'' شرجیل نے خبر سنائی۔ ''میرے بینک کی ایک شاخ وہاں قائم ہوئی ہے۔ میرا ٹرانسفر وہاں ہو گیا ہے۔''

وہ چلا گیا۔ مریم اس بھونچال سے بچ گئی جو رہ رہ کر اس کے دل میں اٹھنے لگا تھا۔ زندگی پھر اپنی ڈگر پر آ گئی۔

اس روز راشد کی چھٹی تھی۔ بہت دن سے وہ دونوں کہیں گھومنے نہیں گئے تھے۔ وہ مریم کو لے کر شہر کی ایک سپر مارکیٹ چلا گیا۔ مریم نے کہا بھی تھا کہ شہر کے حالات

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ٹھیک نہیں ہیں پھر کسی دن چلیں گے لیکن ہونے والی بات تھی کہ راشد ضد پر آ گیا۔

وہ ایک کپڑے کی دکان تھی۔ کئی دکانیں دیکھنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ جو کچھ خریدنا ہے، یہیں سے خرید لے گی۔ وہ جم کر بیٹھ گئی اور بھاؤ تاؤ کرنے لگی۔ راشد کچھ اکتا سا گیا تھا۔ وہ سگریٹ لینے کے لیے مارکیٹ سے باہر نکل آیا۔ ابھی وہ سڑک پر آ کر سگریٹ کی دکان تلاش ہی کر رہا تھا کہ ایک زوردار دھماکے سے اس کے کان بہرے ہو گئے۔ وہ ذرا ہوش میں آیا تو اسے مریم کا خیال آیا۔ اس نے دیکھا کہ مارکیٹ کی طرف سے دھواں اٹھ رہا ہے۔ کئی لوگ چیخ رہے تھے کہ دھماکا مارکیٹ کے اندر ہوا ہے۔ وہ بے تحاشا مارکیٹ کی طرف بھاگا لیکن اس وقت تک پولیس نے مارکیٹ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ کسی نے اسے اندر نہیں جانے دیا۔ وہ چیختا رہا کہ اس کی بیوی اندر ہے لیکن کسی نے اس کی نہیں سنی۔ امدادی ٹیمیں پہنچ گئی تھیں۔ زخمیوں کو باہر نکالا جا رہا تھا۔ وہ ایک ایک زخمی کو جھانک رہا تھا کہ کہیں اس کی مریم اسے نظر آ جائے۔ وہ کہیں نظر نہ آئی۔ اس نے گھر پر فون کیا۔ وہاں سے بھی معلوم ہوا کہ وہ گھر نہیں پہنچی ہے۔ اسے معلوم ہوا کہ زخمیوں کو قریبی اسپتال لے جایا جا رہا ہے۔ وہ اپنی گاڑی کی طرف بھاگا۔ شکر ہے گاڑی سلامت کھڑی تھی۔ اس نے گاڑی بھگائی اور اسپتال پہنچ گیا۔ یہاں بھی ایک قیامت مچی ہوئی تھی۔ کسی کو اندر نہیں جانے دیا جا رہا تھا البتہ اسے یہ ڈھارس تھی کہ وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کی طرح اور بہت سے لوگ تھے جو اپنے پیاروں کی تلاش میں یہاں آئے تھے۔ کئی گھنٹوں کی پریشانی کے بعد یہ اعلان ہوا کہ زخمیوں کی فہرست آویزاں کی جا رہی ہے۔

فہرست لگا دی گئی۔ وہ دھکم پیل کرتا ہوا فہرست کے قریب پہنچا۔ دو چار ناموں کے بعد ہی اس کی نظر مریم کے نام پر پڑ گئی۔ اس نے شکر ادا کیا کہ مریم زندہ ہے، صرف زخمی ہوئی ہے۔

فہرست کے آخر میں لکھا تھا کہ زخمیوں کے لواحقین کو آج کسی صورت نہیں ملنے دیا جائے گا۔ وہ کل آئیں۔ اگر ملاقات ممکن ہوئی تو کرا دی جائے گی۔ اسے ایک دن کے لیے اور سولی پر لٹکنا ہوگا۔

☆☆☆

مریم کا چہرہ اور ایک بازو پٹیوں سے جکڑا ہوا تھا۔ راشد اسے دیکھ کر دل گرفتہ ہو گیا۔ وہ "برن" سینٹر میں تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کا چہرہ جھلس گیا ہے۔

مریم کی آنکھیں بند تھیں۔ اس نے آہستہ سے آواز دی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"مریم! کیا ہوا ہے تمہیں...... کیا کہتے ہیں ڈاکٹر؟"

"ڈاکٹروں نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ میں بے ہوش ہو گئی تھی۔ ہوش آنے پر ڈاکٹروں نے صرف اتنا بتایا ہے کہ میرے بازو اور چہرے پر چوٹیں آئی ہیں۔ جلد ہی ٹھیک ہو جاؤں گی۔"

"ہاں جلد ہی ٹھیک ہو جاؤ گی۔ میں ابھی جا کر ڈاکٹر سے معلوم کرتا ہوں۔"

ڈاکٹروں نے اسے بتایا کہ مریم کا آدھا چہرہ اور بازو بری طرح جھلس گئے ہیں۔ ہم پوری کوشش کر رہے ہیں کہ اس کا علاج ہو سکے۔

یہ سن کر راشد کو پریشان ہونا ہی تھا۔ معاملہ چہرے کا تھا۔ اگر چہرے پر کچھ نشان رہ گئے تو بہت برا ہوگا۔ ساتھ ہی یہ امید بھی تھی کہ حکومت ایسے زخمیوں کے لیے کوئی نہ کوئی قدم ضرور اٹھائے گی۔ اس نے مریم سے بھی یہی کہا تھا کہ معمولی سے زخم ہیں، بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گی۔

مریم کو کچھ نہیں معلوم تھا کہ زخم کس نوعیت کے ہیں۔ وہ اسپتال میں داخل تھی اور علاج جاری تھا۔ راشد پابندی سے اسے دیکھنے آ رہا تھا۔ مریم پُرامید ضرور تھی لیکن یہ بھی سوچتی تھی کہ یہ کیسے زخم ہیں جو بھرنے ہی میں نہیں آ رہے ہیں۔

تقریباً ایک ماہ بعد اسے اسپتال سے فارغ کر دیا گیا لیکن ڈریسنگ کے لیے ہر دوسرے دن اسپتال جانا پڑتا تھا۔ ایک مہینا اور گزر گیا۔ ڈاکٹروں نے یہ خوش خبری سنا دی کہ زخم بھر گئے ہیں۔

دو مہینے بعد اس نے اپنا چہرہ دیکھا تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس کا آدھا چہرہ مسخ ہو گیا تھا۔ بازو تو کپڑوں کے نیچے چھپا رہتا لیکن چہرہ تو سب کو نظر آ رہا تھا۔ عورت کے لیے اس سے بڑی سزا کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا چہرہ دیکھنے کے قابل نہ رہے۔

راشد نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور غیر ارادی طور پر منہ پھیر لیا۔

"راشد! میں بدشکل ہو گئی ہوں۔ تم نے اسی لیے منہ پھیر لیا۔"

"نہیں مریم! ایسی بات نہیں۔ تم دل چھوٹا مت کرو۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

تم مجھے آج بھی اتنی ہی عزیز ہو۔''

اس نے کہنے کو تو کہہ دیا تھا لیکن اس کا چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ اسے دھچکا لگا ہے۔ اس وقت بھی وہ اس سے باتیں کر رہا تھا تو اس کا منہ کسی اور طرف تھا۔

اس کے بعد بھی وہ یہ دیکھ رہی تھی کہ راشد اس کے چہرے کی طرف دیکھنے سے گریز کرتا ہے۔ کوشش کرتا ہے کہ گھر میں بھی اس سے دور دور رہے۔ سونے کے لیے بیڈروم میں آتا تھا تو پہلے لائٹ آف کرتا تھا، اس کے بعد بستر پر قدم رکھتا تھا۔ مریم یہ سب کچھ دیکھ ضرور رہی تھی لیکن راشد پر غصہ نہیں تھا۔ یہ ایک فطری عمل تھا۔ بیوی کا چہرہ ہی مسخ ہو جائے تو کون اس کی طرف دیکھے گا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ اس سے بیزار نہیں ہوا تھا لیکن اس کی یہ غلط فہمی بھی بہت جلد دور ہوگئی، وہ آہستہ آہستہ چڑچڑا ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے لہجے میں تلخی آگئی تھی۔ وہ اس کے قریب بیٹھ کر دو باتیں کرنے کا بھی روادار نہیں تھا۔ کوشش کرتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ گھر سے باہر رہے۔ ساس کا رویہ بھی ایسا ہو گیا تھا کہ اسے منہ نہیں لگا رہی تھی۔ وہ گھر میں اکیلی پڑی رہتی تھی۔ راشد بھی اس سے بیزار ہوتا جا رہا تھا۔

یہ بیزاری اس وقت خوشگواری میں تبدیل ہوگئی جب راشد اسے ایک ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا۔ اس نے معائنہ کرنے کے بعد یہ خوش خبری تو سنا دی کہ پلاسٹک سرجری کے بعد بدصورتی میں کچھ کمی آسکتی ہے لیکن اس پر آنے والے خرچ کا سن کر سب کے ہوش اڑ گئے۔ راشد اگر تھوڑا بہت قرض بھی لے لیتا تو بھی علاج ممکن نہیں تھا۔ مریم کو ایک مرتبہ پھر راشد پر غصہ آنے لگا۔ اس شخص کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں کہ میرا علاج کرا سکے۔ اگر میں نے شرجیل سے شادی کر لی ہوتی تو میرا چہرہ کب کا ٹھیک ہو چکا ہوتا۔ میرے بڑے ٹھیک کہتے تھے کہ خوب صورتی اور قابلیت سے کچھ نہیں ہوتا۔ اصل چیز دولت ہوتی ہے۔ اس وقت میں نے کسی کا کہنا نہیں مانا۔ اب بیٹھ کر رونے سے کیا فائدہ۔

راشد اس کی طرف سے بے فکر نہیں ہوا تھا۔ اس نے ایک فلاحی ادارے سے رجوع کیا۔ اس ادارے نے انہیں ایک اسپیشلسٹ کے پاس بھیجا اور تمام اخراجات اٹھانے کی ذمے داری بھی لی۔ کچھ دنوں علاج ہوتا بھی رہا لیکن خاطر خواہ فائدہ نہ ہونے پر ڈاکٹر نے فیصلہ دے دیا کہ ان کا علاج پاکستان میں ممکن نہیں۔ ہاں امریکا میں علاج ہو سکتا ہے۔ کوئی ادارہ اتنی بڑی رقم خرچ کرنے کو تیار نہیں تھا۔

مریم اتنی مایوس ہوئی کہ اس نے راشد سے صاف کہہ دیا۔

''میں بدصورت لگوں یا خوب صورت۔ اب میرے سامنے میرے علاج کا نام مت لینا۔''

''کوشش تو کرتے رہنا چاہیے۔''

''کوشش تو اس وقت کی جاتی ہے جب جیب میں پیسے ہوں۔ فقیروں کی آنکھیں اس قابل نہیں ہوتیں کہ بادشاہت کے خواب دیکھیں۔''

''تم میرا مذاق اڑا رہی ہو۔''

''تمہارا نہیں، تمہاری غربت کا مذاق اڑا رہی ہوں۔''

''تم بہت زیادہ تلخ نہیں ہوتی جا رہی ہو؟''

''تو اور کیا کروں۔ میں تو اس وقت کو رو رہی ہوں جب میں نے تم سے شادی کی تھی۔''

''یہ میری محبت تھی جس نے تمہیں مجبور کر دیا تھا۔''

''یہی تو میں پوچھتی ہوں کہ اب تمہاری محبت کہاں چلی گئی؟''

''میں اب بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔''

''ایسے بھیانک چہرے کے باوجود بھی؟''

''یہ چہرہ تم نے تو نہیں بگاڑا۔''

''لگتا تو یہی ہے ورنہ تم مجھ سے اس قدر بیزار نہ ہو گئے ہوتے۔''

''میں بیزار نہیں ہوا ہوں۔''

''اگر بیزار نہ ہوتے تو میرا حسن مجھے لوٹانے کے لیے آسمان سے تارے بھی توڑ لاتے۔''

''تمہاری بدصورتی بھی میرے لیے خوب صورتی ہے۔''

''جن کے پاس خرچ کرنے کو پیسے نہیں ہوتے، وہ صرف باتیں ہی بنا سکتے ہیں۔''

ایسی لڑائیاں روز ہوا کرتی تھیں۔ راشد اپنی کمزوری سمجھ رہا تھا۔ وہ کچھ اور تو کر نہیں سکتا تھا اس نے مسلسل چپ سادھ لی۔ یہ مریم کے لیے اور بھی بیزار کن صورتِ حال تھی۔

اس کی اس بدنصیبی میں ایک خوشگوار پہلو یہ نکل آیا تھا کہ اس کے والدین کے دروازے اس کے لیے کھل گئے تھے۔ حادثے کا سنتے ہی اس کی ماں اس سے ملنے چلی آئی تھی۔ باپ کی محبت نے بھی جوش مارا تھا۔ انہوں نے اس کا قصور معاف کر دیا تھا۔ وہ بھی ماں سے ملنے چلی جاتی تھی۔ ایک دن گئی تو شرجیل کو وہاں بیٹھے دیکھا۔ شرجیل کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی، وہ اچھل کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''مریم! یہ تمہارے چہرے کو کیا ہوا۔ چچی نے بتایا تو

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

تھا لیکن......"

"مجھے چھوڑو۔ یہ بتاؤ تم لندن سے کب آئے؟"

"بات بدلنے کی کوشش مت کرو۔ خدا کی پناہ، ایسا بھیانک چہرہ ہو گیا ہے تمہارا۔"

"تم بھی منہ پھیر لو جس طرح راشد منہ پھیر لیتا ہے۔"

"اس میں منہ پھیرنے کی کون سی بات ہے۔ تمہارا حسن تمہیں اب بھی واپس مل سکتا ہے۔ تم راشد سے کہتی کیوں نہیں۔"

"میرے علاج کے لیے جتنی رقم درکار ہے، وہ ان کے پاس کہاں ہے۔"

"تمہارا علاج میں کراؤں گا۔"

"تم پر میرا کیا حق ہے؟"

"کیا تمہیں خوب صورت دیکھ کر مجھے خوشی نہیں ہو گی؟ کیا میں اپنی خوشی کے لیے تھوڑی سی رقم خرچ نہیں کر سکتا؟"

"یہ جس کا کام ہے، اسی کو کرنے دیں۔"

"تم نہ سمجھو مگر تم میری محبت ہو۔ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہوں گا۔"

"میں اپنے شوہر کے ساتھ خوش ہوں۔"

"تم اسی کے ساتھ رہو مگر میں تمہارا علاج ضرور کراؤں گا۔"

"اس کے لیے مجھے راشد کی اجازت کی ضرورت ہو گی۔"

"اجازت بھی لے لینا فی الحال تم میرے ساتھ چلو۔ ایک اسپیشلسٹ میرا دوست ہے، اس کے پاس چلتے ہیں۔ دیکھو وہ کیا مشورہ دیتا ہے۔"

وہ زبردستی اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ ڈاکٹر کے پاس جانے سے پہلے وہ ایک شاندار ریسٹورنٹ میں جا کر بیٹھے۔ مریم دل ہی دل میں خود پر فخر کر رہی تھی کہ وہ کتنی شاندار جگہ بیٹھی ہے۔ وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ راشد تو اپنے ساتھ لے جانا گوارا نہیں کرتا، شرجیل اسے نہ صرف اپنے ساتھ لایا ہے بلکہ اتنے شاندار ہوٹل میں میرے ساتھ بیٹھا ہوا بھی ہے۔ اس کے چہرے پر شرمندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ مریم دل ہی دل میں ندامت محسوس کر رہی تھی کہ اس نے شرجیل کی محبت کی قدر نہیں کی۔ میں نے اس سے منگنی توڑ لی اور وہ میرے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے۔ اس کے دل میں میرے لیے ذرا بھی نفرت نہیں۔

وہ جب تک اس کے ساتھ ریسٹورنٹ میں بیٹھا رہا، اس کے ہونٹوں پر اس کی تعریف کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"شرجیل! میں بہت شرمندہ ہوں۔"

"مگر کس بات پر؟"

"میں نے تمہاری قدر نہیں کی اور ایک تم ہو کہ تمہاری زبان پر گلہ تک نہیں۔"

"ایسی باتیں نہیں کرتے۔ غلطیاں انسانوں ہی سے ہوتی ہیں۔"

"غلطیاں معاف کرنے والے بھی تو انسان ہی ہوتے ہیں۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دو۔" مریم نے فرطِ جذبات سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر اچانک خیال آیا کہ وہ کسی اور کی امانت ہے۔ اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔

"ہم تو ڈاکٹر کے پاس جا رہے تھے۔"

"تمہارے ساتھ کسی اچھے ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے۔ کچھ پرانی یادیں تازہ کرنے کے لیے تمہیں یہاں لے آیا۔ یاد ہے جب ہماری منگنی ہوئی تھی تو سب سے پہلے میں تمہیں یہیں لے کر آیا تھا؟"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"چلو چلتے ہیں۔ کہیں ڈاکٹر اٹھ نہ جائے۔"

ایک مرتبہ پھر وہ اس کی گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی۔ وہ ایک شاندار بلڈنگ تھی جس کی چوتھی منزل پر کلینک تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کلینک اتنے شاندار بھی ہو سکتے ہیں۔

ڈاکٹر نے طویل معائنے کے بعد اسے بتایا کہ دو تین آپریشنز کے بعد چہرے کی سمٹی ہوئی کھال اپنی جگہ آ جائے گی لیکن کچھ نہ کچھ کسر رہ جائے گی۔ اگر آپ قدرتی شادابی دیکھنا چاہتے ہیں تو انہیں امریکا لے جانا ہو گا۔

علاج امریکا میں ہوتا یا پاکستان میں، راشد کے علم میں لائے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ جب ماں کے گھر سے اپنے گھر گئی تو اس نے راشد سے ذکر چھیڑا۔ پہلے تو وہ یہ سنتے ہی بھڑک اٹھا کہ اس کا علاج شرجیل کرائے گا لیکن مریم کے سمجھانے بجھانے پر وہ یہ کہہ کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔

"میری بلا سے تم کسی کا بھی احسان اٹھاؤ۔"

"یہ احسان ضرور ہے لیکن شرجیل میرا کزن ہے، کوئی غیر تو نہیں ہے۔"

"وہ تمہارا منگیتر بھی تو رہ چکا ہے۔"

"آپ نے یہ کیسی ہلکی بات کی ہے۔ اگر آپ کو مجھ پر شک ہے تو آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔"

"مجھے اتنی فرصت نہیں ہے۔ جب تمہیں جانا ہوا کرے تو اپنی ماں کے گھر چلی جایا کرو۔ وہیں شرجیل کو بھی

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

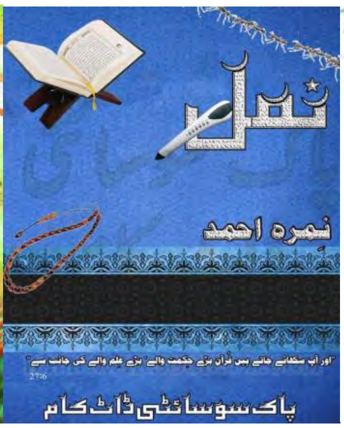

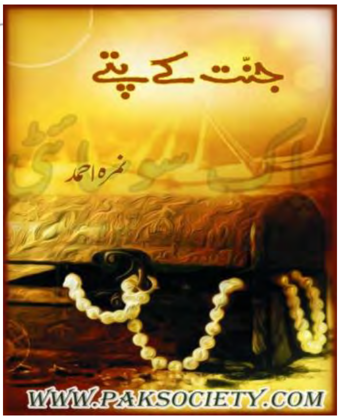

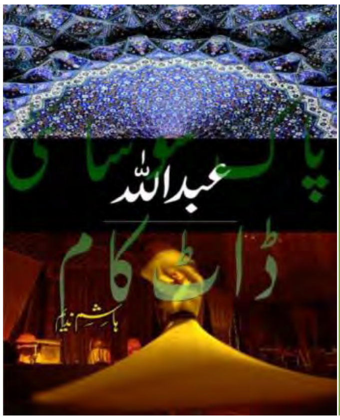

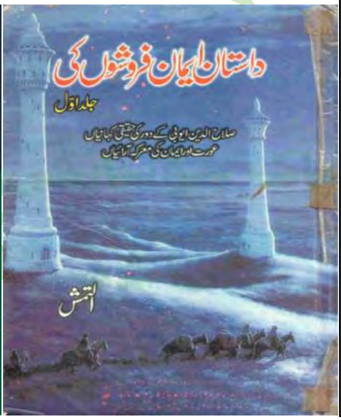

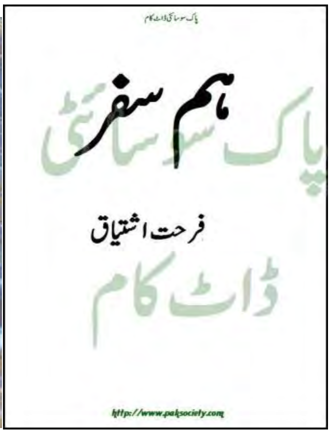

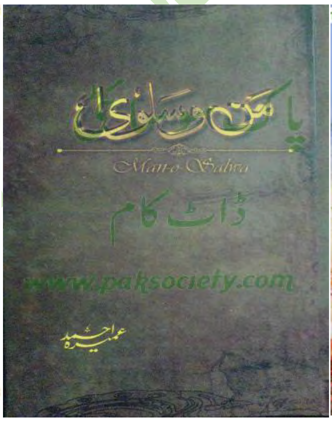

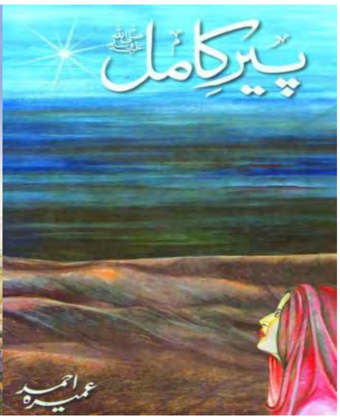

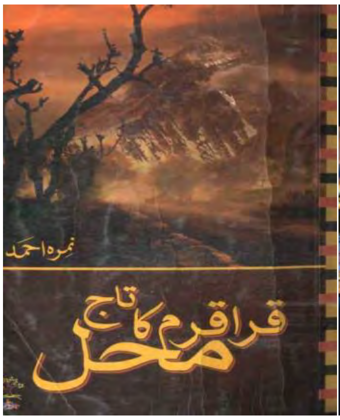

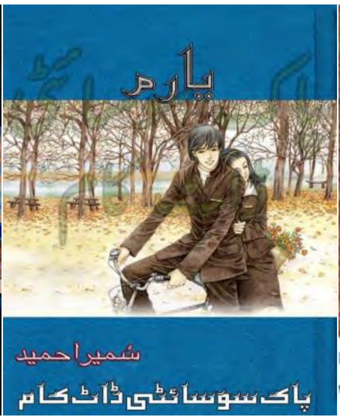

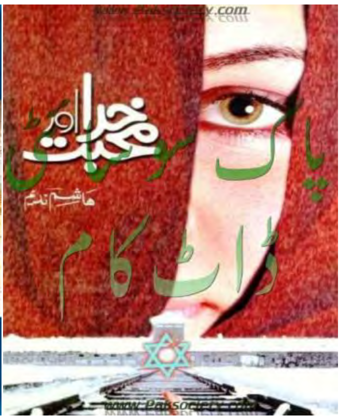

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

www.paksociety.com

بلالیا کرنا۔"

راشد کے تیور بتارہے تھے کہ وہ شرجیل کا احسان اٹھانا نہیں چاہتا لیکن مریم اس کی ناراضگی کا خیال کر کے اپنے علاج سے ہاتھ نہیں کھینچ سکتی تھی۔ دوسرے دن شرجیل سے فون پر بات ہوئی۔ مریم اپنی ماں کے گھر چلی گئی۔ وہاں سے شرجیل نے اسے "پک" کرلیا۔

وہ پھر اسی کلینک میں بیٹھی تھی جہاں ایک دن پہلے آئی تھی۔

"ان کے کچھ ٹیسٹ ہوں گے۔ کچھ دوائیں تجویز کردوں گا۔ پھر ایک ماہ بعد ایک آپریشن ہوگا۔"

"آپ تو کہہ رہے تھے انہیں باہر جانا ہوگا۔"

"جی ہاں، اس آپریشن کے بعد آپ انہیں باہر لے جاسکیں گے۔"

ڈاکٹر نے ٹیسٹ لکھ کر دے دیے اور ایک ہفتے بعد بلایا۔

شرجیل اسے لے کر کلینک سے نکلا اور ایک مقامی ہوٹل پہنچ گیا۔ ایسے شاندار ہوٹل میں وہ اس سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔

"یہ تم مجھے یہاں کیوں لے آئے؟ ہمیں تو لیبارٹری جانا تھا۔"

"بھئی خوشگوار ماحول صحت پر بہت اچھا اثر ڈالتا ہے۔ لیبارٹری تو کل بھی جایا جاسکتا ہے۔"

یہ معلوم ہوتا تھا جیسے وہ جان بوجھ کر علاج کے معاملے کو طول دینا چاہتا ہے تاکہ ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ وہ ایک دن پہلے کے مقابلے میں زیادہ بے تکلف ہورہا تھا۔ اس نے باتوں کے دوران کئی مرتبہ مریم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مریم بھی ایک دن پہلے کی طرح کوئی اعتراض نہ کرسکی۔

"تم نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟"

"جس لڑکی کو میں چاہتا تھا اس کی شادی کہیں اور ہوگئی۔"

"دنیا میں ایک ہی لڑکی تو نہیں ہوگی۔"

"میرے لیے تو ایک ہی تھی۔"

"شرجیل! خدا کے واسطے مجھے مزید احساسِ جرم میں مبتلا نہ کرو۔ میں نے تم سے منگنی توڑ کر تمہارا دل توڑا تھا۔ مجھے اپنے جرم کا احساس ہوگیا ہے۔ اب میں تم سے ہاتھ جوڑ کر درخواست کررہی ہوں کہ مجھ بے وفا کی خاطر اپنی زندگی برباد نہ کرو۔ شادی کرلو۔ میرے دل کا بوجھ ہلکا ہوجائے گا۔ احساسِ گناہ جاتا رہے گا۔ خدا کے واسطے شرجیل۔"

"اچھا سوچیں گے یار...... ابھی تو تمہارا علاج کرانا ہے۔"

دوسرے دن ایک ٹیسٹ کرانا تھا لہٰذا وہ اس دن بھی اس کے ساتھ گئی۔ دوپہر کا کھانا انہوں نے ایک اچھے ہوٹل میں ایک ساتھ کھایا۔

چار ٹیسٹ تھے، وہ مسلسل چار دن تک اس کے ساتھ جاتی رہی۔ پانچویں دن ڈاکٹر کے پاس گئی۔ اس نے چند دوائیں لکھ دیں اور کہہ دیا کہ ایک ماہ بعد آپریشن ہوگا۔

اسے اصولاً ایک ماہ بعد شرجیل سے ملنا تھا لیکن اب وہ دو کشتیوں میں سوار ہوچکی تھی۔ اس یقین تک پہنچ چکی تھی کہ اس نے راشد سے شادی کرکے غلطی کی تھی۔

علاج کا بہانہ اسے مل ہی چکا تھا۔ وہ راشد سے ڈاکٹر کے پاس جانے کا بہانہ کرکے شرجیل کے ساتھ سیر سپاٹے کرتی رہی۔ پہلے وہ اس کی دولت کی قائل تھی، اب اس کی شرافت کی بھی قائل ہوگئی۔ شرجیل نے اس دوران کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جو اس کی شرافت کو داغ دار کرتی۔ ان سب باتوں نے مل کر راشد کو اس کی نظروں سے گرادیا۔

اپنے آپ سے لڑتے ہوئے ایک ماہ گزر گیا۔ اب اسے آپریشن کرانا تھا تاکہ مکمل علاج کے لیے باہر جاسکے لیکن شرجیل نے اس آپریشن کی مخالفت کردی۔ "کیا خبر اس آپریشن کے بعد مزید پیچیدگیاں بڑھ جائیں۔ جب امریکا جانا ہی ہے تو یہ آپریشن بھی وہیں کرالیں گے۔"

وہ تیار ہوگئی لیکن راشد نے مخالفت کردی۔

"مریم! بس بہت ہوگیا۔ تم مجھے اسی چہرے کے ساتھ قبول ہو۔ میں تمہیں شرجیل کے ساتھ امریکا نہیں جانے دوں گا۔"

"بہت خوب! بڑی جلدی غیرت جاگ گئی۔ خود تو اس قابل ہو نہیں، کسی اور کے ساتھ بھی نہیں جانے دو گے۔"

"میں نے کہہ دیا کہ تم مجھے اسی چہرے کے ساتھ قبول ہو۔"

"مگر مجھے یہ چہرہ پسند نہیں۔ مجھے حسین بننا ہے۔ تم نے اگر اجازت نہیں دی تو میں تمہاری اجازت کے بغیر چلی جاؤں گی۔"

"اچھی طرح سوچ لو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔"

اس نے اس مخالفت کا ذکر شرجیل سے کیا۔ شرجیل نے کسی خوشی کے بجائے حیرت کا اظہار کیا۔

"عجیب آدمی ہے۔ خود اتنی استطاعت نہیں رکھتا اور

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

میرے ساتھ بھیجنے پر تیار نہیں ہے۔ پھر تو ایک ہی صورت ہے کہ یا تو اسی چہرے کے ساتھ زندہ رہو یا پھر اس سے طلاق لے کر میرے ساتھ چلو۔"

"شرجیل! تم نے اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کہہ دی۔"

"میں تو یہ بات اس دن سے کہنے کو بے چین تھا جس دن سے تمہاری شادی راشد سے ہوئی تھی، آج مجھے موقع مل گیا۔"

"اگر میں راشد سے طلاق لے لوں تو کون ہے جو مجھے سہارا دے گا؟"

"تم راشد سے طلاق لے لو، میں تمہارا ہاتھ تھامنے کو تیار ہوں۔ پہلے میں تمہارا علاج کراؤں گا پھر تم سے شادی کرلوں گا۔"

مریم نے بہت سوچا اور اس نتیجے پر پہنچی کہ اگر وہ مجھے حسین بنانے کے صلے میں مجھے مانگ رہا ہے تو یہ اس کا خلوص ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ آج بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔

ایک دن اس نے جان بوجھ کر راشد سے جھگڑا کیا۔ اس پر آوارگی کا الزام لگایا۔ اس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ بات اتنی بڑھ گئی کہ وہ اپنے گھر چلی گئی۔ راشد کے کسی لڑکی سے تعلقات کو بہانہ کرکے مطالبہ رکھ دیا کہ وہ راشد سے طلاق دلوانے میں اس کی مدد کریں۔

تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔ ایک دن وہ تھا جب وہ منگنی توڑنے کے لیے گھر والوں کو مجبور کررہی تھی، آج اس شخص سے طلاق لینے کا مطالبہ کررہی تھی جس کے لیے منگنی توڑی تھی۔

"میری بچی! راشد کو موقع تو دے کہ وہ اپنی صفائی میں کچھ کہے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اس سے نفرت ہوگئی ہے۔ اس سے کہو مجھے طلاق دے ورنہ میں عدالت جاؤں گی۔"

"پاگل مت بن۔ وہ مرد ہے، اسے ہزار لڑکیاں مل جائیں گی۔ تجھے اس چہرے کے ساتھ کون قبول کرے گا؟"

"میں اکیلے زندگی گزار لوں گی مگر راشد کے ساتھ نہیں رہوں گی۔"

خاندان کے بہت سے لوگوں کو درمیان میں ڈالا گیا لیکن اس کی ضد کے آگے سب نے ہار مان لی۔ راشد کو بھی سب نے سمجھایا کہ جب وہ رہنا ہی نہیں چاہتی تو اسے رکھنے کا فائدہ کیا۔ راشد نے اسے طلاق دے دی۔

طلاق کے بعد وہ غمزدہ ہونے کے بجائے اتنی خوش تھی جیسے دو جہاں کی نعمتیں اسے مل گئی ہوں۔ اس نے فوراً یہ خبر شرجیل تک پہنچائی۔ "میں نے وہ کانٹا نکال دیا ہے جو ہمارے باہر جانے میں حائل تھا۔"

"مریم! تم نے یہ ایسی خبر سنائی ہے کہ جی خوش ہوگیا۔ جب سے تمہاری شادی ہوئی تھی، میں یہ خبر سننے کے لیے دعائیں کررہا تھا۔ آج مجھے سکون آگیا۔"

"اب ہم کب باہر جارہے ہیں؟"

"بس تمہاری عدت کے دن پورے ہوتے ہی۔"

"کیسی دقیانوسی باتیں کررہے ہو۔ عدت کی مدت پاکستان سے باہر بھی پوری کی جاسکتی ہے۔"

"پاسپورٹ وغیرہ بننے اور ویزا کے مراحل میں بھی کچھ وقت لگ ہی جائے گا۔ اسی دوران عدت بھی پوری ہوجائے گی۔"

کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ عدت کے دن پورے ہونے کے بعد وہ کس سے شادی کرے گی اور کیا منصوبے تیار ہورہے ہیں۔

ایک دن شرجیل نے اس سے کہا کہ وہ کسی کام سے لندن جارہا ہے۔ جیسے ہی اس کی عدت پوری ہوگی، وہ واپس آجائے گا اور اسے لے کر امریکا چلا جائے گا۔ اس سے شادی کرے گا اور علاج کرائے گا۔

مریم نے امریکا جانے کے خواب دیکھتے ہوئے عدت کے دن کاٹ دیے۔ چار مہینے ہوگئے تھے۔ شرجیل لوٹ کر نہیں آیا۔ اس کے گھر والوں سے معلوم ہوا، کسی وجہ سے اسے آنے میں دیر ہوگئی تھی۔ بس ایک مہینے بعد آجائے گا۔

چھ ماہ ہوچکے تھے کہ شرجیل کا فون اس کے پاس آیا۔ شرجیل نے اسے ایک ہوٹل میں بلایا تھا۔ وہ حیران تھی کہ خود ملنے کیوں نہیں آیا، ہوٹل میں کیوں بلایا ہے۔ اس کی یہ حیرت اس وقت دور ہوگئی جب اس نے شرجیل کے ساتھ ایک لڑکی کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔

شرجیل نے تعارف کرایا۔ "یہ میری بیوی نگار ہیں اور نگار یہ میری سابق منگیتر ہیں جنہوں نے حال ہی میں اپنے شوہر سے طلاق لی ہے اور مجھ سے شادی کی خواہش مند تھیں کہ تم درمیان میں آگئیں۔ ہماری شادی میں اتنے پیسے خرچ ہوگئے کہ ان کے علاج کے لیے پیسے ہی نہیں بچے۔ ویسے بھی میرا انتقام تو پورا ہو ہی گیا۔ منگنی توڑ کر انہوں نے میری توہین کی تھی، میں نے بدلہ لے لیا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

www.paksociety.com

سرکاری درباری

ملک صفدر حیات

انسان ایک معاشرتی حیوان ہے... پڑھا ہے، سنا ہے اور اب زیر نظر کہانی میں بھی سو فیصد درست ثابت ہورہا ہے۔ اگر کسی چیز پر دل آجائے تو وہ اُسے حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پیر مارتا ہے... یہ اور بات کہ نہ ہاتھوں کی سمت سیدھی اور نہ ہی پیروں تلے بچھے رستوں کی کوئی منزل ہوتی ہے۔ ایسے میں کچھ حاصل ہو یا نہ ہو مگر تباہی اور رسوائی دل و جان سے فدا ہوجاتی ہے۔ وہ جو اپنی طاقت کے زعم میں بسنے والی رعایا کو چٹکیوں میں مسل دیتے تھے بالآخر قدرت کے زندان میں یوں قید ہوئے کہ تمام اونچی اڑانیں ذلت کی پستیوں میں کہیں دفن ہوگئیں کیونکہ... جہاں ملک صفدر حیات جیسے پولیس افسران اپنی ڈیوٹی کو ایمانداری اور حب الوطنی کے جذبات سے ادا کریں وہاں انصاف ملنا ہرگز دشوار نہیں ہو سکتا۔

ناک کے حکم پر ناچنے والے ایک سرکاری درباری کا عبرتناک انجام

اطلاع اتنی سنسنی خیز تھی کہ میں نے آناً فاناً تیاری کی اور ایک کانسٹیبل کے ہمراہ جائے وقوعہ پر پہنچ گیا۔ آج کی جدید دنیا میں اسے کرائم سین کا نام دیا جاتا ہے لیکن ہمارے زمانے میں یہ جائے وقوعہ یا جائے واردات یا مختصراً موقع کہلاتا تھا۔ وہ سادہ دور تھا اور ہماری تفتیش کا انداز بھی سادگی اور پرکاری لیے ہوتا تھا۔ آج کل تو جدید ٹیکنالوجی اور ماڈرن طور طریقوں کے طفیل تفتیش کا رنگ ڈھنگ ہی بدل کر رہ گیا ہے تاہم تھانوں کے ٹرائل روم میں اب بھی وہی ''روایتی جھلک'' نظر آتی ہے۔

وہ دُہرے قتل کی ایک لرزہ خیز واردات تھی۔ اس وقت شام کے پانچ کا وقت ہوگا۔ دوپہر ڈھل چکی تھی لیکن فضا میں موجود حدت کے باعث یونہی محسوس ہوتا تھا کہ جیسے سورج ابھی سر پر ہی ٹھہرا ہوا ہے۔

جائے وقوعہ چودھری مبارک علی کا ڈیرا تھا۔ چودھری مبارک کا تعلق موضع شہزاد کوٹ سے تھا اور مذکورہ ڈیرا، گاؤں کے جنوب میں تاحدِ نظر پھیلے ہوئے کھیتوں کے درمیان واقع تھا۔ ان دنوں میری تعیناتی فرید آباد کے تھانے میں تھی جو موضع شہزاد کوٹ سے نزدیک ہی واقع تھا۔ ہم ایک تانگے میں بیٹھ کر پہلے موضع شہزاد کوٹ پہنچے اور پھر چودھری مبارک کے ساتھ اس کے ڈیرے کا رخ کیا تھا۔

مذکورہ ڈیرا تین کمروں اور ایک کشادہ صحن پر مشتمل

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

Downloaded From paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

تھا۔ ایک کمرے میں ٹیوب ویل نصب تھا۔ دوسرے کمرے میں مختلف زرعی آلات اور کچھ ناکارہ سامان بھرا ہوا تھا جبکہ تیسرے کمرے کی ترتیب سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ رہائش کے مقصد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کمرے میں ایک چارپائی کے علاوہ ایک میز اور دو کرسیاں بھی موجود تھیں۔ دونوں مقتولین کی لاشیں مذکورہ چارپائی پر پڑی ہوئی تھیں۔ ان لاشوں کو اجلی سفید چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا جو ایک طرف سے خون آلود تھی۔ میں جیسے ہی چارپائی کی جانب بڑھا، چودھری مبارک نے اضطراری لہجے میں کہا۔

''ایک منٹ ملک صاحب......''

میں رک گیا اور سوالیہ نظر سے چودھری کو تکنے لگا۔ ڈیرے پر نصف درجن کے قریب افراد جمع ہو گئے تھے اور لوگوں کی آمد کا یہ سلسلہ جاری تھا۔ اس سنسنی خیز واقعے نے گاؤں میں کھلبلی مچا دی تھی۔ میری سوالیہ نظر کے جواب میں چودھری نے وہاں موجود افراد کو کمرے سے نکل جانے کا حکم دیا۔ فوراً سے پیشتر اس کے حکم کی تعمیل کی گئی اور پلک جھپکتے میں وہ کمرا خالی ہو گیا۔ صرف میں، چودھری مبارک اور میرے ساتھ آنے والا کانسٹیبل اس کمرے میں باقی رہ گئے۔

چودھری نے کانسٹیبل جاوید کی جانب اشارہ کرتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''کاکا! تھوڑی دیر کے لیے تم بھی باہر چلے جاؤ۔''

جاوید کی عمر بیس بائیس سال تھی لیکن وہ اپنی صحت، قد کاٹھ اور چہرے کی معصومیت کے باعث پندرہ سولہ سے زیادہ کا نہیں لگتا تھا جبھی چودھری نے اسے کاکا یعنی بچہ کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

جاوید نے چودھری کے حکم کی تعمیل سے پہلے متذبذب انداز میں میری جانب دیکھا تو میں نے گردن کے اشارے سے اسے باہر جانے کی ہدایت کر دی۔ وہ میرے اشارے کی تائید میں خاموشی کے ساتھ اس کمرے سے باہر نکل گیا۔

چودھری نے کمرے کا دروازہ بند کیا پھر میری جانب مڑتے ہوئے بولا۔ ''ملک صاحب! ان دونوں لاشوں کی حالت ایسی نہیں ہے کہ سرِعام تماشا لگایا جائے۔''

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور چارپائی پر چادر کے نیچے ڈھکی لاشوں کی جانب بڑھ گیا۔ چودھری بھی میرے ساتھ تھا اور اس نے جب چادر کو ایک کونے سے پکڑ کر کھینچا تو میری نگاہ ایک شرمناک منظر سے ٹکرا کر بے اختیار جھک گئی۔

وہ ایک مرد اور ایک عورت کی لاشیں تھیں جو ایک مخصوص انداز میں ایک دوسرے کے قریب تھیں۔ ان کے جسم لباس سے بے نیاز تھے۔ کہتے ہیں، عقل مند کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے تاہم فطری لباس میں وہ دونوں اپنی کہانی بہ زبانِ خاموشی خود ہی سنا رہے تھے۔

''میں نے اسی لیے لوگوں کو کمرے سے باہر نکالا ہے۔'' چودھری کی دھیمی اور بوجھل آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''کون ہیں یہ دونوں؟'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

چودھری نے جواب دیا۔ ''نواز تو میرا ملازم ہے۔'' اس کا اشارہ برہنہ مرد کی سمت تھا۔ ''یہ ادھر ڈیرے پر ہی ہوتا تھا اور یہ پینو ہے...... پروین عرف پینو حنیف کی بیوی ہے۔''

''آپ کے تعارف سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ یہ دونوں میاں بیوی نہیں ہیں۔'' میں نے چودھری کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ بھی آپ ہی بتائیں گے کہ ان دونوں کا آپس میں کیا رشتہ ہے؟''

''آپ خود ہی اندازہ لگا لیں......'' چودھری نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ ''ظاہر ہے، یہ کوئی جائز تعلق یا رشتہ تو ہو نہیں سکتا۔'' میں نے گمبھیر انداز میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

چودھری نے لوگوں کو کمرے سے باہر بھیج کر واقعتاً عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ مقتولین کی حالت ایسی نہیں تھی کہ انہیں عام نمائش کے لیے پیش کیا جاتا۔ اس وقت میرا پورا بدن پسینا اگل رہا تھا۔ یہ موسم کی شدت نہیں بلکہ حالات کی حدت کا نتیجہ تھا۔ موقع کی کارروائی بہت ضروری تھی لہٰذا میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

میں نے پندرہ بیس منٹ کے جائزے کے بعد اس حقیقت کو پا لیا کہ پینو اور نواز کو بے خبری میں موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ میرے محتاط اندازے کے مطابق جب وہ دونوں اپنی غیر نصابی سرگرمی میں مشغول تھے تو کسی نے بھرا ہوا ریوالور ان کے جسموں میں خالی کر دیا تھا۔ دونوں کے جسموں کے بالائی حصے خون میں تربتر تھے۔ یہ دُہرے قتل کی سنگین واردات، بادی النظر میں شدید انتقامی کارروائی کا نتیجہ نظر آتی تھی۔

پینو اور نواز کی خون آلود لاشوں کو دیکھ کر مجھے دلی صدمہ ہوا۔ اب چاہے وہ دونوں زندگی سے بہت دور

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

جا چکے تھے مگر کچھ عرصہ پہلے وہ بھی جیتے جاگتے انسان ہوا کرتے تھے۔ پینو کے چہرے کے نقوش اسے ایک غیر معمولی حسین لڑکی ظاہر کرتے تھے۔ نواز بھی وجیہہ وشکیل دکھائی دیتا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور ان دونوں کی لاشوں کو دوبارہ چادر سے ڈھانپ دیا۔ پھر چودھری مبارک کی طرف دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں سوال کیا۔

''یہ کس بدبخت کا کارنامہ ہوسکتا ہے؟''

''یہ تو آپ کو پتا چلانا ہے ملک صاحب......!''

میں نے پوچھا۔''آپ کا ذہن کیا کہتا ہے چودھری صاحب؟''

''میرا دھیان تو حنیف کی طرف جارہا ہے۔''

''یعنی پینو کے شوہر کی جانب؟''

''ایسی غیرت مندانہ کارروائی کوئی شوہر ہی کرسکتا ہے۔''وہ اپنی ایک ٹانگ کو دباتے ہوئے بولا۔

''کیا آپ نے اس سلسلے میں حنیف سے کوئی پوچھ تاچھ کی ہے؟''میں نے استفسار کیا۔

وہ دوبارہ اپنی ٹانگ کو سہلاتے ہوئے بولا۔''میں نے اس کی طرف ایک بندہ دوڑایا تھا لیکن مجھے بتایا گیا ہے کہ حنیف اس وقت گھر کے اندر موجود نہیں۔''

''وہ اپنے گھر میں نہیں ہے۔''میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔''اس کا مطلب ہے، اسے ابھی تک اس واقعے کی اطلاع نہیں ملی۔''

''اگر میرا اندازہ درست ہے تو......''چودھری ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔''تو پھر عین ممکن ہے، حنیف خود ہی اِدھر اُدھر ہو گیا ہو۔''

چودھری کی معنی خیزی نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ وہ حنیف ہی کو پینو اور نواز کا قاتل سمجھ رہا ہے۔ میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''چودھری صاحب! آپ دہرے قتل کی اس واردات کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟''

''کچھ زیادہ نہیں۔''وہ ایک بار پھر اپنی ٹانگ کو دباتے ہوئے بولا۔

''کیا آپ کی ٹانگ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے؟''میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''ہاں......''اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور بتانے لگا۔''کچھ عرصہ پہلے یہ مسئلہ شروع ہوا ہے۔ حکیم اسے عرق النسا کہتا ہے۔''

''اوہ اچھا......''میں نے سرسری انداز میں کہا پھر اسے واپس موضوع کی جانب لاتے ہوئے اضافہ کیا۔''آپ کچھ بتانے جارہے تھے؟''

''جی ہاں۔''وہ بیزاری سے بولا۔''میں تو ادھر اپنی حویلی میں آرام کررہا تھا۔ وحید گھبرایا ہوا میرے پاس آیا اور بتایا کہ ڈیرے پر کسی نے پینو اور نواز کو قتل کردیا ہے۔ میں فوراً حویلی سے ڈیرے پر پہنچا اور ان دونوں کی خون میں لت پت پڑی لاشوں کو دیکھ کر پلک جھپکتے میں سمجھ گیا کہ اپنی موت سے پہلے وہ کس کھیل میں مصروف تھے۔ میں نے وحید ہی کو حکم دیا کہ وہ ان کی لاشوں کو چادر سے ڈھانپ دے......''وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا پھر ایک گہری سانس خارج کرنے کے بعد اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''اس کے بعد ہی میں نے اپنے ایک بندے کو حنیف کی طرف دوڑایا تھا۔ جب وہ گھر میں نہیں ملا اور کھیتوں میں بھی کہیں دکھائی نہیں دیا تو میں حویلی آگیا اور ایک بندے کو آپ کے پاس اس واقعے کی اطلاع دینے بھیج دیا تاکہ آپ موقع پر پہنچ کر قانونی کارروائی کرسکیں۔''

''کیا نواز کی بیوی کو اس واقعے کی خبر ہے؟''چودھری کے خاموش ہونے پر میں نے ایک اہم سوال کیا۔

''جی ہاں!''اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔''نواز کی گھر والی کو اطلاع دے دی گئی ہے۔ اس نے اپنے گھر میں رونا پیٹنا ڈال رکھا ہے۔ وہ ایک مرتبہ ڈیرے کا چکر بھی لگا گئی ہے لیکن میری ہدایت کے مطابق وحید نے اسے کمرے کے اندر گھسنے نہیں دیا۔''ایک لمحے کو رک کر اس نے مجھ سے سوال کیا۔

''ملک صاحب! آپ ہی بتائیں، ایک بیوی کا اپنے شوہر کو ایسی حالت میں دیکھنا مناسب ہے کیا؟''

میں نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔''قطعی مناسب نہیں۔''

''مریم، وحید سے بحث وتکرار کرتی رہی۔''چودھری نے مزید بتایا۔''لیکن وحید میری ہدایت کے مطابق ایک ہی بات پر اڑا رہا کہ جب تک پولیس اپنی کارروائی مکمل نہیں کرلیتی، کسی بھی بندے کو لاشوں تک جانے نہیں دیا جاسکتا۔''

''یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔''میں نے سراہنے والے انداز میں کہا پھر پوچھا۔''کیا آپ کا وہ بندہ، میرا مطلب ہے آپ کا وہ ملازم وحید اس وقت ڈیرے پر موجود ہے؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''نہیں جناب ... میں ہے۔'' وہ غمی میں ڈوبے ہوئے مضطرب لہجے میں بولا۔ ''ملک صاحب! آپ قانونی کارروائی مکمل کرنے کے بعد میری حویلی آ جائیے۔ باقی کی باتیں وہیں بیٹھ کر کریں گے۔''

''کیا آپ حویلی جا رہے ہیں؟''

''جی......'' وہ اپنی ناک کو مسلتے ہوئے بولا۔ ''میں اس کم بخت عرق النسا کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔''

''ٹھیک ہے، آپ حویلی جا کر آرام کریں۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

کانسٹیبل جاوید کو میں نے کمرے کے دروازے پر متعین کر دیا تھا تاکہ میری اجازت کے بغیر کوئی اندر داخل نہ ہو سکے۔ ڈیرے کے صحن میں موجود درجن بھر افراد لاشوں کا نظارہ کرنے کے لیے کافی بے چین دکھائی دیتے تھے۔ میں ان کی بے قراری کو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ وہ فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور تھے۔ اس واردات کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ ان کا اشتیاق ان لمحات میں ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔

پیجو اور نواز کی لاشوں کا تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد میں نے انہیں سرکاری اسپتال بھجوا دیا۔ لاشوں کے موقع واردات سے ہٹ جانے کے بعد وہاں موجود لوگوں کی بے چینی اور تجسس کو بھی قرار آ گیا۔ جب کانسٹیبل جاوید لاشوں کو لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا تو میں اس کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

وہ نیچی چھت والا بارہ بائی پندرہ کا ایک عام سا کمرا تھا۔ اس کمرے میں دروازے کے علاوہ دو پٹ والی ایک کھڑکی بھی موجود تھی۔ یہ کھڑکی کمرے کی عقبی جانب کھلتی تھی۔ میں نے مذکورہ کھڑکی کے پٹ کھول کر باہر کا جائزہ لیا۔

تاحدِ نگاہ مجھے کھیتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا دکھائی دیا۔ اس ڈیرے سے چند گز کے فاصلے پر ایک نہر گزرتی تھی جو بل کھاتی ہوئی شمال کی سمت چلی جاتی تھی۔ میں چند لمحات تک اس فطری منظر میں کھویا رہا پھر میں نے اس کھڑکی کو بند کر دیا۔ اس کھڑکی کا سائز تین ضرب پانچ فٹ رہا ہوگا۔ اس کھڑکی میں کسی قسم کی آہنی سلاخیں یا جالی وغیرہ نصب نہیں تھی گویا...... اس کے راستے کمرے میں کسی بھی شخص کی.... آمد و رفت ممکن تھی۔

جس چارپائی پر سے پیجو اور نواز کی لاشیں اٹھائی گئی تھیں، اس پر کوئی بستر وغیرہ نہیں بچھا ہوا تھا لہٰذا قتل کی اس واردات کے نتیجے میں وہ چارپائی بھی اچھا خاصا خون آلود ہو چکی تھی کہ چارپائی کے نیچے کمرے کا کچا فرش بھی خون آلود تھا تاہم فرش پر گرنے والا خون جم کر خشک ہو چکا تھا۔ اس تمام تر کارروائی میں مجھے آلۂ قتل کا کہیں نام و نشان نظر نہ آیا۔ اس کمرے سے اور بھی کوئی ایسی شے دستیاب نہ ہو سکی جو دہرے قتل کی اس واردات پر روشنی ڈال سکتی۔ ضروری کارروائی مکمل کرنے کے بعد میں کمرے سے باہر نکل آیا اور دروازے کو بند کرنے کے بعد کنڈی لگا دی۔

ڈیرے کے صحن میں موجود افراد کے چہرے تجسس سے چمک رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے سنسنی خیز سوالات جھلکتے تھے۔ میں نے ان پر تنقیدی نگاہ ڈالی اور پکی عمر کے ایک شخص کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ وہ مجھے ایک سمجھدار...... اور بردبار شخص نظر آیا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''چاچا! کیا نام ہے تمہارا؟''

''وزیر بخش جناب۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا تم بھی موضع شہزاد کوٹ ہی میں رہتے ہو؟''

''جی سرکار۔''

میں نے استفسار کیا۔ ''تم کرتے کیا ہو؟''

''مائی باپ! اولاد جوان ہو گئی ہے۔ اب سب کچھ وہی کرتے ہیں۔'' اس نے بڑی رسان سے جواب دیا۔ ''میرے بیٹے کہتے ہیں، ابا اب ہم کام کریں گے۔ تم آرام کرو اور گھومو پھرو......''

''چاچا وزیر! تم تو کسی بادشاہ سے کم نہیں ہو۔'' میں نے تعریفی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ''ایسی فرماں بردار اور صالح اولاد تو قسمت والوں کو ملتی ہے۔''

''بس جی، اللہ کا کرم ہے۔'' وہ سادگی سے بولا۔

وزیر بخش بہت گہرا شخص تھا۔ ہمیں دھیمے لہجے میں باتیں کرتے دیکھ کر وہاں موجود افراد بے کلی کا شکار نظر آنے لگے تھے۔ اس مشکل کا حل نکالنے کے لیے میں نے وزیر بخش سے کہا۔

''چاچا...... تم میرے ساتھ آؤ۔''

اس نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ میں نے دوسرے کمرے کی جانب قدم بڑھا دیے۔ اس کمرے کے اندر مختلف نوعیت کے زرعی آلات اور ناکارہ سامان بھرا ہوا تھا۔ کمرے کا معائنہ اور آلۂ قتل کی تلاش جاری رکھتے ہوئے میں نے وزیر بخش سے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

''کتنی عجیب بات ہے چاچا! آج کل کی اولاد کو بوڑھے ماں باپ کا خیال نہیں رہتی۔ انہیں یہ بھی خیال نہیں آتا کہ ایک دن ان کو بھی بوڑھا ہونا ہے۔''

''یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ سادگی سے بولا۔

میں نے کہا۔ ''چاچا! تمہاری اولاد کے بارے میں سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ کیا میں تم سے ذاتی نوعیت کا کوئی سوال کر سکتا ہوں؟''

وہ قدرے الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جی ضرور۔ آپ پوچھیں، کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟''

میں نے پوچھا۔ ''کیا تم میرے علم میں اضافہ کرنے کی غرض سے مجھے بتانا پسند کرو گے کہ تم نے کن اصولوں کی بنیاد پر اپنی اولاد کی تربیت کی ہے؟''

''اصولوں وصولوں کا تو مجھے پتا نہیں تھانے دار صاحب۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ ''اس سلسلے میں، میں نے بزرگوں کے ایک ٹوٹکے پر عمل کیا ہے اور سو فیصد نتیجہ پایا ہے۔''

''ٹوٹکا......'' میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ''کون سا ٹوٹکا چاچا؟''

''رزقِ حلال...... کا ٹوٹکا۔'' وہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔ ''میرے بزرگوں نے مجھے نصیحت کی تھی کہ اپنی بیوی اور بچوں کو ہمیشہ رزقِ حلال کھلانا۔ میں نے ساری زندگی اسی نصیحت پر عمل کیا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ میرا بڑھاپا بہت آرام اور سکون سے گزر رہا ہے۔''

وزیر بخش نے ایک حقیقت، ایک آفاقی اصول بیان کیا تھا جس سے انکار ممکن نہیں تھا۔ اس بات میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں کہ حصولِ رزقِ حلال عین عبادت ہے۔

میری تلاش اور جستجو دوسرے سے تیسرے کمرے میں پہنچی... آلۂ قتل کے حصول کے سلسلے میں مجھے وہاں بھی کوئی کامیابی نہیں ملی۔ اس کمرے میں ٹیوب ویل کا انجن نصب تھا۔ اس کے علاوہ تیل کا ڈرم اور انجن کے مختلف مکینیکل پرزہ جات بھی نظر آ رہے تھے۔ میں تھانے سے روانہ ہوتے وقت ایک تھیلا بھی اپنے ساتھ لے آیا تھا جس میں ہتھکڑی اور تالا بھی موجود تھا۔ میں نے جائے وقوعہ والے کمرے کے دروازے پر سرکاری تالا ڈال دیا۔ اس سرکاری مہر کے بعد کوئی بھی شخص اس کمرے کو کھولنے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں نے وہاں موجود افراد کے بیان بھی لیے لیکن ایسی کوئی کام کی بات سامنے نہ آ سکی جو اس دہرے قتل کی واردات پر روشنی ڈال سکے۔ ڈیرے سے موضع شہزادکوٹ کی جانب جاتے ہوئے میں نے وزیر بخش سے بھی متعدد سوالات کیے جن کے اس نے تسلی بخش جواب دیے۔ اس خوش بخت بڈھے سے حاصل ہونے والی معلومات میرے لیے گراں قدر اہمیت کی حامل تھیں لیکن سرِدست میں آپ کو ان انکشافات کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ کہانی کا تقاضا ہے۔

☆☆☆

موضع شہزادکوٹ پہنچنے کے بعد میرا رخ خودبخود حنیف کے گھر کی جانب ہو گیا حالانکہ چودھری مبارک نے مجھے اپنی حویلی آنے کی دعوت دی تھی لیکن میں حنیف کی خبرگیری زیادہ ضروری سمجھتا تھا۔ چودھری کی زبانی مجھے صرف اتنا معلوم ہوا تھا کہ حنیف اس وقت اپنے گھر پر موجود نہیں اور نہ ہی وہ کھیتوں میں کہیں دکھائی دیا ہے۔

حنیف کا گھر گاؤں کے وسط میں واقع تھا۔ اس کے دروازے پر پہنچتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ اندر بہت سے لوگ موجود ہیں۔ میں نے متعدد افراد کے آپس میں تیز تیز باتیں کرنے کی آوازیں سن لی تھیں۔ میری دستک کے جواب میں درمیانے قد کاٹھ کے ایک شخص نے دروازہ کھولا۔

مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ شخص ایک دم گھبرا گیا۔ اس شخص کے ردِعمل نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے تیز نظروں سے اسے گھورا اور پوچھا۔

''کیا حنیف تمہارا ہی نام ہے؟''

ان لمحات میں اس شخص کے ڈرے ہوئے ردِعمل سے میرا دھیان خودبخود حنیف کی طرف چلا گیا تھا۔ میں یہی سمجھا تھا کہ وہ گھر آ گیا ہے اور مجھ پر نگاہ پڑتے ہی پریشان ہو گیا ہے۔ اس شخص نے بہت جلدی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا اور میرے سوال کے جواب میں بتایا۔

''جی...... میں شوکت ہوں...... حنیف کا ساڑھو۔''

''حنیف کو باہر بھیجو۔'' میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

حنیف کے ہم زلف شوکت نے جواب دیا۔ ''وہ تو ابھی گھر نہیں پہنچا جناب۔ ہم لوگ بھی اسی کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''کہاں چلا گیا وہ......'' میں نے شوکت کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''وہ ادھر

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کھیتوں میں بھی کہیں نہیں ہے۔''

''ہمیں کچھ خبر نہیں۔'' وہ سراسیمہ انداز میں دائیں بائیں گلی میں نگاہ دوڑاتے ہوئے بولا۔

''پھر کس کو خبر ہے؟'' میں نے تیز لہجے میں دریافت کیا۔ ''جس سے بھی پوچھو، وہ یہی جواب دیتا ہے۔ کیا حنیف کو زمین نے نگل لیا ہے یا آسمان کھا گیا ہے؟''

''آپ اندر آجائیں سرکار۔'' وہ میری سنی ان سنی کرتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔ ''اگر آپ تھوڑی دیر اور یہاں کھڑے رہے تو گلی میں ایک میلا سا لگ جائے گا۔''

اس نے ایک معقول بات کی تھی تاہم میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''تمہارے ساڑھو نے کارنامہ ہی ایسا انجام دیا ہے کہ گلی کیا، پورے پنڈ میں بھی میلا لگ سکتا ہے۔''

بات ختم کرتے ہی میں شوکت کی معیت میں حنیف کے گھر کے اندر داخل ہو گیا۔ شوکت نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔

''مجھے یقین نہیں آرہا کہ حنیف ایسی حرکت بھی کرسکتا ہے۔''

''تمہارے یقین کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''جو ہونا تھا، وہ تو ہو چکا۔''

اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں حنیف کی بیٹھک میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے علاوہ شوکت اور اس کی بیوی سلمیٰ بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے اپنے بچوں کو گھر کے اندرونی حصے تک محدود کر دیا تھا۔ میری آمد سے قبل اس گھر کے اندر جو آس پڑوس کے لوگ جمع تھے، میری ہدایت پر شوکت نے انہیں رخصت کر دیا۔

میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''میرا نام ملک صفدر حیات ہے اور میں فرید آباد تھانے کا انچارج ہوں۔ آپ لوگوں کا گاؤں موضع شہزادکوٹ میرے تھانے کی حدود میں آتا ہے۔''

شوکت نے گہری سنجیدگی کے ساتھ اپنے سر کو اثباتی جنبش دی لیکن خاموش رہا مگر اس کی بیوی خاموش نہ رہ سکی اور احتجاجی لہجے میں بولی۔

''تھانے دار صاحب! آپ نے قانونی کارروائی میں بہت جلدی سے کام لیا ہے۔ کم از کم حنیف کے واپس آنے کا تو انتظار کر لیتے۔ لاشیں تو بعد میں بھی اسپتال بھجوائی جاسکتی تھیں۔'' بولتے بولتے وہ روہانسی ہو گئی۔ ''میں تو...... اپنی بہن کا منہ بھی نہیں دیکھ سکی۔''

''کوئی شرم حیا ہے کہ نہیں۔'' شوکت نے اپنی بیوی کو سرزنش کی۔ ''تمہیں پتا ہے نا، پینو کو کس حالت میں قتل کیا گیا ہے۔ تم اس کا منہ دیکھ کر کیا کر لیتیں؟''

ان کی باہمی گفتگو سے مجھے یہ اندازہ قائم کرنے میں ذرا سی بھی دقت محسوس نہ ہوئی کہ وہ دونوں حالات کی نزاکت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ میں سلمیٰ کے دکھ کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ حالات چاہے کچھ بھی ہوں لیکن پینو، سلمیٰ کی چھوٹی بہن تھی جو اب اس دنیا میں باقی نہیں رہی تھی۔

''اپنی بہن کا منہ تم بعد میں بھی دیکھ سکتی ہو سلمیٰ!'' میں نے ہمدردی بھرے انداز میں کہا۔ ''اصل میں، یہ دہرے قتل کی ایسی واردات ہے کہ مقتولین کی لاشوں کو زیادہ دیر تک جائے واردات پر رکھ کر تماشا نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ اوپر سے شدید گرمی کا موسم بھی کسی تاخیر کی اجازت نہیں دیتا۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر سلمیٰ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔

''فکر نہ کرو۔ پوسٹ مارٹم کے بعد دونوں لاشیں ان کے ورثاء کے حوالے کر دی جائیں گی۔ پھر تدفین سے پہلے تم اچھی طرح اپنی چھوٹی بہن کا منہ دیکھ لینا۔''

''ہم ادھر چودھریوں کے ڈیرے پر بھی گئے تھے۔'' سلمیٰ نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا۔ ''لیکن چودھری کے ملازم وحید نے ہمیں کمرے کے اندر نہیں جانے دیا۔ خدا کا غضب...... میری بہن قتل ہو گئی اور مجھے ہی اس کی لاش تک جانے سے روک دیا گیا۔''

''بے وقوفی کی باتیں نہ کرو سلمیٰ......'' شوکت نے تیز نظر سے بیوی کو گھورا۔ ''لگتا ہے، تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''شوکت! تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' وہ ضدی لہجے میں بولی۔ ''واقعی، میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ان حالات میں کسی کا دماغ کس طرح ٹھکانے پر رہ سکتا ہے۔''

''تم حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔'' وہ قدرے سخت لہجے میں بولا۔ ''پینو کی موت کا مجھے بھی بہت دکھ ہے لیکن جذباتی ہونے سے بات نہیں بنے گی۔ پینو نے تو ہماری ناک ہی کٹوا دی ہے۔ اوپر سے تم شور شرابا مچا کر باقی کی کسر پوری کرنا چاہتی ہو۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

شوکت علی مجھے خاصا معقول اور سمجھدار انسان لگا۔ وہ موجودہ حالات کی نزاکت کو بہت گہرائی تک سمجھ رہا تھا اور اسی کے مطابق اپنی بیوی سے بات کر رہا تھا۔

”سلمیٰ!“ میں نے تشفی بھرے لہجے میں شوکت کی بیوی کو مخاطب کیا۔ ”میں تم لوگوں کا دشمن نہیں ہوں۔ وحید کو چودھری مبارک ہی نے وہ ڈیوٹی سونپی تھی۔ اس نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا۔ مقتول نواز کی بیوی مریم بھی اپنے شوہر کا منہ دیکھنے وہاں ڈیرے پر پہنچی تھی لیکن آپ لوگوں کی طرح وحید نے مریم کو بھی کمرے کے اندر قدم نہیں رکھنے دیا۔ تم جذباتی ہونے کے بجائے ٹھنڈے دماغ سے حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ جو کچھ ہوا ہے، اس میں سب سے زیادہ بدنامی آپ ہی لوگوں کی ہے۔“

پتا نہیں، میری باتیں اس کی کھوپڑی میں بیٹھیں یا نہیں، بہرحال اس کے بعد اس نے واویلا نہیں مچایا اور خاموش ہو کر ہماری باتیں سننے لگی۔ شوکت نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔

”تھانے دار صاحب! آپ کی باتوں سے محسوس ہوتا ہے کہ اس دہرے قتل کی واردات کے سلسلے میں آپ کا شک میرے سانڈو حنیف پر ہے؟“

”میں اگر ایسا سوچ رہا ہوں تو اس میں غلط کیا ہے؟“ میں نے الٹا اسی سے سوال کر ڈالا۔ ”حالات و واقعات حنیف کی ہی جانب اشارہ کر رہے ہیں۔ کیا تم بھی اسی انداز میں نہیں سوچ رہے؟“

”نن...... نہیں۔“ وہ جز بز ہوتے ہوئے بولا۔

”کیوں...... تمہارا ذہن اس انداز میں کیوں نہیں سوچتا؟ مجھے تو تم خاصے عقل مند انسان لگے ہو۔“

”تھانے دار صاحب!“ وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ”میرا دھیان اگر حنیف کی طرف نہیں جا رہا تو اس کی ایک خاص وجہ ہے۔“

”اور وہ وجہ کیا ہے؟“ میں نے ٹٹولنے والے انداز میں پوچھا۔

”میں سمجھتا ہوں، حنیف اتنا بہادر نہیں ہے۔“ وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

مجھے محسوس ہوا کہ شوکت نے ”بہادر“ کا لفظ ”غیرت مند“ کی جگہ استعمال کیا تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنی بیوی کی موجودگی میں اس کی مقتول بہن بینو کے حوالے سے کوئی ہلکی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

بینو کے لاابالی مزاج کے بارے میں چاچا وزیر بخش نے بھی مجھے بہت کچھ بتا دیا تھا اور اب شوکت کے محتاط انداز نے بھی مجھے بتا دیا تھا کہ وہ اپنی سالی کی ”حرکتوں“ سے خوش نہیں تھا۔

”شوکت!“ میں نے کھنکھار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ ”بیوی کا معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ چوہے جیسا شوہر بھی غیرت کے جوش میں کنگ کانگ بن جاتا ہے۔ اگر حنیف کا اس دہرے قتل کی واردات میں کوئی ہاتھ نہیں تو پھر وہ کہاں غائب ہے؟“

”یہی بات تو میری بھی سمجھ میں نہیں آ رہی جناب۔“ شوکت نے حیرت اور الجھن کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ کہا۔ ”میں نے خود بھی کھیتوں میں جا کر دیکھا ہے۔ وہ مجھے کہیں نہیں ملا اور اس کی بیل گاڑی بھی کہیں دکھائی نہیں دی۔“

”حنیف کی زمین کس طرف واقع ہے؟“ میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھ لیا۔

اس نے مغرب کی سمت اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ ”اس طرف کوئی پندرہ بیس منٹ کے پیدل فاصلے پر حنیف کی پانچ ایکڑ زرعی اراضی ہے۔ وہ آج اپنی بیل گاڑی کو بھی ساتھ لے گیا تھا۔ کہہ رہا تھا، وہ واپسی پر میرے اور اپنے جانوروں کے لیے سبز چارا بھی لے کر آئے گا۔“

”ہم بھی حنیف کے انتظار میں اپنا گھر چھوڑ کر ادھر ہی بیٹھے ہوئے ہیں۔“ سلمیٰ نے غمزدہ آواز میں بتایا۔ ”چھوٹے بچے کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔“

”بچہ......“ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”کس کا بچہ؟“

”بینو کا بچہ جی۔“ سلمیٰ نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ”میں اسی معصوم کی بات کر رہی ہوں۔ بینو کا ایک ہی بچہ ہے، احمد...... ہم احمد کو کس کے آسرے پر چھوڑ کر اپنے گھر جائیں۔ احمد دن میں بھی ہمارے گھر پر ہی تھا۔ شوکت کہتا ہے، ہم احمد کو اپنے ساتھ ہی لے جاتے ہیں۔“

”احمد آج دن میں آپ لوگوں کے گھر پر کیوں تھا؟“ میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

”آج دوپہر میں جب بینو، حنیف کے لیے کھانا لے کر کھیتوں کی طرف جانے لگی تو اس نے ننھے احمد کو میرے پاس چھوڑ دیا تھا۔“ سلمیٰ نے بتایا۔

میں نے پوچھا۔ ”احمد کی عمر کیا ہے؟“

”وہ چار سال کا ہے جی۔“ اس نے جواب دیا۔ ”میرے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

تین بچے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ خوشی سے گزارہ کر رہا ہے۔"

"کیا تمہارا گھر بھی ادھر قریب ہی ہے؟"

"جی، ہم بھی اسی گلی میں رہتے ہیں۔" شوکت نے بتایا۔ "دو مکان چھوڑ کر ہمارا مکان ہے۔"

"ہوں......" میں گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر سلمٰی سے سوال کیا۔ "پینو آج دن میں کتنے بجے احمد کو تمہارے گھر میں چھوڑ کر کھیتوں کی طرف گئی تھی؟"

"میرا خیال ہے، اس وقت دن کے ساڑھے بارہ بجے ہوں گے۔"

"کیا وہ روزانہ اسی وقت حنیف کو کھانا دینے کھیتوں کی طرف جایا کرتی تھی؟" میں نے کرید کا عمل جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"جی اسی وقت۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "یا پانچ دس منٹ اوپر نیچے ہوسکتا ہے۔"

"اس نے آج کھیتوں کی طرف جاتے ہوئے تم سے کوئی خاص بات کی تھی؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

وہ ایک لمحہ سوچنے کے بعد بولی۔ "جی نہیں۔"

"کیا وہ روزانہ کھیتوں کی طرف جاتے ہوئے احمد کو آپ لوگوں کے پاس چھوڑ کر جاتی تھی؟"

ایک لمحے کو وہ مجھے متذبذب نظر آئی پھر بولی۔

"جی...... بالکل۔"

"کیا بات ہے سلمٰی!" میں نے اس کے چہرے پر نگاہ گاڑتے ہوئے سوال کیا۔ "تم مجھے کچھ الجھی ہوئی اور بے چین نظر آرہی ہو۔ تمہیں کیا پریشانی ہے؟"

"وہ جی...... دراصل، میں آپ کو ایک بات بتانا بھول گئی تھی۔" وہ کشمکش کی سی کیفیت میں بولی۔ "پتا نہیں، اس بات کی کوئی اہمیت بھی ہے یا نہیں......"

"بتاؤ، کیا بات ہے؟" میں نے بدستور اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "اہم اور غیر اہم کا فیصلہ میں خود کرلوں گا۔"

"پینو نے کھیتوں کی طرف جاتے ہوئے مجھے بتایا تھا کہ آج واپسی میں اسے تھوڑی دیر ہوجائے گی۔" وہ گلوگیر آواز میں بولی۔ "مجھے کیا پتا تھا کہ اسے اتنی دیر ہوجائے گی کہ پھر وہ کبھی لوٹ کر نہیں آسکے گی۔"

بات کے اختتام پر اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔

"سلمٰی!" میں نے قدرے نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ "پینو نے تمہیں دیر سے واپس آنے کی کوئی وجہ تو بتائی ہوگی؟"

"جی بتائی تھی۔" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے غم ناک لہجے میں بولی۔ "اس نے کہا تھا کہ حنیف کو کھانا کھلانے کے بعد وہ چودھریوں کی حویلی جائے گی۔"

سلمٰی کی بات سن کر میں چونک اٹھا اور سوال کیا۔ "وہ چودھریوں کی حویلی کیوں جانا چاہتی تھی؟"

"چودھری مبارک نے کسی کام کے لیے اسے اپنے پاس بلایا تھا۔" اس نے بتایا۔

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "چودھری مبارک نے پینو کو کس کام سے اپنے پاس بلایا تھا؟"

"یہ تو اس نے مجھے نہیں بتایا۔" وہ جھکے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اور سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے اس سے پوچھا بھی نہیں۔" لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک بوجھل سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

"چودھری مبارک اس پنڈ کے مالک ومختار ہیں۔ وہ کسی کو کسی بھی کام سے اپنی حویلی میں بلا سکتے ہیں۔"

میرے ذہن میں ایک عجیب سا کھٹکا آبیٹھا۔ وہاں ڈیرے پر تھوڑی دیر پہلے چودھری مبارک سے میری تفصیلی بات ہوئی تھی۔ میں نے اس سے دونوں مقتولین کے بارے میں متعدد سوالات کیے تھے۔ اگر اس نے پینو کو کسی کام سے اپنی حویلی میں بلایا تھا تو وہ اس کا ذکر ضرور کرتا اور اگر اس نے دانستہ اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا تو اس کا مطلب یہی تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے اور...... اس گڑبڑ سے چودھری اچھی طرح واقف ہے۔ چودھری کی طرف سے میرا ذہن ریڈ الرٹ ہوگیا۔ میں نے سلمٰی سے سوال کیا۔

"پینو تک یہ اطلاع کس نے پہنچائی تھی کہ چودھری مبارک نے کسی ضروری کام سے اسے حویلی پر بلایا ہے؟"

"عاشاں ماسی نے۔" سلمٰی نے بتایا۔

"یہ عاشاں ماسی کون ہے؟" میں نے پوچھا۔ "اور کہاں رہتی ہے؟"

"عاشاں کا اصل نام عائشہ ہے۔ وہ چودھری صاحب کی نوکرانی ہے اور ادھر حویلی ہی میں رہتی ہے۔"

میں نے چودھری مبارک اور ماسی عاشاں کے ناموں پر دائرے لگا کر انہیں اپنے ذہن میں محفوظ کرلیا۔ ان کے علاوہ بھی دو نام دائروں میں بند میرے ذہن میں محفوظ تھے اور وہ دو نام تھے...... حنیف اور وحید۔ میرے خیال میں ان چاروں افراد سے پوچھ تاچھ اس دہرے قتل کی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

واردات پر روشنی ڈالنے ... یہ نتیجہ خیز ثابت ہوسکتی تھی۔

میں نے سلمیٰ اور اس کے شوہر شوکت سے نواز کے بارے میں گھما پھرا کر مختلف سوالات کیے۔ انہوں نے میرے سوالات کے جواب میں نواز کی کھلم کھلا مخالفت نہیں کی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے تسلی تشفی دے کر انہیں فارغ کر دیا۔

حنیف کے گھر سے نکلنے کے بعد میں نے آس پڑوس کے تین چار افراد سے بھی مختصر گفتگو کی تاہم دہرے قتل کی اس ہولناک واردات پر وہ کوئی روشنی نہ ڈال سکے البتہ ان میں سے بعض نے ڈھکے چھپے الفاظ میں پینو کی غیر نصابی سرگرمیوں کا جو نقشہ کھینچا، وہ چاچا وزیر بخش سے حاصل ہونے والی معلومات سے لگا کھاتا تھا۔

میں چودھری مبارک علی کی حویلی کی جانب بڑھنے لگا تو سلمیٰ کا شوہر شوکت بھی میرے ہمراہ ہوگیا۔ اسی لمحے ایک گورا چٹا بچہ دروازے میں نمودار ہوا اور شوکت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''خالو...... میری اماں اور ابا کب آئیں گے؟''

مجھے یہ سمجھنے میں ذرا سی بھی دقت محسوس نہ ہوئی کہ وہ حنیف کا بیٹا احمد تھا۔ اس معصوم صورت کو دیکھ کر میرا دل کٹنے لگا۔ ماں باپ کے اعمال و افعال میں ننھے احمد کا کوئی حصہ نہیں تھا مگر اس کے نتائج سے وہ محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نوعیت کے معاملات میں قدرت کی مصلحتوں کو سمجھنا بہت دشوار ہوجاتا ہے۔ اگر ایمان میں کہیں کوئی کمزوری موجود ہو تو انسان کو گمراہ ہوتے ایک لمحہ نہیں لگتا۔ میں بے اختیار آگے بڑھا اور احمد کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے دلار سے کہا۔

''بیٹا! ہم تمہارے ابا اور اماں کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تم اندر جا کر اپنی خالہ کے بچوں کے ساتھ کھیلو۔''

ان حالات میں، میں اس بچے کے لیے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے سرتاپا میرے سراپا پر ایک گہری نگاہ ڈالی پھر بڑی معصومیت سے مستفسر ہوا۔

''آپ پولیس ہیں؟''

میں نے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ''جی بیٹا! میں پولیس ہوں۔''

احمد کے اس سوال سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ اس گھر میں میری آمد کے بعد پولیس کا تذکرہ ضرور ہوا تھا۔ اس نے ویران آنکھوں کے ساتھ مجھے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میرے اماں ابا کہاں گم ہوگئے ہیں؟''

میرے پاس فی الحال احمد کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا لہٰذا اس کی تسلی کی خاطر میں نے کہہ دیا۔ میرا یہ جواب گول مول سا تھا۔

''بیٹا! ہم پتا چلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

شوکت علی نے بہلا پھسلا کر احمد کو گھر کے اندر جانے پر آمادہ کرلیا۔ احمد کا معصوم ذہن اس حقیقت کا ادراک نہیں کرسکتا تھا کہ حالات کی ایک سفاک کروٹ نے اس کے نازک اور گداز قدموں کے سامنے کون سی پُرخار راہ بچھادی تھی۔

شوکت علی، چودھری مبارک کی حویلی تک میرے ساتھ ہی آیا تھا۔ میں نے رخصت کرتے وقت خاص طور پر اسے ہدایت کی۔

''شوکت! تم سیدھا یہاں سے اپنے ساڑھو حنیف کے گھر ہی جانا اور ہمہ وقت گھر کے اندر ہی موجود رہنا۔ میں ادھر حویلی ہی میں بیٹھا ہوں۔ اس دوران میں اگر حنیف واپس آجائے تو تم فوراً مجھے اطلاع دینا۔''

''ٹھیک ہے سرکار۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''آپ نے جیسا کہا ہے، میں ویسا ہی کروں گا۔''

''اور تم احمد کا بہت زیادہ خیال رکھو گے۔'' میں نے تاکیدی لہجے میں کہا۔ ''وہ بہت پیارا اور معصوم بچہ ہے۔''

''جی سرکار۔ وہ میرے لیے اپنے بچوں جیسا ہی ہے۔''

''فی الحال، پینو کے قتل کا ذکر پھیلانے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس سلسلے میں تم سلمیٰ کو بھی اچھی طرح سمجھا دینا۔''

''آپ فکر ہی نہ کریں جناب۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ''ادھر کے معاملات کو میں اچھی طرح سنبھال لوں گا۔ انشاء اللہ! آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔''

میں اس کی طرف سے مطمئن ہوگیا۔

☆☆☆

چودھری مبارک کی حویلی بڑی عالیشان تھی۔ آج پہلی بار وہاں آنے کا اتفاق ہوا تھا۔ جب چودھری کو پتا چلا کہ میں آیا ہوں تو اس نے حویلی کے گیٹ پر آکر بڑے تپاک کے ساتھ میرا استقبال کیا پھر میں اس کے ساتھ چلتے ہوئے ایک سجے سجائے ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔ چودھری مبارک کی بیٹھک (ڈرائنگ روم) آرائش اور سجاوٹ کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھی۔ اس شان و شوکت کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ سلمیٰ کے بقول چودھری مبارک موضع شہزاد کوٹ کا واقعی مالک و مختار تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے پوچھا۔ ''چودھری صاحب! اب آپ کی ٹانگ کا کیا حال ہے؟''

''تھوڑا آرام ہے۔'' اس نے اپنی ٹانگ پر اس طرح ہاتھ پھیرا جیسے میرے یاد دلانے پر اسے یاد آیا ہو کہ اس کی مذکورہ ٹانگ کسی مرض میں مبتلا ہے۔ پھر اس نے سرسری انداز میں مجھ سے پوچھا۔ ''آپ بتائیں، بندہ گرفتار ہوا یا نہیں؟''

بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔ ''کون سا بندہ چودھری صاحب؟''

''ملک صاحب! میں حنیف کی بات کر رہا ہوں۔''

''اوہ اچھا!'' میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ ''ابھی تک تو وہ واپس نہیں آیا لیکن آپ فکر نہ کریں، میں نے ایسا بندوبست کر دیا ہے کہ وہ نامراد جیسے ہی گاؤں میں قدم رکھے گا، مجھے خبر ہو جائے گی۔''

چودھری پُرسوچ انداز میں گردن ہلا کر رہ گیا تاہم اس نے میرے ''بندوبست'' کے حوالے سے کوئی سوال کرنے کے بجائے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''آپ کے محکمے میں مخبری کا نظام بڑی تیزی سے کام کرتا ہے۔''

میں نے بھی اس کے اس بیان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور پوچھا۔ ''چودھری صاحب! آپ کا ملازم وحید کہاں ہے؟''

''کیوں......؟'' اس نے چونکتے انداز میں مجھے دیکھا۔ ''خیریت تو ہے نا؟''

''سب خیریت ہے چودھری صاحب۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں وحید سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''وہ تھوڑی دیر پہلے ہی تو حویلی سے گیا ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''کہاں گیا ہے؟''

''ادھر ڈیرے پر......''

''عجیب اتفاق ہے چودھری صاحب۔'' میں نے چودھری مبارک کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جب میں نے ادھر ڈیرے پر آپ سے وحید کے بارے میں استفسار کیا تو وہ ادھر حویلی میں تھا اور اب میں حویلی میں بیٹھ کر اس کے بارے میں پوچھ رہا ہوں تو وہ ادھر ڈیرے پر پہنچا ہوا ہے؟''

''بالکل درست فرما رہے ہیں آپ۔ آپ اسے ایک اتفاق ہی سمجھ لیں۔'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی پھر گہری سنجیدگی سے وضاحت کرنے لگا۔

''ملک صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ وحید اور نواز کی ان دنوں ڈیرے پر ڈیوٹی لگا رکھی تھی۔ نواز گھر بار والا تھا اس لیے وہ رات کو اپنے گھر آجایا کرتا تھا مگر وحید رات کو ادھر ڈیرے پر ہی رہتا تھا۔ وحید چھڑا چھانٹ ہے، کہیں بھی رہ جائے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آج تو میں نے صدیق کو بھی اس کے ساتھ بھیج دیا ہے۔ صدیق ابھی رات کو ڈیرے پر ہی رکے گا۔''

چودھری کی وضاحت سے میرا ذہن مطمئن نہیں ہوسکا۔ ایک فوری خیال کے تحت میں نے پوچھ لیا۔ ''صدیق اور وحید سوئیں گے کہاں؟ رہائشی کمرے کو تو میں نے سیل کر دیا ہے۔''

یہ صدیق نامی ملازم وہی شخص تھا جو اس دہرے قتل کی واردات کی اطلاع لے کر تھانے میرے پاس آیا تھا۔

''جناب! مجھے خبر ہے کہ آپ نے اس کمرے پر سرکاری تالا لگا دیا ہے جہاں دہرے قتل کی یہ سنگین واردات ہوئی ہے۔'' چودھری نے میرے سوال کے جواب میں کہا۔ ''لیکن وہاں ڈیرے پر اس کے علاوہ بھی دو کمرے ہیں۔ ویسے آج کل موسم خاصا گرم ہے۔ یہ لوگ ڈیرے کے صحن میں بھی سو سکتے ہیں۔''

چودھری کی بات ختم ہوئی ہی تھی کہ ایک ٹرے بردار ملازم بیٹھک کے دروازے پر نمودار ہوا۔ اس بندے نے اپنے ہاتھوں میں جو کنگ سائز کی ٹرے اٹھا رکھی تھی، وہ سامانِ خورونوش سے لدی پھندی نظر آرہی تھی۔ چودھری کے اشارے پر اس ملازم نے وہ ٹرے میرے سامنے میز پر رکھی اور تمام تر اشیائے خورونوش میرے سامنے سجانے کے بعد خاموشی کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوگیا۔

''چودھری صاحب! یہ کیا ہے؟'' میں نے میز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''اللہ کی نعمتیں ہیں۔'' وہ بڑی سادگی سے بولا۔

''مگر اتنا کچھ......''

''کسی تکلف کی ضرورت نہیں ملک صاحب۔'' چودھری نے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔ ''یہ ساری نعمتیں آپ کے لیے ہیں۔ آپ دل کھول کر ان کے ساتھ انصاف کریں گے تو آپ کی منصفی دیکھ کر مجھے خوشی ہوگی۔''

میرے لاکھ انکار اور اس کے کروڑ اصرار کے نتیجے میں، میں اپنے ہاتھوں کو حرکت نامی زحمت دینے پر مجبور ہوگیا کیونکہ اگر میں اپنی ضد پر ڈٹا رہتا تو یہ سیدھا سیدھا کفرانِ نعمت ہوتا۔

''آپ ادھر حنیف کے گھر پر اچھا خاصا وقت گزار کر

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

آئے ہیں بلکہ حنیف کا بھائی شوکت تو حویلی تک چھوڑنے بھی آیا تھا۔" چودھری نے میری طرف دیکھتے ہوئے معتدل انداز میں کہا۔ "اس دہرے قتل کی واردات کے حوالے سے کوئی اہم نکتہ آپ کے ہاتھ لگا؟"

اس کے سوال کا جواب دینے سے پہلے میں نے مذاق کے رنگ میں کہا۔ "چودھری صاحب! ہمارے ڈیپارٹمنٹ سے زیادہ فعال تو آپ کا مخبری کا نظام ہے۔"

"یہ سب کرنا پڑتا ہے ملک صاحب۔" وہ بڑے فخر سے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولا۔ "گاؤں کا نظام چلانا کسی سلطنت کے نظام سے کم نہیں ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ "موضع شہزاد کوٹ آپ کی سلطنت ہی ہے جہاں کے آپ مطلق العنان بادشاہ ہیں۔"

"میرے سوال کا آپ نے جواب نہیں دیا۔" وہ ٹٹولتی ہوئی نظر سے مجھے تکنے لگا۔

"ایک سرا ہاتھ لگا تو ہے......" میں نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔ "لیکن میں فی الحال وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اس سے کچھ حاصل بھی ہوگا یا نہیں۔"

ایک دم چودھری کے کان (محاورتاً) کھڑے ہوگئے۔ سرسراتی ہوئی آواز میں اس نے مجھ سے استفسار کیا۔ "آپ کس سرے کی بات کررہے ہیں ملک صاحب؟"

"چودھری صاحب! میں نے جو سرا پکڑا ہے......" میں نے لہجے کی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "اس کے دوسرے کنارے پر آپ کھڑے ہیں۔"

وہ اچھل پڑا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ملک صاحب؟"

"میں نے حقیقت بیان کی ہے چودھری صاحب!"

وہ بے حد محتاط لہجے میں بولا۔ "ملک صاحب! آپ کو جو کچھ بھی کہنا ہے، کھل کر کہیں......"

"مجھے پتا چلا ہے کہ پینو کو آج دوپہر میں آپ نے اپنے پاس حویلی میں بلایا تھا۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

یہ سن کر اس کا چہرہ متغیر ہوگیا تاہم اگلے ہی لمحے اس نے مجھ سے پوچھ لیا۔ "آپ کو یہ بات کس نے بتائی ہے؟"

"میں خبر کنندہ کے بارے میں بعد میں بتاؤں گا۔" میں نے چودھری کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ "پہلے آپ اس بات کی تصدیق یا تردید کریں؟"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ بڑے اعتماد کے ساتھ بولا۔ "میں اس امر کی تردید کرتا ہوں۔"

اقوال زریں

☆ اگر تو گناہ پر آمادہ ہے تو ایسی جگہ تلاش کر جہاں خدا نہ ہو۔

☆ کسی سے بدلہ لینے میں جلدی نہ کرو اور کسی کے ساتھ نیکی کرنے میں دیر نہ کرو۔

☆ ہر سانس موت کی طرف ایک قدم ہے۔

☆ دوست ہزار بھی کم ہیں اور دشمن ایک بھی زیادہ ہے۔

☆ جو دعا دوستوں کے لیے ان کی غیر موجودگی میں کی جاتی ہے، وہ رد نہیں ہوتی۔

☆ بے عقلی سب سے بڑی غربت ہے۔

☆ دوست کی دوستی دیکھو، اس کے عیب نہ دیکھو۔

☆ کسی کا دل نہ دکھا کہ تیرے پہلو میں بھی دل ہے۔

☆ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی۔

☆ لوگ تمھیں شکل سے کم اور عقل سے زیادہ دیکھتے ہیں۔

☆ آسمان کی طرف دیکھو ضرور مگر یہ نہ بھولو کہ تمہارے پاؤں زمین پر ہیں۔

☆ عقل مند بات کرنے سے پہلے اور بے وقوف بات کرنے کے بعد سوچتا ہے۔

☆ تمہاری مسکراہٹ دشمن کو تباہ کرنے کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔

☆ نیکی کرنے کے لیے وقت کا انتظار نہ کریں بلکہ خلوص دل سے خود موقع تلاش کریں۔

☆ کتنے عظیم ہوتے ہیں وہ لوگ جو دوسروں کی خوشیوں پر اپنی خوشیاں قربان کردیتے ہیں۔

مرسلہ۔ سعید عباسی، بہاول پور

اجازت

"کیا تم نے اپنی بیوی کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ جیسے چاہے کرے؟"

"نہیں، وہ میری اجازت کے بغیر جیسے چاہے کرتی ہے۔"

مرسلہ۔ وزیر محمد خان، بٹل ہزارہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایمانے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حنا ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

http://paksociety.com

''آج دوپہر میں حسبِ معمول جب پنو اپنے شوہر حنیف کے لیے کھانا لے کر کھیتوں کی طرف جانے لگی تو اس نے اپنے چار سالہ بیٹے احمد کو اپنی بڑی بہن سلمٰی کے حوالے کرتے ہوئے بتایا تھا کہ واپسی میں اسے دیر ہو جائے گی۔'' میں نے چودھری کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بتانا شروع کیا۔ ''جب سلمٰی نے اس سے اس تاخیر کا سبب پوچھا تو پنو نے اسے بتایا تھا کہ آپ نے اسے حویلی بلایا ہے......''

''بدبخت نے جھوٹ بولا ہے۔'' چودھری میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

''آپ کا بلاوا پنو تک آپ کی حویلی کی ایک ملازمہ ماسی عاشاں نے پہنچایا تھا۔''

''بالکل غلط۔'' وہ قطعی لہجے میں بولا۔ ''آپ کو میری بات پر یقین کرنا چاہیے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔''

''لیکن......'' میں نے متذبذب انداز میں کہا۔ ''پنو کو جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا تھا؟''

''آپ پنو سے واقف نہیں ہیں ملک صاحب......'' وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں واقعی پنو سے واقف نہیں ہوں۔'' میں نے سوالیہ نظر سے چودھری مبارک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''

''پنو نے اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے......''

اس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو میں نے پوچھا۔ ''آپ رک کیوں گئے چودھری صاحب؟''

''مرنے والے کی برائی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔'' وہ ٹالنے والے انداز میں بولا۔ ''ہر انسان کو اپنے اعمال کا خود حساب اور جواب دینا ہے۔''

''تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پنو کا چال چلن ٹھیک نہیں تھا؟''

''آپ نے اس کی لاش کو جس حالت میں دیکھا ہے، اس کے بعد اس کے کردار پر کچھ کہنے کے لیے باقی کیا رہ جاتا ہے؟'' چودھری کی معنی خیز سوالیہ نگاہ مجھ پر جم گئی۔

''چودھری صاحب! میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں کسی بھی چیز کے بارے میں فوری طور پر کوئی رائے قائم نہیں کرتا۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں جب تک حالات و واقعات کو اپنے انداز میں تحقیق اور تفتیش کے مراحل سے نہ گزاروں، میں مطمئن نہیں ہوتا۔ خیر، آپ یہ بتائیں کہ......'' میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر دوٹوک انداز میں استفسار کیا۔ ''کیا آپ اس بات سے انکاری ہیں کہ آپ نے ماسی عاشاں کے ذریعے پنو کو آج دوپہر میں اپنی حویلی آنے کے لیے کہا تھا؟''

''میں ایک سو ایک بار اس بات سے انکاری ہوں۔'' وہ چٹانی لہجے میں بولا۔ ''اور میں اپنے کہے کو ثابت بھی کر سکتا ہوں۔''

''وہ کیسے؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''ماسی عاشاں اس وقت حویلی میں موجود ہے۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''میں اسے یہاں بلا کر ابھی آپ کا سامنا کراتا ہوں۔ آپ کو جو بھی پوچھنا ہو، پوچھ لیں اس سے۔ ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔''

چودھری مبارک نے یہ دعویٰ اتنے اعتماد کے ساتھ کیا تھا کہ اگر یہ کوئی چھوٹا موٹا کیس ہوتا تو میں شاید کسی تصدیق کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتا اور فوراً اس کی بات پر یقین کر لیتا لیکن یہ دہرے قتل کی ایک سنگین واردات کا معاملہ تھا لہٰذا میں چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔

آئندہ پندرہ منٹ کے اندر یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا۔ چودھری مبارک نے ماسی عاشاں کو وہیں بیٹھک میں طلب کر لیا تھا۔ عائشہ عرف ماسی عاشاں کی عمر ساٹھ کے آس پاس رہی ہو گی۔ پستہ قامت، گندمی رنگت اور فربہ بدن۔ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے میں نے بخوبی اندازہ لگا لیا کہ وہ جوانی میں خاصی تیز و طرار رہی ہو گی۔ بہرحال، دس پندرہ منٹ کی پوچھ تاچھ کے نتیجے میں عاشاں نے چودھری مبارک کے بیان کی تصدیق کر دی تھی۔ اس نے بڑے یقین کے ساتھ کہا۔

''تھانے دار صاحب! میں نے تو پچھلے تین چار دن سے پنو کی شکل تک نہیں دیکھی۔''

مجھے عاشاں کی بات پر یقین کرنا پڑا۔ چودھری نے عاشاں کو واپس بھیج دیا پھر میری جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ اس کے انداز سے ناگواری جھلکتی تھی۔

''ملک صاحب! اب تو آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ پنو کس قسم کی عورت تھی۔ جھوٹ اور چھل فریب تو اس کی نس نس میں رچا بسا تھا۔ جو عورت اپنے شوہر کی وفادار نہ ہو، اس سے اور کوئی کیا توقع کر سکتا ہے۔ بس...... اللہ معاف کرے جناب۔''

''ٹھیک ہے چودھری صاحب!'' اس کی بات کے اختتام پر میں نے کہا۔ ''یہ تو آپ نے ثابت کر دیا کہ پنو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

http://paksociety.com

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

www.paksociety.com

کو آپ نے حویلی میں نہیں بلایا تھا لیکن میرے سننے میں یہ بھی آیا ہے کہ پنو گاہے بہ گاہے آپ کی حویلی کا چکر لگا لیا کرتی تھی۔''

آخری جملہ میں نے چودھری کا ردِعمل جاننے کے لیے ادا کیا تھا کیونکہ عاشاں والی وضاحت سے میری تسلی نہیں ہوئی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دال میں کچھ کالا ہے۔

''ملک صاحب! میری حویلی میں تو پتا نہیں، کون کون چکر لگاتا رہتا ہے۔'' وہ بڑی رعونت سے بولا۔ ''ہاں، یہ سچ ہے کہ پنو بھی ہفتے میں ایک آدھ بار حویلی کا چکر لگا لیا کرتی تھی۔''

''اس کا کوئی خاص سبب؟'' میں نے پوچھا۔

''جی، سبب خاص ہی ہے۔'' وہ ٹھوس انداز میں بولا۔

میں سوالیہ نظر سے اسے دیکھنے لگا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''آپ سے کیا پردہ ملک صاحب! وہ دراصل بات یہ ہے کہ میری بیوی شکیلہ کے جسم کا زیریں حصہ مفلوج ہے۔ حکیم جی نے شکیلہ کے لیے ایک خاص قسم کا تیل بنا کر دیا ہے اور ہدایت کر رکھی ہے کہ ہفتے میں ایک مرتبہ شکیلہ کے بدن پر اس تیل کی مالش ضرور ہونا چاہیے......'' لمحے بھر کے لیے وہ سانس لینے کو تھما پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''مجھے پتا چلا تھا کہ پنو کے ہاتھوں میں غضب کا جادو ہے۔ میں شکیلہ کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔ جب مجھے پنو کی اس صلاحیت کا علم ہوا تو میں نے فیصلہ کیا کہ اس کی خداداد صلاحیت سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گا۔ یہ ہے سارا قصہ ملک صاحب!''

''ٹھیک ہے چودھری صاحب۔'' اس کے خاموش ہونے پر میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں تو اپنے پیشے کے تقاضے نبھا رہا ہوں اسی لیے آپ سے ہر قسم کا سوال کرنے پر مجبور ہوں۔ اگر میری کوئی بات بری لگی ہو تو میں آپ سے......''

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ملک صاحب!'' وہ جلدی سے قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔ ''میں آپ کی محکمہ جاتی ذمے داریوں کو سمجھ سکتا ہوں۔ مجھے آپ کی کوئی بھی بات بری نہیں لگی۔ آپ کو میری حویلی کے دروازے ہمیشہ کھلے ملیں گے۔ آپ کا جب بھی دل چاہے، آپ کسی بھی قسم کی پوچھ پرتیت کے لیے یہاں تشریف لا سکتے ہیں۔''

میں نے تہِ دل سے کہا۔ ''بہت شکریہ چودھری صاحب۔''

اسرار

1906ء میں خلیل جبران نے بیس ڈالر ادھار لے کر اپنی تصویروں کی ایک نمائش منعقد کی۔ اس نمائش کو دیکھنے آنے والوں میں ایک خاتون مس میری ہسکل بھی تھی جس سے بعد میں جبران کی دوستی ہو گئی۔ جب خلیل جبران آرٹ کی مزید تعلیم کے حصول کے لیے پیرس جانے لگا تو اس خاتون نے اس کا کرایہ ادا کیا۔ ایک سوانح نگار کا کہنا ہے کہ اس احسان کے عوض جبران نے اس سے کہا کہ وہ ہر مسودہ ناشر کے پاس جانے سے پہلے ایک نظر دیکھ لیا کرے۔

جبران کا ناول...... ''ٹوٹے ہوئے پر'' ایم۔ ای۔ ایچ۔ ہاؤ ایور کے نام منسوب ہے جو اس کی جائداد کا منتظم تھا۔ اس کا اصرار ہے کہ جس امیر خاتون نے جبران کی مالی مدد کی، اس کا نام میری خوری ہے۔ جائداد کا وصی میری خوری کا ذاتی معالج تھا اور اس کے کمرے میں خلیل جبران کی بنائی ہوئی کئی تصویریں اور مجسمے دیکھ چکا تھا۔ ان پر جبران نے عربی میں لکھا تھا۔ ''کسی شخص کو شراب پینے کا طعنہ نہ دو...... کیا عجب وہ شراب نوشی سے بھی کسی زیادہ تلخ حقیقت کو فراموش کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔'' ڈاکٹر آگے چل کے لکھتا ہے کہ میری خوری اپنے نام خلیل جبران کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خطوط کی اشاعت پر رضامند تھی۔ اس کا دعویٰ ہے۔ یہ خطوط ایک دوست کے حوالے کر دیے گئے تھے کہ انہیں مناسب ترتیب دے اور ان میں ضروری رد و بدل کر دے لیکن اسی اثنا میں وہ دوست اور پھر میری خوری بھی چل بسی اور خطوط گمنام ہاتھوں میں چلے گئے۔

میری خوری کے کہنے کے مطابق جبران نے زندگی کے آخری ایام میں کئی شامیں اس کے کمرے میں گزاریں۔

میری کے نام جبران کے خطوط کی موجودگی لبنان کے ایک اخبار نویس کے بیان سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے ان میں سے چند خطوط کا مطالعہ بھی کیا ہے اور میری خوری نے انہیں اشاعت کے لیے دینے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ جب میں نے اخبار نویس سے پوچھا کہ ان خطوط کی نوعیت محض کاروباری تھی یا یہ محبت نامے تھے۔ تو اس نے جواب دیا کہ یہ خطوط کاروباری نہیں محبت نامے تھے اس بیان کے باوجود خلیل جبران کی اس محسنہ کا وجود ایک اسرار سے کم نہیں۔ کوئی شخص وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کا نام میری ہسکل تھا یا میری خوری...... یا یہ دونوں نام ایک ہی شخصیت کے دو مختلف نام تھے؟

(خلیل جبران کے افکار پر مشتمل کتاب ''روح کے آئینے سے'' اقتباس)

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"آپ ماشاء اللہ، ایک تجربہ کار، ذہین اور جہاندیدہ پولیس افسر ہیں۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "اتنی سی بات کا تو آپ کو بھی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ پینو نے اپنے آشنا سے آشنائی حاصل کرنے کے لیے حویلی کا چکر لگانے والا جھوٹ بولا ہوگا۔ میرا اشارہ مقتول نواز کی طرف ہے...... آپ نے دونوں لاشوں کی حالت تو دیکھ ہی رکھی ہے۔"

میں نے اپنی گردن کو کچھ ایسے انداز میں حرکت دی جیسے اس کی وضاحت سے مجھے سو فیصد اتفاق ہو پھر میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"چودھری صاحب! آپ کو میرا ایک کام کرنا ہے اور وہ یہ کہ آپ کا ملازم وحید تھوڑی دیر کے لیے مجھے چاہیے۔ آپ کل کسی وقت وحید کو میرے پاس تھانے بھیج دیں۔ میں اس کا تفصیلی بیان لینا چاہتا ہوں۔ وہ مقتول نواز کے ساتھ ڈیرے پر رہتا تھا اس لیے وہ نواز کے حالات اور معاملات سے اچھی طرح آگاہ ہوگا۔"

بات ختم کرتے ہی میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ چودھری بھی میری تقلید میں کھڑے ہوتے ہوئے تعاون آمیز لہجے میں بولا۔

"جی ضرور...... میں کل وحید کو آپ کی طرف بھیجتا ہوں۔"

"بہت مہربانی آپ کی۔" میں نے کہا۔

"کیوں شرمندہ کرتے ہیں ملک صاحب۔" وہ جلدی سے بولا۔ "میں نے ہمیشہ قانون کا احترام کیا ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" میں نے سراہنے والے انداز میں کہا پھر قدم اٹھا دیے۔

"آپ صرف دو منٹ رک جائیں۔" وہ کسی فوری خیال کے تحت بولا۔

میں رک گیا اور پوچھا۔ "خیریت چودھری صاحب؟"

"سب خیریت ہے ملک صاحب۔" وہ مجھے روکنے کا سبب بیان کرتے ہوئے بولا۔ "آپ نے اپنے تانگے میں تو مقتولین کی لاشوں کو سرکاری اسپتال بھجوا دیا تھا۔ میں آپ کے لیے کسی سواری کا بندوبست کر دیتا ہوں۔ شام ہو رہی ہے۔ آپ کہاں پریشان ہوتے پھریں گے۔"

میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد چودھری مبارک کے مہیا کیے گئے تانگے میں بیٹھ کر اپنے تھانے کی جانب روانہ ہو گیا۔

تھانے کی طرف جانے والا راستہ گاؤں کے بیچوں بیچ گزرتا تھا۔ جب میرا تانگا حنیف کے گھر سے چند گز کی دوری پر تھا تو ایک عورت اچانک ایک گھر سے نکل کر میرے تانگے کے سامنے آگئی۔

کوچوان کو ہنگامی بنیادوں پر تانگا روکنا پڑا۔ وہ عورت اتنی تیزی سے تانگے کے سامنے آئی تھی کہ اگر کوچوان کو تانگے کو روکنے میں ایک لمحے کی تاخیر بھی ہو جاتی تو گھوڑا مذکورہ عورت کو اپنے پاؤں تلے روند چکا ہوتا۔ اس عورت کا انداز خودکشی ایسا ہی تھا مگر ہوا میں اٹھے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ اس بات کا اعلان کر رہے تھے کہ اس کی وہ حرکت تانگے کو روکنے کے لیے تھی۔

کوچوان نے برہمی سے کہا۔ "اس کا خصم تو حرام موت مر گیا۔ پتا نہیں، یہ کیا چاہتی ہے؟"

کوچوان کی بات نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے اس سے سوال کیا۔ "کون ہے یہ بدبخت؟"

"یہ نواز کی بیوی مریم ہے تھانے دار صاحب۔" کوچوان رفیق عرف بابا فیکا نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔

اتنی دیر میں مریم سنبھل کر میرے نزدیک آ گئی تھی۔ اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے احتجاجی لہجے میں کہا۔

"تھانے دار صاحب! آپ مجھ سے پوچھیں کہ میں کیا چاہتی ہوں......"

اس کے احتجاج میں غم کا عنصر شامل تھا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ کوچوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"فیکا نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ مجھے موت چاہیے۔ جب نواز زندہ نہیں رہا تو مجھے بھی جینے کا کوئی حق نہیں۔" اس کی آواز رندھ گئی۔ "ڈائن کھا گئی میرے خاوند کو......"

ڈائن کا لفظ یقیناً اس نے پینو کے لیے استعمال کیا تھا۔ مریم کو دیکھ کر مجھے عجیب سا محسوس ہوا۔ میں نے نواز کی لاش کا بغور معائنہ کیا تھا۔ وہ ایک وجیہہ اور دراز قامت مرد تھا جبکہ مریم اس کا پاسنگ بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ تیس پینتیس سال کی ایک پستہ قد اور سیاہ رو عورت تھی۔ اس کے جسمانی خطوط اور چہرے کے نقوش کے بیچ بھی کوئی توازن دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ ایک سو ایک فیصد بے جوڑ میاں بیوی تھے۔

اس وقت تک سورج غروب ہو چکا تھا لیکن ابھی اندھیرا پھیلنا شروع نہیں ہوا تھا۔ مریم کے اندازِ گفتگو سے میں نے فوراً اخذ کر لیا کہ اگر میں چند منٹ اس سے بات چیت کروں تو مجھے مفید معلومات حاصل ہونے کے روشن امکانات ہیں۔ میں تانگے سے نیچے اتر آیا اور مریم سے پوچھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"بی بی! تمہارا گھر کس طرف ہے؟"

"میں اسی گھر میں رہتی ہوں تھانے دار صاحب۔"

اس نے اسی دروازے کی طرف اشارہ کیا جہاں سے تھوڑی دیر پہلے وہ برآمد ہوئی تھی۔

"میں تم سے اس ڈائن کے بارے میں چند سوالات کرنا چاہتا ہوں جو تمہارے خاوند کو نگل گئی ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہارے گھر کے اندر بیٹھنے کی کوئی جگہ ہے؟"

میرے بھی منہ سے پینو کے لیے "ڈائن" کا لفظ سن کر مریم نے ایک آسودہ سانس لی۔ میرے الفاظ نے اس پر نفسیاتی اثر کیا تھا۔ اس کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا تھا۔ وہ جلدی سے بولی۔ "آپ آئیں تھانے دار صاحب۔"

ایک منٹ سے پیشتر میں مقتول نواز کی بیٹھک میں اس کی بیوہ مریم کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ وہ اس بات پر برہمی کا اظہار کرنے لگی کہ اسے نواز کی لاش تک جانے سے روک دیا گیا تھا۔ میں نے موقع محل کی نزاکت کو سامنے رکھ کر جب مناسب الفاظ میں اسے سمجھایا تو وہ پُرسکون ہوگئی۔ میں نے نفسیاتی حربے آزماتے ہوئے کہا۔

"مریم! تم نے پینو کو ڈائن کہا ہے۔ واقعی، وہ کسی ڈائن سے کم نہیں تھی۔ تم مجھے بتاؤ، ان دونوں کے بیچ یہ معاملہ کب سے چل رہا تھا؟"

"میں بہت دکھی عورت ہوں تھانے دار صاحب۔"

اس کے آنسو نکل آئے۔

"مجھے اندازہ ہے۔" میں نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔

"میں جانتی ہوں کہ میں ایک کالی کلوٹی عورت ہوں۔" وہ سسکی بھرتے ہوئے بولی۔ "نواز کو ایک سے بڑھ کر ایک گوری چٹی اور خوب صورت عورت مل سکتی تھی۔ میں نے کئی مرتبہ نواز سے کہا کہ وہ کسی حسین و جمیل عورت سے دوسری شادی کر لے۔ میں نوکرانی بن کر اس کے گھر میں پڑی رہوں گی اور ان دونوں کی خدمت کروں گی لیکن وہ کبھی دوسری شادی پر تیار نہیں ہوا۔ مجھے کیا پتا تھا......" وہ گلوگیر آواز میں بولی۔ "مجھے کیا پتا تھا کہ وہ گھر سے باہر کیا گل کھلاتا پھر رہا ہے۔"

ان لمحات میں مریم شدتِ جذبات سے بری طرح مغلوب تھی۔ وہ رکی تو میں نے اپنا سوال دہرانے میں ایک لمحے کی دیر نہیں کی۔

"مریم! مجھے بتاؤ، پینو اور نواز کے درمیان یہ کھچڑی کب سے پک رہی تھی؟"

"میں تو ویسے بھی پینو کو اپنے شوہر کا قاتل سمجھتی ہوں تھانے دار صاحب۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"اگر تم چاہتی ہو کہ میں اس معاملے کو جلد از جلد نمٹا دوں تو تمہیں میرے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ تم پینو کو نواز کا قاتل سمجھتی ہو لیکن میں نے تم سے کچھ اور پوچھا تھا......؟"

"جی......" وہ گھائل آواز میں بولی۔ "مجھے کچھ ہی عرصہ پہلے ان دونوں کے شیطانی تعلقات کے بارے میں پتا چلا تھا۔"

"کتنا عرصہ پہلے؟"

"یہ ایک مہینا پہلے کی بات ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "یہ بات تمہیں کہاں سے پتا چلی تھی؟"

"مجھے وحید نے اس بارے میں بتایا تھا۔" اس نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

اس کے جواب نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے سوال کیا۔ "تم اسی وحید کی بات کر رہی ہو نا جو چودھری مبارک کا ملازم ہے اور ادھر ڈیرے پر نواز کے ساتھ ہی ہوتا تھا؟"

اس نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

میں نے پوچھا۔ "وحید نے تمہیں کیا بتایا تھا؟"

"اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنے خاوند پر نظر رکھا کروں۔" مریم نے بتایا۔ "وحید کا خیال تھا کہ نواز اور پینو کے بیچ کوئی چکر چل رہا تھا۔ اسی نے مجھے بتایا کہ پینو اکثر نواز سے ملنے ڈیرے پر بھی جاتی رہتی ہے۔"

مریم نہایت ہی اہم انکشافات کر رہی تھی۔ میں نے گہری دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ "تو کیا پھر تم نے نواز پر نگاہ رکھنا شروع کر دی تھی؟"

"جی نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"کیوں......؟"

"سچی بات تو یہ ہے تھانے دار صاحب کہ مجھے وحید کے کہے کا یقین ہی نہیں آیا تھا۔" اس نے بتایا۔ "دراصل، پینو کے چھن ہی ایسے تھے کہ اس کے ساتھ کسی بھی مرد کا نام جوڑ کر بڑی آسانی سے اسے بدنام کیا جا سکتا تھا لیکن......"

اس کا لہجہ یک بیک کڑوا ہوگیا۔ ایک لمحے کا توقف کر کے اس نے ایک بوجھل سانس خارج کی پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

"آج والے شرمناک واقعے نے وحید کی بات کو سولہ آنے سچ کر کے دکھا دیا ہے...... میرے اعتماد کا جنازہ نکل گیا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہے تھانے دار صاحب۔ اب میں کیا کروں گی۔''

''جینا اور مرنا انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے مریم۔'' میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''جب تک مالک نے زندگی لکھی ہوئی ہے تو موت نہیں آسکتی اور جب قدرت کی طرف سے واپسی کا وقت آجاتا ہے تو کوئی کسی کو بچا نہیں سکتا۔ انسان کو اپنے خالق کے پاس جانا ہی پڑتا ہے۔''

اس نے میرے اظہار پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ بس، دکھی نظر سے مجھے دیکھتی چلی گئی۔ میں نے مزید کہا۔

''تمہیں کم از کم وحید کے بیان کی تصدیق تو کرنا چاہیے تھی۔''

''میں اس حوالے سے نواز سے کچھ نہیں پوچھ سکتی تھی۔'' اس نے بے تکا سا جواب دیا تو میں چونک اٹھا اور میں نے سوال کیا۔

''کیوں...... نواز سے بات کرنے میں تمہیں کیا دشواری تھی؟ تم دونوں میاں بیوی تھے۔ ایک چھت کے نیچے رہتے تھے۔ جہاں تم میں درجنوں دوسری باتیں ہوتی تھیں، وہاں ایک یہ بات کیوں نہیں......؟''

''وہ جی......'' وہ جزبز ہوتے ہوئے بولی۔ ''میں نے نواز سے اس لیے اس موضوع پر بات نہیں کی کہ وحید نے مجھے قسم دے رکھی تھی۔''

''کیسی قسم؟'' میں نے استفسار کیا۔

''وحید نے واضح الفاظ میں مجھے کہا تھا کہ اس سلسلے میں اس کا نام کہیں نہیں آنا چاہیے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''وحید اور نواز کی دوستی بھی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کی دوستی میں کوئی کھنڈت پڑے اسی لیے اس نے مجھے سختی سے منع کر دیا تھا۔''

مریم کی بے وقوفی نما سادگی پر میں ایک افسوس ناک سانس لے کر رہ گیا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اس کی وفاداری، فرماں برداری اور نواز کی خیانت پر دکھ بھی محسوس ہوا۔ دراصل مریم اور نواز کی جوڑی میں زمینی حقائق کے باعث اتنی زیادہ دوری تھی کہ مریم شوہر پرستی میں حد سے آگے بڑھ چکی تھی۔ اسے یہ خدشہ ہوگا کہ کہیں اس کی ذرا سی بات پر نواز اس سے روٹھ بھی سکتا ہے اور ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی سے بھی رخصت ہوسکتا ہے لہٰذا وہ اس کی ناراضی کے ڈر سے زبان بند رکھنے پر مجبور تھی۔

انسانوں کو انسانوں سے نمٹنے کے لیے آنکھیں کھلی رکھتے ہوئے عقل کا استعمال کرنا چاہیے۔ ہر شے اعتدال کے دائرے ہی میں اچھی لگتی ہے۔ حد سے متجاوز شوہر پرستی ہو یا بیوی پر اندھا اعتماد ہو...... یہ ہمیشہ نقصان دہ ہی ثابت ہوتا ہے۔ ممکن ہے، آپ کو میری بات سے اتفاق نہ ہو۔ آپ اختلاف کا حق رکھتے ہیں لیکن میرا تجربہ یہ ہے کہ اندھا اعتماد اور اعتقاد صرف اور صرف خدا کی ذات پر ہی زیب دیتا ہے۔ انسان تو پھر انسان ہے، یہ کسی وقت بھی دھوکا دے سکتا ہے۔

میں نے اس گھر کے اندر طاری سناٹے کی روشنی میں مریم سے پوچھ لیا۔ ''تم لوگوں کے بچے نہیں ہیں؟''

''نہیں جی۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''ابھی تک ہم بے اولاد ہیں۔''

''تم لوگوں کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا تھا؟''

''لگ بھگ پانچ سال جی۔''

''تمہیں کسی پر شک ہو تو مجھے بتاؤ۔''

''کیسا شک؟'' وہ الجھن زدہ لہجے میں بولی۔

''مطلب یہ کہ......'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے خیال میں نواز اور پینو کو کس نے قتل کیا ہوگا؟''

''تھانے دار جی......'' وہ اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔ ''مجھے مر کر اپنی قبر میں جانا ہے...... میں خوامخواہ کسی کا نام لے کر اپنی مٹی گندی نہیں کرنا چاہتی۔''

''تم تو اپنی تباہی اور نواز کی بربادی کا ذمے دار صرف اور صرف پینو کو سمجھتی ہو۔'' میں نے ایک دوسرے زاویے سے سوال کیا۔ ''لیکن پینو اب اس دنیا میں نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ نواز کو پینو نے قتل نہیں کیا بلکہ ان دونوں کا قاتل کوئی اور ہے اور...... میں اسی قاتل تک پہنچنا چاہتا ہوں۔''

''ان دونوں کا قاتل چاہے کوئی بھی ہو......'' وہ ضدی لہجے میں بولی۔ ''لیکن میں تو صرف اتنی بات جانتی ہوں کہ نواز کو پینو کی وجہ سے موت آئی ہے لہٰذا وہی چڑیل میرے خاوند کی قاتل ہے۔''

مریم کے ذہن کی حالت ایسی نہیں تھی کہ میں اس سے مزید جرح کرتا لہٰذا میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کہا۔

''مریم! میں تمہارے شوہر کے قاتل کو جلد از جلد گرفتار کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس دوران میں اگر تمہیں قاتل کے بارے میں کچھ پتا چلے تو مجھے ضرور بتانا۔''

نواز اپنے کردار کے حوالے سے جیسا بھی تھا لیکن مریم جیسی عورت کے لیے وہ کسی عظیم خزانے سے کم اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ نواز کی المناک موت نے اس کا سب کچھ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

چھین کرا سے بھی دست بردار کر دیا تھا۔

اس نے میری ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا پھر پوچھا۔ ''نواز کی لاش مجھے کب تک مل جائے گی؟''

''اسپتال سے جیسے ہی مقتولین کی لاشیں تھانے پہنچیں گی، میں تمہیں خبر کردوں گا۔'' میں نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔ ''پھر تم میرے پاس آجانا۔ میں ضروری کاغذی کارروائی کے بعد نواز کی لاش تمہارے حوالے کردوں گا۔''

اس نے اثبات میں گردن ہلائی تاہم منہ سے کچھ نہیں بولی۔ میں مریم کے گھر سے نکلا اور تانگے میں بیٹھ کر حنیف کے گھر کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر شوکت کی زبانی مجھے پتا چلا کہ حنیف ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔ مریم سے پوچھ تاچھ کے درمیان مجھے ایک بات پر حیرت بھی ہوئی تھی کہ اس اللہ کی بندی نے اپنے شوہر کے قتل کے حوالے سے ایک بار بھی حنیف کا نام نہیں لیا تھا حالانکہ...... بادی النظر میں قاتل کی حیثیت سے پنو کے شوہر حنیف ہی کی طرف دھیان جاتا تھا۔ مریم کا یہ انداز میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔

میں نے شوکت سے پوچھا۔ ''حنیف عموماً کتنے بجے تک گھر آجایا کرتا تھا؟''

''ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ رات ہوجائے۔'' اس نے بتایا۔ ''وہ دن کی روشنی ہی میں واپس آجاتا تھا۔''

خلافِ معمول حنیف کی غیر حاضری نما روپوشی اس کی ذات کے حوالے سے ان گنت شکوک وشبہات کو جنم دے رہی تھی۔ میں نے شوکت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں واپس تھانے جارہا ہوں اور تمہارے ذمے ایک اہم کام لگا کر جارہا ہوں۔''

وہ ہمہ تن گوش ہوگیا۔

میں نے کہا۔ ''جیسے ہی تمہارا ساڑھو حنیف واپس آئے، تم مجھے فوراً اطلاع دوگے۔''

''ٹھیک ہے جناب۔'' وہ فرماں برداری سے گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''آپ فکر نہ کریں تھانے دار صاحب۔ اس نالائق کو واپس تو آنے دیں۔ میں خود اسے کان سے پکڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر کردوں گا لیکن......''

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا تو میں نے جلدی سے پوچھا۔ ''لیکن کیا؟''

''مجھے یقین ہے کہ دہرے قتل کی اس واردات میں حنیف کا کوئی ہاتھ نہیں۔'' وہ بڑے اعتماد کے ساتھ بولا۔

''یہ تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''حنیف بہت ہی بزدل انسان ہے تھانے دار صاحب۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اس نے آج تک ایک مچھر نہیں مارا، دو انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنا تو بہت دور کی بات ہے اور وہ بھی دو جیتے جاگتے انسانوں کو گولیوں سے بھون ڈالنا۔ پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ وہ پستول وغیرہ کہاں سے لایا ہوگا؟''

اس نوعیت کی باتیں شوکت اور اس کی بیوی سلمٰی پہلے بھی کرچکے تھے۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وقت بہت جلد اس بات کا فیصلہ کردے گا کہ کون قصوروار ہے اور کون بے گناہ!'' وہ اثبات میں گردن ہلا کر رہ گیا۔

میں تانگے میں بیٹھ کر تھانے کی جانب روانہ ہوگیا۔

☆☆☆

رات کے کھانے کے بعد میں نے عشا کی نماز ادا کی اور پھر جیسے ہی سونے کے لیے لیٹا تو میرے کوارٹر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو سامنے کانسٹیبل نصیر کی شکل نظر آئی۔ میں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے بولا۔

''ملک صاحب! حنیف آگیا ہے۔''

''کیا وہ اکیلا ہی آیا ہے؟''

''اس کا ساڑھو شوکت بھی ساتھ ہے جناب۔'' کانسٹیبل نے بتایا۔ ''وہ لوگ چارے سے لدی ہوئی بیل گاڑی پر سوار ہوکر تھانے پہنچے ہیں۔''

''اوہ......'' میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے، انہیں بٹھاؤ۔ میں آرہا ہوں۔''

''جی ملک صاحب!'' کانسٹیبل یہ کہتے ہوئے واپس چلا گیا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد جب میں عوامی لباس میں اپنے کمرے میں پہنچا تو حنیف اور شوکت کو میرے سامنے پیش کردیا گیا۔ میں نے باری باری دونوں کے چہروں کا جائزہ لیا پھر شوکت سے پوچھا۔

''کیا تمہاری اس سے کوئی بات ہوئی ہے؟'' میرا اشارہ حنیف کی جانب تھا۔

''باتیں تو بہت ہوئی ہیں تھانے دار صاحب۔'' اس نے بتایا۔ ''لیکن یہ تو قسمیں کھا رہا ہے کہ پنو اور نواز کے قتل میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

میں نے تیز نظر سے حنیف کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''اس کا مطلب ہے، شرافت کی زبان تمہاری سمجھ میں نہیں آسکے گی۔ مجھے تمہارے ساتھ کوئی غیر شریفانہ انداز ہی اختیار کرنا پڑے گا۔''

بات ختم کرتے ہی میں نے دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے آواز لگائی۔ ''بہادر علی! ذرا میرے کمرے میں آؤ۔''

بہادر علی میرے تھانے کے ایک سخت گیر حوالدار کا نام تھا۔ وہ اپنے مزاج میں ایسا تھا کہ اس کی ''کارروائی'' کے نتیجے میں پتھر بھی بولنے پر مجبور ہوجایا کرتے تھے۔ میرے لہجے کی سنگینی کو بھانپتے ہوئے حنیف منت ریز لہجے میں بولا۔

''تھانے دار صاحب! میں نے کچھ نہیں کیا۔''

''سب پتا چل جائے گا۔'' میں نے کہا۔ ''ابھی تمہاری زبان ٹیپ ریکارڈر کی طرح چلنے لگے گی۔''

''جناب! ایک تو میری بیوی قتل ہوئی، اوپر سے آپ مجھے ہی پریشان کررہے ہیں۔'' وہ خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''یہ کیسا قانون ہے؟''

''سارے قانون قاعدے تمہیں ابھی پڑھا دیے جائیں گے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنسناتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''تم آسانی سے چھوٹنے والے نہیں ہو۔''

وہ خوف سے تھرتھر کانپنے لگا۔ جب بہادر علی میرے کمرے میں داخل ہوا تو میں نے شوکت کو وہاں سے رخصت کردیا۔ میں نے کہا۔ ''تم ادھر باہر جاکر برآمدے میں بیٹھو۔ اگر تمہاری ضرورت محسوس ہوئی تو میں تمہیں اندر بلالوں گا۔''

اس نے فوراً میرے حکم کی تعمیل کی۔

میں نے حنیف کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے جارحانہ انداز میں کہا۔ ''ہاں بھئی، تیس مار خان! تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ تم شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود ہی سچ بتا دو گے یا حقیقت کو تمہارے اندر سے برآمد کرنے کے لیے مجھے کوئی خاص محنت کرنا پڑے گی؟''

''جناب! میں بالکل بے قصور ہوں۔'' وہ فریادی لہجے میں بولا۔ ''میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔''

''مگر مجھے تو تم پر ہی شک ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ دوپہر میں تمہیں کھانا دینے گئی تھی اور پھر گھر نہیں پہنچی۔''

''جناب! یہ ٹھیک ہے کہ پینو دوپہر میں میرے لیے کھانا لے کر آئی تھی اور بالکل صحیح سلامت واپس گئی تھی۔'' اس نے بتایا۔ ''مجھے کیا پتا تھا کہ وہ......''

وہ بولتے بولتے رکا اور ندامت سے گردن جھکالی۔ گردن کا یہ جھکاؤ ذلت اور رسوائی کے اس بوجھ کا نتیجہ تھا جو اس کی بیوی پروین عرف پینو نے اس پر ڈال دیا تھا۔ ان لمحات میں حنیف مجھے ایک مجبور اور بے بس شخص نظر آیا لیکن میں اپنے فرض سے مجبور تھا لہٰذا میں نے سوالات کا سلسلہ جاری رکھا۔

''کیا تمہیں پینو اور نواز کے معاملات کی خبر تھی؟''

''نن نہیں...... بالکل نہیں۔''

''دیکھو، اگر تم سچ بولو گے تو میں تمہارے لیے آسانی پیدا کرنے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ورنہ تم مجھ سے کسی رعایت کی توقع نہ رکھنا۔''

''جناب! میں نے آپ سے ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں کہا۔ آپ کو میری بات کا یقین کیوں نہیں آتا؟''

میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔ ''آج دوپہر میں پینو کھانا لے کر کتنے بجے تمہارے پاس پہنچی تھی؟''

''اس وقت دوپہر کا ایک بجنے والا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

''وہ کتنی دیر تک تمہارے پاس رکی تھی؟''

''کوئی بیس پچیس منٹ۔''

''اس کا مطلب ہے، وہ سوا اور ڈیڑھ کے درمیان کسی وقت تمہارے پاس سے رخصت ہوئی ہوگی۔'' میں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اس وقت دوپہر کا ڈیڑھ ہی بجا ہوگا۔''

''کیا تم نے آج پینو کے رویے میں کوئی خاص بات نوٹ کی تھی؟''

''نہیں جناب! میں نے تو ایسا کچھ محسوس نہیں کیا تھا۔''

''پینو کے جانے کے بعد تم کھیتوں میں کیا کرتے رہے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں اپنے اور شوکت کے جانوروں کے لیے چارا کاٹ رہا تھا۔''

''تم عموماً سورج غروب ہونے سے پہلے گھر واپس آجاتے ہو۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ ''آج کہاں غائب ہوگئے تھے؟''

''میں نظام آباد چلا گیا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''نظام آباد

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

پرخلوص تحریروں اور خوب صورت سلسلوں سے سجا اکتوبر 2016ء کا دلپذیر پاکیزہ

کراچی

ماہنامہ

پاکیزہ

انجم انصار اور **رفعت سراج** ...... کے قسط وار ناولوں کی دلفریب اقساط

در ثمن بلال کا سلسلے وار ناول ...... **اے عشق ترے ہیں کھیل عجب** کا خوب صورت اختتام

خوب صورت عنوان اور پر اثر بیان لیے **سحر ساجد** کا دلنشین ناولٹ ...... **من جانبازم**

سیما رضا ردا کی دلکش تحریر ...... **ہم کو عبث بدنام کیا** منی ناول کی صورت

محرم الحرام کی مناسبت سے **فلسفۂ شہادت** پر **اختر شجاعت** کا پر فکر مضمون

نزہت اصغر ......

وہ آئے بزم میں ...... ملاقات کرائیں گی معروف

رائٹر **ثمینہ عظمت علی** سے

اس کے علاوہ

شگفتہ شاہ، نیلم احمد بشیر کی خصوصی تحریروں کے ساتھ، سات پڑھیے **اُمِ ایمان،**
عقیلہ حق، عنیزہ سید، ہاجرہ ریحان، فرحین اظفر، نادیہ احمد،
صدف آصف، و دیگر مایہ ناز لکھاریوں کی حسین کاوشیں

دلچسپ معلوماتی اور تفریحی مستقل سلسلوں کا مجموعہ صرف آپ کے لیے

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

میں عارف سے مجھے کچھ رقم لینا تھی۔ پیر رات میں نے دن میں پینو کو بھی بتادی تھی کہ آج رات کو دیر سے گھر آؤں گا۔“

”پینو تو اب اس دنیا میں باقی نہیں رہی جو تمہارے بیان کی تصدیق کرسکے۔“ میں نے ٹٹولنے والی نظر سے اسے دیکھا۔ ”لیکن میں تمہاری بات کی صداقت جانچنے کے لیے نظام آباد جاسکتا ہوں۔“

”ضرور تھانے دار صاحب۔“ وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ”عارف جب میرے بیان کی تصدیق کرے گا تو آپ کو میری بات پر یقین آجائے گا۔“

میری تجربہ کار نگاہ نے بتایا کہ حنیف دروغ گوئی سے کام نہیں لے رہا تھا۔ اس کی باتوں سے جھوٹ کی بو نہیں آتی تھی۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے میں نے حوالدار بہادر علی کو کمرے سے رخصت کردیا تاکہ حنیف آزادی اور بے خوفی سے بات کرسکے۔ بہادر علی کی موجودگی میں وہ خاصا ڈرا سہا کھڑا تھا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ میں نے ایک کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تحکمانہ انداز میں کہا۔

اس نے ذرا سی ہچکچاہٹ کے بعد میرے حکم کی تعمیل کی پھر حیرت اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بولا۔ ”آپ تو بہت اچھے ہیں تھانے دار صاحب۔“

”میں اچھوں کے لیے اچھا اور بروں کے لیے برا ہوں۔“ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ”اگر تم نے بندے دے پتر کی طرح میرے سوالوں کے بالکل سچے جواب دیے تو میں تمہیں زندہ سلامت واپس جانے کی اجازت دے دوں گا لیکن اگر مجھے محسوس ہوا کہ تم کوئی چکر دینے کی کوشش کررہے ہو تو میں پھر تمہیں بہادر علی کے حوالے کردوں گا۔ وہ تمہاری ہڈیوں کا سرمہ بنا کر اپنی آنکھوں میں لگالے گا۔“

بہادر علی ایک تنومند، کرخت صورت اور چاق و چوبند حوالدار تھا۔ اس کی کمرے میں موجودگی نے حنیف کو خاصا متاثر کیا تھا۔ وہ بڑی سرعت سے نفی میں گردن جھٹکتے ہوئے بولا۔

”نہیں تھانے دار صاحب! کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ آپ مجھ سے جو بھی پوچھیں گے، میں اس کا جواب دوں گا۔“

”سچا اور کھرا جواب؟“ میں نے تصدیق طلب نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

”جی جی.....“ وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ”سوہنے رب کی قسم!!“

”قسم کھانے کی ضرورت نہیں۔“ میں نے سرسری انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ”بتاؤ، تم آج جس کام سے نظام آباد گئے تھے وہ ہوا کہ نہیں؟“

”نہیں ہوا جی۔“ وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ”عارف نے ٹال دیا ہے۔ دس پندرہ دن کے بعد دوبارہ ادھر جاؤں گا۔“

”تم نظام آباد جانے کے لیے اپنے کھیتوں سے کتنے بجے روانہ ہوئے تھے؟“ میں نے پوچھا۔

”لگ بھگ چار بجے جناب۔“

”حنیف!“ میں نے ایک مرتبہ پھر تھوڑی دیر پہلے پوچھے گئے سوال کو دہرا دیا۔ ”کیا تمہیں پینو اور نواز کے غیر اخلاقی تعلقات کا علم تھا؟“

اس نے جواب دینے کے بجائے چونک کر اپنے عقب میں کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا۔

میں نے پوچھا۔ ”کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں......“ وہ تامل کرتے ہوئے بولا پھر بتایا۔ ”نہیں جناب! مجھے اس بارے میں کچھ پتا نہیں۔“

اسی قسم کا جواب وہ پہلے بھی دے چکا تھا۔ میں نے اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے دوستانہ انداز میں کہا۔

”تم فکر نہ کرو۔ ہمارے درمیان ہونے والی باتیں ہم دونوں ہی کے بیچ رہیں گی۔“

میں نے اس کے اچانک چونک کر پیچھے دیکھنے سے اندازہ لگایا کہ وہ مجھے کوئی خاص بات بتانا چاہتا ہے لیکن اسے ڈر ہے کہ کوئی اور سن نہ لے۔

”تھانے دار جی!“ وہ جزبز ہوتے ہوئے بولا۔ ”میں نے آپ سے سچ بولنے کا وعدہ کیا ہے، یہ سچ ہے کہ مجھے پینو اور نواز کے تعلقات کا علم نہیں تھا۔“

”ہوں۔“ میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور پوچھا۔ ”پینو سے تمہاری شادی کتنا عرصہ پہلے ہوئی تھی؟“

”کوئی سات، ساڑھے سات سال ہوگئے ہیں۔“

”پھر تو تم اپنی بیوی کو بہت اچھی طرح سمجھے ہوگے؟“ میں نے پوچھا۔

یہ سوال میں نے بڑے معنی خیز انداز میں کیا تھا۔ وہ الجھ کر رہ گیا اور اس کے منہ سے صرف اتنا ہی نکلا۔ ”جی......“

”دیکھو، میری بات کا برا نہیں منانا۔“ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”میں نے اب تک پینو کے بارے میں جو معلومات حاصل کی ہیں، وہ اطمینان بخش نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہیں۔ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟''

وہ پلک جھپکتے میں میری بات کی تہ میں پہنچ گیا اور شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ ''آپ نے کچھ زیادہ غلط نہیں سنا۔''

بات ختم کرتے ہی اس نے گردن جھکالی۔

ایک منٹ کی خاموشی کے بعد میں نے اپنائیت بھرے انداز میں کہا۔ ''حنیف! ان حالات میں تمہارا یہ فرض بنتا تھا کہ پینو کو سمجھاتے۔ تم اس کے خاوند تھے؟''

یہ سچ ہے کہ ہر شخص کو آنسو بہانے کے لیے ایک کندھے کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرے ہمدردی بھرے انداز نے اسے دل کا حال بتانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا پھر ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔

''میں...... اسے کیا...... سمجھاتا...... پینو پر تو...... کبھی میرا بس...... نہیں چل سکا۔''

''تم اس کے مجازی خدا تھے۔'' میں نے لوہا گرم دیکھتے ہوئے ایک کاری چوٹ لگائی۔ ''تمہیں اس پر قانونی، شرعی، اخلاقی...... ہر قسم کا اختیار حاصل تھا۔ تم زبردستی سے بھی کام لے سکتے تھے۔''

''کاش میں ایسا کر سکتا۔'' وہ ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''ساری دنیا یہی سمجھتی ہے کہ میں پینو کا مجازی خدا تھا۔'' وہ روہانسا ہو گیا۔

''تو کیا ایسا نہیں تھا؟'' میں نے نرم لہجے میں کرید جاری رکھی۔ ''مجھے اپنا دوست سمجھو اور سب سچ بتا دو۔''

وہ پھٹ پڑا۔ ''آج تک پینو نے تنہائی میں مجھے اپنے قریب نہیں آنے دیا۔''

میں چونک اٹھا۔ ''حنیف! کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''آپ سیانے ہیں۔'' وہ نظر جھکاتے ہوئے بولا۔ ''بہت آسانی سے میرا مطلب سمجھ سکتے ہیں۔''

میں اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ اس کا اشارہ کس جانب ہے اور اس ''سمجھ'' سے میرا دماغ سنسنا اٹھا تھا۔ میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''تم تو ایک چار سالہ بچے کے باپ ہو...... تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا جو اس قسم کی اوٹ پٹانگ بات کر رہے ہو؟''

''ملک صاحب......!'' وہ نگاہ جھکائے جھکائے دکھی لہجے میں بولا۔ ''اگر اولاد قسمت میں لکھی ہو تو وہ مل ہی جاتی ہے۔ کبھی باپ کے طفیل اور کبھی ماں کی کوشش سے......''

اس نے لفظ ''کوشش'' پر اتنا زور دیا تھا کہ میں سناٹے میں آ گیا۔ اس نے ایک تلخ حقیقت بیان کر دی تھی۔ اس سلسلے میں اب حنیف سے مزید کسی سوال کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

بات ختم کر کے وہ سسکنے لگا۔ میں نے اسے دل کا غبار دھونے کا موقع دیا۔ اس نوعیت کے لمحات میں وہ کسی حقیر تنکے سے زیادہ ہلکا ہو چکا تھا۔ میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ وہ ہچکیوں اور سسکیوں کی مدد سے مجھے اپنی داستان غم سناتا رہا۔ وہ افسوس بھری شرم ناک داستان جو پینو نے اپنے جوتے کی نوک سے اس کے مقدر کے پنے پر رقم کی تھی۔

جب حنیف معتدل ہو گیا اور اس نے اپنی آنکھیں صاف کر لیں تو میں نے اس کے ساڑھو شوکت کو بھی اندر کمرے میں بلا لیا۔ اس بات کا مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ دہرے قتل کی اس سنگین واردات میں کسی بھی طور حنیف ملوث نہیں تھا۔ میں نے شوکت کی طرف دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''حنیف کو یہ رات تو میرے تھانے کی حوالات ہی میں گزارنا ہوگی۔ کل میں کسی پولیس اہلکار کو نظام آباد بھیج کر اس کے بیان کی تصدیق کراؤں گا۔ اگر اس کی بات درست ثابت ہوئی تو میں اسے گھر جانے کی اجازت دے دوں گا۔''

حنیف نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا۔ ''تھانے دار صاحب! مجھے آپ کی یہ شرط منظور ہے۔''

حنیف کی تائید کے بعد شوکت کے پاس کسی حیل وحجت کی گنجائش نہیں بچی تھی۔ وہ اپنے ساڑھو کو میرے پاس چھوڑ کر واپس شہزاد کوٹ چلا گیا۔

جب میں سونے کے لیے لیٹا تو میرا ذہن اسی کیس کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف تھا۔ دو جیتے جاگتے انسان موت کے منہ میں چلے گئے تھے۔ اگر یہ قتل حنیف نے نہیں کیے تھے تو پھر پینو اور نواز کا قاتل کون تھا؟ مجھے جلد از جلد اس خطرناک سوال کا جواب تلاش کرنا تھا۔

میں نے پینو اور نواز کی باہم پیوست لاشوں کا بغور جائزہ لیا تھا اور میرا ذہن اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ انہیں ایک خاص ''مصروفیت'' میں مشغول، بے خبری کی کیفیت میں موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ وہ جس ''حالت'' میں تھے، اس کا تقاضا تھا کہ کمرے کے دروازے اور کھڑکی کو بند رکھا جائے۔ اگر قاتل باہر سے آ کر ان پر فائرنگ کرتا تو وہ بے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

خبری'' کی حالت میں موجود نہیں رہ سکتے تھے۔ باہر سے آنے والے کو کھڑکی یا دروازہ کھولنا پڑتا اور ایسا ہوتے ہی پپو اور نواز کا چونک جانا لازمی تھا۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ قاتل جو کوئی بھی تھا، وہ پہلے سے اس کمرے میں کہیں چھپا بیٹھا اس موقع کا انتظار کر رہا تھا۔

حنیف کی ذات اس لیے بھی شک کے دائرے سے باہر نکل آئی تھی کہ پپو اسے کھانا کھلانے کے بعد ڈیرے کی طرف آئی تھی لہٰذا حنیف کا پہلے سے اس کمرے کے اندر چھپا ہونا ممکنات میں سے نہیں تھا۔

میں انہی خیالات کے ساتھ فٹ بال کھیلتے ہوئے نیند کی وادی میں پہنچ گیا۔

☆☆☆

آئندہ روز تھانے آتے ہی میں نے ایک پولیس اہلکار کو حنیف کے بیان کی تصدیق کے لیے نظام آباد روانہ کر دیا۔ دوپہر کے وقت حوالدار بہادر علی میرے کمرے میں آیا اور انکشاف انگیز لہجے میں اس نے بتایا۔

''ملک صاحب! آلۂ قتل برآمد ہو گیا ہے۔''

''اوہ......!'' میں اچھل پڑا۔ ''تم اس پستول کی بات کر رہے ہو جس سے کل پپو اور نواز کو چودھری مبارک کے ڈیرے پر قتل کیا گیا تھا؟''

''جی جی...... میں اسی ریوالور کی بات کر رہا ہوں۔''

''کہاں ہے وہ ریوالور؟''

''آلۂ قتل کی دریافت کا سہرا شوکت کے سر بندھتا ہے ملک صاحب۔'' وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بتانے لگا۔ ''آج صبح ہی صبح اس نے تھانے آ کر بتایا ہے کہ جب اس نے جانوروں کو چارا ڈالنے کے لیے بیل گاڑی کا رخ کیا تو مذکورہ ریوالور اس کی نگاہ میں آ گیا۔ رات گھر پہنچنے کے بعد اس نے بیلوں کو کھول کر گاڑی کو اپنے گھر میں صحن کی ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا تھا لیکن چارا گاڑی کے اوپر ہی رہا تھا۔ آج صبح جب اس نے چارے کو گاڑی سے اتار کر ایک ڈھیر لگایا تو اس کے اندر سے ریوالور نکل آیا۔''

بات کے اختتام پر بہادر علی نے کپڑے میں لپٹے ہوئے آلۂ قتل، اس ریوالور کو میرے سامنے پیش کر دیا۔

میں نے بغور ریوالور کا معائنہ کرنے کے بعد بہادر علی سے پوچھا۔ ''کیا یہ ریوالور اسی طرح کپڑے میں لپٹا ہوا ملا ہے؟''

وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں جناب! کپڑے میں تو اسے میں نے لپیٹا ہے۔ شوکت تو اسے ایسے ہی اٹھا لایا تھا۔''

''کیا حنیف کا ساڑھو شوکت اس وقت تھانے میں موجود ہے؟''

''نہیں ملک صاحب! وہ ریوالور مجھے دینے کے بعد واپس گاؤں چلا گیا تھا۔'' حوالدار نے بتایا۔ ''بتا کر گیا ہے کہ دوپہر کے بعد دوبارہ ادھر آئے گا۔''

''ہوں۔'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ ''کیا اس ریوالور کے حوالے سے تم نے حنیف سے کسی قسم کی پوچھ گچھ کی؟''

''نہیں جناب...... میں نے ابھی تک اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔'' حوالدار نے جواب دیا۔

آج صبح جب میں نے ایک پولیس اہلکار کو حنیف کے بیان کی تصدیق کے لیے نظام آباد روانہ کیا تو اس کے فوراً بعد ہی ایک اہم امور کی انجام دہی کے لیے مجھے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر جانا پڑ گیا تھا۔ اسی دوران میں شوکت نے وہ ریوالور تھانے پہنچایا تھا۔

''ٹھیک ہے، تم حنیف کو میرے پاس بھیج دو۔'' میں نے حوالدار سے کہا۔ ''میں خود اس سے پوچھ گچھ کرتا ہوں۔''

بہادر علی میرے کمرے سے رخصت ہو گیا۔

یہ جس زمانے کا ذکر ہے، ان دنوں جدید ترین تفتیشی ٹیکنالوجی کے بغیر صرف ہاتھ پاؤں اور دماغ کا استعمال کر کے ہی پیچیدہ کیسز کو حل کیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں فنگر پرنٹس وغیرہ اٹھانے کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا اور نہ ہی عدالت انگلیوں کے نشانات کے ثبوت کو کوئی اہمیت دیتی تھی لیکن یہ ریوالور چونکہ حنیف کی چارے والی بیل گاڑی میں سے برآمد ہوا تھا لہٰذا اس سے اس معاملے پر پوچھ گچھ ضروری ہو گئی تھی۔

جب وہ میرے کمرے میں پہنچا تو میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''حنیف! آلۂ قتل برآمد ہو گیا ہے۔''

بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ ''کہاں سے؟''

''تمہاری بیل گاڑی پر لدے ہوئے چارے کے ڈھیر میں سے۔''

''وہاں...... کس نے رکھا؟'' وہ بے یقینی سے میری طرف دیکھنے لگا۔

''وہ بیل گاڑی کس کی ملکیت ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میری جناب......!''

''پھر اس سوال کا جواب بھی تم ہی دو گے۔'' میں نے کہا پھر مذکورہ ریوالور کی جھلک اسے دکھانے کے بعد اضافہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

کیا۔ ''یہ ریوالور تمہارے سالے شوکت کو چارے کے اندر سے ملا ہے۔ یا تو یہ ریوالور تم نے چارے میں چھپایا تھا یا پھر یہ تمہارے سالے شوکا کیا دھرا ہے۔''

''میں نے تو ایسا کچھ نہیں کیا تھانے دار صاحب۔''

''پھر یہ شوکت کی کارستانی ہوگی؟''

''نن نہیں......'' وہ بڑے وثوق سے بولا۔ ''شوکت مجھے کسی چکر میں پھنسانے کے لیے ایسی نیچ حرکت نہیں کر سکتا۔ میں شوکت کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں مگر......''

اس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ ''مگر کیا؟''

''مجھے لگتا ہے......'' وہ ہیجانی انداز میں بولا۔ ''یہ وحید کی شیطانی ہو سکتی ہے۔''

وحید کے نام پر میرا چونک جانا لازمی تھا۔ میں نے حنیف کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟''

''پتا نہیں، میری مت ماری گئی ہے۔'' وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ''یہ بات مجھے کل رات کیوں نہیں یاد آئی۔''

''رات گئی، بات گئی۔'' میں نے بہ دستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''اگر اب کوئی اہم بات تمہیں یاد آہی گئی ہے تو فوراً مجھے بتاؤ۔''

''جناب! مجھے اچھی طرح یاد ہے۔'' وہ جذبات سے معمور لہجے میں بتانے لگا۔ ''کل جب میں کٹی ہوئی گھاس کو اپنی بیل گاڑی پر رکھ رہا تھا تو وحید میرے پاس آیا تھا۔ اس نے مجھ سے ادھر ادھر کی دو چار باتیں کیں پھر وہ چارے کو گاڑی پر رکھنے میں میری مدد کرنے لگا۔ مجھے لگتا ہے، وحید نے میری نظر بچا کر یہ ریوالور گھاس والے انبار میں کہیں چھپا دیا ہوگا۔''

حنیف کے انکشاف نے میرے رگ و پے میں سنسنی سی دوڑا دی تھی۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ وحید سے ابھی تک میری ملاقات نہیں ہو سکی تھی حالانکہ میں اس کا تفصیلی انٹرویو کرنے کے موڈ میں تھا۔ وہ مقتول نواز کے ساتھ ڈیرے پر ہی رہتا تھا لہٰذا وہ دہرے قتل کی اس سنگین واردات پر بہتر انداز میں روشنی ڈال سکتا تھا۔

''وحید تمہارے پاس کتنے بجے آیا تھا؟''

حنیف نے جواب دیا۔ ''اس وقت ساڑھے تین یا چار بجے ہوں گے۔ میں اس کے بعد ہی نظام آباد کی طرف گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر پہلے میں نے فائرنگ کی آواز سنی تھی۔''

''فائرنگ کی آواز......'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ تم بالکل نئی بات بتا رہے ہو۔''

''جی...... میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

''فائرنگ کی آواز کس طرف سے آئی تھی؟'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

''ڈیرے کی طرف سے جناب!''

''اوہ......!'' میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا پھر تصدیق طلب نگاہ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''فائرنگ کی یہ آواز تم نے وحید کے آنے سے پہلے سنی تھی یا اس کے جانے کے بعد؟''

''میں نے یہ آواز وحید کے آنے سے پہلے سنی تھی۔'' اس نے بتایا۔

''کتنی دیر پہلے؟'' میرے دماغ میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔

''کوئی لگ بھگ ایک گھنٹا پہلے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن یہ میرا اندازہ ہے۔ اس میں دس پندرہ منٹ کا فرق ہو سکتا ہے۔ ہاں، یہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ فائرنگ کی وہ آواز پینو کے جانے اور وحید کے آنے کے درمیان کسی وقت سنائی دی تھی۔''

''تو کیا تم نے وحید سے اس فائرنگ کے حوالے سے پوچھا تھا؟''

''جی، پوچھا تھا مگر اس نے بتایا کہ وہ بڑی نہر کی طرف سے آرہا ہے اور یہ کہ اس نے فائرنگ کی کوئی آواز نہیں سنی۔''

حنیف کے پہلے بیان کے مطابق، پینو کم و بیش ڈیڑھ بجے دوپہر اس کے پاس سے رخصت ہوئی تھی اور وحید لگ بھگ ساڑھے تین بجے حنیف کے پاس پہنچا تھا۔ اس حساب سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ پینو کوئی پونے دو بجے ڈیرے پر پہنچی ہوگی اور ڈھائی، پونے تین بجے کے اریب قریب اسے نواز کی معیت میں موت کی نیند سلا دیا گیا تھا۔ وقت کے حوالے سے یہ میرا محتاط اندازہ تھا۔ موت کا درست وقت پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہی سے پتا چل سکتا تھا۔

حنیف سے سنسنی خیز پوچھ تاچھ کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ اس کا سالا شوکت بھی تھانے پہنچ گیا۔ میں نے فوراً اسے اپنے کمرے میں بلا لیا۔ ہمارے بیچ مزید دس منٹ تک اسی موضوع پر بات ہوتی رہی پھر میں نے حنیف کو شوکت کے ساتھ موضع شہزاد کوٹ جانے کی اجازت دے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

دی۔ ان دونوں کی طرف سے میرا ذہن صاف ہو گیا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ان دونوں کا پپو اور نواز کے قتل سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

گزشتہ روز چودھری مبارک نے اپنی حویلی میں مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ وحید کو میرے پاس تھانے بھیج دے گا۔ میں چونکہ دن کے ابتدائی حصے میں، تھانے میں موجود نہیں تھا لہٰذا وحید کے بارے میں، میں نے حوالدار بہادر علی سے استفسار کیا۔

''نہیں ملک صاحب!'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''چودھری کا نوکر وحید تو ادھر پھٹکا بھی نہیں۔''

''اگر وہ ادھر نہیں پھٹکا تو اب اس کے ادھر پہنچنے کا وقت آگیا ہے۔'' میں نے زہر خند لہجے میں کہا۔

''آپ حکم کریں ملک صاحب؟'' بہادر علی یکا یک ریڈ الرٹ ہو گیا۔

''وہ حکم تو میں تمہیں بعد میں دوں گا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''پہلے تم اس شیطان کی اولاد کو یہاں تو حاضر کرو۔''

وہ چٹکی بجاتے ہوئے بولا۔ ''آپ فکر ہی نہ کریں ملک صاحب۔ میں ابھی گیا اور ابھی آیا۔''

''تمہیں سیدھا چودھری مبارک کے ڈیرے پر پہنچنا ہے۔'' میں نے تاکیدی لہجے میں کہا۔ ''وحید کو اس وقت ڈیرے پر ہی موجود ہونا چاہیے۔ تم اپنے ساتھ دو کانسٹیبلو کو بھی لے جاؤ اور وحید کو گرفتار کر کے تھانے لے آؤ۔'' لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا بہادر علی۔ وحید چاہے جتنی بھی کوشش کرے لیکن کسی بھی صورت اسے چودھری مبارک سے ملنے نہیں دینا۔''

وہ سینہ ٹھونکتے ہوئے بولا۔ ''اچھی طرح سمجھ گیا ملک صاحب۔''

موجودہ حالات کی پل پل بدلتی صورت میں وحید کی ذات انتہائی مشکوک ہو گئی تھی اور حنیف کے تازہ ترین انکشافات کے بعد تو وحید کو ٹرائل روم کی سیر کرانا بے حد ضروری ہو گیا تھا۔

☆☆☆

شام سے چند منٹ پہلے حوالدار بہادر علی، وحید کو گرفتار کر کے تھانے لے آیا۔ وحید اپنی گرفتاری پر اگرچہ کافی پریشان نظر آتا تھا لیکن اس کے باوجود بھی وہ حوالدار کو خطرناک نتائج کی دھمکیاں دینے سے باز نہیں آرہا تھا۔

میں نے اپنے حوالدار سے پوچھا۔ ''اس سرکاری سانڈ کو گرفتار کرنے میں تمہیں کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی؟''

''جناب! اس کمبخت کی زبان درازی نے بڑی کھپ ڈال رکھی ہے۔'' بہادر علی نے ناپسندیدہ نظر سے وحید کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔ ''یہ ایس پی اور آئی جی تک اپنی پہنچ کی باتیں کررہا ہے۔''

''کیا تم نے اس کی زبان بندی کے لیے کوئی وظیفہ نہیں پڑھا؟'' میں نے معنی خیز انداز میں بہادر علی سے دریافت کیا۔

''ابھی تک تو میں نے اسے بس، دو چار جھانپڑ ہی رسید کیے ہیں۔'' وہ دونوں ہاتھوں کو ملتے ہوئے بولا۔ ''اگر آپ تھوڑی دیر کے لیے اسے میری تحویل میں دے دیں تو اگلی پچھلی ساری کسر نکال دوں گا۔''

''فکر نہ کرو بہادر علی۔'' میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ''اس بندے کے تیور تو یہی بتارہے ہیں کہ ایک دو گھنٹے کے لیے تمہیں اس کی مہمان داری کا موقع ضرور ملنا چاہیے لیکن فی الحال اسے تم تھوڑی دیر کے لیے میرے کمرے میں چھوڑ دو۔ پہلے میں اس کی خیر خیریت پوچھوں گا۔ تمہاری ''باری'' بعد میں آئے گی۔''

بہادر علی میری بات کو سمجھ گیا۔ اس کے کمرے سے رخصت ہونے کے بعد میں وحید کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وحید کی عمر لگ بھگ پچیس سال رہی ہوگی۔ وہ ایک ہٹا کٹا انسان تھا۔ وہ عام سی شکل وصورت کا مالک ایک تیز طرار بندہ نظر آتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کسی لومڑی ایسی مکاری اور کسی سانپ جیسی چمک پائی جاتی تھی۔ اس نے میرے ساتھ تو وہ لب ولہجہ اختیار نہیں کیا جس میں وہ بہادر علی سے گفتگو کر چکا تھا تاہم خاصی برہمی سے مستفسر ہوا۔

''تھانے دار صاحب! آپ نے مجھے کس جرم میں گرفتار کیا ہے؟''

''تمہارا جرم بہت سنگین ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''اگر شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تم اپنا جرم قبول کرلو گے تو تمہارے لیے بہت سی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی ورنہ میں تمہیں جلاد کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔''

''جلاد...... کون جلاد؟'' وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

''میں حوالدار بہادر علی کی بات کررہا ہوں۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''جو تمہیں گرفتار کر کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہاں لایا ہے اور اس کے دل میں تمہاری خاطر داری کی خواہش کروٹیں لے رہی ہے۔"

بہادر علی کے ذکر پر اس نے برا سا منہ بنایا پھر کمال ڈھٹائی سے بولا۔"جب میں نے کوئی جرم کیا ہی نہیں تو پھر اقبالِ جرم کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔"

"جواب اور سوال پیدا کرنے کا کام مجھے بہت اچھی طرح آتا ہے اور یہ پیداوار میں تمہارے اندر سے حاصل کروں گا۔"

وہ الجھی ہوئی نظر سے مجھے تکنے لگا۔ میں نے اپنی میز کی دراز میں ہاتھ ڈالا پھر کپڑے میں لپٹا ہوا ریوالور نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا اور پوچھا۔"جانتے ہو، یہ کیا ہے؟"

"کیا ہے؟" وہ مکاری سے بولا۔

"یہ بتیس بور کا ریوالور ہے۔" میں نے کپڑے کی تہوں کو کھولتے ہوئے کہا۔"اور اسی ریوالور کی مدد سے نواز اور پپو کو موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے...... میری بات آئی سمجھ میں؟"

ریوالور کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں شاطرانہ چمک پیدا ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ میری تجربہ کار نگاہ کو یہ سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوئی کہ وحید اس ریوالور کو اچھی طرح پہچان چکا تھا۔ اپنی تصدیق کی خاطر میں نے اس سے پوچھ لیا۔

"اس ریوالور کو پہچانتے ہو......؟"

"یہ ایک ہتھیار ہے جناب!" وہ نپے تلے الفاظ میں بولا۔

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ یہ ایک ہتھیار ہے۔" میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔"میں نے اس کی شناخت کے بارے میں تم سے سوال کیا تھا؟"

"میں اس ہتھیار کو کیوں پہچانوں۔" اس کی ہٹ دھرمی میں کوئی فرق نہ آیا۔"اس ریوالور کا مجھ سے کیا لینا دینا تھانے دار صاحب؟"

"اس کا مطلب ہے کہ تم شرافت سے اس بات کا اقرار نہیں کرو گے کہ اس ریوالور کو تم نے حنیف کی چارے والی بیل گاڑی میں چارے کے اندر چھپایا تھا؟" میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جما کر سلگتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ جھوٹ ہے۔" وہ چیخ سے مشابہ آواز میں بولا۔ "آپ خوامخواہ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔"

"یہ تھانہ ہے، تمہاری خالہ کے گھر کا صحن نہیں۔" میں نے اسے ایک زوردار دبکا مارا۔"اگر اب تم نے اونچی آواز میں بات کی تو میں تمہاری زبان کو گدی سے کھینچ کر باہر نکال

جوار بھاٹا آف دی جوک

بیوی۔"میں بازار جارہی ہوں، ایک ہزار روپے کی ضرورت ہے۔"

شوہر(غصے سے)۔"تمہیں روپوں سے زیادہ عقل کی ضرورت ہے۔"

بیوی۔"مگر آپ سے وہی چیز مانگی جاسکتی ہے، جو آپ کے پاس ہو۔"

☆☆☆

استاد(شاگرد سے)"بتاؤ اکبر اعظم کی کل کتنی بیویاں تھیں؟"

شاگرد۔"سر! مجھے کیا معلوم، میں تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔"

☆☆☆

ایک لڑکا۔"کیا تمہیں وہ لڑکی یاد ہے ابھی تک جس سے تم نے پہلی مرتبہ محبت کی تھی؟"

دوسرا لڑکا۔"نہیں! میری یادداشت بہت کمزور ہے۔ مجھے تو وہ لڑکی بھی یاد نہیں، جس نے آج صبح مجھ سے اظہار محبت کیا تھا۔"

مرسلہ۔سردار ظفر اقبال وڑائچ، جودھ پور کبیر والا ضلع خانیوال

لطیفہ

سردار اپنے دوست سے۔"یار! اپنی گرل فرینڈ کو تحفہ دینا چاہتا ہوں۔ بتاؤ کیا دوں؟"

دوست۔"سونے کی انگوٹھی......"

سردار۔"یار! کوئی بڑی چیز بتاؤ......"

دوست۔"ٹریکٹر دا پچھلا ٹائر دے دے۔"

مسکرائیے

دو دوست ہوٹل میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ایک نے کہا۔"یار! تم میری ماں بن جاؤ اور اپنے ہاتھ سے میری پلیٹ میں کھانا ڈالتے جاؤ۔"

کھانے کے بعد دوسرے نے کہا۔

"اب تم میرے باپ بن جاؤ اور بل ادا کرو۔"

مرسلہ۔عبدالجبار رومی انصاری، لاہور

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

ایڈ فری لنکس

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ

ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ کا ایک پیج پر

کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
- ایڈ فری لنکس
- ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
- ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ کا ایک پیج پر
- کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

http://paksociety.com

لوں گا۔ پھر زندگی بھر بولنے کے قابل نہیں رہو گے۔''

میرے اچانک بدلتے ہوئے تیور کو دیکھ کر اس کے جارحانہ انداز میں خاصی کمی واقع ہوئی پھر وہ معتدل لہجے میں بولا۔ ''تھانے دار صاحب! میں اس ریوالور کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''گویا تم اس بات سے انکاری ہو کہ تم نے اس ریوالور کی مدد سے پنو اور نواز کا خون کیا ہے؟'' میں نے ایک خاص چال چلتے ہوئے کہا۔

''میں نے کسی کا خون نہیں کیا۔'' وہ قدرے گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔ ''آپ اتنی بڑی بات کہہ رہے ہیں تو اس کا کوئی ثبوت بھی ہے آپ کے پاس؟''

''ہاں، ہے ثبوت...... بہت ٹھوس ثبوت!'' میں نے اپنے ذہن میں موجود منصوبے کے تحت کہا۔

''کیا ثبوت ہے؟'' اس نے متذبذب لہجے میں پوچھا۔

''فنگر پرنٹس کی رپورٹ ہے میرے پاس۔'' میں نے بہ دستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اس ریوالور کا لیبارٹری ٹیسٹ کرایا ہے اور اس پر تمہاری انگلیوں کے واضح نشانات پائے گئے ہیں۔''

وہ میری چال میں آگیا اور جلدی سے بولا۔ ''یہ نہیں ہوسکتا...... میں نے تو......'' بات ادھوری چھوڑ کر وہ وحشت زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میرے لیے بس اتنا ہی کافی تھا۔ اس نے میری چال میں پاؤں رکھ کر میرا کام آسان کردیا تھا۔ میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''کیوں نہیں ہوسکتا یہ...... اس لیے نا کہ تم نے ریوالور کو چارے کے ڈھیر میں چھپاتے وقت اس پر سے اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کردیے تھے...... ہیں نا؟''

''میں نے کسی کو قتل وتل نہیں کیا۔'' اس کی ڈھٹائی میں کوئی کمی واقع نہیں ہورہی تھی۔ ''آپ کو میرے بارے میں کوئی شدید قسم کی غلط فہمی ہوگئی ہے۔''

''غلط فہمی کی اولاد......'' میں نے گھور کر اسے دیکھا۔ ''کیا یہ درست ہے کہ کل دن میں لگ بھگ ساڑھے تین، چار بجے تم ادھر کھیتوں میں حنیف سے ملے تھے اور تم نے گاڑی پر چارا لادنے میں حنیف کی مدد بھی کی تھی؟''

''جناب! میں نے تو کل کا پورا دن حنیف کی شکل ہی نہیں دیکھی۔'' وہ بڑے اعتماد کے ساتھ بولا۔

اس کی دروغ گوئی نے مجھے سلگا کر رکھ دیا تاہم میں نے سوالات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''کیا یہ بھی درست نہیں ہے کہ جب تم حنیف کے پاس پہنچے تو اس نے تم سے فائرنگ کے بارے میں سوال کیا تھا اور تم نے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے حنیف کو بتایا تھا کہ تم تو بڑی نہر کی طرف سے آرہے ہو لہٰذا تم نے فائرنگ کی آواز نہیں سنی؟''

''یہ بات بھی بالکل جھوٹ ہے۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''پتا نہیں، حنیف کو مجھ سے کیا دشمنی ہے جو اس نے میرے خلاف ایسی بکواس کی ہے؟''

''کیا جھوٹ ہے؟'' میں نے بال کی کھال نکالنا ضروری سمجھا۔ ''فائرنگ کا ہونا...... یا...... حنیف کا تم سے پوچھنا؟''

''میں حنیف کی بات کر رہا ہوں تھانے دار صاحب۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں حنیف سے ملا، نہ اس نے مجھ سے فائرنگ کے بارے میں پوچھا اور نہ ہی میں نے اسے اس حوالے سے کوئی جواب دیا۔''

''اس کا مطلب ہے، پہلی بات درست ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑتے ہوئے سوال کیا۔ ''یعنی فائرنگ ہوئی تھی؟''

''جی بالکل، فائرنگ ہوئی تھی۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں اس وقت بڑی نہر کی دوسری جانب تھا۔ فائرنگ کی آواز سن کر میں نے ڈیرے کی سمت دوڑ لگا دی تھی۔''

وہ دھیرے دھیرے میرے پھیلائے ہوئے دام میں پھنستا جارہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''جب تم نے ڈیرے کی طرف فائرنگ کی آواز سنی، اس وقت تم ادھر نہر کی دوسری جانب کیا کر رہے تھے؟''

حنیف کے بیان کی یکسر تردید کر کے وہ اپنے جرم پر مہر تصدیق تو ثبت کرہی چکا تھا۔ اب زبانی اقرار کے لیے میں اس کے ساتھ محنت کر رہا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے بتایا۔

''تھانے دار صاحب! کل دوپہر میں، میں نے اور نواز نے ایک ساتھ کھانا کھایا تھا۔ جب لگ بھگ ایک بجے ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو نواز نے مجھ سے کہا کہ میں نہر کی دوسری جانب واقع چودھری صاحب کی زمینوں میں چلا جاؤں، ان زمینوں میں کچھ کام تھا۔ میں دو بجے وہاں پہنچا اور اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔'' لمحے بھر کے لیے وہ رکا، ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''مجھے کام میں لگے ابھی آدھا گھنٹا ہی ہوا تھا کہ ڈیرے کی طرف سے ''ڈشواں، ڈشواں'' فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ میں نے کام چھوڑ کر ڈیرے کی جانب دوڑ لگا دی۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے پینو اور نواز کو بڑی شرم ناک حالت میں دیکھا۔ مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوئی کہ نواز نے اپنے اسی ''پروگرام'' کے لیے مجھے ڈیرے سے ہٹا کر کام کے بہانے نہر کی دوسری سمت والے کھیتوں میں بھیجا تھا۔''

''وحید......'' وہ اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوا تو میں نے اسے مخاطب کرلیا۔ ''تمہاری بات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تم نواز اور پینو کے باہمی تعلقات کے بارے میں کافی کچھ جانتے تھے؟''

''جی ہاں، یہ بات درست ہے۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''مجھے ان کے ربط ضبط کا کچھ کچھ اندازہ تو تھا لیکن میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ دونوں بے حیائی کی آخری حدود کو بھی پھلانگ ڈالیں گے۔ انہوں نے تو بے غیرتی کی انتہا کردی تھانے دار صاحب......!''

''اسی لیے تم نے انہیں موت کی گہری نیند سلا دیا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔

''آپ خوامخواہ مجھ پر شک کر رہے ہیں جناب۔'' وہ گڑبڑائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میری بھلا ان دونوں سے کیا دشمنی...... میں ایسا کیوں کروں گا؟''

''اگر تمہارا ان دونوں سے کوئی تعلق واسطہ نہیں تھا تو پھر تم نواز کی گھر والی مریم کو الٹی سیدھی پٹیاں کیوں پڑھاتے رہتے تھے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔ ''تم نے مریم سے کہا تھا نا کہ وہ نواز پر نظر رکھے کیونکہ نواز کے ساتھ پینو کا کوئی چکر چل رہا ہے۔ تم نے مریم کو یہ بھی بتایا تھا کہ پینو، نواز سے ملنے ڈیرے پر بھی آتی رہتی ہے۔ تمہاری یہ چال نواز سے تمہاری دشمنی کو ظاہر کرتی ہے...... بتاؤ، کرتی ہے یا نہیں؟''

''ایسی کوئی بات نہیں جناب۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نواز تو میرا بہت اچھا دوست تھا۔ مجھے اس کی موت کا سخت دکھ ہے۔ میں اس کے خلاف ایسی گھٹیا بات کیوں کروں گا۔ آپ کو یہ کس نے بتایا ہے؟''

''اگر کسی اور نے بتایا ہوتا تو شاید میں اس کی بات کا یقین نہ کرتا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن یہ بات ایک ایسے شخص کی زبانی مجھ تک پہنچی ہے کہ میں اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔''

''کس شخص نے آپ کو یہ سب بتایا ہے؟'' وہ چونکے ہوئے لہجے میں بولا۔

''مریم نے......!'' میں نے انکشاف انگیز انداز میں کہا۔

''وہ...... جھوٹ بولتی ہے......'' وہ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں نے تو کبھی اس سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ یہ سب کچھ اس نے اپنے طور پر ہی سوچ لیا ہوگا۔ وہ بھی کیا کرے بے چاری......'' لمحاتی توقف کر کے اس نے گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''آپ نے مریم کو دیکھا ہے نا...... نہ منہ، نہ متھا۔ تے جن پہاڑوں لتھا۔ نواز اور مریم کا کوئی جوڑ ہی نہیں جناب۔ مجھے تو یہی لگتا ہے کہ مریم پاگل ہوگئی ہے۔''

میں مریم سے تفصیلی ملاقات کرچکا تھا۔ کسی انسان کی شکل صورت پر کوئی منفی تبصرہ کرنا بداخلاقی کے زمرے میں آتا ہے۔ احترام آدمیت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی باتوں سے اجتناب برتا جائے البتہ وحید کی اس بات سے مجھے مکمل اتفاق تھا کہ مریم اور نواز کی جوڑی نگاہ میں جچتی نہیں تھی۔

''حنیف جھوٹا ہے اور مریم نے بھی تمہارے حوالے سے دروغ گوئی کی ہے۔'' میں نے تیکھی نظر سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''صرف ایک تم ہی اس دنیا میں سچے اور کھرے انسان ہو لیکن میری ایک بات اچھی طرح اپنے دماغ میں بٹھالو......''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ متجسس انداز میں مجھے تکنے لگا۔ میں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''وحید! تم میرے ہاتھ لگے ہو تو میں تمہیں تھانے کی حوالات سے سیدھا جیل بھی پہنچاؤں گا اور اس سلسلے میں استغاثہ کے دو گواہوں کا بیان میرے کام کو بہت آسان کردے گا۔''

وہ اضطراری لہجے میں مستفسر ہوا۔ ''کون سے دو گواہ......؟''

''مقتول نواز کی بیوی مریم......'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اور مقتولہ پینو کا شوہر حنیف!''

میری یہ بات سن کر وہ بہت زیادہ گھبرا گیا اور اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے آئیں بائیں شائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کرنے لگا۔ میں نے اسے حوالدار بہادر علی کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

''بہادر علی! آج کی رات کے لیے یہ تمہارا مہمان ہے۔ تم اس کی ''خاطر داری'' کے سلسلے میں اپنا ہر ''ارمان'' پورا کرسکتے ہو۔''

بہادر علی کی باچھیں کھل گئیں۔

☆☆☆

آنے والا دن بڑا سنسنی خیز اور مختلف زاویوں سے مصروف ثابت ہوا۔ میں نے جس پولیس اہلکار کو حنیف کے بیان کی تصدیق کے لیے نظام آباد روانہ کیا تھا، وہ واپس آگیا اور اس نے بتایا کہ حنیف واقعی عارف سے اپنی رقم لینے نظام آباد گیا تھا مگر عارف نے اسے آئندہ وعدے پر ٹال دیا تھا۔ کانسٹیبل کی اس تصدیق کے بعد حنیف کا نام مکمل طور پر شک کے دائرے سے باہر نکل گیا تھا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ وہ پپو اور نواز کے دہرے قتل میں ملوث نہیں تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں سرکاری اسپتال سے نواز اور پپو کی پوسٹ مارٹم شدہ لاشیں بھی آگئیں اور اس کے ساتھ ہی ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر سے میرا بلاوا بھی۔ میں جس کام کے لیے گزشتہ روز ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر گیا تھا، وہ ابھی پوری طرح نمٹا نہیں تھا لہٰذا وہاں دوبارہ میری ضرورت پیش آگئی تھی۔ میں نے بلاوا لانے والے سرکاری اہلکار کو تھانے میں بٹھایا اور سرکاری اسپتال سے آنے والی لاشوں کے معاملے کو نمٹانے میں مصروف ہوگیا۔ یہ کام سب سے زیادہ ضروری تھا۔

پوسٹ مارٹم شدہ لاشوں کے ساتھ پوسٹ مارٹم شدہ رپورٹ بھی آئی تھی۔ مذکورہ رپورٹ کے مطابق دونوں افراد یعنی پپو اور نواز کی موت وقوعہ کے روز سہ پہر دو سے تین بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ انہیں بے خبری میں موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ فائرنگ اتنی اچانک تھی کہ وہ ''سنبھل'' بھی نہیں پائے تھے اور جہاں تھے، جس حال میں تھے، جوں کے توں اناللہ ہوگئے تھے۔ چار گولیاں نواز کے بدن میں اور دو گولیاں پپو کے جسم میں پیوست ہوئی تھیں۔ بتیس بور کی ان چھ گولیوں نے ان کے اعمال کے زندہ ثبوت کے ساتھ انہیں لقمۂ اجل بنا دیا تھا۔

میں نے ضروری کاغذی کارروائی مکمل کرنے کے بعد مقتولین نواز اور پپو کے لواحقین کو تھانے بلا کر لاشیں ان کے حوالے کردیں۔ اس کام سے نمٹنے کے بعد میں نے حوالدار بہادر علی کو اپنے کمرے میں بلایا اور پوچھا۔

''تمہارے مہمان کا کیا حال ہے بہادر علی؟''

میرا اشارہ وحید کی جانب تھا۔ گزشتہ رات میں نے وحید کو حوالدار کے سپرد کیا تھا۔ بہادر علی نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے جواب دیا۔

''ملک صاحب! میں نے کبھی آپ کو مایوس کیا ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے، وحید نے اقبالِ جرم کرلیا ہے؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ ''اس نے نہ صرف اقبالِ جرم کیا ہے بلکہ اس دہرے قتل کے پس منظر کی بڑی سنگین کہانی بھی سنا ڈالی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں ذرا ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر کا چکر لگا آؤں پھر یہ سنگین کہانی بھی سنوں گا اور مجرم کا اقبالی بیان بھی نوٹ کروں گا۔ کل میں نے وحید کو حوالۂ عدالت کرنا ہے۔ تم حوالاتی پر کڑی نگاہ رکھنا۔ میں شہر سے جلدی لوٹ آؤں گا۔''

''آپ بے فکر ہوکر جائیں ملک صاحب۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ''میں یہاں کے معاملات سنبھال لوں گا۔''

تھوڑی دیر کے بعد میں ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر جانے کے لیے تھانے سے نکل ہی رہا تھا کہ چودھری مبارک وہاں پہنچ گیا۔ وحید کی گرفتاری اس کے علم میں آچکی تھی۔ وہ اس وقت خاصا برہم نظر آتا تھا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ غصیلے لہجے میں بولا۔

''ملک صاحب! آپ نے یہ کیا بدمعاشی لگا رکھی ہے؟''

میں بالکل انجان بن گیا اور پوچھا۔ ''کیا ہوگیا چودھری صاحب! اتنی گرمی کیوں دکھا رہے ہیں؟''

''میں گرمی نہ دکھاؤں تو کیا دھنیا پی کر سو جاؤں۔'' وہ اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''آپ نے قاتل کو کھلا چھوڑ رکھا ہے اور ایک بے گناہ انسان کو پچھلی رات سے حوالات میں ڈال رکھا ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟''

''یہ وہاں کا انصاف ہے جس دنیا میں آپ اور میں سانس لے رہے ہیں۔'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''آپ اپنے جس لاڈلے کو بے گناہ گردان رہے ہیں نا...... اس نے اقبالِ جرم کرلیا ہے۔''

''ہیں...... یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' وہ بھونچکا رہ گیا۔

''کیا کیسے ہوسکتا ہے؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ ''آپ کو وحید کے قاتل ہونے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پر حیرانی ہے یا اس کے اقبالِ جرم کرنے پر کوئی پریشانی؟"

"نن...... نہیں......" وہ تیزی سے سنبھلتے ہوئے بولا۔ "ایسی کوئی بات نہیں۔"

"پھر کیسی بات ہے چودھری صاحب؟"

"وہ...... میں...... یہ کہہ رہا تھا کہ...... مجھے یقین ہے کہ وحید بے گناہ ہے۔" وہ اضطراری لہجے میں بولا۔ "آپ اسے چھوڑ دیں تو اچھا ہے۔"

"کیا اچھا ہے اور کیا برا، یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔" میں نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں تو کسی بھی قیمت پر وحید کو چھوڑنے والا نہیں۔ میں صبح اسے عدالت کے حوالے کر رہا ہوں۔ آپ نے اپنے بندے کو چھڑانے کے لیے جو بھی زور لگانا ہے، وہ عدالت میں لگا لیجیے گا۔ فی الحال تو میں ایک ضروری کام سے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر جا رہا ہوں۔ میں آپ کو مزید ایک منٹ بھی نہیں دے سکتا۔"

"ملک صاحب!" وہ بڑی رعونت سے بولا۔ "آپ کو میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔ میری پہنچ اوپر تک ہے۔ آپ ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر جا کر جن افسران کے دفاتر کے سامنے اٹین شین کھڑے ہوتے ہیں اور جنھیں سیلوٹ مارنا آپ پر لازم ہے، وہ لوگ میرے دوستوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مجھ سے اڑنا آپ کو بہت مہنگا پڑ سکتا ہے۔"

"چودھری مبارک! کان کھول کر میری بات سن لو اور اگر توفیق ہو تو اسے اپنے پلے بھی باندھ لو۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑتے ہوئے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "تمہاری پہنچ اوپر تک ہو گی مگر میری پہنچ اوپر والے تک ہے۔ جہاں تک آپ کو اپنی طاقت پر غرور ہے تو اب ہاتھوں میں ہاتھ تو ڈل ہی گئے ہیں۔ کس کے بازوؤں میں کتنا دم ہے، اس بات کا فیصلہ جلد ہی ہو جائے گا اور......" لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک بوجھل سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے اپنے جن دوستوں کا ذکر کیا ہے، وہ میرے افسر ضرور ہیں اور میں احتراماً انہیں سیلوٹ بھی کرتا ہوں لیکن آج تک میں نے کسی بھی افسر کے کسی بھی غلط حکم کی تعمیل نہیں کی کیونکہ میری گردن صرف اس ذات کے سامنے جھکتی ہے جو افسروں کا افسر اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ وہی میرا مالک ہے، میرا خالق ہے اور میرا رازق ہے۔ میں صرف اسی کے حکم کا غلام ہوں۔"

وہ چند لمحات تک معاندانہ نظر سے مجھے گھورتا رہا پھر دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔ "میں تمہیں بھی دیکھ لوں گا اور تمہاری تھانے داری کو بھی۔"

میں نے بہادر علی کو اپنے پاس بلا کر ضروری ہدایات دیں پھر ایک تانگے میں بیٹھ کر ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

میری واپسی شام سے تھوڑی دیر پہلے ہوئی تھی اور جب میں نے تھانے میں قدم رکھا تو وہاں کا نقشہ بدل چکا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ ایک گھنٹا پہلے چودھری مبارک کا بیٹا چودھری تبارک تھانے آیا تھا اور اس نے حوالاتی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ چودھری تبارک کا انداز اپنے باپ کے برعکس بہت ہی معقول اور نرم تھا، لہٰذا حوالدار نے اسے وحید سے چند باتیں کرنے کی اجازت دے دی اور بہادر علی کا یہ اجازت دینا ہی قیامت خیز ثابت ہوا تھا۔

وحید اور تبارک میں کسی بات پر تکرار ہوئی اور چودھری تبارک نے طیش میں آ کر اپنا پستول نکال لیا تھا پھر وحید کا سینہ چھلنی کر کے وہ وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔ میں نے حوالدار سے کہا۔

"بہادر علی! یہ تو بہت برا ہوا۔ کیا تم نے وہ کام کر ڈالا تھا جس کی میں نے جاتے ہوئے تمہیں ہدایت کی تھی؟"

"آپ کا شاگرد ہوں ملک صاحب!" وہ فخریہ لہجے میں بولا۔ "آپ کے حکم کی تعمیل میں کوئی کوتاہی کیسے کر سکتا ہوں۔ چودھری تبارک نے وحید کو قتل کر کے ہمارا کام اور بھی آسان کر دیا ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ نے مجھے اپنی غیر موجودگی میں وحید کا حلفیہ بیان قلم بند کرنے کا فریضہ سونپا تھا نا۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "میں نے یہ کام بڑے تسلی بخش انداز میں کر دیا ہے اور وحید کے اقبالِ جرم کے نیچے اس کا انگوٹھا بھی لگوا لیا ہے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔" میں نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔ "مگر تم تو کہہ رہے ہو کہ چودھری تبارک نے وحید کو قتل کر کے ہمارا کام آسان کر دیا ہے۔ یہ کیا معما ہے بہادر علی؟"

"آپ وحید کا بیان پڑھیں گے تو ساری بات آپ کی سمجھ میں آ جائے گی۔" وہ تحریری بیان والا کاغذ میری جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔ "وحید نے چودھری تبارک کے ایما پر ہی نواز اور پینو کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ ویسے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

تو چودھری تبارک کو فٹ کرنے کے لیے وحید کا اقبالِ جرم ہی کافی تھا لیکن چودھری تبارک نے فرطِ غضب میں آکر جو قدم اٹھایا ہے، وہ خود کو موت کے منہ میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ آپ وحید کا بیان پڑھیں گے تو ساری صورتِ حال واضح ہو جائے گی۔''

میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور وحید کا حلفیہ بیان پڑھنے لگا۔ اس بیان میں وحید نے پینو اور نواز کے قتل کا اقرار کرتے ہوئے بتایا تھا کہ اس نے یہ مذموم کام چودھری مبارک کے فرزندِ ارجمند چودھری تبارک کے حکم پر کیا تھا۔

واقعات کے مطابق چودھری تبارک کی پینو پر بڑی گہری نظر تھی۔ اس نظر میں اس وقت اور بھی گہرائی پیدا ہو گئی جب پینو نے تبارک کی مفلوج ماں کی مالش کے لیے حویلی آنا جانا شروع کیا۔ چودھری مبارک موضع شہزاد کوٹ کا مطلق العنان بادشاہ تھا اور تبارک اس کا اکلوتا بیٹا لیکن پینو، تبارک کو پسند نہیں کرتی تھی۔ اس کا دل نواز میں اٹکا ہوا تھا۔ تبارک نے پینو کو اپنی جانب مائل کرنے کے لیے ہر حربہ آزما کر دیکھ لیا لیکن اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اسی شکست نما ذلت نے اسے انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا اور اس نے وحید کی مدد سے نواز اور پینو کو ٹھکانے لگوا دیا۔

وحید نے اپنے بیان میں بتایا تھا کہ وہ پینو اور نواز کی غیر نصابی سرگرمیوں سے بخوبی آگاہ تھا لہٰذا جب وقوعہ کے روز کھانے سے فارغ ہونے کے بعد نواز نے اسے نہر کی دوسری جانب والی زمین پر کام کی غرض سے بھیجا تو وہ نواز کو دکھانے کے لیے ڈیرے سے نکل گیا تھا لیکن پھر وہ نواز کی نظر بچا کر اس کمرے میں ایک جگہ چھپ گیا تھا جہاں نواز اور پینو نے اپنے عزائم کی ''تکمیل'' کرنا تھی۔ بتیس بور کا بھرا ہوا ریوالور وحید کے پاس تھا۔ اپنے چھپنے کا بندوبست اس نے ایک دن پہلے کر لیا تھا۔

جب پینو ڈیرے پر پہنچی تو نواز نے اسے کمرے میں بلا لیا۔ انہوں نے کمرے کا دروازہ اور کھڑکی بند کر لی اور بڑی دیدہ دلیری سے اپنے ''کام'' میں مشغول ہو گئے۔ نواز کو اس بات کا اطمینان تھا کہ وحید چار بجے سے پہلے واپس نہیں آئے گا۔ اس اطمینان اور بےفکری نے ان دونوں کو اور بھی غیر محتاط کر دیا اور جبلی خواہشات کی تکمیل میں وہ اس قدر اندھے ہو گئے کہ انہیں اپنے گرد و پیش کی کوئی پروا ہی نہ رہی۔ وحید نے ان کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بے دریغ فائرنگ کر کے انہیں موت کی شرمناک نیند سلا دیا تھا۔

وحید نے اپنے منصوبے کا ایک مرحلہ طے کر لیا تھا۔ دوسرے مرحلے میں اسے آلۂ قتل کو حنیف کے سامان میں چھپانا تھا تاکہ قاتل کی حیثیت سے شک حنیف پر جائے۔ جب ریوالور حنیف کے سامان سے برآمد ہو تو پولیس کا دھیان حنیف کی غیرت مندی کی طرف چلا جائے اور ایسا ہی ہوا بھی تھا لیکن پہلے حنیف کے بیان پھر چودھری مبارک کا وحید کو تھانے میں پیش کرنے سے احتراز اور آخر میں وحید کا میرے سوالات کے سامنے ڈھے جانا...... ان تمام کڑیوں نے مل کر حالات کا پانسا پلٹ دیا تھا اور...... وحید کے حلفیہ بیان نے اس کے پروانۂ موت پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی تھی۔

جب حوالات میں وحید سے ملاقات کے بعد چودھری تبارک کو یہ پتا چلا کہ وحید نے اپنے بیان میں حقیقت اگل دی ہے تو وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ غصے کو اسی لیے حرام کہا جاتا ہے کہ اس کیفیت میں کیا گیا فیصلہ ہمیشہ نقصان ہی دیتا ہے۔ چودھری تبارک نے بھی جوشِ جذبات میں آکر ایک انتہائی سنگین قدم اٹھا لیا تھا۔ بہر حال، اس نے جو کچھ بھی کیا تھا، اس سے میرا کام آسان ہو گیا تھا۔ اسے پھانسی کے پھندے تک لے جانے کے لیے مجھے کسی خاص کوشش کی ضرورت نہیں تھی۔

دل میں خواہشات کی موجودگی بہت اچھی بات ہے کیونکہ اس سے انسان کی زندگی کو تحرک ملتا ہے لیکن یہ خواہشات اندھی اور بے لگام نہیں ہونا چاہئیں ورنہ ان کے حصول کی خاطر انسان کو تاریک راہوں کی مسافرت اختیار کرنا پڑتی ہے جس کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

پروین عرف پینو اپنی تمام تر خوب صورتی کے باوجود بھی ایک نادان عورت ثابت ہوئی تھی۔ اپنی خواہشات کی تکمیل میں وہ اندھی ہو گئی تھی۔ اس کے حسن اور دلکشی نے دو ہنستے بستے بلکہ...... تین ہنستے بستے گھروں کو اجاڑ کر رکھ دیا تھا۔ حنیف کا گھر، مریم کا گھر اور چودھری مبارک کا گھر۔

چودھری مبارک اور چودھری تبارک جیسے لوگ ہر اچھا برا کام اپنے چمچوں سے کرانے کے عادی ہوتے ہیں اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے جائز اور ناجائز کی پہچان بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ ایسے چچہ گیر افراد زندگی کے ہر شعبے میں نظر آتے ہیں۔ بس انسان کے پاس دیکھنے والی آنکھ ہونا چاہیے اور ایسے لوگوں کے انجام سے نصیحت پکڑنے والا ذہن......!

(تحریر: حسام بٹ)

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

دونوں دوست [illegible] ملے تھے اور خوب
پُرجوش ہوکر اُونچی اُونچی آواز میں بیتے دنوں کی کہانی
سنا رہے تھے۔ ایوب اور یعقوب جوانی میں ہی گنجے ہوگئے
تھے۔ اپنے پرائے، سب انہیں گنجوں کی جوڑی کہا کرتے

تھے۔ یعقوب [illegible] پھر [illegible] چلا گیا
اور بوڑھا ہوکر واپس آیا۔ ایوب کی گھنی سفید ڈاڑھی دیکھ کر
بولا۔ ''آج کل کیا ہورہا ہے؟''
ایوب نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ ''پانچ وقت نماز اور اللہ

اللہ معافی

محمد الیاس

جہاں بہت سے لوگ بڑے بے تکان بولنے کے عادی ہوتے ہیں اور کبھی کبھی کوئی عمل غلط بھی سرزد ہوجاتا ہے بس ایسے ہی بلا ارادہ مگر... اس کے باوجود ایک بات بہت زبردست ہوتی ہے ایسے لوگوں میں کہ فوراً ایک رٹا رٹایا جملہ زبان سے پھسل جاتا ہے ''اللہ معافی... اللہ معاف کرے'' بس یوں سمجھیے گویا حق اور فرض دونوں ہی ادا ہوگئے۔

اپنے مفاد اور مطلب کا دائرہ مکمل کرکے اللہ سے معافی طلب کرنے کا انداز

Downloaded From
Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اللہ۔ بڑے بیٹے نے بجلی کے سوئچ، ساکٹ وغیرہ بنانے کی فیکٹری لگا رکھی ہے۔ وہاں آٹھ گھنٹے فری ڈیوٹی دیتا ہوں۔ چھوٹا بیٹا چین سے جنریٹر لا کر بیچتا ہے۔ ملک میں بجلی ہے نہیں۔ بڑا اللہ کا فضل ہے۔ بیٹوں کو کاروبار کے لیے سرمایہ دیا۔ تین ملازمتیں کیں۔ دو سرکاری، ایک کمپنی کی۔ شکر ہے اللہ کا، اٹھارہ ہزار روپے گورنمنٹ سے ہر ماہ گھر بیٹھے پنشن مل رہی ہے۔ شکر ہے اللہ پاک کا۔ اپنے سگریٹ اور دوائیوں کا خرچہ نکال کر باقی اتنے پیسے بچ رہتے ہیں کہ پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کو جب اور جتنا چاہوں، دیتا ہوں۔ دن بھر میں کم از کم آٹھ دس بار بیٹوں اور گھر والوں کو یاد کرا دیتا ہوں کہ ان پر بوجھ نہیں، بلکہ بونس ہوں بونس......"

"مگر یہ ڈاڑھی اتنی کیوں بڑھالی......" یعقوب نے دوست کی بات قطع کرتے ہوئے سوال کر دیا۔ "اور ہر روز اولاد کو یاد کیوں کرانا پڑتا ہے کہ بونس ہو؟" ایوب نے جواب دیا۔

"بھئی! حج کیا ہے، پانچ وقت نماز پڑھتا ہوں......" اچانک قہقہہ اُگل دیا اور دوبارہ بولا۔ "میں اور تم دونوں یاد ہے نا جلدی گنجے ہو گئے تھے۔ جب آخر میں سگریٹ کمپنی کی ملازمت سے بھی ریٹائر ہو گیا تو دیکھا کہ ڈاڑھی کے بال دنوں میں خوب گھنے ہو جاتے ہیں۔ سوچا، شاید سر میں بال اگانے والی طاقت بھی چہرے پر ڈھلک آئی ہے...... پھر فیصلہ کر لیا، چلو ٹھیک ہے، سر پر نہیں اُگتے نہ اُگیں، ڈاڑھی کے بڑھا لو...... اور ہاں! گھر والوں کو بتانا ضروری ہوتا ہے کہ وہ میری ٹینشن نہ لیں۔ پنشن لیتا ہوں۔ دونوں بیٹوں کا کاروبار ایک ہی بلڈنگ میں ہے۔ آج کل اَن پڑھ مزدور بھی دس ہزار روپے ماہانہ تنخواہ سے کم پر نہیں ملتا۔ میں تو مفت میں ڈیوٹی دیتا ہوں۔ تمہیں پتا ہے پاکستان کی سب سے بڑی سگریٹ فیکٹری میں سپروائزری کی، مشینوں کی دیکھ بھال کر سکتا ہوں۔ میرے جیسا تجربہ کار سپروائزر مفت میں ملا ہو، اور وہ اپنی پنشن سے ذاتی خرچہ پورا کرے، تو ٹینشن کے بجائے بونس ہی ہوا نا! ذاتی خرچے کے علاوہ چھوٹی موٹی گھر کی چیزیں بھی پلّے سے خرید دیتا ہوں۔ پھر اولاد کی اولاد کے لاڈ دیکھنے کی بھی سکت ہے...... تم ہی بتاؤ، پھر بونس ہی ہوا نا۔ ! پنشن والے بزرگ کی ٹینشن نہیں لینی چاہیے۔"

اثبات میں سر ہلاتے ہوئے یعقوب ہنسنے لگا اور بولا۔ "سنا تھا کہ فیکٹری سے ریٹائرمنٹ کے ایک دو مہینے بعد کچھ لوگ تجھے اغوا کر کے لے گئے تھے۔ پورا ایک سال اور دو مہینے تجھے قید میں رکھا۔ پورے ایک سال مجھے یہ خبر سن کر بڑی فکر ہوئی اور بہت تڑپا۔ کیسے ان کی قید سے فرار ہوئے؟"

آٹھ دس سالہ شوخ و شنگ کھلنڈرے لڑکے کے مانند ایوب کھلکھلا کر ہنسا اور بولا۔ "اوہ یار! بڑا مزہ آیا تھا۔ سگریٹ فیکٹری سے میری ریٹائرمنٹ ہوئے ابھی چھ ہفتے ہی ہوئے تھے۔ ڈاڑھی خوب بڑھ گئی اور میں پکا نمازی ہو گیا...... ایک دن عصر کے وقت مسجد میں میرے دائیں بائیں دو اجنبی آن کھڑے ہوئے، شکل سے پورے خالص مومن مسلمان، بڑی شاندار ڈاڑھیاں اور صاف ستھرے لباس، سر پر چٹی سفید نماز والی ٹوپیاں۔ میں نے سمجھا، محلے میں کسی کے مہمان آئے ہوں گے۔ جماعت ختم ہوئی، میں نے باری باری ان پر نگاہ ڈالی۔ انہوں نے مسکرا کر دوستانہ نظروں سے دیکھا۔ میرے ساتھ ہی مسجد سے باہر نکلے۔ میں نے پوچھا، کس کے مہمان ہیں؟...... دونوں نے مجھ سے یوں مصافحہ کیا، جیسے بڑے پرانے یار بیلی ہوں۔ ایک بولا۔

"حاجی صاحب! ہم آپ کے مہمان ہیں۔" میں نے ان کے "حاجی صاحب" کہنے پر دو مرتبہ "آمین" کہا اور پھر "بسم اللہ، جی آیاں نوں" کہہ کر گھر لے آیا۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کون لوگ ہیں۔ یہ خیال بھی آیا کہ زمانہ بدل گیا ہے۔ حالات بہت خراب ہیں۔ بغیر جانے بوجھے غیر لوگوں کو گھر لے آیا ہوں، اللہ خیر کرے۔"

سلگتے سگریٹ کا ٹوٹا ایش ٹرے میں بجھا کر ایوب نے فوراً ہی دوسرا سگریٹ سلگا لیا۔ یعقوب نے کہا۔ "یار! بس کرو، اتنی اسموکنگ، اپنا ستیاناس کر رہے ہو۔"

ایوب نے کلکاری ماری اور بولا۔ "تجھ سے اب بھی میری صحت بہت اچھی ہے۔ کچھ نہیں ہوتا۔ یاد کر، پچپن چھپن سال پہلے فوج میں بھرتی ہوئے۔ وہاں راشن میں سگریٹ بھی آتے تھے۔ سپاہی کو ڈائمنڈ سگریٹ ملا کرتے تھے۔ ہم دونوں پہلے سے بھی زیادہ جوان اور ہٹے کٹے ہو کر فوج سے فارغ ہوئے۔ صرف سر کے بال ہی فوج کو دیے، باقی سب کچھ فٹ فاٹ...... واپس لے آئے......"

دونوں نے ایک ساتھ قہقہہ بلند کیا۔ ایوب بول پڑا۔ "آخر میں، سگریٹ فیکٹری کی سپروائزری۔ اسی سگریٹ کا فری کوٹا بھی ملنے لگا۔ چل سو چل، وہ دن اور یہ آج کا دن، کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ گھر میں بیٹے بہوئیں اسی طرح ڈراتی ہیں۔ میں نہیں ڈرتا۔ انہیں کہتا ہوں، میری ٹینشن نہ لو......"

یعقوب نے ٹوک دیا۔ "اوئے خبطی بابے! کدھر پٹڑی سے اُترتے جا رہے ہو؟ وہ بات پوری کرو......"

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

ایوب کا چہرہ بدستور دمک رہا تھا اور آنکھوں میں چمک، لبوں پر مسکراہٹ۔ منہ کھولے دوست کو دیکھنے لگا، استفہامیہ نگاہیں ڈال کر بھویں اُچکائیں۔ یعقوب ہنس پڑا اور بولا۔

"بوتس بابا! بات بھول گیا...... وہ مسجد سے دو اجنبیوں کو جو گھر لے گئے تھے...... جب اغوا ہوئے تھے......"

"ہاں ہاں...... اوہ اچھا۔ میں نے دل سے کہا، مہمان اللہ کی رحمت ہوتا ہے۔ جس طرح بارش کو اللہ کی رحمت کہا جاتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی تباہی پھیر کر رکھ دیتی ہے۔ اسی طرح اگر مہمان بھی رحمت کے بجائے زحمت بن جائے۔ تو اللہ کی رضا سمجھ کر بندہ صبر اور حوصلے سے کام لے...... میں نے پکوڑے بنوائے، گرم گرم۔ کیک رس اور چائے۔ سردی کا موسم تھا...... چائے پیتے ہوئے انہوں نے مطلب کی بات شروع کی۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ انہوں نے قبائلی علاقے میں سگریٹ پلانٹ لگایا ہے۔ مگر اچھی کوالٹی کی صحیح نقل نہیں بن رہی۔ میری سابقہ فیکٹری کے عملے میں سے کسی نے میرا اتا پتا دیا تھا...... وہ مجھے لینے آئے تھے۔ دل میں یہی سوچا کہ مہمان سے رُوکھی بات نہ کی جائے۔ شرط ایسی رکھو کہ وہ خود ہی چلے جائیں۔ اُن سے کہا۔ پانچ لاکھ روپیا ایڈوانس اور پچیس ہزار روپے تنخواہ......"

آنکھیں پوری کی پوری کھول کر ایوب نے اپنے دوست کو دیکھا اور ہنس پڑا۔ قدرے توقف کرکے بولا۔

"میں نے سمجھا اب ان کی بولتی بند ہوجائے گی لیکن حاجی نجیب اللہ، جو اصل مالک تھا، کہنے لگا۔ حاجی صاحب! ایڈوانس اتنا لو، جتنا ڈیڑھ سال میں پورا ہوجائے۔ تنخواہ منظور ہے۔ کھانا پینا ہمارے ذمے، کپڑوں کی دھلائی، رہائش ہر خدمت...... تم مشین چلاؤ، نماز پڑھو۔ حج ہم کروائے گا۔ اچھے مسلمان ہو، اصلی اسلامی وعدہ کرو، کام بیچ میں چھوڑ کر نہیں بھاگو گے......"

"پھنس گیا میرا یار، پورا پھنس گیا......" یعقوب نے سر دھنتے ہوئے کہا۔

ایوب چہک کر بولا۔ "کیسے بھاگتا، میں نے کہا چلو پھر۔ میرا وہاں کیا بگاڑ لیں گے یہ لوگ۔ تین لاکھ روپے ایڈوانس طے ہوگیا۔ ظالموں نے تھیلے سے نکال کر اسی وقت میز پر گڈیاں گن کے رکھ دیں......" ایوب نے ہلکا سا کھوکھلا قہقہہ لگایا اور بولا۔ "کو بے یار! بڑی طاقت تھی اُس وقت پاکستانی روپے میں۔ تین لاکھ آج کا تیس ہی سمجھ لو۔ رقم گھر میں تمہاری بھابی کے حوالے کی اور انہوں نے کہا بس ایک دو جوڑے کپڑے لو، اُدھر تیرے بنا کردے گا اور چلو۔ بیوی

چٹکلے

ایک سردار اپنے دوست سے۔ "کل میری شادی ہے، لڑکی والوں نے کم لوگوں کو بلایا ہے۔"

"تو پرابلم کیا ہے؟" دوست بولا۔

سردار۔ "پتا نہیں ابا جان مجھے لے جائیں گے یا نہیں۔"

☆☆☆

انسپکٹر سردار سے۔ "کیا پرابلم ہے؟"

سردار۔ "میری گرل فرینڈ نہیں مل رہی۔"

انسپکٹر۔ "کب سے......"

سردار۔ "بچپن سے۔"

☆☆☆

ایک سردار (دوسرے سے)۔ "پولیس کا چھاپا پڑ گیا ہے فوراً کھڑکی سے چھلانگ لگادو۔"

"لیکن ہم اس وقت تیرھویں منزل پر ہیں۔"

سردار۔ "جلدی کرو۔ یہاں جان پر بنی ہوئی ہے اور تمہیں تو ہمات کی پڑی ہوئی ہے۔"

مرسلہ۔ مرحا گل، درابن کلاں

اور بیٹوں نے بھی زیادہ تردد نہیں کیا۔ میں سمجھ گیا، سارے اوپر اوپر سے بہ ظاہر فکر کررہے ہیں، ان کے اندر سے خوشی پھوٹی صاف نظر آرہی تھی۔ کہتے ہوں گے، بیکار پڑی پرچی کی لاٹری نکل آئی۔ ہر وقت پڑا سگریٹ پھونکتا ہے۔ پہلے چلو، فیکٹری سے مفت کو ملتا تھا، اب بھی وہی اسٹینڈرڈ رکھا ہوا ہے۔ بندہ پوچھے، پنشن بال بچے کے کام آنے دو۔ اتنی زیادہ اسموکنگ، ہوسکتا ہے، کل ہی دم نکل جائے اور پنشن بھی ختم ہوجائے۔ بھاگتے ابے کی لنگوٹی سہی......"

دونوں بڈھے کھل کر ہنسنے لگے۔ یعقوب نے کہا۔ "لنگوٹی نہیں، لنگوٹ...... اور وہ بھی سونے کا۔ چل آگے بول۔" ایوب اپنے دوست کی تائید میں سر مارنے لگا اور بولا۔

"لو جی! باہر سڑک پر گاڑی کھڑی تھی، ہم چل پڑے۔ رات کو پنڈی میں کھانا کھایا، پھر مجھے نہیں پتا، کب اور کہاں پہنچے۔ صبح ہوش ہی نہ رہا۔ پچھلے پہر پلانٹ دیکھا۔ کباڑ خانے کی خرید کسی چھوٹی فیکٹری کی بچی ہوئی مشینری تھی جسے وہاں پہلے سے موجود ایک گجراتی کاریگر نے فٹ

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

کر کے آزمائشی طور پر جاری رکھا تھا۔ مشہور برانڈز کی ہو بہو اصلی جیسی بے شمار پیکنگ موجود تھی۔ تمباکو ہر قسم کا مکس، دیسی ولایتی ملا جلا ڈھیروں اسٹاک۔"

یعقوب نے لقمہ دیا۔ "حقے میں پینے والا پنجاب کا بھی......"

ایوب نے فوراً تائید کی۔ "ہاں ہاں، کہاں ورجینیا، کہاں مردان کا ریجیکٹ مال اور پنجاب کا دیسی۔ پہلے مرحلے پر چارا کترنے والی مشین سے چھوٹا کر لیتے اور پھر ایک دیسی سی مشین میں ڈال کر باریک کوٹ پھٹک کر چھان لیا جاتا۔ اصل میں میری سابقہ فیکٹری میں سارا کام آٹومیٹک پلانٹ میں ہوتا تھا۔ اب اصل فارمولے کے مطابق سارا ورجینیا اس میں بھی استعمال نہ ہوتا لیکن پھر بھی جو مقامی ساتھ شامل کیا جاتا، خوب چیکنگ کر کے کہ کیڑا نہ لگا ہو، کسی غلط دوائی کا اسپرے نہ کرتے رہے ہوں۔ ایک ایک پتا دیکھنا۔ خالص ورجینیا کے ساتھ فارمولے کے مطابق مکس کر کے جدید پلانٹ میں باریک پیسنا اور اوپر قیمتی کیمیکل کا اسپرے کرنا......"

"وہاں کیا سسٹم چلایا؟" یعقوب کے پوچھنے پر ایوب بولا۔

"وہاں میں نے کیمیکل کی بات کی۔ حاجی نجیب نے کہا۔ وہ بہت مہنگا ہے۔ ہم نے بہت تجربے کیے۔ تمباکو کی تیزی مارنے کی خاطر چینی کا شربت چھڑکنے سے کام بن گیا۔ مزدور دستی کام کرتے تھے۔ مشین بڑا پرانا ماڈل تھی۔ ایک منٹ میں ڈیڑھ سو ڈبی نکالتی۔ تیار مال کے بنڈل بنا کر مزدور کندھوں پر رکھتے اور فیکٹری کے سیدھے پہلو پر مغرب کی طرف پہاڑ پر چڑھ کر نیچے اتر جاتے......"

ایوب نے لمبا سانس لیا اور مسکرایا۔ کہنے لگا۔ "مجھے ان لوگوں نے بہت آرام دیا۔ بیس پچیس سال کی گول مٹول سرخ وسفید لڑکی دکھا کر حاجی نجیب نے کہا۔

"حاجی صاحب! اس سے تمہارا نکاح پڑھائے گا۔ ڈیڑھ سال بعد ہمارے ساتھ حج کرنے بھی چلو...... جب بڑا مشین ہم لے آئے اور تم پروڈکشن شروع کر دو، پھر بے شک چلے جاؤ۔ ابھی صحیح اسلامی وعدہ کرو، بیچ میں کام چھوڑ کر نہیں بھاگے گا۔ میں نے کہا۔

"مسلمان کے ایک بار کیے وعدے پر اعتبار ہونا چاہیے۔ تم لوگ ہر ہفتے قسم لیتے ہو...... سوا سال گزر گیا۔ گجراتی کاریگر بشیر احمد اپنے گھر والوں سے ناراض ہو کر آیا ہوا تھا۔ اُس نے پہلے ہی وہاں لڑکی سے شادی کی ہوئی تھی۔ وہ خود بھی ابھی پینتالیس پچاس سال کا ہی تھا۔ میں نے شادی نہ کی۔ گھر یاد آتا۔ بیوی کے بارے میں سوچتا کہ جب تنخواہ نہ ہونے کے برابر تھی...... سو روپے مہینا بہت عرصے بعد تنخواہ ہوئی، تب بھی وہ کر ماں والی ساتھ رہی۔ اب بڑھاپے میں بے وفائی زیب نہیں دیتی۔ بشیر نے بتایا کہ جس پہاڑ سے مزدور مال لے کر اُترتے ہیں، اس پر بنا پیدل والا راستہ سیدھا پشاور جاتا ہے۔ ٹانگوں میں جان ہے تو کسی دن موقع پا کر نکل جاؤ۔ جب مالک موجود نہ ہو۔ اب تمہاری رکھوالی بھی نہیں ہوتی۔ میں نے کہا۔

"فوجی ہوں۔ ٹانگوں میں بڑی جان ہے...... لو جی! یار کُوبا صاحب! میں ایک روز مزدور پارٹی کے پیچھے فاصلہ رکھ کر نکل پڑا۔ میلا لباس پہن رکھا تھا اور خالی کارٹن کندھوں پر۔ بالکل مزدوروں والا حلیہ۔ اللہ کے فضل سے ٹھیک ٹھاک پشاور اور وہاں سے گھر۔"

یعقوب کے لبوں پر شریری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ کہنے لگا۔ "بھابی اور بھتیجوں نے یہ تو نہیں کہا کہ بڈھا پھر ٹینشن دینے آ گیا؟" ...... ایوب نے انکار میں سر ہلایا اور کہا۔

"نہیں یار! ان کے چہروں سے اصلی خوشی جھلکتی محسوس ہوئی...... ویسے بھی ٹینشن کے ساتھ پنشن ہے یار! ذرا سوچو۔ اور پھر یہ کہ تمہاری بھابی نے ساری رقم بینک اکاؤنٹ میں محفوظ رکھی ہوئی تھی۔ ہم دونوں نے حج کیا شکر الحمدللہ۔ اپنے پسندیدہ برانڈ کے سگریٹ جعلی بنتے دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا تھا۔ بڑے بیٹے کا مال پہلے ہی ٹھیک بن رہا تھا۔ میری غیر موجودگی میں خوب ترقی کر لی اور کراچی کی ایک فیکٹری کا مارکا لگانے سے سیل کئی گنا بڑھ گئی۔ ہاتھوں ہاتھ نقد مال بک جاتا......"

"وہ لوگ تو پیچھے نہیں آئے؟" یعقوب نے سوال کیا۔

ایوب نے کہا۔ "نہیں، دراصل اُن کا کام بالکل روٹین میں چل پڑا تھا...... اور پھر بشیر بڑا سمجھدار ثابت ہوا۔ آ بھی جاتے تو کیا کر لیتے؟ حساب برابر کر کے ہی آیا تھا۔ میں نے چھوٹے بیٹے کو سرمایہ دیا۔ اُس نے چائنا کا چکر لگایا۔ اب ماشاء اللہ ہر تیسرے چوتھے مہینے چین جاتا ہے۔ جنریٹر لا کر ان کے اسٹیکر تبدیل کر کے کوئی اور مارکے لگاتا ہے۔ بڑا تیز ہے۔ کہتا ہے، ابا جی! مارکا بدلنے سے قیمت دگنی ہو جاتی ہے۔ بجلی اس ملک میں تب ہی ٹھیک ہوگی، جب کوئی ایماندار حکمران آئے گا۔ اللہ کا بڑا فضل ہے۔ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے ان لوگوں کے فراڈ میں شامل ہونے کی، اللہ معافی۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

کارِ رفتہ

عبدالستار چوہان

موت ایک اٹل حقیقت ہے، نہ ایک دن کم... نہ ایک دن زیادہ... وہ جو اپنی دانست میں دھیرے دھیرے موت کے چنگل سے دور نکلتا جارہا تھا... کیا خبر تھی کہ سفر کی سمت الٹی ہوچکی ہے اور اب وہ آہستہ آہستہ موت کے شکنجے کی جانب ہی محوِ سفر ہے اور شاید... اسے ہی قسمت کہتے ہیں۔ کیسے گھیر کر اپنے شکار کو اس ایک جگہ لاکر قید کرتی ہے جہاں اس کے لمحات کا اختتام ہونا لکھا ہوتا ہے اور... وہ بھی اس مقام پر قیام پذیر ہوچکا تھا۔

شکست و ریخت کے ان کمزور لمحوں کا احوال جو اس کی زندگی کا حاصل تھے

یہ رات بھی دیگر راتوں کی طرح ایک عام سی رات تھی۔ آسمان پر تارے بکھرے ہوئے تھے لیکن چاند کے نہ ہونے کی وجہ سے تاریکی بدستور پھیلی ہوئی تھی۔ اس تاریکی میں ایک نوجوان ایک لڑکی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے پارک میں چہل قدمی کررہا تھا۔ وہ ایک بینچ کے قریب آکر خاموشی سے اس پر بیٹھ گئے۔ لڑکی جانتی تھی کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں اور دھڑکتے دل کے ساتھ نوجوان کے منہ سے وہ بات سننے کی منتظر تھی جو ایک لڑکی کے لیے نئی زندگی کا نقطۂ آغاز

Downloaded From
Paksociety.com
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ہوتی ہے۔ یہ بات سننے سے پہلے ہی اس کے ہونٹوں پر ایک میٹھی سی ''ہاں'' مچل رہی تھی۔

لڑکی کا نام فرانسس تھا۔ فرانسس کی ماں نے اس کے جوان ہونے کے بعد بارہا اسے سمجھایا تھا کہ مرد سے محبت کرنا دراصل ایک پرخطر راستے پر سفر کرنے کے مترادف ہے لیکن فرانسس کی ملاقات جب مچل نامی اس نوجوان سے ہوئی تو وہ ماں کی ساری نصیحتیں بھول گئی۔ اس کی ماں نے ایک بار پھر اسے سمجھایا۔ ''کوئی بھی فیصلہ کرو تو اس کے بارے میں بڑی احتیاط اور باریک بینی سے کام لو۔''

لیکن اس نے ماں کی اس نصیحت پر بھی عمل نہیں کیا اور اس وقت جبکہ اسے مچل سے ملے ہوئے صرف تین ہفتے دو دن اور بارہ گھنٹے گزرے تھے، وہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کرنے کے لیے تیار تھی۔

''فرانسس!'' نوجوان نے بازو اس کے گرد حمائل کردیے۔

''ہاں مچل!'' اس نے سرشاری سے کہا۔ فیصلے کا لمحہ قریب آرہا تھا۔

''میں تم سے پیار کرتا ہوں فرانسس۔ کیا تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے؟ مجھ سے شادی کروگی تم؟'' وہ بے تابی سے ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گیا۔

''ہاں مچل!'' اس نے گویا نیند کی سی کیفیت میں جواب دیا اور اس کے بازوؤں میں یوں سمٹ گئی گویا اپنا وجود اس کی ذات میں سمو دینا چاہتی ہو۔ اچانک مچل نے اپنے بازو کھینچ لیے گویا ان کے درمیان کوئی ان دیکھی خلیج حائل ہوگئی ہو۔

''مجھے ...... مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تمہاری زندگی میں داخل ہونے کی کوشش کروں......'' مچل خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑایا۔

''کیوں مچل ......؟ کیا ہوا تمہیں؟ ابھی تو تم کہہ رہے تھے، تمہیں مجھ سے محبت ہے؟'' فرانسس نے حیرت سے کہا۔

''ہاں لیکن عمر بھر کے لیے رفاقت کے بندھن میں بندھنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے میں تمہیں ایک بات سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔'' مچل نے آہستگی سے کہا۔

فرانسس نے سوچا کہ وہ شاید اسے اپنے ماضی کی کسی ناکام محبت کے بارے میں بتانا چاہتا ہے۔ اس نے بدستور خوابوں کی دنیا میں ہلکورے لیتے ہوئے کہا۔ ''مجھے کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا مچل۔ میں تمہارے بارے میں جو کچھ جانتی ہوں، اس سے زیادہ کچھ جاننا نہیں چاہتی۔''

''لیکن میں جو کچھ بتانا چاہتا ہوں وہ تمہیں ضرور سن لینا چاہیے یہ ایک بہت اہم بات ہے۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''محبت سے اہم بات کون سی ہے؟'' وہ بینچ پر اس کے اور قریب کھسک آئی اور غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

''فرانسس...... میں نے ایک مرتبہ ایک شخص کو قتل کردیا تھا۔'' اس نے گویا اپنے سینے پر رکھی ہوئی بھاری سل ہٹادی۔

ایک لمحے کے لیے فرانسس کو اس انکشاف کی سنگینی کا احساس نہیں ہوا اور جب ہوا تو اس نے اپنے ذہن کو جھٹک دیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ یہ اس کے ماضی کا فعل ہے جس کا ان کی مستقبل کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ ماضی کا ایک جرم اس کی ازدواجی زندگی پر اثرانداز نہیں ہوسکتا۔

''غالباً کوئی حادثہ پیش آیا ہوگا؟'' فرانسس نے اسے راہ فرار مہیا کرنے کی کوشش کی۔

''نہیں! میرے ہاتھوں سے حادثاتی قتل نہیں ہوا تھا۔'' اس نے راہ فرار اختیار کرنے کے بجائے دیانتداری سے کہا۔ ''میں نے عمداً اسے قتل کیا تھا۔ میں اس کی تلاش میں تھا اور جب وہ مجھے ملا تو میں نے اسے قتل کردیا۔''

فرانسس کے خواب اس جواب سے بھی متزلزل نہ ہوئے۔ وہ چاہت کے اس موڑ پر آچکی تھی جہاں سے واپسی کا سفر تقریباً ناممکن تھا۔

''کتنی سزا ہوئی تھی تمہیں؟'' اس نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

''کسی کو آج تک معلوم ہی نہیں ہوسکا کہ وہ قتل میں نے کیا تھا۔'' وہ بولا ''ویسے وہ شخص موت ہی کا مستحق تھا۔ اس نے مجھے زخمی کردیا تھا اور میں نے اسے معاف نہیں کیا۔ جب مجھے انتقام کا موقع ملا، میں نے حساب چکا دیا۔ غالباً میری فطرت ہے کہ میں اپنے ساتھ ہونے والی کسی زیادتی کو فراموش نہیں کرسکتا۔'' اس ...... کا چہرہ یوں سرخ ہوگیا تھا گویا ماضی کی نفرت ایک بار پھر ابھر آئی ہو۔ ''اس واقعے کو دس برس گزر چکے ہیں اور یہ سینٹ لوئیس میں پیش آیا تھا۔ اس شخص کا نام جوزف بیلی تھا اور وہ......''

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

فرانسس نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”بس! میں اس سے آگے کچھ سننا نہیں چاہتی۔“

کچھ دیر وہ اسی طرح گم صم بیٹھے رہے۔ آخر فرانسس نے اس کے ہونٹوں سے ہاتھ ہٹالیا اور زیر لب بولی۔ ”اس سے ہمارے سپنوں کے محل مسمار نہیں ہونے چاہئیں۔ میں سمجھ لوں گی کہ تم نے مجھے کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔“

مچل نے ستاروں کی مدھم روشنی میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”یہ ایک مشکل کام ہے۔ شاید زندگی کے کسی موڑ پر میرے جرم کی خلش تمہارے ذہن میں ابھر آئے۔ وعدہ کرو تم مجھے کبھی اس بات کا طعنہ نہیں دو گی۔“

”میں اس تذکرے کو ذہن کے کسی اندھیرے گوشے میں دفن کردوں گی مچل۔ میں قسم کھاتی ہوں کہ یہ بات کبھی میرے ہونٹوں پر بھولے سے بھی نہیں آئے گی۔“ فرانسس نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ مچل نے اپنے سینے میں تشکر کی طغیانی سی امڈتی محسوس کی اور اپنایت سے اس نے فرانسس کو باہوں میں سمیٹ لیا۔ اب ان کی راہ میں کوئی خلیج، کوئی بدگمانی حائل نہ تھی۔

☆☆☆

ازدواجی زندگی کے تین سال گویا خواب کی طرح بیت گئے۔ وہ دو کمروں کے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتے تھے۔ ان کا رہن سہن غریبانہ ہی سا تھا لیکن غربت نے ان کی محبت کو متاثر نہیں کیا تھا۔ مچل کام سے واپس آتا تو سردی سے ٹھٹھرتا ہوا گھر میں داخل ہوتا۔ اگرچہ فرانسس کے پاس ڈھنگ کا ایک بھی لباس نہ تھا لیکن اسے کبھی اچھے لباس کی کمی محسوس نہ ہوئی۔ وہ فلم دیکھنے جاتے تو فرانسس یہ سوچ کر دل کو تسلی دیتی کہ اندھیرے ہال میں کون دیکھ رہا ہے کہ اس کے جسم پر پانچ ڈالر والا لباس ہے یا پچاس ڈالر والا۔ قناعت پسندی کے اس نے ہزاروں راستے نکالے ہوئے تھے۔

ایک بار مچل کی طبیعت خراب ہوگئی تو وہ اسے لے کر ڈاکٹر کے پاس گئی تھی۔ ڈاکٹر نے باتوں باتوں میں کہا تھا۔ ”یقیناً تم دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہو۔ تم نے بتایا کہ تمہاری شادی کو تین سال گزر چکے ہیں لیکن تمہاری گرمجوشی دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ کل ہی تمہاری شادی ہوئی ہے۔“

فرانسس کا دل روشنی سے بھر گیا۔ ایک غیر نے ان کی محبت کی گواہی دی تھی۔ اسے شادی سے پہلے ہی معلوم تھا کہ اس کی محبت چٹانوں کی طرح اٹل ہے۔ زندگی کی چھوٹی چھوٹی آزمائشیں اس کی محبت کو فنا نہیں کر سکتی تھیں۔

مچل کی ملازمت معمولی قسم کی تھی لیکن وہ مطمئن تھا۔ اس کا باس اس پر مہربان تھا۔ اس کا نام ہیلٹ تھا اور مچل کی زبانی اس کا تذکرہ سن سن کر فرانسس بھی اس سے غائبانہ طور پر اچھی طرح واقف ہوگئی تھی، گو کہ وہ اس سے کبھی ملی نہیں تھی۔

”ہیلٹ اتنی کم عمری ہی میں وائس پریذیڈنٹ کے عہدے پر پہنچ گیا ہے۔“ مچل اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا۔

”ہیلٹ آج چھٹیوں سے واپس آگیا ہے۔“ کبھی وہ اسے اطلاع دیتا۔ اس طرح ہیلٹ ان کے گھر کا ہی ایک فرد بن چکا ہے۔

ایک مرتبہ مچل کو ایک دوسری کمپنی سے نسبتاً زیادہ تنخواہ پر بہتر ملازمت کی پیش کش ہوئی۔ مچل نے جب فرانسس سے اس کا تذکرہ کیا تو وہ بولی۔ ”تم نے ہیلٹ کو اس بارے میں بتایا ہے؟“

”ہاں۔ میں نے کبھی اس سے کوئی بات نہیں چھپائی۔“ مچل نے جواب دیا۔

”پھر اس نے کیا کہا؟“

”اس نے کہا کہ گو وہ میری تنخواہ میں اضافہ نہیں کرسکتا لیکن اس کا مخلصانہ مشورہ ہے کہ میں موجودہ ملازمت نہ چھوڑوں، ایک جگہ پڑے پڑے تو پتھر بھی بھاری ہوجاتا ہے۔ نئی جگہ جاکر مجھے اپنی قدر و منزلت بنانے میں نئے سرے سے محنت کرنا ہوگی جبکہ یہاں میری ایک ساکھ ہے، سب لوگ مجھ پر بھروسا کرتے ہیں۔ اس کی ساری گفتگو سن کر میں نے وہ پیش کش مسترد کردی۔ میں ہیلٹ کے ساتھ ہی کام کرتا رہوں گا۔“

فرانسس نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ شوہر کی رضا میں ہی اس کی رضا تھی۔ وہ بس اسے خوش دیکھنا چاہتی تھی۔

لیکن پھر ایک عجیب حادثہ ہوگیا۔ ہیلٹ وہ کمپنی چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کی جگہ مچل کا جو نیا باس آیا، اس کا نام پارکر تھا۔ پارکر کی ماتحتی میں پہلا ہی دن گزار کر مچل گھر واپس آیا تو اس کا چہرہ اترا اترا سا تھا۔

”تمہارا نیا باس کیسا ہے مچل؟ تمہارے ساتھ اس کا رویہ کیسا رہا؟“ فرانسس نے پوچھا۔

”ابھی میں اس کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کرسکا۔ پہلا ہی دن تھا نا۔“ اس نے کھانے کی میز پر بیٹھے بیٹھے کانٹے کو بے مقصد انداز میں میز پر کھنکھناتے ہوئے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔" فرانسس نے سادگی سے کہا۔ "بہرحال رفتہ رفتہ تم اس سے مانوس ہو جاؤ گے۔"

لیکن فرانسس کا یہ خیال درست ثابت نہیں ہوا۔

چند ہفتے بعد ایک رات کھانے کی میز پر وہ بول اٹھا۔ "پارکر مجھے پسند نہیں کرتا۔"

فرانسس کو حیرت سی ہوئی کہ کیا دنیا میں کوئی شخص مچل جیسے انسان کو بھی ناپسند کرسکتا ہے!

"دراصل وہ مجھے ہیلٹ کے پرانے آدمیوں میں شمار کرتا ہے اور جس انداز سے میرے ساتھ پیش آتا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بغیر کسی وجہ کے میرے خلاف دل میں کینہ اور بغض رکھتا ہے......" مچل نے بتایا۔

"بہرحال پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم اسے شکایت کا موقع ہی نہ دو کہ وہ کینہ پروری کا اظہار کرسکے۔" فرانسس نے اسے حوصلہ دیا۔

"مجھے اس کے باطن سے کوئی سروکار نہیں۔ میں تو اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔ میرا شروع سے یہی اصول رہا ہے۔" مچل نے کہا لیکن اس رات اس نے کھانا ٹھیک سے نہیں کھایا۔

☆☆☆

ایک روز مچل گھر آیا تو اس کے کندھے گویا کسی بھاری بوجھ سے جھکے ہوئے تھے۔ اس نے تھکی تھکی آنکھوں سے فرانسس کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔ "پارکر نے میری تنخواہ آدھی کردی ہے۔ جواز یہ گھڑا گیا ہے کہ کمپنی کے مالی حالات اچھے نہیں ہیں۔" پھر اس کے لہجے میں تندی سی آگئی۔ "حالانکہ میں نے اپنے سے جونیئر دو آدمیوں سے پوچھا۔ انہوں نے کوئی واضح جواب تو نہیں دیا لیکن ان کے تاثرات دیکھ کر مجھے بخوبی اندازہ ہوگیا کہ ان کی تنخواہوں میں کوئی کمی نہیں کی گئی۔"

"یہ تو سراسر ناانصافی ہے۔ آخر وہ چاہتا کیا ہے؟" فرانسس نے آزردہ ہو کر پوچھا۔

"وہ مجھے ملازمت سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس کوئی معقول جواز نہیں۔" مچل نے بھڑک کر کہا۔ "وہ ایسے حالات پیدا کرنا چاہتا ہے کہ تنگ آکر میں خود ہی ملازمت چھوڑ دوں۔ تم اندازہ نہیں کرسکتیں کہ آج جب میں آدھی تنخواہ لے کر کیشیئر کے پاس سے واپس آیا تو پارکر کتنی مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی خباثت کی تسکین کر رہا تھا......"

"لیکن کیوں مچل؟ تم نے تو اس کے ساتھ کبھی کوئی

جاتی نہیں کی۔" فرانسس آبدیدہ ہوگئی۔

"بعض لوگ پیدائشی کینہ پرور ہوتے ہیں۔ دوسروں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر ان کے اندر چھپے ہوئے احساس کمتری کی تسکین ہوتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ آج کل میرے کام کی نوعیت کے مطابق مجھے ملازمت ملنا مشکل ہے۔" مچل نے نفرت سے زمین پر تھوک دیا۔

فرانسس نے محسوس کیا کہ مچل کے اعصاب میں وہی تناؤ پیدا ہو رہا ہے جیسا اس رات محسوس ہو رہا تھا۔ جب انہوں نے شادی کا عہد و پیمان کیا تھا۔ اس بات کو ایک مدت گزر چکی تھی لیکن فرانسس کو آج بھی ان لمحوں کی ساری کیفیات یاد تھیں۔

"میں چھوٹی موٹی وجہ پر کسی سے متنفر نہیں ہوتا فرانسس۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "لیکن اگر میرے ساتھ زیادتی کی انتہا کردی جائے تو میرے دل میں نفرت جاگ اٹھتی ہے اور پھر میں اسے آسانی سے نہیں بھلا سکتا۔"

فرانسس نے پلکیں جھپکا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے ذہن میں بار بار اسی رات کا تصور ابھر رہا تھا جس رات ان کی زندگی ایک اہم موڑ پر آئی تھی۔

"تم ذہن پر بوجھ نہ ڈالو مچل۔ تھوڑا سا آرام کرلو۔" اس نے مچل کے ماتھے پر پیار سے ہاتھ پھیرا، اس کی پیشانی تپ رہی تھی۔

☆☆☆

آج کی رات بھی ماضی کی اس ناقابل فراموش رات کی طرح دھندلائی ہوئی تھی۔ مچل کو آج گھر آنے میں بڑی تاخیر ہوچکی تھی۔ فرانسس کا دل گھبرا رہا تھا۔ وہ کافی دیر سے کھڑکی میں کھڑی اس کی راہ تک رہی تھی پھر اس نے مچل کو آتے دیکھا لیکن وہ اس طرح قدم اٹھا رہا تھا جیسے عالم خواب میں ہو۔ اسے گرد و پیش کی کچھ خبر نہ تھی۔ حتیٰ کہ وہ بے خبری کے عالم میں اپنے گھر سے بھی کچھ آگے نکل گیا۔ فرانسس نے اسے پکارا تو وہ چونک کر پلٹا فرانسس کھڑکی سے ہٹ کر دروازے پر آگئی۔ اسے شدید اضطراب سا محسوس ہو رہا تھا لیکن اس کا سبب اسے فی الحال معلوم نہ تھا۔ مچل آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا فرانسس کے سامنے آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی قمیص کا کالر پھٹا ہوا تھا۔ اس کے کوٹ کے بٹن بھی غائب تھے اور چہرہ بدلا بدلا سا تھا۔ وہ خاموشی سے فرانسس کے قریب سے گزر کر اندر آگیا اور اپنا ہیٹ اتار کر ایک طرف ڈال دیا۔ فرانسس نے دیکھا کہ اس کے بال بھی بے ترتیب تھے۔ اس کی

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

گردن کے قریب ایک چھوٹی سی خراش بھی نظر آرہی تھی جس پر کھرنڈ سا آگیا تھا۔ کرسی پر بیٹھ کر اس نے ایک طویل سانس لی۔

فرانسس نے باورچی خانے سے ایک کرسی کھینچی اور میز کے دوسری طرف اس کے مقابل بیٹھ گئی۔ غالباً وہ خود گفتگو میں پہل نہیں کر پارہا تھا اور فرانسس بھی فوری طور پر کچھ پوچھنے کی جرأت نہیں کر پارہی تھی۔ اس نے مچل کی ٹائی کھولی۔

''وہ مجھے پولیس اسٹیشن لے گئے تھے۔ جس کی وجہ سے مجھے گھر آنے میں دیر ہوگئی۔'' بالآخر مچل نے لرزتی آواز سے کمرے کا سکوت توڑا۔ فرانسس جو اس کے بال بنانے کے لیے کنگھا اٹھالائی تھی، خاموشی سے اس کے دھانوں پر انگلی پھیرتی رہی۔

''پارکر نے آج ضرورت سے زیادہ بکواس کی تھی۔'' مچل نے اب قدرے ہموار لہجے میں کہا۔ ''میں نے بہت ضبط کیا پھر وہ بولا۔ ''تم کیا اپنے آپ کو ہرکولیس سمجھتے ہو؟'' میں نے کہا۔ ''ہاں میں تم جیسے کئی آدمیوں کے جبڑے توڑ سکتا ہوں۔'' یہ کہہ کر میں نے اسے ایک گھونسا رسید کیا۔ وہ بالکل اسی طرح جیسے ہم فلموں میں دیکھتے ہیں، وہ اچھل کر میز پر جاگرا اور میز سمیت الٹ گیا۔ میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور مزید دو تین گھونسے رسید کیے۔ اگر دوسرے ملازمین مجھے پکڑ نہ لیتے تو نہ جانے میں کیا کر بیٹھتا۔ بہرحال میں نے اس کی اب تک کی کمینگی کا حساب چکا دیا ہے۔ کسی نے پولیس کو اطلاع کردی اور پولیس والے آکر مجھے پکڑ کے لے گئے لیکن پھر اس نے خود ہی پولیس اسٹیشن فون کیا کہ وہ میرے خلاف کوئی شکایت درج کرانا نہیں چاہتا۔ پتا نہیں ''وسیع القلبی'' کے اس مظاہرے سے اس کا کیا مقصد تھا۔''

''چلو اچھا ہی ہوا۔'' فرانسس نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''کہ معاملہ زیادہ نہیں بڑھا۔ روز روز کی کشمکش تو ختم ہوئی۔''

''میں اب کہیں اور نوکری کرلوں گا۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''لیکن مچل ...... کیا دوسری نوکری آسانی سے مل جائے گی؟ ہر جگہ سابقہ تجربے کا حوالہ دینا پڑے گا اور جب وہ تمہاری کمپنی سے تمہارے کردار کی تصدیق کرنا چاہیں گے تو پارکر تمہاری راہ میں رکاوٹیں پیدا کردے گا۔ وہ تمہارے خلاف بڑھ چڑھ کر باتیں بنائے گا۔'' فرانسس نے اندیشوں کا اظہار کیا۔

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر دانت بھینچتے ہوئے بولا۔ ''اگر مجھے پارکر کی وجہ سے ہر جگہ ناکامی ہوئی تو میں اس کا قصہ ہی ختم کردوں گا۔''

مچل کو کہیں ملازمت نہ ملی۔ انتخابات کا زمانہ تھا۔ ہر کاروبار غیر یقینی حالت کا شکار تھا۔ ایک دن ایسا بھی آیا کہ اپنی آخری پونجی بھی نکلوانے کے لیے انہیں بینک جانا پڑا۔ اکاؤنٹ حالانکہ مچل ہی کے نام پر تھا مگر وہ دونوں بالکل اسی طرح اکٹھے بینک گئے تھے جیسے کوئی جوڑا کسی تقریب میں شرکت کرنے جارہا ہو۔

اکاؤنٹ میں صرف چار ڈالر پچاس سینٹ باقی تھے۔ کیشیر نے وہ ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کا کھاتہ ختم ہوگیا ہے۔'' ساتھ ہی اس نے ان کی پاس بک پر سرخ روشنائی سے ''کھاتہ ختم'' کے الفاظ لکھ کر بک انہیں تھمادی۔

فرانسس کو یک لخت اپنے سامنے لامتناہی اندھیرا پھیلتا محسوس ہوا۔ ناامیدی اور مایوسی کی دلدل نے اب گویا ان کی آنکھیں بھی ڈھانپ لی تھیں۔ وہ بینک سے باہر آئے تو مچل فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے بھی پاس بک کے اوراق شروع سے آخر تک پلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ وہ اس وقت بالکل خالی الذہنی سے دوچار تھا۔ فرانسس نے اس کا بازو تھاما ہوا تھا۔ ایک دوراہے پر پہنچ کر وہ رک گیا گویا جیسے سمجھ میں نہ آرہا ہو کہ کدھر جانا ہے۔

''میں چاہتا ہوں کہ ہمیں اس حال تک پہنچانے پر پارکر کا شکریہ ادا کردوں۔'' وہ گویا خود سے مخاطب ہوکر بڑبڑایا۔

''نہیں مچل ......'' فرانسس نے جھرجھری لے کر اس کا بازو زیادہ سختی سے تھام لیا اور اس کے ہاتھ سے پاس بک لے کر ایک کوڑے دان میں پھینک دی۔

''آؤ گھر چلیں۔'' وہ اسے کھینچتے ہوئے بولی۔

دو ہفتے جوں توں گزارنے کے بعد مچل کو ایک کام مل گیا لیکن یہ کوئی باقاعدہ نوکری نہیں تھی۔ اسے پچیس سینٹ فی گھنٹا کے حساب سے اجرت ملتی تھی۔ اس کا کام یہ تھا کہ وہ دواؤں کی ایک دکان کے دروازے کے قریب کھڑے ہوکر دواؤں کی تشہیر کرے لیکن تشہیر کا طریق کار کیا تھا اور دکان کہاں واقع تھی، اس سلسلے میں اس نے فرانسس کو کچھ نہیں بتایا۔

ایک دن بازار سے آتے وقت فرانسس غلطی سے ایک ایسی بس میں بیٹھ گئی جس کا روٹ دوسرا تھا اور وہ اس کے گھر کی طرف نہیں جاتی تھی۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

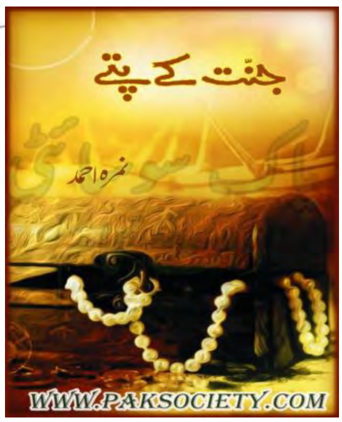

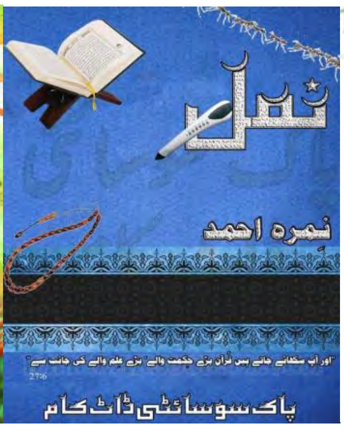

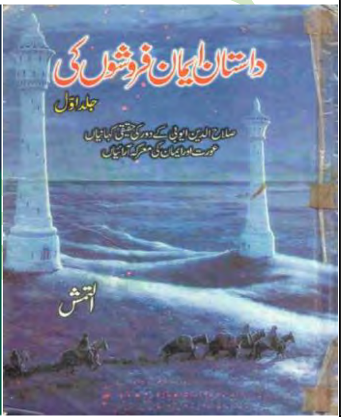

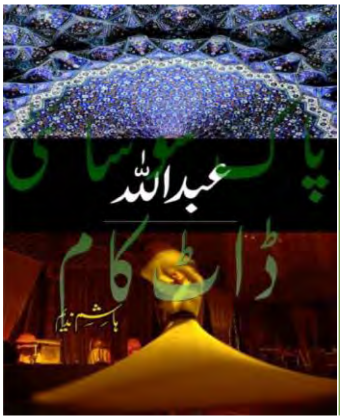

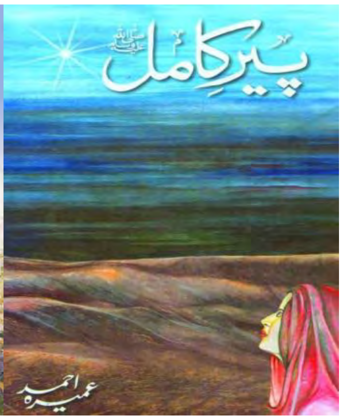

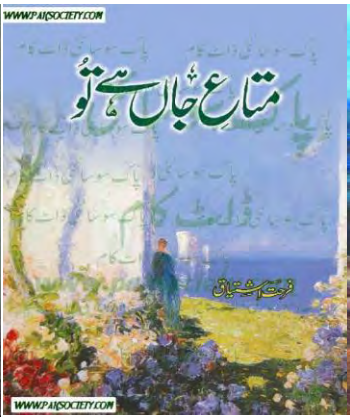

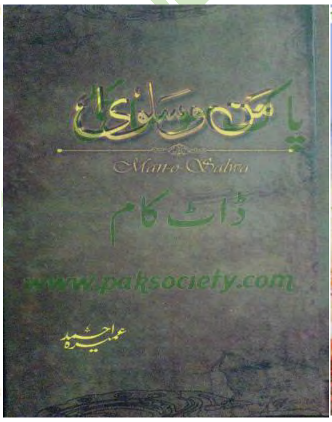

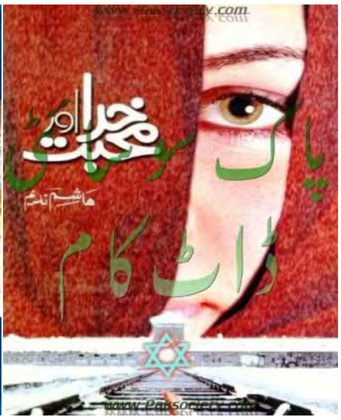

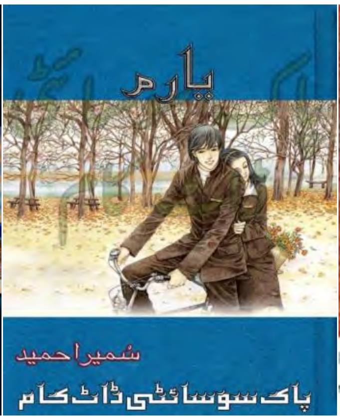

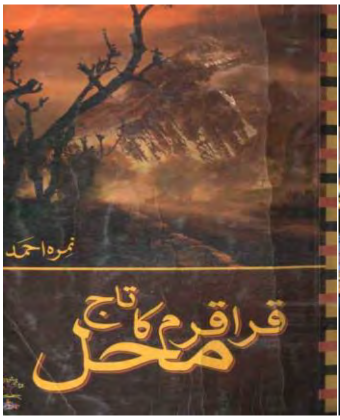

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

تو وہ راستے میں ایک اسٹاپ پر اتر گئی۔ جج بس پکڑنے کے لیے وہ دوسرے اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی کہ ایک جگہ فٹ پاتھ پر اسے چھوٹا سا ہجوم نظر آیا۔ لوگوں کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے نظر اٹھا کر اس طرف دیکھا جہاں سب لوگ دیکھ رہے تھے۔ ایک دکان کے چبوترے پر کسی دوا کا بڑا سا تشہیری بورڈ تھا اور اس کے قریب مچل۔ اس کا محبوب، اس کا شوہر تن سازوں کی طرح بنیان اور نیکر پہنے، چوڑا چکلا سینہ پھلائے اور بازوؤں کی مچھلیاں ابھارے کھڑا تھا۔ اس کے کسرتی جسم کی نمائش سے یقیناً دوا کی بڑی موثر تشہیر ہو رہی تھی۔ یہی وہ مضبوط بازو تھے جن کی پناہ میں فرانسس کا ہر خوف مٹ جاتا تھا۔ یہی وہ کشادہ سینہ تھا جس پر سر رکھ کر فرانسس دنیا کا ہر دکھ بھول جاتی تھی۔ آج اسے پتا چلا کہ پچیس سینٹ فی گھنٹا کی نوکری میں مچل کو کیا کرنا پڑتا ہے۔

''میں یہ سب کچھ دیکھنے سے پہلے مر کیوں نہیں گئی۔'' فرانسس نے پلکوں پر مچلنے والے آنسو ضبط کرتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا۔ مچل اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ بغلوں میں چھپا لیے تھے جیسے اسے بھرے بازار میں برہنہ کر دیا گیا ہو اور وہ اپنی برہنگی چھپانے کی مقدور بھر کوشش کر رہی ہو۔ وہ آنسو جو آنکھوں سے بہہ نہیں سکتے تھے ان کی کڑواہٹ اس کے حلق میں پھیل گئی تھی۔ وہ جلد از جلد اس جگہ سے دور نکل جانا چاہتی تھی جہاں اس کا دیوتا دنیا کے سامنے تماشا بنا ہوا تھا۔

جب وہ گھر واپس آیا تو فرانسس نے اس سے کچھ نہ کہا۔ اس نے خاموشی سے میز کے کونے پر دو ڈالر رکھ دیے اور خود ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''میں شرمندہ ہوں فرانسس۔!'' طویل سکوت کے بعد اس نے بوجھل لہجے میں کہا۔ ''میں بہت شرمندہ ہوں۔''

''دوبارہ وہاں مت جانا مچل...... میں تمہیں وہاں نہیں جانے دوں گی۔'' وہ اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر رو پڑی۔

''کاش میں تم سے نہ ملا ہوتا فرانسس۔ میں اس قابل بھی نہیں کہ تمہیں دو وقت کی روٹی دے سکوں۔'' الفاظ اس کے ہونٹوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے۔

وہ اس کے گھٹنے پر رخسار رگڑتے ہوئے بولی۔ ''تم جو بھی ہو، جیسے بھی ہو مجھے اب بھی دنیا میں سب سے پیارے ہو۔''

مچل نے میز پر سر ٹکا لیا۔ اس کے حلق سے ایسی گھٹی گھٹی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے وہ اپنی چیخیں روک رہا ہو۔ پھر اس نے سر اٹھا کر، جال میں پھنسے ہوئے شیر کی سی نظروں سے فضا میں کسی غیر مرئی چیز کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''ایک شخص صرف ایک شخص کی وجہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔''

دفعتاً جیسے اسے کچھ یاد آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں امید کی کرن جھلملائی۔ ''میں آج اپنے سابق باس ہیلٹ کے پاس گیا تھا۔'' اس نے بتایا۔

''اوہ ...... کیا وہ تمہارے لیے کچھ کر سکتا ہے؟'' فرانسس نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اوپر کر کے اس کی طرف دیکھا۔

''جب میں نے اسے اپنے حالات بتائے تو اسے بڑا دکھ ہوا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ میرے لیے کچھ کرے گا۔ وہ خود تو اب کاروبار کے میدان میں نہیں ہے، بہرحال کئی لوگوں سے اس کی شناسائی تو باقی ہے اور ہاں۔'' اچانک مچل نے دوسری جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''جب میں اس کے پاس کھڑا تھا تو میں نے اپنی جیب میں کچھ سرسراہٹ سی محسوس کی تھی۔ وہاں سے رخصت ہونے کے بعد میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں بیس ڈالر کا ایک نوٹ موجود تھا۔ میں اس کا نوٹ لوٹانے واپس گیا تو اس نے تسلیم ہی نہیں کیا کہ وہ اس نے میری جیب میں ڈالا تھا۔''

''شاید وہ تمہارے لیے واقعی ملازمت کی سفارش بھی کرے۔'' فرانسس نے امید بھرے لہجے میں کہا۔

رات کو مچل آنکھیں بند کیے، بستر پر ساکت لیٹا رہا مگر فرانسس کو معلوم تھا کہ وہ سو نہیں رہا۔ وہ خود بھی ساری رات نہیں سو سکی تھی۔ صبح کو دونوں کی آنکھیں شب بیداری سے سرخ ہو رہی تھیں۔

وہ جب جانے کے لیے گھر سے نکلا تو فرانسس بھی اس کے ساتھ ہو لی اور گلی کے موڑ تک اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اسے رخصت کرنے گئی۔ مچل دور نکل گیا تب بھی وہ کھڑی اس وقت تک اسے دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔

لیکن اس شام جب وہ واپس آیا تو اس کا چہرہ بجھا بجھا سا تھا۔ فرانسس کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی اچھی خبر نہیں لایا، پھر بھی اس نے تفصیل جاننے کے لیے پوچھا...... ''کیا ہوا مچل...... ہیلٹ نے تمہاری سفارش نہیں کی؟''

''ہر کمپنی حوالے مانگتی ہے اور صرف ہیلٹ کی

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

سفارش سے بات نہیں بنتی۔ میرا اصل سابقہ باس تو پارکر تھا اور تم سوچ سکتی ہو کہ وہ میرے بارے میں کیا رائے دے گا۔" اس نے اچانک خود کو کرسی پر گراتے ہوئے کہا۔

"مایوس مت ہو مچل۔ پارکر اتنا حیوان نہیں ہوسکتا۔" فرانسس نے اسے دلاسا دیا۔ "اگر وہ ذرا بھی باضمیر ہوگا تو تمہاری صلاحیتوں کی نفی تو نہیں کرسکے گا۔ تم سے اسے زیادہ سے زیادہ یہی شکایت ہوسکتی ہے کہ ایک دفعہ تم آپے سے باہر ہوگئے تھے۔"

ان باتوں سے مچل خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوسکتا تھا۔

وہ رات کو کھڑکی کے قریب اپنے بستر پر لیٹا جاگتا رہا۔ تمام رات فرانسس اس کے ہونٹوں میں سلگتا ہوا سگریٹ دیکھتی رہی۔ ایک سگریٹ ختم ہوتا تو دوسرا سلگ اٹھتا۔ ایسا لگتا تھا کہ کھڑکی کے قریب ایک انگارا ہوا میں معلق ہے۔

دوسرے دن جب مچل جانے لگا تو فرانسس بولی۔ "تمہیں زحمت تو ہوگی لیکن اگر تمہیں نوکری مل جائے تو مجھے فون پر اطلاع دے دینا۔ میں نیچے جنرل اسٹور پر دس بجے کے بعد سے تمہارے فون کا انتظار کروں گی۔"

مچل نے کوئی جواب دینے کے بجائے اسے الوداعی پیار کیا اور چلا گیا۔

کام کاج سے فارغ ہوکر فرانسس جنرل اسٹور پر جاکر ایک اسٹول پر بیٹھ گئی۔ اسٹور کی مالکن کام کے دوران اس سے باتیں بھی کرتی رہی اور وہ بے دلی سے جواب دیتی رہی۔ تین بجے مالکن کی جگہ اس کی بیٹی اسکول سے آکر اسٹور پر کھڑی ہوگئی اور اس سے نئے سرے سے فرانسس کی بات چیت شروع ہوگئی۔ پانچ بج گئے اسٹول پر بیٹھے بیٹھے فرانسس کا جسم اکڑ گیا مگر مچل کا فون نہ آیا۔ اسٹور بند ہونے کا وقت بھی قریب تھا۔ آخر فرانسس نے خود اس فرم کے دفتر فون کرنے کا فیصلہ کیا جس کے بارے میں مچل نے بتایا تھا کہ وہ وہاں انٹرویو دینے جائے گا۔

دوسری طرف سے کوئی لڑکی بول رہی تھی۔ فرانسس نے اس سے پوچھا۔ "کیا آج یہاں کسی نئے آدمی کو ملازم رکھا گیا ہے؟"

لڑکی نے بتایا۔ "ہاں۔ ایک آدمی رکھا تو گیا ہے۔"

"کیا آپ براہ کرم اس کا نام مجھے بتا سکیں گی۔"

فرانسس کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا تھا۔

"لڑکی نے ایک لمحے کے توقف کے بعد جواب دیا۔

"ہاورڈ ایلین ہے اس کا نام۔"

فرانسس کا دل ڈوب گیا۔ بے جان ہاتھوں سے اس نے ریسیور رکھا اور فون کال کے عوض دو سکے بھی کاؤنٹر

بین الاقوامی تنظیمیں

س: "ایکو" سے کیا مراد ہے؟
ج: تنظیم برائے اقتصادی تعاون۔
س: یہ بتائیے کہ تنظیم برائے اقتصادی تعاون کا قیام کب عمل میں آیا تھا؟
ج: 1985ء
س: یہ بتائیے کہ اقتصادی تعاون کی تنظیم کا ہیڈکوارٹر کہاں ہے؟
ج: تہران (ایران)
س: "سارک" سے کیا مراد ہے؟
ج: ساؤتھ ایشین ایسوسی ایشن فار ریجنل کوآپریشن۔
س: "سارک" تنظیم کا قیام کب اور کہاں پر عمل میں آیا تھا؟
ج: دسمبر 1985ء کو ڈھاکا میں۔
س: سارک کا ہیڈکوارٹر کہاں پر ہے؟
ج: کھٹمنڈو (نیپال)
س: "کولمبو پلان" کیا ہے؟
ج: ایک عالمی تنظیم کا نام ہے۔
س: "کولمبو پلان" تنظیم کا قیام کب عمل میں آیا تھا؟
ج: 1950ء
س: "کولمبو پلان" تنظیم کے مستقل ممبران کی تعداد بتائیں؟
ج: 25۔
س: کیا آپ جانتے ہیں کہ "سینٹرل امریکن کامن مارکیٹ" تنظیم کے ممبر ممالک کی تعداد کتنی ہے؟
ج: چھ۔
س: "CACM" سے کون سی عالمی تنظیم مراد ہے؟
ج: سینٹرل امریکن کامن مارکیٹ۔
س: "سینٹرل امریکن کامن مارکیٹ" کا صدر دفتر کہاں ہے؟
ج: گوئٹے مالا۔
س: "سینٹرل امریکن کامن مارکیٹ" تنظیم کا قیام کب عمل میں آیا تھا؟
ج: دسمبر 1960ء

ثمرہ عروج کی معلومات کراچی سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پر رکھ کر جھکے جھکے قدموں سے اسٹور سے نکل آئی۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر فلیٹ میں داخل ہوئی تو مچل وہاں موجود تھا۔ اس نے بتی بھی نہیں جلائی تھی۔ اندھیرے ہی میں بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ شاید وہ کافی دیر کا آیا ہوا تھا۔ فرانس اس سے کچھ فاصلے پر ہی کرسی پر بیٹھ گئی۔ روز کی طرح اس کے قریب نہیں گئی اور نہ ہی اس سے کچھ پوچھا۔ مچل کا انداز ہی سب کچھ بتا رہا تھا۔

''مجھے ملازمت ملنے کا یہ آخری موقع تھا۔'' بالآخر ایک طویل وقفے کے سکوت کے بعد مچل بولا۔ ''اور پارکر کی بدولت یہ بھی میرے ہاتھ سے نکل گیا۔'' اس نے ایک گہری اور تھکی تھکی سانس لی۔ ''میں اس خبیث کو قتل کردوں گا۔''

''نہیں ...... نہیں مچل۔'' فرانس خوفزدہ ہو کر چلا اٹھی۔ ''اس طرح مسائل حل نہیں ہوا کرتے۔''

''لیکن میرے مسائل کا ذمے دار صرف وہی ایک شخص ہے جو خود بڑے مزے سے ٹھاٹ سے زندگی بسر کررہا ہے۔'' مچل مٹھیاں بھینچ کر غراتے ہوئے بولا۔ ''وہ میری بے بسی سے لطف اندوز ہورہا ہوگا اور اس کے احساس کمتری کی تسکین ہورہی ہوگی کہ وہ مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔''

''ایسی باتیں نہ کرو مچل ...... میں پاگل ہوجاؤں گی۔'' اس نے سختی سے اس کا بازو تھام لیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اسے کھانے کے لیے کچن میں لے گئی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ کچن میں ہی بیٹھا رہا۔ فرانس کھانے کے برتن دھونے لگی۔ اس کا ذہن ان گنت اندیشوں میں گھرا ہوا تھا۔ آخری برتن سے فارغ ہو کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ مچل کی کرسی خالی پڑی تھی۔ وہ بھاگ کر کھڑکی کی طرف گئی اور گلی میں جھانک کر دیکھا۔ مچل کا دور دور تک پتا نہ تھا۔ انتظار کی سولی پر لٹکنے کے سوا اس کے پاس کوئی راستہ نہ تھا۔

کئی گھنٹوں کے قیامت خیز انتظار کے بعد فرانس اضطراب کے ہاتھوں مجبور ہو کر گلی میں آ کھڑی ہوئی۔ کافی دیر بعد وہ آتا دکھائی دیا لیکن اس کے ہاتھ پاؤں قابو میں نہ تھے، قدم الٹے سیدھے پڑ رہے تھے۔ فرانس دوڑ کر اس کے قریب گئی اور اس کے بازو پکڑ کر اپنے کندھوں کا سہارا دیا۔ وہ شراب کے نشے میں دھت تھا۔

''تم اس طرح خاموشی سے کیوں چلے گئے تھے مچل۔ تمہیں پتا ہے، میں کتنا ڈر رہی تھی۔ عجیب عجیب خیالات آرہے تھے میرے دل میں۔'' فرانس نے شکوہ کیا۔

''بس مجھے بیٹھے بیٹھے پتا نہیں کیا ہوگیا تھا۔'' مچل نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔ ''مجھے معاف کردو، میں نے کوئی اچھا کام نہیں کیا۔'' پھر اس نے بچوں کی طرح پوچھا۔ ''اب تم مجھ سے پیار نہیں کروگی نا ...... میں بہت برا ہوں۔''

''نہیں ...... نہیں جان! میں ہمیشہ تم سے پیار کرتی رہوں گی۔'' فرانس نے کہا۔ مچل کے جسم کے بوجھ سے وہ بھی لڑکھڑا رہی تھی اور بظاہر ایسا لگتا تھا کہ دونوں نے پی رکھی ہے۔ فلیٹ میں داخل ہوتے ہی وہ ایک کرسی پر ڈھیر ہوگیا۔

''میں تمہارے جوتے اتار دوں۔'' فرانس نے اس کے پیروں پر جھکتے ہوئے کہا۔

''میں اتنا زیادہ نشے میں تو نہیں۔'' مچل نے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ لیتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اپنا چہرہ دیکھنے دو۔''

''یہاں دیکھنے کو کیا رہ گیا ہے۔'' فرانس نے دوبارہ سر جھکا لیا۔ وہ اپنے آنسو چھپانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن شام کے کھانے سے تھوڑی دیر قبل کوئی ایسی بات ہوئی جس نے اس کا موڈ یکسر بدل دیا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہی وہ باہر سے آیا تھا اور اس کی بغل میں شام کا اخبار دبا ہوا تھا۔ کپڑے بدل کر وہ اخبار پڑھنے لگا۔ جب وہ کھانے کی میز پر آیا تو اس کا چہرہ کچھ بدلا بدلا سا تھا۔ کھانے کے دوران وہ عجیب عجیب سی نظروں سے فرانس کی طرف دیکھتا رہا پھر دفعتاً اس نے پوچھا۔ ''فرانس! تم نے آج کا اخبار دیکھا؟''

''نہیں۔ کوئی خاص خبر ہے کیا؟'' فرانس نے پوچھا۔

''پارکر اپنے گھر کے قریب ایک سڑک پر مردہ پایا گیا ہے۔'' مچل نے بتایا۔ فرانس ایک لمحے کے لیے سکتے کی سی کیفیت میں اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر اس نے جھپٹ کر اخبار لیا۔ تفصیلات میں کوئی خاص بات نہ تھی سوائے اس کے کہ اسے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا تھا اور قاتل نامعلوم تھا۔

''تم نے اسی وقت مجھے اس خبر کے متعلق کیوں نہیں بتایا تھا، جب تم نے یہ پڑھی تھی؟'' فرانس نے پوچھا۔

''میں کچھ عجیب سا محسوس کررہا تھا ...... دراصل میں تم سے اس قسم کی باتیں کررہا تھا نا۔'' اس نے جواب دیا۔ اس کی آواز کمزور اور سچائی سے خالی تھی۔

کچھ دیر وہ دونوں خاموش رہے پھر فرانس بڑبڑائی۔ ''کتنی اذیت ناک بات ہے۔ اس کی بیوی نے رات بھر اس کا انتظار کیا ہوگا اور صبح کسی نے اس کا دروازہ کھٹکھٹا کر اسے اس کے شوہر کی موت کی اطلاع دی ہوگی تو اس پر کیا گزری ہوگی!''

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

دو دن بعد مچل نے شام کو اخبار پڑھتے پڑھتے اسے بتایا...... ''پارکر کا قاتل پکڑا گیا ہے۔''

فرانسس لپک کر قریب آئی اور اخبار اس کے ہاتھ سے لے کر پڑھنے لگی۔ پولیس نے کارل نامی ایک شخص کو گرفتار کیا تھا جو ان کی تفتیش کے مطابق پارکر کا قاتل تھا۔ وہ چند ہفتے قبل ہی پارکر کے ہاں ملازم ہوا تھا اور اسے بھی مچل ہی کی طرح غیر منصفانہ طور پر ملازمت سے برطرف کر دیا گیا تھا۔ وہ یہ وضاحت نہیں کر سکا تھا کہ وقوعے کی رات وہ دس اور ساڑھے دس بجے کے درمیان کہاں تھا، اس کا کہنا تھا کہ وہ گھر سے نکلا تھا، چند پیگ پیے تھے اور اس کے بعد اسے کچھ یاد نہیں کہ وہ کہاں رہا اور کس طرح گھر واپس آیا۔

مچل سے اس شخص کے حالات کی مماثلت حیران کن تھی۔ اخبار میں اس کی گرفتاری کی خبر آخری صفحے پر مختصر سی جگہ میں شائع ہوئی تھی لیکن اس خبر کے عقب میں دراصل ایک آدمی کی زندگی داؤ پر لگی ہوئی تھی۔

''لیکن وہ تو اس سے انکار کر رہا ہے کہ یہ قتل اس نے کیا ہے۔'' فرانسس نے خبر پڑھ کر مدھم سے لہجے میں کہا۔

''آسانی سے کوئی مجرم اقبالِ جرم نہیں کرتا......'' مچل نے اطمینان سے کہا۔ ''پولیس سب معلوم کر لے گی......'' پھر اس نے فرانسس کے ہاتھ سے اخبار لے کر ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ ''آج کیوں نہ ہم فلم دیکھنے چلیں۔ آج میں خود کو بہت تازہ دم محسوس کر رہا ہوں۔''

فرانسس اس تفریح کے لیے ہامی نہ بھر سکی بلکہ وہ رات کو صحیح طور پر سو بھی نہ سکی۔ بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدلتی رہی۔ کارل! یہ نام اس کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح برستا رہا۔ کوئی غیر مرئی ہاتھ اس کے دل کو مسلے دے رہا تھا۔

☆☆☆

مچل کو دوبارہ اسی فرم میں ملازمت مل گئی جہاں وہ پہلے کام کرتا تھا کیونکہ اب پارکر اس کی راہ میں حائل نہ رہا تھا۔ اس کی تنخواہ بھی پہلے سے زیادہ مقرر ہوئی تھی لیکن اب ان دونوں میاں بیوی کے درمیان ایک عجیب غیر مرئی سی دیوار حائل ہو گئی تھی۔ وہ تنخواہ کا لفافہ لے کر گھر آتا اور فرانسس کے ہاتھ میں تھما دیتا تو اس کے چہرے پر وہ تمتماہٹ، وہ خوشی اور وہ طمانیت نظر نہ آتی جو پہلے ایسے موقعوں پر دکھائی دیتی تھی۔

''تم اب کھوئی کھوئی سی رہتی ہو۔ میں نے ایک عرصے سے تمہیں ہنستے نہیں دیکھا۔''

''اچھا میں ہنس کر دکھا دیتی ہوں......'' وہ زور سے نہیں پڑھی لیکن ...... [illegible]

ایک رات اس نے مچل سے پوچھا...... ''پارکر کے قتل کے سلسلے میں گرفتار ہونے والے شخص کا کیا بنا......؟ کیا وہ ابھی تک جیل میں ہی ہے؟''

''اسے جیل میں ہی ہونا چاہیے۔ میں نے ابھی تک اس کی رہائی کی خبر نہیں پڑھی......'' مچل نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ''اس پر مقدمہ شروع ہو گیا ہے۔''

فرانسس بہت دیر تک سوچتی رہی کہ جیل میں اس کی زندگی کیسی گزر رہی ہوگی اور وہ کیا کیا سوچتا ہوگا؟

ایک دن مچل خلافِ معمول ایک دوسرا اخبار خرید کر لیتا آیا۔ اس میں تصویریں زیادہ تھیں اور مواد کم...... کھانے کی میز پر فرانسس یہ اخبار الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی کہ ایک جگہ اس کی نظریں جم کر رہ گئیں۔

''کیا بات ہے؟'' مچل نے اس کی محویت کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''اس کی بیوی بھی ہے......'' وہ یوں خوفزدہ نظر آ رہی تھی، جیسے اس نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔ ''مجھے تو علم ہی نہیں تھا کہ وہ شادی شدہ ہے۔''

''کون......؟ اوہ...... کارل کی بات کر رہی ہو...... تمہارا کیا خیال ہے کہ اس کی بیوی نہیں ہونی چاہیے تھی......؟ قاتلوں کی بھی بیویاں ہوتی ہیں۔'' مچل نے جواب دیا۔

''ہاں......'' فرانسس نے دل ہی دل میں کہا۔ ''تم سچ کہتے ہو، قاتلوں کی بھی بیویاں ہوتی ہیں......''

اس رات اسے عجیب عجیب خواب آتے رہے...... اخبار میں اس نے جس عورت کی تصویر دیکھی تھی، وہ آنسوؤں بھری آنکھیں اور سوگوار چہرہ لیے اس کے اردگرد منڈلاتی رہی۔ وہ بار بار فرانسس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھتی...... تم اپنے شوہر کے پہلو میں سو رہی ہو، مگر میرا شوہر کہاں ہے......؟'' فرانسس اس سے نظریں چرانے کے لیے منہ دوسری طرف پھیر لیتی تو وہ ادھر بھی آ موجود ہوتی اور اس کی طرف انگلی اٹھا کر کہتی...... قاتل کی بیوی تم ہو! لیکن عذاب میں بھگت رہی ہوں...... سزا میرا شوہر کاٹ رہا ہے۔ پارکر کو قتل تمہارے شوہر نے کیا ہے اور تم نے خاموش رہ کر اس جرم میں اس کا ساتھ دیا ہے، تم بھی قاتلہ ہو......'' سینے میں سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور سردی کے باوجود اس کا جسم پسینے...... میں ڈوبا ہوا تھا...... وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

فرانسس فٹ پاتھ پر کھڑی تھی اور سڑک کے پار، اپنے سامنے والی عمارت کو یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ یہاں کھڑے کھڑے اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں اور وہ ابھی تک فیصلہ نہ کر پائی تھی کہ جا کر کارل کی بیوی سے ملے یا گھر واپس لوٹ جائے...... آج کارل کی زندگی کی آخری رات تھی۔ کل علی الصباح اسے گیس چیمبر میں پہنچانے کا فیصلہ دے دیا گیا تھا۔

''صرف میں ایک ایسی ہستی ہوں'' فرانسس سوچ رہی تھی ''جو اس عورت کا سہاگ بچا سکتی ہے...... اگر میں نے اس وقت اپنے ضمیر کی آواز پر کان نہ دھرا تو ساری زندگی خلش کے کانٹوں پر گھسٹتے گھسٹتے گزر جائے گی۔ اس عورت کی بددعائیں مجھے کبھی چین سے زندگی نہ گزارنے دیں گی۔''

فرانسس نے تنویمی سی کیفیت میں سڑک پار کی اور اس عمارت کے صدر دروازے میں داخل ہو گئی...... یہ ایک معمولی درجے کی عمارت تھی...... وہ لابی میں لگے ہوئے لیٹر بکس پر کرائے داروں کے نام پڑھنے لگی۔ دربان اپنے کمرے سے نکل کر اس کے قریب آ کر بولا۔ ''آپ کو کس سے ملنا ہے محترمہ......؟''

''مسز کارل سے...... کیا وہ ابھی تک یہیں رہتی ہیں......؟'' فرانسس نے پوچھا۔

''وہ اوپر تیسری منزل پر رہتی ہیں...... کیا آپ انہیں ...... جانتی ہیں......؟''

''نہیں......'' فرانسس نے آہستگی سے کہا۔ ''میں دراصل ایسے انسانوں سے ضرور ملتی ہوں جو کسی مشکل میں گرفتار ہوں......''

''جی ہاں...... وہ بے چاری اس وقت ایک نہیں بیسیوں مشکلات میں گرفتار ہے......'' دربان نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''اس واقعے سے پہلے میاں بیوی کی زندگی بڑی خوشگوار گزر رہی تھی۔ کارل کے جیل جانے سے پہلے ان کے ہاں دوسرے بچے کی ولادت ہوئی تھی وہ بے چارہ کم سنی میں ہی باپ کے سائے سے محروم ہو جائے گا۔''

فرانسس میں مزید کچھ سننے کی تاب نہ تھی۔ وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

فرانسس کی دستک کے جواب میں کارل کی بیوی دروازے پر آئی، تو فرانسس نے پہلی نظر میں اسے پہچان لیا۔ ایک تو فرانسس نے اس کی تصویر دیکھی ہوئی تھی، دوسرے یہ اتنا سوگوار اور اجڑا اجڑا چہرہ کارل کی بیوی کا ہی ہو سکتا تھا...... وہ مجسم ایک کھنڈر نظر آ رہی تھی۔

''میں اندر آ سکتی ہوں......؟'' فرانسس کا گلا خشک ہو رہا تھا۔ عورت نے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ اس کی آنکھیں متورم تھیں...... اور نمی اب بھی اس کی پلکوں پر مچل رہی تھی۔

''مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میں تمہیں کافی عرصے سے جانتی ہوں۔'' کارل کی بیوی نے کہا۔

''ہاں، تمہارے اور میرے درمیان ایک عجیب سا رشتہ موجود ہے۔'' فرانسس نے آہستگی سے کہا۔

عورت کی آنکھوں سے آنسو امڈ کر رخساروں پر بہنے لگے۔ ''مجھے تو لگتا ہے کہ پوری دنیا سے میرا رشتہ ٹوٹ گیا ہے...... آج رات میری بہن مجھے اور بچوں کو اپنے گھر لے جانے کے لیے آ رہی ہے۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ اس کے گھر جاؤں لیکن...... لیکن بہت سی مجبوریاں ہیں۔'' دفعتاً ایک چھوٹا سا بچہ اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور ان کی باتیں سننے لگا۔ کارل کی بیوی نے اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگا کر کہا۔ ''تم اندر ہی رہو اور ننھے بھائی کے ساتھ کھیلو، چلو...... چلو......''

بچہ اندر چلا گیا تو وہ دوبارہ فرانسس کی طرف متوجہ ہو کر بولی...... ''یہ معصوم اپنے باپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور ہر وقت پوچھتا رہتا ہے کہ ڈیڈی کہاں گئے ہیں، کب آئیں گے...... میں اسے کیا جواب دوں......''

فرانسس اضطراری انداز میں اپنا پرس کھولتی اور بند کرتی رہی...... عورت کہہ رہی تھی...... ''مجھے اپنی اتنی فکر نہیں لیکن ان بچوں کو باپ کے سائے سے محروم کر دینا کہاں کا انصاف ہے......؟ کارل تو سزا بھگت کر اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا لیکن یہ بچے زندگی بھر عذاب سہنے کے لیے زندہ رہ جائیں گے......''

عورت کی آواز فرانسس کے احساس پر تازیانے کی طرح برس رہی تھی۔ اس نے غیر ارادی طور پر کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ عورت کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی اس نے دونوں بازو دھوپ میں پھیلا کر بین کرنے کے سے انداز میں کہا...... ''آج سورج بھی کتنی تیزی سے ڈھل رہا ہے ...... کاش کوئی اس کو یہیں روک دے...... یہ اس کی زندگی کا آخری سورج ہے...... وہ اس سے روشنی چھین رہے ہیں'' ...... اس کا لہجہ ہسٹریائی ہو چلا تھا۔ فرانسس نے نرمی سے اس کے کندھے تھام کر اسے کھڑکی سے ہٹایا اور ایک کرسی پر بٹھایا، اس کے بکھرے ہوئے بال اس کے چہرے سے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہٹائے اور ایک گلاس میں اس کے لیے پانی لے آئی۔ پانی کے دو چار گھونٹ پی کر عورت کی حالت ذرا سنبھلی تو وہ پژمردہ لہجے میں بولی ...... ''میں آج اسے دیکھنے گئی تھی ...... اسے الوداع کہہ کر میں نہ جانے یہاں تک واپس کس طرح پہنچی ...... سفر کے دوران بھی کئی بار میں نے ارادہ کیا کہ ٹرین سے چھلانگ لگا دوں لیکن مجھے ان ننھے بچوں کا خیال آ گیا جو میرا انتظار کر رہے تھے، جن کا اس دنیا میں کوئی پرسان حال نہیں پہلے انہیں صرف باپ کا انتظار تھا پھر یہ ماں کا بھی انتظار کرتے کرتے تھک جاتے ...... ماتا مجھے واپس گھر تک لے آئی ......''

فرانسس نے اس کی طرف قدرے جھک کر ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں پوچھا ...... ''کیا اس نے واقعی قتل کیا تھا ......؟''

''نہیں ......'' عورت نے دہشت زدہ سے لہجے میں کہا ...... ''وہ مجھ سے کوئی بات نہیں چھپاتا ...... اس نے مجھے قسم کھا کر بتایا تھا کہ اس نے پارکر کو قتل نہیں کیا۔ وہ اس رات باہر ضرور گیا تھا لیکن صرف چند پیگ پی کر واپس آ گیا تھا۔''

''جب وہ باہر سے واپس آیا تو تم نے اس میں کوئی خاص تبدیلی محسوس کی تھی ......؟'' فرانسس نے پوچھا۔

''نہیں ...... میں نے اسے باہر جانے سے روکنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن وہ اپنے دوست ٹک سے ملنے چلا گیا۔ ٹک اسے نہیں ملا تو وہ بار میں بیٹھ کر پینے لگا۔ اگر ٹک اسے مل گیا ہوتا تو پھر اس پر قتل کا الزام نہیں لگ سکتا تھا لیکن اب کون اس کی سنے، کون میری مدد کرے ......؟''

''میں تمہاری مدد کروں گی ......'' فرانسس نے دل میں سوچا۔ ''صرف میں ہی تمہاری مدد کر سکتی ہوں ......'' اس خیال کے ساتھ ہی اس کا ذہن یوں صاف ہو گیا گویا گورا اندھیری رات ڈھل گئی ہو اور فیصلے کا سورج طلوع ہو گیا ہو۔

کارل کی بیوی چند لمحوں تک خاموش بیٹھی خلا میں گھورتی رہی۔ پھر فرانسس کی طرف مڑتے ہوئے بولی ...... ''تم ...... تم ......'' جملہ اس کے ہونٹوں پر ادھورا ہی رہ گیا کیونکہ فرانسس وہاں سے جا چکی تھی۔

فرانسس اس وقت ایک ٹیلی فون بوتھ میں کھڑی تھی۔ اسے گویا کوئی غیبی طاقت یہاں کھینچ لائی تھی اور اسے کچھ پتا نہ تھا کہ وہ کہاں ...... ٹیلی فون کر رہی ہے۔ ہاں ایک احساس ضرور تھا کہ اس ٹیلی فون کال کے بعد اس کی جنت اجڑ جائے گی اور وہ دنیا کے جہنم کدہ میں زندہ جلنے کے لیے تنہا رہ جائے گی۔

''شام بخیر ...... پولیس ڈپارٹمنٹ ......'' اس کے کانوں میں ایک آواز آئی۔

''میں پارکر کے مقدمہ کے سلسلے میں کچھ بات کرنا چاہتی ہوں ......'' اس کے پتھرائے ہوئے ہونٹوں سے بمشکل آواز نکلی ...... ''جسے کل علی الصباح پھانسی دی جا رہی ہے میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کس طرح آپ کو اپنا مقصد سمجھاؤں ......''

''ایک منٹ ٹھہریئے محترمہ ......'' دوسری طرف سے بالکل غیر جذباتی اور پیشہ ورانہ لہجے میں کہا گیا پھر چند لمحے بعد دوسری آواز سنائی دی ...... ''ہاں محترمہ ...... کیا کہنا چاہتی ہیں آپ ......؟''

''میں ...... میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ پارکر کے قتل کے سلسلے میں آپ نے کارل نامی جس شخص کو گرفتار کیا ہوا ہے وہ بے گناہ ہے ...... قتل اس نے نہیں کیا ...... میری بات پر یقین کیجیے ......''

دوسری طرف خاموشی سے اس کی بات سنی جا رہی تھی اور جب وہ بولتے بولتے رک گئی تو اس شخص نے پوچھا ......

''سب سے پہلے تو آپ یہ بتایئے کہ آپ کون ہیں؟ اور کہاں سے بول رہی ہیں ......؟ پولیس سے بات کرتے وقت یہ بتانا ضروری ہوتا ہے اور قانون پسند شہری اپنا نام و پتا بتانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔''

''میں مسز مچل کیتھ بول رہی ہوں ......'' فرانسس کے منہ سے بے اختیار نکلا ......

''اور آپ کا پتا کیا ہے ......؟'' دوسری طرف سے بولنے والے کے لہجے میں اب کسی قدر دلچسپی کی آمیزش تھی۔

''چوالیسویں شاہراہ ...... پری بلڈنگ ......''

''ہاں تو مسز مچل ...... آپ کیا بتانا چاہ رہی ہیں ......؟''

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ کارل مجرم نہیں ہے ...... مجھے سب کچھ معلوم ہے ...... اگر مجھے کارل کی بے گناہی کا یقین نہ ہوتا تو میں کبھی آپ کو فون نہ کرتی ......'' الفاظ اس کے ہونٹوں سے خودبخود پھسلتے جا رہے تھے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس میں اس کے اپنے ارادے کا کوئی دخل نہیں۔ اسے شاید اپنے آپ پر اختیار نہ رہا تھا۔

''لیکن آپ کے پاس اس ٹھوس یقین کی کوئی وجہ تو ہو گی مسز مچل ...... وہ کیا وجہ ہے ......؟''

چند لمحوں کے لیے فرانسس نے خود کو ایک دوراہے پر کھڑے محسوس کیا۔ واپسی کے دروازے اب بھی اس کے لیے کھلے تھے لیکن اس کا ضمیر اسے انصاف اور انسانیت کے راستے کی طرف کھینچے لیے جا رہا تھا ...... اس کے تصور میں

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

کارل کی بیوی الجھے بال بھیگی آنکھیں، چہرے پر پریشانی لیے کھڑی تھی اور اس کا دامن پکڑ کر پوچھ رہی تھی۔

''بتاؤ...... یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک ناکردہ جرم کی پاداش میں میرے بچوں کو باپ کے سائے سے محروم کردیا جائے...... بولو...... جواب دو......''

اب فرانسس کے پاس صرف ایک ہی راستہ رہ گیا تھا۔ اس نے گھٹے گھٹے لہجے میں کہا...... ''کیونکہ...... کیونکہ یہ قتل میرے شوہر نے کیا تھا......''

اس کی بات سننے والے شخص کو غالباً کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی۔ یا شاید کوئی ردعمل ظاہر نہ کرنے میں ان کی کوئی مصلحت تھی...... اس نے پرسکون لہجے میں پوچھا...... ''آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں، اس پر آپ کو پورا یقین ہے مسز مچل......؟''

''ہاں، مجھے بڑی اچھی طرح احساس ہے کہ میں کیا کہہ رہی ہوں اور کیا کررہی ہوں......؟'' اس نے زور دے کر کہا...... ''وہ پارکر کے ہاں کام کرتا تھا۔ پارکر نے اسے ملازمت سے برطرف کردیا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ایک طویل عرصہ مصائب میں گزارا...... اس نے کہا تھا کہ وہ پارکر کو قتل کردے گا اور میں جانتی ہوں کہ وہ جو کچھ کہتا ہے، کر گزرتا ہے لیکن...... آہ...... میں اسے اس اقدام سے باز نہیں رکھ سکی...... جس رات پارکر قتل ہوا اسی تاریخ کا ٹرالی کار کا ایک ٹکٹ میرے شوہر کی جیب سے برآمد ہوا تھا جو اسی علاقے کا تھا جہاں پارکر کی لاش پائی گئی تھی۔''

''آپ نے وہ ٹکٹ محفوظ رکھا ہے......؟''

''نہیں...... میں نے وہ ضائع کردیا تھا......'' وہ بدستور تنویمی کیفیت میں بول رہی تھی......

''اس سلسلے میں آپ کچھ اور کہنا چاہتی ہیں......؟''

''نہیں...... لیکن میں ایک بار پھر یہی کہنا چاہتی ہوں کہ قتل کارل نے نہیں کیا۔ آپ اسے بے گناہی کی موت مرنے سے بچالیں......'' اس کی آواز کانپنے لگی...... دوسری جانب پھر وہی خاموشی چھا گئی......

''آخر آپ اتنی پُریقین کیوں ہیں کہ قتل آپ کے شوہر ہی نے کیا ہے......'' قدرے توقف کے بعد سپاٹ لہجے میں پوچھا گیا۔

''کیونکہ وہ پہلے بھی ایک قتل کرچکا ہے...... اسی رات ہماری منگنی ہوئی تھی جس رات اس نے یہ بات مجھے بتائی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ پولیس اس قتل کا سراغ نہیں لگا سکی تھی...... اسی بنا پر میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ یہ قتل بھی اسی نے کیا ہے......''

''اس پہلے قتل کو کتنا عرصہ گزرا ہوگا؟''

''ہماری شادی سے پہلے...... دس سال پہلے، سینٹ لوئیس میں اس نے یہ قتل کیا تھا...... اس وقت اس بات کو تقریباً تیرہ برس گزر چکے ہیں''

''آپ نے کیسے یقین کرلیا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، درست کہہ رہا ہے......؟''

''میں سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرسکتی ہوں...... پھر یہ کہ اس نے مقتول کا نام بھی بتایا تھا جو میں کبھی نہیں بھول سکتی جوزف بیلی نام تھا اس کا......''

''اچھا محترمہ! میں کوشش کروں گا کہ اس شخص کی سزائے موت کچھ دیر کے لیے ملتوی کراسکوں جو آپ کے خیال میں بے گناہ ہے...... آپ نے کبھی اسے دیکھا ہے؟''

''نہیں...... میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا لیکن اس کی بے گناہی کا علم ہوجانے کے بعد سے مجھے اس کے بارے میں اتنی تشویش ہے کہ میں کئی راتوں سے سو نہیں سکی۔''

''میں سمجھ گیا ہوں مسز مچل......'' دوسری جانب سے اسی سپاٹ لہجے میں کہا گیا...... ''لیکن کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ یہاں آکر تفصیل سے اپنا بیان ریکارڈ کروادیں......''

یہ جملہ سنتے ہی جیسے اس کا خواب ٹوٹ گیا اور وہ حقیقت کی دنیا میں پلٹ آئی، بے پناہ خوف نے اسے گھیر لیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی...... ''نہیں...... نہیں...... میں یہ نہیں کرسکتی......'' اس نے کانپتے ہاتھ سے ریسیور ہک پر لٹکا دیا۔

''مجھے گھر جانا چاہیے...... مچل میرا انتظار کررہا ہوگا......'' اس نے اپنے آپ سے مخاطب ہوکر کہا۔ بوتھ سے نکل کر وہ چند قدم ہی چلی تھی کہ اس کے عقب سے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ گویا کوئی اسے واپس بلا رہا ہو۔ اسے اس ٹیلی فون سے خوف محسوس ہونے لگا۔ وہ چلنے کے بجائے دوڑنے لگی۔ اس کا ہیٹ بھی راستے میں گر گیا لیکن اسے کوئی ہوش نہ تھا وہ بڑبڑاتی جارہی تھی...... ''میرا مطلب یہ نہیں تھا...... آہ...... یہ میں نے کیا کردیا......!''

وہ دوڑتی رہی...... شام کا ملگجا اندھیرا اس کے گرد پھیل رہا تھا۔ اسے یہ بھی ہوش نہ تھا کہ وہ کس راستے پر جارہی ہے...... ایک جگہ پہنچ کر اس کی ہمت جواب دے گئی فٹ پاتھ پر رک کر وہ گہری سانسیں لینے لگی۔ تب اس نے دیکھا کہ سامنے ہی اس کا گھر تھا...... وہ دوڑ کر اپنے فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھی۔ مچل دروازے ہی میں کھڑا تھا۔ وہ اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کے چہرے کی طرف دیکھے بغیر اس سے لپٹ گئی۔

”فرانسس......!“ اس نے اسے بازوؤں میں بھینچ کر سرگوشی کی اور اس ایک لفظ کی شبنم سے گویا اس کی ساری بدگمانیاں، ساری غلط فہمیاں دھل گئیں۔ اسے محسوس ہوا کہ مچل سے زیادہ سچا کوئی نہیں اور وہ خود ٹیلی فون پر بہت بڑا جھوٹ بول آئی ہے۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا مچل...... میں یہ کرنا نہیں چاہتی تھی......“ وہ بے ربط باتیں کررہی تھی۔

”تمہیں کیا ہوا ہے فرانسس! تم اتنی دیر کہاں رہی ہو......؟“ وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا اور فرانسس ندامت اور پچھتاوے کے سمندر میں غرق ہوئی جارہی تھی۔ اس کی سانسیں الجھ رہی تھیں وہ ادھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی جو اس کی ذرا ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتا تھا، جس نے اسے بیکراں محبت دی تھی اور جس نے اپنا ہر راز، اپنی ہر متاع اس کے ہاتھوں میں سونپ رکھی تھی۔

”وہ تمہیں یہاں سے نہیں لے جاسکتے مچل...... وہ تمہیں نہیں لے جاسکتے......“ وہ دیوانوں کی طرح تکرار کیے جارہی تھی۔

”کون نہیں لے جاسکتے......؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے فرانسس......؟“ اس نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر ٹمپریچر دیکھنے کی کوشش کی لیکن وہ گھٹنوں کے بل گر پڑی اور اس کی گردن نیچے کو ڈھلکنے لگی۔ ”میں نے بڑا بھیانک خواب دیکھا ہے مچل......“ وہ گویا نیند میں بڑبڑا رہی تھی۔ مچل نے اسے صوفے پر لٹایا اور اس کا سر اپنے زانوں پر رکھ لیا۔ جانے کتنی دیر بعد اس کی آنکھیں کھلیں۔ ”مچل......“ اس نے سسکاری بھری۔

”شش...... خاموش لیٹی رہو...... ڈاکٹر آنے ہی والا ہوگا۔ میں نے اسے فون کردیا ہے۔“ مچل نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

”مچل...... وہ آنے والے ہیں...... خدا کے لیے اپنا سامان باندھو۔“ وہ اب اس طرح کانپ رہی تھی گویا اسے شدید سردی لگ رہی ہو، اور اسی کپکپاہٹ میں وہ صوفے سے نیچے گرگئی۔ مچل نے اسے اٹھایا تو وہ اس کی گرفت سے آزاد ہونے کے لیے زور لگانے لگی۔ ساتھ ساتھ وہ ہذیانی انداز میں کہے جارہی تھی۔ ”جلدی کرو مچل۔ وقت بہت کم ہے سامان باندھو، ہم دونوں بھاگ چلیں...... وہ ہماری جنت کو لوٹنے آرہے ہیں۔“

دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی۔ مچل دروازے کی طرف بڑھا تو فرانسس نے جنونیوں کی طرح اس کے کوٹ کا دامن پکڑ لیا...... ”مت جاؤ مچل...... مت جاؤ...... وہ تمہیں لینے آئے ہیں...... خدا کے لیے......“

”ڈاکٹر آیا ہے فرانسس! میں نے اسے بلایا تھا، مجھے دروازہ کھولنے دو......“ مچل نے اسے کندھوں سے پکڑ کر صوفے پر بٹھانے کی کوشش کی۔ آخر فرانسس کی طاقت جواب دے گئی۔ وہ بے دم ہوکر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھتی رہی۔

مچل نے جیسے ہی دروازہ کھولا، فرانسس کو ایک بھاری سی آواز سنائی دی...... ”مسٹر مچل کیتھ...... تمہیں تیرہ سال قبل سینٹ لوئیس میں جوزف بیکی نامی شخص کو قتل کرنے کے جرم میں گرفتار کیا جاتا ہے۔“

فرانسس لڑکھڑاتے ہوئے اٹھی اور گرتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا وہ کسی کے بازوؤں میں جھول گئی لیکن یہ بازو مچل کے نہیں تھے۔ مچل کے بازوؤں کا لمس وہ قبر میں بھی پہچان سکتی ہے۔ پھر اسے اپنے قریب ہی مچل کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز بہت دور کہیں تاریک اور اجڑے مزاروں سے آرہی تھی...... فرانسس نے بمشکل آنکھیں کھول کر دیکھا۔ سرمئی سوٹ والے ایک دراز قد آدمی نے اسے اپنے بازو سے سہارا دے رکھا تھا۔

”کیا کارل بچ گیا۔ جس کے بچوں کے لیے میں نے اپنا سب کچھ قربان کردیا ہے......؟“ اس نے ٹوٹتی آواز میں سرمئی سوٹ والے سے پوچھا۔

”کارل کو آدھ گھنٹا قبل سزائے موت دے دی گئی ہے...... گیس چیمبر میں جانے سے پہلے اس نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا تھا۔“ سرمئی سوٹ والے نے جواب دیا۔

فرانسس نے دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔ اب اس میں آنکھیں کھلی رکھنے کی بالکل سکت نہ تھی۔ وہ تاریک اور ہیبت ناک کھنڈر اسے بھی اپنی طرف بلا رہے تھے جہاں اس کی اولین محبت، اس کے محبوب، اس کے دکھ سکھ کے ساتھی، اس کے رفیق حیات کو دفن کرنے کے لیے لے جایا جارہا تھا۔

”مچل......“ اس نے اکھڑتی سانسوں کے درمیان بدقت کہا۔ ”تمہارے بغیر...... میں...... بھی...... زندہ نہیں رہ سکتی۔“ اور پھر وہ سرمئی سوٹ والے کے بازو میں جھول گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

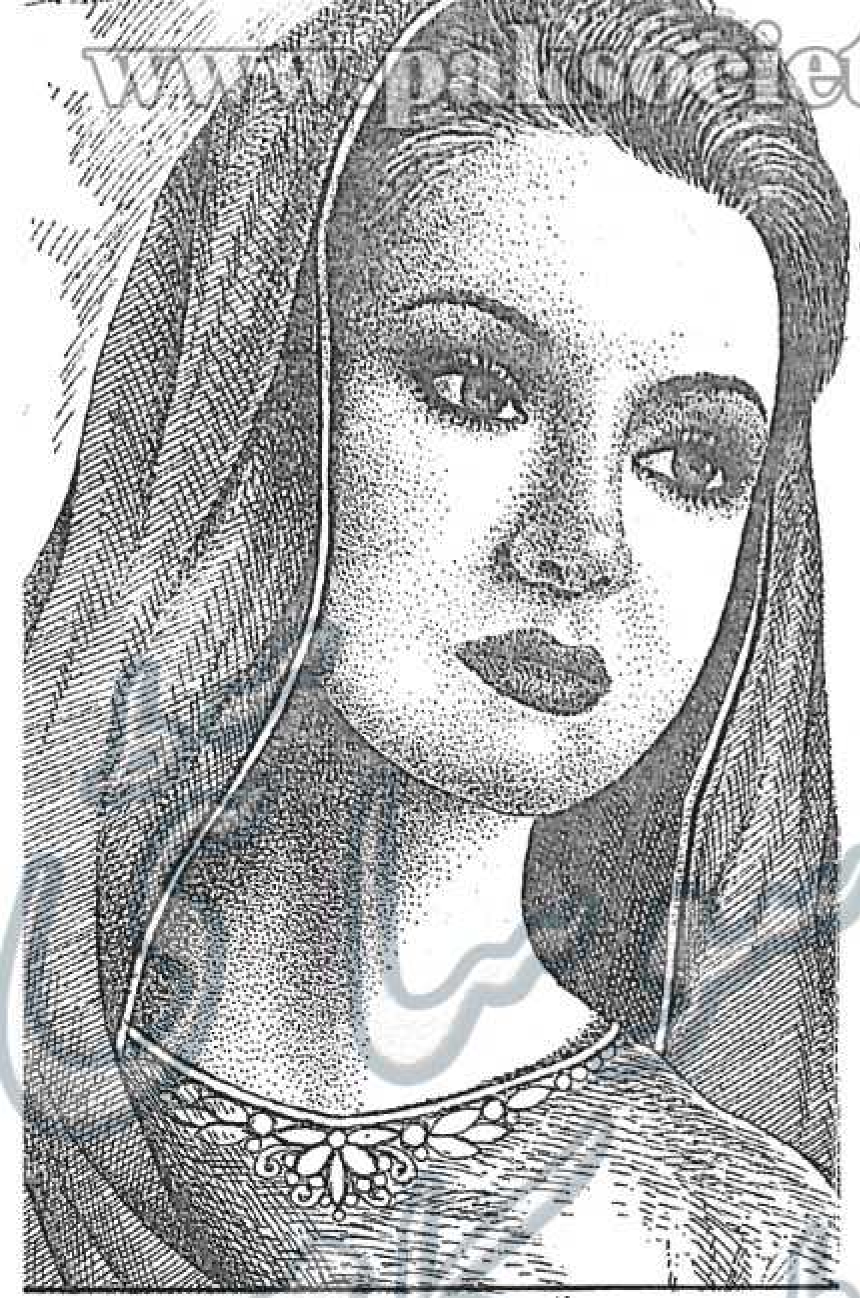

محفلِ شعر و سخن

❄ داؤد اشفاق......اوکاڑہ

تضحیک و التفات میں رہنے دے امتیاز
یوں مسکرا نہ دیکھ کے، ہاں مسکرا کے دیکھ

❄ محمد زاہد ......سرگودھا

مجھ کو ڈر ہے، تری آواز ہے بھرّائی ہوئی
حریت کا یہ ترانہ ہے تو مدھم کیوں ہو
جس کو تہذیب و تمدن کا افق چھونا ہے
چند فرسنگ کی پرواز سے بے دم کیوں ہو

❄ ریاض بٹ......حسن ابدال

زمیں پہ ڈھونڈنے سے اب نہیں ملتی
وفا بھی شاید اب آسماں پہ رہتی ہے

❄ رمضان پاشا......گلشن اقبال، کراچی

بھولی بسری یادیں ہم سے ملنے آتی ہیں
شام ڈھلے اس سونے گھر میں میلا لگتا ہے

❄ مرزا طاہر الدین بیگ......میرپور خاص

حسنِ فطرت کو ڈھونڈنے والے
کیا کبھی تو نے صبح دیکھی ہے

❄ رانا بشیر احمد ایاز......ناظم آباد، کراچی

اک اور بات سچے کی میں بتاؤں تجھ کو
آخرت بنتی چلی جائے گی دنیا نہ بنا
یہ خدا بن کے رعایت نہیں کرتے وصی
ان حسن والوں کو کبھی قبلہ وکعبہ نہ بنا

❄ جاوید اختر رانا......پاکپتن شریف

زیست سے تنگ ہوائے داغ تو جیتے کیوں ہو
جان پیاری بھی نہیں جان سے جاتے بھی نہیں

❄ سید عبادت کاظمی......ڈیرہ اسماعیل خان

یہ اندھیرا روشنی کیا ہے
آؤ سوچیں یہ زندگی کیا ہے
ہر قدم پر فریب دیتے ہو
بندہ پرور یہ دوستی کیا ہے

❄ سیدہ ثانیہ کاظمی......ڈیرہ اسماعیل خان

اک وہی شخص بس مجھے یاد رہا
جس کو سوچا تھا بھول جاؤں گا

❄ محمد شہباز ناز......سرگودھا

سوکھے پتوں کی طرح بکھر گئے تھے ہم
کسی نے اکٹھا بھی کیا تو صرف جلانے کے لیے

❄ مرحا گل، رمنا گل......درابن کلاں

ہم سے کہیے درد کے قصے، ہم سے کہیے رنج کی بات
ہم پر بیتے کیا کیا موسم، تنہا دل لاکھوں آفات
آج ہی دل کچھ ٹھہرا تھا، آج ہی آنکھیں خشک سی تھیں
آج ہی ظالم ٹوٹ کے برسی موسم کی پہلی برسات

❄ ظفر اقبال ظفر......کامرہ شرقی

بہت دنوں سے ہے اس کی مٹھی میں بند میرا وجود
اب میرے ساحر سے کہو مجھے آزاد کر دے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

❁ عبدالجبار رومی انصاری...... چونگ، لاہور

شکوہ نہی ہرا مقصود نہیں ربِ کریم!
خود ترا حکم ہے، اخفائے حقیقت نہ کروں
تو تجلی کو جو آلودۂ پستی نہ کرے
ایک مٹی کے دیے سے بھی محبت نہ کروں؟

❁ مہوش...... لاہور

سنسناتے ہیں اندھیرے تو لرزتے کیوں ہو؟
ہر نئی صبح کی تخلیق یونہی ہوتی ہے
رات کی آنکھ سے ڈھلکا ہوا تاباں آنسو
درحقیقت ہرے جھومر کا گراں موتی ہے

❁ وقار حسن...... راولپنڈی

میں اگر بھوک کی شدت کا گلہ کرتا ہوں
تم عقیدوں کے غبارے مجھے لا دیتے ہو
میرے ملبوس کے پُرہول شگافوں کے عوض
کتنی تقدیس سے فرمانِ حیا دیتے ہو

❁ محمد احسان شاکر...... چوہوان

اُن کے آنے پہ یوں ہوش اڑ گئے ساقی کے
شراب سیخ پہ ڈالی کباب شیشے میں

❁ ماہین فاطمہ...... اوکاڑہ

جلا رہا ہوں اسی سے نفس نفس میں چراغ
تری نظر نے جو بخشی تھی آنچ ہلکی سی

❁ مہتاب احمد...... حیدرآباد

یہی عنوانِ کرم ہے تو زہے لطف و کرم
سانس چلتی ہے تو چلتے رہیں نشتر تیرے
میں ترا عذرِ ستم مان تو لوں گا لیکن
اس طرح اور بھی کھل جائیں گے جوہر تیرے

❁ ملائکہ حریم...... اوکاڑہ

وہ جس نے درد بھی بخشا ہے لادوا مجھ کو
یہ دل اسی کے لیے بے قرار رہتا ہے

❁ اشفاق شاہین...... لاہور

وقت کا مرہم بھی کچھ مدت میں ہوگا کارگر
بے ترے بخشے ہوئے زخموں کی گہرائی بہت

❁ ثمینہ وقار...... راولپنڈی

خزاں کی زد میں ہوں لیکن اجاڑ دل میں میرے
کسی کی یاد کے اب بھی گلاب کھلتے ہیں

❁ ناہید یوسف...... اسلام آباد

شام ہاتھوں میں شعاعوں کے لیے انگارے
دور پربت کے جھروکے میں نظر آتی ہے
ابنِ آدم کو اگر سمت کا احساس نہ ہو
ایک پل کو تو یہ سمجھے کہ سحر آتی ہے

❁ محمد اسماعیل...... کوئٹہ

اونگھتی راہ پہ شیشم کی خمیدہ شاخیں
جانے کس سوچ میں مبہوت، جھکی آتی ہیں
موج در موج، پراسرار گھنی تیرگیاں
سنسنی بن کے خلاؤں میں رچی جاتی ہیں

❁ زوہیب احمد ملک...... گلستان جوہر، کراچی

میں سوچتا ہوں، کہ اے کاش تیرا پیکرِ ناز
بس ایک پل کے لیے صرف میرا ہو جاتا
ہری نظر میں ستارے کچھ ایسے کھل جاتے
کہ آسمان و زمیں پر اندھیرا ہوجاتا

❁ شازیہ...... کراچی

کہیں سے ڈھونڈ کے لا دو وفا جو مل جائے
ترس گیا ہے جہاں رسمِ دوستی کے لیے

❁ احمد حسن عرضی خان...... قبولہ شریف پاک پاس

ایسے زخموں کو کیا کرے کوئی
جن کو مرہم سے آگ لگ جائے

❁ کمال انور...... اورنگی ٹاؤن، کراچی

پسِ دیوار ہے اک اور بھی دیوار بلند
ایک دیوار کے پیچھے کئی دیواریں ہیں
یہ احاطوں میں احاطے، یہ فصیلیں، یہ حصار
وقت کی بات ہے، سب وقت کی رفتاریں ہیں

❁ ادریس احمد خان...... ناظم آباد، کراچی

صبا نے پھر درِزنداں پہ آکے دی دستک
سحر قریب ہے دل سے کہو نہ گھبرائے

❁ زرین آفریدی...... حیدرآباد

میں کیا دکھاؤں، میرے تار تار دامن میں
نہ کچھ یہاں کے لیے نہ کچھ وہاں کے لیے

❁ جنید احمد ملک...... گلستان جوہر، کراچی

ڈرتا ہوں کہیں ہاتھ سے گر کے ٹوٹ نہ جائے
مٹی کے کھلونے سے مجھے پیار بہت ہے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

www.paksociety.com

❁ بنیش صدیقی ...... حیدرآباد

وہی تو فیصلہ کرتا ہے پتھر کے مقدر کا
کسے ٹھوکر میں رکھنا ہے کسے اسود بنانا ہے

❁ محمد حسان گل سیال ...... روہڑی، ضلع سکھر

تسکینِ محبت کے فقط دو ہی طریقے تھے
یا دل نہ بنا ہوتا یا تم نہ بنے ہوتے

❁ مسٹر اینڈ مسز محمد صفدر معاویہ ...... ضلع خانیوال

ذرا سی طبیعت کیا ناساز ہوئی میری
بچے وکیل کو بلا لائے طبیب سے پہلے

❁ وزیر محمد خان ...... بٹل ہزارہ

تم جو ہر بات میں دیتے ہو پرندوں کی مثال
اس کا مطلب ہے کہ ہم شہر سے ہجرت کر لیں

❁ شاہ زیب ...... سرگودھا

آنا ہے قیامت کو تو کیوں آنہیں جاتی
آثار ہویدا ہیں در و بام پہ کب سے

❁ مدحت ...... کراچی

یہ صبح کون سا خورشید لے کے اتری ہے
جو آج روشنی میرے مکاں تک آئی ہے

❁ انجم وارثی ...... ملتان

گھر کی دہلیز پہ روشن تھے جہاں اپنے چراغ
کیا خبر تھی کہ وہیں کھائیں گے ٹھوکر اے دوست

❁ شمشاد علی ...... راولپنڈی

جو دکھ سہے ہیں قدم راس آئیں گے کہ نہیں
کسی فقیر سے اب یہ سوال پوچھنا ہے

❁ جبران احمد ملک ...... گلشن اقبال، کراچی

بیتے دن جب یاد آئے ہیں لمبی تنہا راتوں میں
دیواروں کو تکتے تکتے بھول گئے ہیں سونا بھی

❁ احمد خان ...... پشاور

پربتوں جیسا حوصلہ بخشا
اے محبت ترا جواب نہیں

❁ ثمرین اعجاز ...... فیصل آباد

پھر کوئی حیلہ بہانہ مل گیا ہوگا اسے
کچھ تو ہوگا بے سبب یوں روٹھ جانے کا سبب

❁ افتخار حسن ...... کوٹری

سائے دھواں دھواں ہیں بدن گرد گرد ہیں
وہ ابتلا پڑی ہے کہ آئینے زرد ہیں

❁ ناصر علی ...... کوئٹہ

بے نام سا وہ ایک تعلق وفا پرست
گر پوچھتے ہی ہو تو چلو تھا کسی سے تھا

❁ سکندر علی ...... منڈی بہاؤالدین

کھا کر شکست تم کو بچایا ہے ہار سے
دل کھول کر تو آج دعا دیجیے مجھے

❁ افضل خان ...... لاہور

کیسی ہوا چلی ہے کہ اب بستیوں میں لوگ
سرگوشیوں میں کرتے ہیں دیوار و در کی بات

❁ وردا، محمد آریز ملک ...... کراچی

اس آسماں کی بلندی سے دسترس سے دور
قدم ہم اپنی زمیں پر جما کے رکھتے ہیں

❁ ثمینہ ناز ...... سیالکوٹ

یوں تو قدم قدم پر تھی گردشِ زمانہ
اک بے زباں محبت بھی اپنے درمیاں تھی

❁ صبا سحر ...... اوکاڑہ

ٹوٹ کر چاہنے کی بات کرو
ورنہ کہہ دو کہ واسطہ ہی نہیں

❁ وسیم اکرم ...... مہر شاہ، خانیوال

قافلوں کے قافلے گزر گئے
اک میرا ہی درد تھا جو ہجرت نہ کر سکا

❁ محمد فراز ...... سکھر

اک تیری خاموشی جلا دیتی ہے میرے دل کو
باقی سب انداز اچھے ہیں تیری تصویر میں

کوپن برائے شمارہ نومبر 2016

محفلِ شعر و سخن

نام : --

پتا : --

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

Downloaded From
Paksociety.com

لگ دم

منظر امام

کسی کی عمر کی نقدی اتنی کم ہوتی ہے اور ذمہ داریاں اتنی کہ اسے اگر کہیں سے یہ نقدی ادھار مل جاتی تو پہلی فرصت میں لے لیتا مگر افسوس... انسانیت تو وہاں بھی رو رہی ہے جہاں زندگی کے خوب صورت دن نوجوان نسل منشیات کے سہارے بے دریغ لٹا رہے ہیں... کتنا فرق ہے ان دونوں جگہوں پر... کاش انہوں نے اس زہر میں اپنی پناہ نہ ڈھونڈی ہوتی۔

دم گھٹنے والے ماحول میں زندگی کی ناقدری کا قصہ

ہم دونوں ہی عجیب مخمصے میں تھے۔

جویریہ کے والدین نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اس کے بی اے پاس ہوتے ہی اس کی شادی اس کے پھوپی زاد... سے کردی جائے گی۔ جو کم بخت دیکھنے میں پھوپھی زاد کم اور پھوپی زیادہ لگتا تھا۔ یعنی اس میں تھوڑا تھوڑا زنانہ پن تھا۔ جانے کیوں جویریہ کے والدین اس پر لٹو ہوگئے تھے۔

میں ایک دن محبت کے جوش میں جویریہ کے ابو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سے جا بھڑا۔ وہ کچھ ایوریں قسم کے انسان تھے۔ میں نے ان سے کہا۔ ''جناب! آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں پچھلے پانچ برسوں سے جویریہ سے محبت کرتا چلا آرہا ہوں۔''

''تو اب کیا ریٹائرمنٹ لینا چاہتے ہو؟''

''نہیں جناب! پرمانٹ ہونا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ، کس ماڈل کی گاڑی ہے تمہارے پاس؟''

''فی الحال تو کسی ماڈل کی نہیں ہے لیکن ایک محبت کرنے والا دل ضرور ہے۔''

''لیکن شہناز کے پاس تو بالکل نئے ماڈل کی گاڑی ہے۔''

''اور یہ شہناز کون خاتون ہیں؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''بے وقوف، وہ خاتون نہیں، جویریہ کا پھوپی زاد بھائی ہے۔''

''خود سوچیں جناب۔ جس شخص کا نام ہی اتنا زنانہ ہو وہ خود کیسا ہوگا؟''

''وہ بالکل ٹھیک ہے۔ کیا تم ہاکی کے مشہور کھلاڑی کو نہیں جانتے؟ اس کا بھی نام شہناز تھا بلکہ میرے ایک دوست کا نام بانو تھا اور خود میرے فرسٹ کزن کا نام سلمیٰ بیگم ہے۔''

''اب آپ کا سارا خاندان ہی ایسا ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے میرے پاس ایک محبت کرنے والا دل ہے۔''

''اپنا مکان ہے تمہارے پاس؟''

''میں نے کہا نا کہ محبت کرنے والا دل ہے۔ پھر بار بار ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟''

''جاؤ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ کیا تمہاری محبت کو لے کر وہ چاٹے گی؟ یہ سن لو کہ اس کے بی اے پاس ہوتے ہی شہناز سے اس کی شادی کردی جائے گی۔''

''آپ مجھے دوسرے مغلِ اعظم معلوم ہو رہے ہیں جناب۔ آپ کو کیا معلوم کہ یہ محبت کیا ہوتی ہے جج صاحب؟''

''یہ بیچ میں جج کہاں سے آگیا؟''

''آیا نہیں، میں لایا ہوں کیونکہ میں نے کل ہی محمد علی کی ایک پرانی فلم دیکھی ہے۔ اس کے پاس بھی ایک محبت بھرا دل تھا۔''

''تم یہاں سے جا رہے ہو یا میں اپنے نوکروں کو بلواؤں؟''

''نوکر بھی یہاں آکر کیا کریں گے؟ زیادہ سے زیادہ مجھے باہر ہی نکال دیں گے نا۔ تو میں خود ہی باہر جا رہا ہوں۔''

اور میں باہر آگیا۔ میرے سینے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ یہ اکثر لگی رہتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ یہ میرے عشق کی آگ ہے جبکہ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ یہ تیزابیت ہے اور مجھے لگ کر اس کا علاج کرانا ہوگا۔

میں نے فوری طور پر جویریہ سے میٹنگ کا فیصلہ کرتے ہوئے اسے اپنے موبائل سے میسیج کیا۔ ''شام پانچ بجے ہائیڈ پارک میں آجاؤ۔''

لندن میں ایک ہائیڈ پارک ہے جہاں لوگ کھڑے ہو کر پوری دنیا، حکومت، سیاست وغیرہ کو گالیاں دیا کرتے ہیں۔ یہ والا ہائیڈ پارک ہمارے بھی شہر میں تھا اور ہم اسے ہائیڈ پارک اس لیے کہتے کہ ہم یہاں بیٹھ کر اپنے خاندان کو گالیاں دیا کرتے تھے۔

مجھے معلوم تھا کہ میں نے اسے آج بلایا تو ہے لیکن وہ کل آئے گی۔ اس کی وجہ اس کی بے پروائی نہیں تھی بلکہ اس کا موبائل سیٹ ہی ایسا تھا۔ پیغامات ایک دن کے بعد ملا کرتے تھے۔

دستور کے مطابق وہ دوسری شام کو ہائیڈ پارک پہنچ گئی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''جویریہ! بہتر یہی ہے کہ تم اپنا یہ موبائل سیٹ کہیں پھینک دو۔ اس سے تو ایمرجنسی میں کچھ نہیں ہو سکے گا۔''

''کیوں پھینک دوں؟ مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ یہ میرے خالو کی یادگار ہے۔''

''سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے خالو تھے جو اتنا پھٹیچر موبائل دے کر دنیا سے گزر رہے ہیں۔''

''خیر کام کی بات کرو۔ کس لیے بلایا تھا؟''

میں نے اسے اپنے اور اس کے ابو کے درمیان برپا ہونے والے عظیم الشان مناظرے کے بارے میں بتاتے ہوئے پوچھا۔ ''اب بتاؤ، ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

''یہ سچ ہے تغلق۔'' اس نے اداس ہو کر کہا۔ ''ابو نے یہ فیصلہ کرلیا ہے اور جو وہ کہتے ہیں وہی کرتے ہیں۔'' پھر ذرا ناراض ہو کر بولی۔ ''خدا کے لیے اپنا یہ نام بدلو۔ تغلق۔ کم بخت گلے میں اٹک جاتا ہے۔''

''میرے نام کو چھوڑو، مستقبل کی بات کرو۔'' میں نے کہا۔ ''سنو، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم بی اے میں فیل ہو جاؤ۔''

''اس سے کیا ہوگا؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

''تمہاری شادی لیٹ ہو جائے گی۔ اس دوران میں، میں کوئی جاب تلاش کرلوں گا۔''

''لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میں امتحان تو دے چکی ہوں۔ اب کیسے فیل ہو جاؤں؟''

''تم فکر مت کرو۔ میں تمہیں فیل کروانے کی کوشش کرتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

میرے ایک دوست کے ابو کالج میں پروفیسر تھے اور یہ سننے میں آیا تھا کہ وہ کاپیاں چیک کرتے ہیں۔ میں سیدھا ان کے پاس پہنچ گیا۔ ''انکل! میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس بی اے کی کاپیاں آتی ہیں؟''

''ہاں۔ تم نے ٹھیک سنا ہے۔'' وہ مسکرا دیے۔ ''کس کے نمبر بڑھوانے ہیں؟ ویسے تو میں بہت اصول کا آدمی ہوں۔ اس قسم کے چکروں میں نہیں پڑتا لیکن تم چونکہ میرے بیٹے کے دوست ہو اس لیے تمہارے ساتھ یہ رعایت تو کرنی ہوگی لیکن زندگی بھر شرمندہ رہوں گا کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ تم نہیں جانتے بیٹے کہ یہ ضمیر کا بوجھ کیسا ہوتا ہے۔ انسان کو چین نہیں لینے دیتا۔ ایک دفعہ سکندرِ اعظم نے......''

''انکل! مجھے کسی کے نمبر نہیں بڑھوانے۔'' میں نے جلدی سے ان کی بات کاٹی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اگر وہ شروع ہو گئے تو پھر انہیں چپ کروانا مشکل ہو جائے گا۔

''کیا، نمبر نہیں بڑھوانے ہیں۔'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''جی انکل! نمبر کم کروانے ہیں۔'' میں نے بتایا۔

''میاں، پہلی بار میں ایسا سن رہا ہوں کہ کوئی نمبر کم کروانے آیا ہے۔ لوگ تو نمبر بڑھوانے کے چکر میں رہتے ہیں۔''

''بس انکل، یہ معاملہ ہی ایسا ہے۔''

''اچھا بتاؤ، رول نمبر کیا ہے؟''

میں نے انہیں رول نمبر بتا دیا۔ ''پلیز انکل! ایسا نہ ہو کہ آپ غلطی سے نمبر زیادہ دے دیں۔ یاد رکھیں۔ نمبر کم سے کم دینے ہیں۔''

''چلو بیٹا! یہ تو ہو جائے گا لیکن اب ایک کام کی بات بھی سن لو اور وہ یہ ہے کہ میں صرف پانچ یا دس نمبر کم کرسکتا ہوں۔ اس سے زیادہ کروں گا تو میرے ضمیر پر بوجھ ہوگا کیونکہ ایک دفعہ سکندرِ اعظم......''

''چھوڑیں انکل سکندرِ اعظم کو...... جو آپ سے ہوسکتا ہے وہ کردیں۔''

پر چھوڑ دو۔ اسے مکمل طور پر فیل کروانے کے لیے تمہیں...کسی اور کو بھی پکڑنا ہوگا۔'' انہوں نے کہا۔ ''میرا مطلب ہے کسی دوسرے سبجیکٹ والے کو کیونکہ میں تو صرف انگلش کی کاپیاں چیک کرتا ہوں۔''

''کوئی بات نہیں جناب، آپ بسم اللہ تو...کریں۔'' میں نے کہا۔ ''بس یہ بتا دیں کہ اور کون کون چیک کرسکتا ہے؟''

''پروفیسر طور کے پاس اردو کی کاپیاں جاتی ہیں۔'' انہوں نے بتایا۔ ''ویسے طور صاحب بہت ٹیڑھے آدمی ہیں۔ تم ان کے پاس ذرا ہوشیاری سے جانا اور ہاں، وہ مٹھائیوں کے بہت شوقین ہیں۔''

''سمجھ گیا جناب۔ یہ آپ نے اچھی ٹپ دی ہے۔ اب لگے ہاتھوں ان کا ایڈریس بھی بتا دیں۔''

''ویسے تو ان کا گھر سوسائٹی میں ہے لیکن کاپیاں چیک کرنے کے لیے وہ منگھوپیر کی پہاڑیوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔''

''جی، پہاڑیوں کی طرف......وہ کیوں؟''

''بھئی۔ ان کا نام ہے طور اس لیے وہ منگھوپیر کی پہاڑیوں کو کوہِ طور سمجھ کر وہاں چلے جاتے ہیں۔ وہاں انہوں نے ایک غار دریافت کرلیا ہے۔ وہ کاپیاں لے کر آرام سے اس غار میں بیٹھ جاتے ہیں۔ آس پاس کے لوگ انہیں کوئی بہت پہنچا ہوا درویش سمجھتے ہیں۔''

''سمجھ گیا جناب۔ وہ یہ اس لیے کرتے ہوں گے کہ کوئی انہیں ڈسٹرب نہ کرسکے۔''

''ظاہر ہے۔ یہ تو سامنے کی بات ہے۔ اب تم جاؤ یہاں سے۔''

اسی دن جویریہ کا فون آگیا۔ وہ مجھ سے ملنے کی بات کر رہی تھی۔ اس کے موبائل سے کال تو آجاتی تھی لیکن میسیج میں پرابلم ہوتی تھی۔

جویریہ سے ملاقات ہوئی تو وہ بہت غصے میں تھی۔ ''تغلق! شہناز نے مجھ سے محبت کا اظہار کردیا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''کس شہناز نے کیونکہ تمہارے پاس دو شہناز ہیں۔ ایک تو تمہارا پھوپی زاد بھائی اور دوسری تمہاری دوست۔''

''پھوپی زاد بھائی نے۔'' اس نے بتایا۔

''اس کی یہ مجال۔ بتاؤ، اس نے کیا کہا؟''

جویریہ ہنس پڑی۔ ''اب کیا بتاؤں، اس نے کس طرح چہک چہک کر محبت کا اظہار کیا ہے۔'' جویریہ نے بتایا۔ ''تم ایسا کرو، اس سے جا کر ملو اور اس کو بتا دو کہ تم مجھ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

سے محبت کرتے ہو۔"
"کوئی ہنگامہ نہ ہو جائے۔"
"ہنگامہ کیا ہونا ہے۔ جب تم ابو سے یہ بات کہہ سکتے ہو تو شہناز سے کہنے میں کیا حرج ہے؟"
"ٹھیک کہتی ہو۔ تم مجھے پتا بتاؤ۔"
"پتا کیا بتانا۔ تم میرے ساتھ چلو۔ جو بات ہوگی میرے سامنے ہوگی۔"
"تو پھر چلو۔"
جویریہ مجھے اپنے پھوپا کے گھر لے آئی۔ اس نے مجھے ڈرائنگ روم میں بٹھاتے ہوئے کہا۔ "تم بیٹھو۔ میں شہناز کو لے کر آتی ہوں۔"
کچھ دیر بعد وہ شہناز کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ شہناز کمر لچکاتا ہوا میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ عجیب نوجوان تھا۔ آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا تھا اور ہونٹوں پر لپ اسٹک بھی تھی۔
"ہائے ہائے۔" وہ تالیاں بجاتے ہوئے بولا۔ "میں نے سنا ہے کہ تم جویریہ کو لائک کرتے ہو۔"
"ٹھیک سنا ہے تم نے۔"
"تو پھر میرا کیا ہوگا۔ میں تو اس سے شادی بنانے کی سوچ رہا ہوں۔"
"تم شادی نہ بناؤ۔ اپنے آپ کو بناؤ۔" میں نے کہا۔
"اوہ یو ناٹی بوائے!" اس نے اپنی ایک انگلی میرے گال پر ماری۔ "میں اپنے آپ کو کس طرح بناؤں۔ آئی ایم پرفیکٹلی آل رائٹ!"
"تم مرد بننے کی کوشش کرو۔" میں نے کہا۔ "ورنہ لچک لچک کر مر جاؤ گے۔"
"جویریہ! تمہارا یہ فرینڈ کیا بولتا ہے؟"
"وہی بولتا ہے جو تم سنتا ہے۔" جویریہ جل کر بولی۔
"دیکھو مین! میں بھی جویریہ سے محبت کیا ہے۔" اس نے کہا۔ "ہم دونوں کی انگیجمنٹ ہونے جا رہی ہے۔ تم ہمارے راستے کی رکاوٹ نہ بنو۔ ڈونٹ بی سلی!"
"اگر میں تم سے اس کی شادی نہ ہونے دوں تو پھر تم کیا کرو گے؟"
"میں تمہیں ماروں گا۔" اس نے کہا۔ "میں بہت پاورفل انسان ہوں۔"
"اچھا تو چلو مارو۔"
"بچے نہ بنو۔ میرا پنچ بہت خطرناک ہوتا ہے۔" وہ چمک کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ تو پھر مجھے مارو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
اور اس نے ایک گھونسا مجھے رسید کر دیا.... میرے تو سارے طبق ہی روشن ہو گئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ جس طرح اس کا سارا بدن لچکیلا ہے اسی طرح اس کا گھونسا بھی ہوگا لیکن وہ کیا گھونسا تھا جیسے میرے شانے پر کسی نے ہتھوڑا دے مارا ہو۔ ہڈی چٹختی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ تکلیف سے میرا رنگ زرد ہو گیا تھا۔
"ہاں، اب بتاؤ اب کیا کہتے ہو؟" اس نے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔" میں نہ جانے کیسے خود پر ضبط کر رہا تھا۔ یہ میرا دل ہی جانتا ہے۔ "تمہارے گھونسے میں تو جان ہی نہیں ہے۔"
"کمال ہے۔" وہ حیرت سے بولا۔ "دوسرے تو بیٹھ جاتے ہیں۔ چلو اب دوسرا پنچ مارتا ہوں۔"
"رہنے دو۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "میں اس تماشے کے لیے تمہارے پاس نہیں آیا ہوں۔ بس یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ تم آئندہ سے جویریہ کو پریشان مت کرنا۔"
"یہ میری ماموں زاد بہن ہے۔"
"یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ ماموں زاد بہن کو پریشان کرو۔ جب یہ تمہیں پسند نہیں کرتی تو پھر تم اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔"
اس پر چونکہ... میری طاقت کا رعب پڑ چکا تھا اس لیے اس نے کچھ نہیں کہا پھر میں اور جویریہ اس گھر سے باہر آ گئے تھے۔
"تغلق......" جویریہ میرے زخمی شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ "تم نے تو کمال کر دیا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تم اتنے طاقت ور انسان ہو۔"
میں تڑپنا چاہتا تھا لیکن تڑپ نہیں پا رہا تھا۔ اس دن میں نے کسی نہ کسی طرح جویریہ سے اپنی جان چھڑائی اور سیدھے ڈاکٹر کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ میری ہڈی ٹوٹتے ٹوٹتے بچی ہے۔ بس ایک ہاتھ اور پڑ جاتا تو میرا کام ہو گیا تھا۔
اس نے مجھے درد سے نجات دی۔ کئی طرح کے مرہم دیے اور تاکید کی کہ کم از کم ایک ہفتہ آرام کروں۔ میں نے اس کے مشورے پر پوری طرح عمل کیا تھا۔ ایک ہفتے کے دوران جویریہ نے کئی بار مجھ سے رابطہ کیا لیکن میں اس سے مل نہیں سکا تھا۔ ایک ہفتے کے بعد میں پروفیسر طور کی تلاش میں نکل پڑا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

وہ منگھوپیر کی پہاڑیوں میں کسی غار میں رہتے تھے۔ میں نے پہاڑ پر بھٹکنے والے ایک بندے سے پوچھا۔ ”بھائی! پروفیسر طور کہاں ملیں گے۔“

”یہ کون بندہ ہے؟“ اس آدمی نے پوچھا۔

”وہ ادھر کی کسی پہاڑی میں رہتے ہیں۔“ میں نے بتایا۔ پھر مجھے یاد آ گیا تھا۔ ”وہ بہت پہنچا ہوا درویش ہے۔“

”اوہ! ایسے بولو نا پیر صاحب۔“

”ہاں ہاں... پیر صاحب۔“

”آؤ میرے ساتھ۔“ اس نے کہا۔

وہ مجھے پہاڑی در پہاڑی نہ جانے کتنی دور لے گیا پھر ایک غار کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔ ”پیر صاحب وہ سامنے والے غار میں رہتا ہے۔ اس کو میرا سلام بولنا...... کہنا شیرا نے سلام کہا ہے۔“

میں شیرا کا سلام لے کر غار کی طرف آ گیا۔ پروفیسر طور تو بہت ہی وحشت ناک قسم کا بندہ ثابت ہوا۔ یہ لانبی ڈاڑھی، وحشت ناک آنکھیں...... وہ جس غار میں مقیم تھا اس میں فرش بچھا ہوا تھا۔ دو تین تھرماس تھے۔ بسکٹوں کے ڈبے تھے۔ پانی کی بوتلیں تھیں اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ پورے غار میں چرس کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

وہ اس وقت بھی گہرے گہرے کش لگا رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں نے آواز لگائی۔

”پروفیسر صاحب! میں پولیس کا آدمی نہیں ہوں۔ میں تو آپ کے دیدار کو آیا ہوں۔“

”ہو...... ہو۔“ وہ بے ڈھنگے طریقے سے ہنسا۔ ”آؤ آؤ...... یہاں دیدار ہے، سرکار ہے، دشوار ہے۔“

میں نے قریب پہنچ کر بڑی عاجزی سے کہا۔ ”سر! میں آپ کے پاس ایک کام سے حاضر ہوا ہوں۔“

”پہلے یہ سگریٹ سلگاؤ پھر کام بتاؤ پھر وقت بچاؤ، آؤ قریب آؤ۔“

”نہیں جناب! میں چرس نہیں پیتا۔“ میں جلدی سے بولا۔

”تو پھر تم کیسے ہمدم، کیسا مرہم، کیسا موسم ہر طرف ماتم ماتم، کہاں ہو بیگم۔“

میں حیرت سے اس بے تکے شخص کی بے تکی باتیں سن رہا تھا۔ یہ کیسا اردو کا پروفیسر تھا جو صرف قافیے ملائے چلا جا رہا تھا اور وہ بھی بے ڈھنگے۔

”جناب!“ میں نے کہا۔ ”میں آپ کی بہت تعریف سن کر آیا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میرا کام کر دیں گے۔“

”جب تک چرس نہیں تب تک کام فرض نہیں اور کوئی

ایک رات

کھاٹ، کھٹا، کھٹیا، کھٹولہ، اڑن کھٹولہ، کھٹولی، کھٹ، چھپر کھٹ، کھرا، کھری، جھلگا، پلنگ، پلنگڑی، ماچ، ماچی، ماچا، چارپائی، نواری، مسہری، منجی...... یہ مکمل سی فہرست صرف اردو کی وسعت ہی نہیں بلکہ چارپائی کی ہمہ گیری پر دال ہے اور ہمارے تمدن میں اس کا مقام و مرتبہ متعین کرتی ہے۔ لیکن چارپائی کی سب سے خطرناک قسم وہ ہے جس کے بچے کھچے اور ٹوٹے ادھڑے بانوں میں اللہ کے برگزیدہ بندے محض اپنی قوت ایمان کے زور سے اٹکے رہتے ہیں۔ اس قسم کے جھلنگے کو بچے بطور جھولا اور بڑے بوڑھے آلہ تزکیہ نفس کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ اونچے گھرانوں میں اب ایسی چارپائیوں کو غریب رشتے داروں کی طرح کونوں کھدروں میں آڑے وقت کے لیے چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ خود مجھے مرزا عبدالودود بیگ کے ہاں ایک رات ایسی ہی چارپائی پر گزارنے کا اتفاق ہوا جس پر لیٹتے ہی اچھا بھلا آدمی نون غنہ (ں) بن جاتا ہے۔

اس میں داخل ہو کر میں ابھی اپنے اعمال کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ یکا یک اندھیرا ہو گیا، جس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ ایک دوسرا ملازم اوپر ایک دری اور بچھا گیا۔ اس خوف سے کہ دوسری منزل پر کوئی اور سواری نہ آ جائے، میں نے سر سے دری پھینک کر اٹھنے کی کوشش کی تو گھٹنے بڑھ کے پیشانی کی بلائیں لینے لگے۔ کھڑ بڑ سن کر مرزا خود آئے اور بیچ کر پوچھنے لگے کہ بھائی آپ ہیں کہاں؟ میں نے مختصراً اپنے محل وقوع سے آگاہ کیا تو انہوں نے ہاتھ پکڑ کر مجھے کھینچا۔ انہیں کافی زور لگانا پڑا اس لیے کہ میرا سر اور پاؤں بانوں میں بری طرح الجھے ہوئے تھے اور بان سر سے زیادہ مضبوط ثابت ہوئے۔ بہ مشکل تمام انہوں نے مجھے کھڑا کیا۔

اور میرے ساتھ ہی، بلکہ مجھ سے کچھ پہلے، چارپائی بھی کھڑی ہو گئی!

کہنے لگے۔ ”کیا بات ہے؟ آپ کچھ بے قرار سے ہیں۔ معدے کا فعل درست نہیں معلوم ہوتا۔“

میرے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ دوڑ کر اپنا تیار کردہ چورن لے آئے اور اپنے ہاتھ سے میرے منہ میں ڈالا۔ پھنکی منہ میں بھر کر شکریے کے دو چار لفظ ہی کہنے پایا ہوں گا کہ معاً نظر ان کے مظلوم منہ پر پڑ گئی جو حیرت سے کھلا ہوا تھا۔ میں بہت نادم ہوا۔ لیکن قبل اس کے کہ کچھ اور کہوں انہوں نے اپنا ہاتھ میرے منہ پر رکھ دیا۔ پھر مجھے آرام کرنے کی تلقین کر کے منہ دھونے چلے گئے۔

مشتاق احمد یوسفی کی کتاب ”چراغ تلے“ سے اقتباس

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

عرض نہیں اور مجھے کوئی مرض نہیں۔"
"مرض آپ کو ہو یا نہ ہو، مجھے ہو جائے گا۔"
"تمہاری یہ بات پسند آئی۔ ارجمند آئی، کس منہ آئی۔ لو چرس پیو اور برسوں جیو۔" اس نے پھر سگریٹ بڑھا دیا۔
عجیب بے تکا آدمی تھا۔ پتا چل گیا تھا کہ کم بخت چرس پلائے بغیر میری بات بھی نہیں سنے گا۔ مجبوراً میں نے پہلا کش لگایا اور پہلا ہی کش مجھے اپنی زندگی کا آخری کش معلوم ہونے لگا۔
سینے میں آگ سی لگ گئی تھی۔ پھیپھڑے تک دہائی دینے لگے تھے۔ زندگی میں پہلی بار چرس پی تھی۔ یہ عشق کم بخت اس قسم کے تماشے دکھایا کرتا ہے۔
"سگریٹ بالکل پوری ہو گی ورنہ بات ادھوری ہو گی۔" پروفیسر نے یہ بات یہ دیکھ کر کہی کہ میں سگریٹ سے جان چھڑانے کی کوشش کر رہا ہوں۔" دو چار کش اور لو، اس کے بعد سوال کرو۔"
مجبوراً مجھے پورا سگریٹ ختم کرنا پڑا۔ اس کے بعد پروفیسر سے بات کرنے کا ہوش کہاں تھا؟ میں چکرا کر وہیں گر پڑا۔ نہ جانے کتنی دیر بعد پانی کے ٹھنڈے چھینٹے مجھے ہوش میں لائے۔ پروفیسر میرے چہرے پر چھینٹے مار رہا تھا۔ "نادان، ہوش میں آؤ، نظریں گھماؤ، دیکھو اور دکھاؤ، دنیا کو بتاؤ۔"
میں پروفیسر پر لعنت بھیجتا ہوا بیدار ہو گیا۔ غار میں لالٹین کی روشنی تھی۔ اچھا خاصا اندھیرا پھیل گیا تھا۔
"پروفیسر صاحب! یہ تو رات ہو گئی۔" میں پریشان ہو کر بولا پھر دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر اٹھنے لگا۔ سر میں بے پناہ درد ہو رہا تھا۔
"سر کا ہے برا حال۔" پروفیسر مسکراتے ہوئے بولا۔
"یہ شروع کا ہے احوال اور جب ہو جاؤ بدفعال...... پھر خود کرو کمال پھر ڈالیں گے دھمال۔"
"خدا کی پناہ...... کیا تم کوئی بات انسانوں کی طرح نہیں کر سکتے۔" میں غصے سے بولا۔
"غصہ بھی ضروری ہے، یہ چرس کی مجبوری ہے۔" پھر اس نے ایک اور سگریٹ میری طرف بڑھا دیا۔ "اب اس کے لگاؤ کش پھر کرنے لگو واش اش۔ درد ہو جائے کافور۔ یہ ہے چرس کا دستور۔"
کم بخت نے درد کی دوا بھی چرس ہی بتائی تھی۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ میں نے دوسرا سگریٹ سلگا لیا تھا۔ اب اس کا حال بیان کرنا فضول ہی ہے۔ پروفیسر نے میرے لیے کھانے کا بندوبست کر دیا تھا۔ نہ جانے کہاں سے کھانا لے کر آیا تھا لیکن بہت ہی لذیذ کھانا تھا۔ کھانا کھانے اور چرس پینے کے بعد سرور ہی آ گیا تھا۔
پھر پروفیسر نے کہا۔ "اب ہو گئی رات۔ ڈاکو لگائے گھات۔ تم مانو میری بات۔ سو جاؤ یہیں ساتھ۔"
"وہ تو ٹھیک ہے پروفیسر صاحب...... لیکن میں جس کام کے لیے آیا ہوں وہ تو سن لیں۔"
"کام کا نہ لو نام۔ دینے پڑیں گے دام۔ ہو جائے کل کی شام تو پھر بتانا کام۔"
میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اس دوران میں اس نے دو سگریٹ اور سلگا لیے تھے...... خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ رات بھر میں اس کم بخت نے مجھے ایک درجن بھرے ہوئے سگریٹ پلوا دیے۔
دوسرے دن تک میں اچھا خاصا چرسی بن چکا تھا بلکہ شام ہونے تک میں نے خود اس سے فرمائش کر کے دو سگریٹ پھونک ڈالے اور وہ میری اس پروگریس سے بہت خوش نظر آ رہا تھا۔
مختصر یہ کہ مجھے وہ رات بھی اسی غار میں گزارنا پڑی تھی اور ہم دونوں رات بھر بھرے ہوئے سگریٹ پیتے رہے تھے۔ اس نے مجھے عادی بنا دیا تھا۔
تیسری صبح کسی کے زور زور سے بولنے کی آوازیں سن کر میں جاگ اٹھا تھا۔ ایک معقول صورت ادھیڑ عمر شخص پروفیسر پر بری طرح ناراض ہو رہا تھا۔ "یہ سب کیا لگا رکھا ہے تم نے؟ پورے غار میں چرس کی بو پھیلی ہوئی ہے۔" پھر اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ "اور تم کون ہو؟"
"جناب! میں ایک مظلوم ٹائپ انسان ہوں۔ پروفیسر کے پاس ایک کام سے آیا تھا۔ انہوں نے مجھے چرس کے دھندے پر لگا دیا۔"
"یہ کم بخت اسی قسم کی حرکتیں کرتا ہے۔ یہ ملازم ہے میرا۔ پروفیسر تو میں ہوں۔ میں دو دنوں کے لیے شہر کی طرف گیا ہوا تھا۔"
"او خدا...... اور میں آپ کے چکر میں چرسی بن گیا ہوں۔"
"یہ تمہارا قصور ہے میاں۔ تم بتاؤ تم کس کام سے آئے تھے؟"
میں نے جلدی جلدی پروفیسر کو ساری بات سنا دی۔ میری بات سن لینے کے بعد انہوں نے کہا۔ "میاں، تم غلط جگہ آئے ہو۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"وہ کیوں؟"

"وہ اس لیے کہ میں بی اے کی اردو نہیں بلکہ بی کام کی اردو کی کاپیاں چیک کرتا ہوں۔" پروفیسر نے بتایا۔ "بی اے کی اردو کے لیے تمہیں پروفیسر منصوری کے پاس جانا ہوگا۔ ان دنوں وہ ٹھٹھہ کے ایک مزار پر چلّے میں مصروف ہیں۔"

"لعنت بھیجیں...... میں اب کہیں نہیں جارہا۔" میں نے کہا۔ "وہ کم بخت چاہے پاس ہو یا فیل...... مجھے تو اب چرس کا نسخہ مل گیا ہے۔ لگے دم تو مٹے غم۔"

میں نعرۂ مستانہ بلند کرتا ہوا غار سے باہر آگیا۔ جاتے جاتے ملنگ نما ملازم نے مجھے چرس کی اچھی خاصی بڑی ٹکیہ تحفے میں دے دی تھی۔ "جاؤ آباد رہو، شاد رہو اور استاد رہو۔"

میں اس کا شکریہ ادا کرکے لڑکھڑاتا ہوا پہاڑی سے نیچے آگیا۔ میں گیا تھا کس کام سے اور کیا بن کر واپس آیا تھا، چرسی۔

جویریہ نے یہ سب سن کر اپنا سر پیٹ لیا۔ میں اس وقت بھی سگریٹ میں چرس ہی بھر رہا تھا۔ یہ تکنیک ملنگ بادشاہ نے سکھلادی تھی۔

"لگتا ہے اس شہناز سے میری شادی ہو ہی جائے گی۔" جویریہ نے کہا۔ "کیونکہ مجھے یقین ہے کہ میں بی اے میں پاس ہوجاؤں گی۔"

"جویریہ! تم ہی بتاؤ۔ میں تمہیں کس طرح فیل کرواؤں؟ میرے پاس تو اب کوئی طریقہ بھی نہیں رہا۔"

"کچھ بھی کرو۔ ورنہ تمہاری جویریہ کسی اور کی ہو جائے گی۔"

اس وقت میں نے چرس کا ایک گہرا کش لگایا۔ میری آنکھوں میں خمار بھر آیا۔ اسی لیے مجھے پوری دنیا بہت حقیر دکھائی دینے لگی تھی۔

"بتاؤ تغلق تم میرے لیے کیا کرو گے؟" جویریہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں کروں گا۔" میں جھومتے ہوئے بولا۔ "مجھے اب کسی کی پروا نہیں رہی۔ اس چرس کے آگے میں پوری دنیا قربان کرسکتا ہوں، تم کیا چیز ہو۔ لگے دم تو مٹے غم۔ واہ ملنگ بابا کیا نسخہ بتایا ہے۔ اب میں بادشاہ ہوں، اپنے وقت کا بادشاہ۔ مجھے اب کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ تم بھی دفع ہوجاؤ یہاں سے اور ہاں اگر کبھی میری کی ضرورت کا خیال آئے تو میرے لیے چرس بھجوادیا کرنا...... لگے دم تو مٹے غم۔"

"لعنت ہو تم پر...... میں جارہی ہوں شہناز سے شادی کرنے۔"

"ہاں ہاں جاؤ۔ اب تم چاہے شہناز سے شادی کرو یا سلطانہ بیگم سے۔ مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔"

اور وہ چلی گئی۔ میں نے یہ ساری بکواس یوں ہی نہیں کی تھی۔ میں جانتا تھا کہ میں اس سے کبھی شادی نہیں کرسکوں گا۔ ایک تو وہ بی اے پاس ہوجاتی پھر اس کے باپ نے مجھے پہلی نظر میں ناپسند کردیا تھا۔ اور تیسری اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ میں ایک مفلس انسان تھا، میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔

اور وہ شہناز لچکیلا سہی، اس میں زنانہ پن سہی لیکن پیسے والا تھا۔ اس کے پاس اپنا مکان تھا، اپنی گاڑی تھی۔ وہ جویریہ کو خوشیاں دے سکتا تھا جبکہ اس کو آرام سے رکھنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ اسی لیے میں نے الٹی سیدھی باتیں کی تھیں تاکہ وہ ناراض ہوکر چلی جائے۔

اور وہ چلی گئی تھی۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ مجھے اس کے جانے کا دکھ نہیں ہوا تھا؟ بہت دکھ ہوا تھا لیکن میں زندگی کا ساتھ نبھاتا چلا گیا۔ ہر فکر کو دھوئیں میں اڑاتا چلا گیا۔ میں نے اس دکھ کو دھوئیں میں اڑادیا۔ چرس کے دھوئیں میں۔ ملنگ بابا زندہ باد۔ لگے دم تو مٹے غم۔

اور اب میں دنیا کی ہر فکر سے آزاد ہوچکا ہوں۔ مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ کہانی بیان کرتے ہوئے کئی بار میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ جویریہ کو یاد کرکے اور اپنے اچھے دنوں کو یاد کرکے۔ جب میں صاف ستھرا اور نفیس انسان ہوا کرتا تھا اور اب...... اب تو میرے بدن پر غلاظتیں چڑھی ہوتی ہیں اور میں نیم بے ہوشی کے عالم میں بولتا رہتا ہوں۔ لگے دم تو مٹے غم۔ لگے دم تو مٹے غم۔

اگرچہ جانتا ہوں کہ غم کو مٹانے کے لیے غلط راستے کا انتخاب کیا مگر...... جویریہ کو کھو کر بھی تو زندہ رہنا مشکل تھا میرے لیے کیونکہ...... میں نے اس سے سچی محبت کی تھی لیکن بدقسمتی سے ایک مفلس اور بے روزگار تھا...... بہت کوشش کی مفلسی تو بے روزگاری سے جیسے چمٹی ہوئی تھی اور میرے ملک میں...... یہ تو چھوٹا سا واقعہ ہے اسی بے روزگاری کے ہاتھوں میرے ملک میں تو جانے کتنے بڑے بڑے سانحات گزرتے جارہے ہیں مگر حکمرانوں کو کوئی ہوش نہیں ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

محی الدین نواب

پینتیسویں قسط

اگر کوئی کائنات کے رمز کو سمجھنے کی سعی [illegible] کرے تو سب سے پہلے [illegible] کوشش کرنی چاہیے۔ خاموش صحرا کی ویرانی ہو یا پُرجوش لہروں کی روانی... سمندر کی گہرائی ہو یا آسمان کی بلندی... چاند ستاروں کا حسن ہو یا قوسِ قزح کے رنگ... تہ در تہ زمین کی پرتیں ہوں یا بلند آسمان کے سات پردے... ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے ہوں یا بادوباراں کی طوفانی گرج۔ کبھی ہلکی ہلکی بوندوں کی پھوار کا ترنم اور کبھی بجلی کی چمک، کہیں پھولوں کی مہک، کہیں کانٹوں کی کسک... اللہ تعالیٰ نے یہ سب چیزیں اس کائنات میں جگہ جگہ بکھیر دیں اور... ہر شے کو ایک مقام بھی عطا کیا، مگر... جب انسان کو بنایا تو اس پوری کائنات کو جیسے اس کے اندر کہیں چپکے سے بسا دیا اور یہ بھی عجب کھیل ہے کہیں نام یکساں ہیں مگر تقدیریں الگ اور کہیں چہرے حیران کن حد تک ایک جیسے ہیں مگر ان کی تقدیر کا لکھا کہیں ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتا۔ اس داستان کی ماروی وہ نہیں جو سندھ کی دھرتی پر عزت و احترام کی ایک علامت کے طور پر جانی جاتی ہے، اسے یہ بھی پتا نہیں کہ اس کا نام ماروی کس نے اور کیوں رکھا... شاید اس کے بڑوں نے سوچا ہو کہ نام کی یکسانیت سے مقدر کی دیوی اس پر بھی مہربان ہو جائے... جدید ماروی بہت عقیدت کے ساتھ اپنی ہم نام پر رشک کرتی ہے... یہ جانتے ہوئے کہ وہ کبھی اس مقام کے قریب بھی نہیں پھٹک سکے گی... ورق ورق، سطر سطر دلچسپی، تحیّر اور لطیف جذبوں میں سموئی ہوئی ایک کہانی جس کے ہر موڑ پر کہیں حسن و عشق کا ملن ہے تو کہیں رقابت کی جلن... آج کے زمانے کے اسی چلن میں رنگین و سنگین لمحات کی لمحہ لمحہ روداد کو سمیٹتے، نئے رنگ و آہنگ کا تحیّر خیز سنگم۔

Downloaded From Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

Downloaded From paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

یہ داستان ہے دورِ جدید کی ماروی اور اس کے عاشق مراد علی منگی کی۔ مراد ایک گدھا گاڑی والا ہے جو اپنے والد اور ماروی، چاچا جمرو اور چاچی بختی کے ساتھ اندرونِ سندھ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے، گاؤں کا وڈیرا حشمت جلالی ایک بدنیت انسان تھا جس نے ماروی کا رشتہ دس ہزار نقد کے عوض مانگا تھا، چونکہ ماروی مراد کی منگ تھی اور دونوں بچپن ہی سے ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے لہٰذا وہ اس پر راضی نہیں تھی نتیجتاً انہیں گوٹھ چھوڑنا پڑا۔ مراد جو کہ ثانوی تعلیم یافتہ تھا، وڈیرا حشمت کی منشی گیری کرتا تھا۔ وڈیرا حشمت جلالی اور اس کے بیٹے روایتی ذہنیت کے مالک تھے اور انہوں نے جائداد بچانے کی خاطر اپنی بیٹی زلیخا کی شادی قرآن سے کردی۔ ماں نے مخالفت کی مگر اس کی ایک نہ چلی۔ زلیخا نے بغاوت کا راستہ اپنایا اور مراد کو مجبور کیا کہ وہ اس کی تنہائیوں کا ساتھی بن جائے۔ مراد تیار نہ ہوا اور ایک رات گزارنے کے بعد اپنے باپ کے ساتھ گاؤں سے غائب ہوگیا۔ گاؤں سے فرار ہوکر یہ دونوں کراچی کے ایک مضافاتی علاقے میمن گوٹھ آگئے جہاں ماروی اپنے چاچا، چاچی کے ساتھ پہلے ہی آچکی تھی۔ یہیں مراد کی ملاقات اتفاقاً محبوب علی چانڈیو سے ہوگئی جو کہ ممبر اسمبلی اور بزنس ٹائیکون، لیکن ہو بہو مراد کا ہم شکل تھا۔ محبوب چانڈیو اپنے ہم شکل کو دیکھ کر حیران ہوا پھر اسے یاد آیا کہ حشمت جلالی جو کہ خود بھی ممبر اسمبلی تھا اس کا ذکر اپنی بیٹی کے قاتل کی حیثیت سے کرچکا تھا۔ اس کے استفسار پر مراد نے اپنی بے گناہی کا اعلان کیا۔ ہوا کچھ یوں تھا کہ مراد کے فرار کے بعد زلیخا نے اپنی ماں کے تعاون سے گاؤں کے ایک اور نوجوان جمال سے شادی کرلی اور خاموشی سے فرار ہوگئی۔ وڈیرے اور اس کے بیٹوں کو پتا چلا تو انہوں نے تلاش شروع کرائی۔ ناکامی پر انہوں نے بے عزتی سے بچنے کے لیے ایک نوکرانی جو کہ زلیخا کے ہی قد کاٹھ کی تھی، برباد کر کے قتل کردیا اور اس کا چہرہ تیزاب سے مسخ کر کے اسے اپنی بیٹی ظاہر کر کے الزام مراد پر لگا دیا۔ یہاں شہر میں محبوب جب مراد سے ملا تو اس نے مراد کو اپنے پاس رکھ کر بہترین تربیت دینے کا فیصلہ کیا، ارادہ اسے اپنی جگہ رکھ کر خود گوشہ نشین ہونا تھا۔ محبوب کے سرپرست اس کے والد کے زمانے کے معروف جج تھے جو اس کے کاروباری معاملات کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ انہی کے مشورے پر ایک ماڈل ممیرا کو سیکریٹری کے طور پر رکھا گیا۔ مراد سے ملاقات کے دوران ماروی کی جھلک دیکھ کر محبوب اس پر دل و جان سے مرمٹا لیکن یہ ایک پاکیزہ جذبہ تھا۔ اس نے اپنی مصنوعات کے لیے بہ طور ماڈل ماروی کو چنا اور مراد کے ذریعے اسے راضی کیا۔ مراد بھی زلیخا کے قاتل کی حیثیت سے گرفتار ہوگیا۔ زلیخا مراد کے بچے کو جنم دے کر دوسرے بچے کی پیدائش کے دوران چل بسی۔ مراد قتل کے مقدمے میں ملوث تھا اور محبوب چانڈیو ماروی کی خاطر اس کے مقدمے کی پیروی کر رہا تھا۔ اسی باعث اس کی وڈیرا حشمت سے دشمنی ہوگئی۔ یوں ماروی کے دشمنوں میں اضافہ ہوگیا۔ اسے اغوا کرنے کی کوشش کی گئی جب وہ اپنی سہیلی کی شادی میں شرکت کے لیے گوٹھ گئی، تاہم محبوب چانڈیو اسے بچا لایا۔ دوسری جانب جاسوس سیکرٹ ایجنٹ برنارڈ کو رہا کرانے کے لیے اسکاٹ لینڈ سے تین ایجنٹ مرینہ، بہرام اور دارا اکبر آئے۔ مرینہ مراد کو ایک نظر دیکھ کر دل ہار گئی۔ مراد کو مرینہ جیلر باپ کی مدد سے جیل سے باہر نکال لائی اور محبوب اس کی جگہ بند ہوگیا۔ باہر نکل کر مراد مرینہ کی نیت بھانپ کر اسے جھانسا دیتے ہوئے اس کے شکنجے سے فرار ہوگیا۔ ماروی چاچی اور چاچا مرینہ کے ہاتھ لگ گئے۔ مراد نے ماروی کو اس کے چنگل سے آزاد کرالیا۔ لیکن بدقسمتی سے ماروی کے سر میں چوٹ لگی جس کے باعث اس کی یادداشت چلی گئی۔ مراد شہر پہنچ کر جیل میں محبوب سے ملاقات کر کے اسے رازداری کے ساتھ جیل سے واپس جانے پر آمادہ کر کے خود سلاخوں کے پیچھے بند ہوگیا۔ مرینہ اور مراد میں فساد بڑھتا جا رہا تھا۔ خطرناک مجرم برنارڈ مراد کے ہاتھوں مارا گیا۔ مرینہ مراد کو ہندوستان لے آئی تھی۔ مراد مرینہ کی قید سے نکل گیا اور ماسٹر کو بوبو کے ساتھ مل گیا۔ ادھر ماروی کے دوبارہ سر میں چوٹ لگنے سے اس کی یادداشت واپس آگئی۔ مرینہ دوبارہ TMET فیسر بن گئی تھی۔ مراد نے سرجری کے ماہر ڈاکٹر منی سن سے اپنے چہرے کی پلاسٹک سرجری کروالی۔ ڈاکٹر نے اسے اپنے بچھڑے ہوئے بیٹے ایمان علی کی شکل دے دی۔ ادھر مرینہ انڈیا پہنچ گئی تھی۔ مراد نے اسے قابو کر کے اس کی سرجری کروادی اور ایک انجکشن لگوادیا جس سے اس پر پاگل پن کے دورے پڑنے لگے۔ تاہم اس نے ڈائریکٹر جنرل کو اپنے مرینہ ہونے کا ثبوت دے دیا تھا۔ مراد پاکستان گیا اور ماروی کو لے کر لندن آگیا مگر مرینہ سے مراد کے تعلقات کے بارے میں جان کر ماروی اس سے دور ہوگئی اور پاکستان آگئی۔ ادھر مراد دوبارہ اپنا چہرہ تبدیل کر کے انڈیا پہنچ گیا۔ مرینہ اور مراد میں بحران بن ہوگئی۔ ان دونوں میں مقابلہ ہوا۔ مراد اور مرینہ شدید زخمی ہوئے تاہم مرینہ اور مراد میں پھر صلح ہوگئی۔ مراد مرینہ سے نکاح پڑھانا چاہتا تھا مگر کوئی نہ کوئی رکاوٹ آرہی تھی۔ ادھر ماروی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر لندن پہنچ گئی اور محبوب اور ماروی نے اپنے چہرے سرجری کے ذریعے تبدیل کرالیے۔ مراد نے ماروی کو طلاق نامہ بھجوادیا۔ ادھر ماسٹر مراد کو ڈھونڈنے انڈیا پہنچ گیا۔ تمام تنظیموں کے سربراہ ماسٹر کی موجودگی پر الرٹ ہوگئے اور وہاں خون کی ہولی کھیلی جانے لگی۔ درگا نے مراد کو وہاں سے بحفاظت نکال لیا تاہم بشریٰ اور مرینہ کی لڑائی میں مرینہ سخت گھائل ہوگئی اور اس کی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ مراد لندن جانے کے لیے جس جہاز میں سوار ہوا اسے ہائی جیک کرلیا گیا۔ وہ طیارہ ریاست باب النساء میں اترتا تاہم مراد نے جان پر کھیل کے ہائی جیکرز کو زیر کرلیا۔ مراد ملکہ نگارا کا مہمان بن گیا۔ ملکہ نے مراد کی باتوں سے اندازہ لگالیا کہ وہ مراد ہی ہے۔ مراد نے بھی قبول کرلیا۔ ادھر مرینہ مراد کے غم میں چل بسی۔ مراد نے ملکہ نگارا سے نکاح پڑھوالیا اور بشریٰ اور بے کو اپنی سیکرٹ فورس میں شامل کرلیا۔ ماروی کا بھی محبوب سے نکاح ہوگیا۔ مراد اور نگارا میں اختلاف ہوگیا اور یہ اختلاف طلاق پر منتج ہوا۔ مراد برسرِ اقتدار آگیا۔ بابا اجمیری کی دعاؤں سے مراد کو روحانی طاقت حاصل ہوئی اور وہ ایک سے دو ہوگئے یعنی ایک مراد اور دوسرا اس کا ہم زاد۔ دونوں جب چاہتے نادیدہ ہوجاتے۔ مراد نے نادیدہ رہ کر دشمنوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ مراد کو ایک لڑکی ماہ نور منگی پسند آگئی۔ مراد نے اسے اپنی شریکِ حیات بنالیا۔ مراد اور ہم زاد کی نادیدہ صلاحیت ختم ہوگئی اب وہ دونوں اس صورتِ حال پر پریشان تھے۔ ادھر ہم زاد کو اس سے زیادہ اپنی محبوبہ جینی کے پاس نہ جانے کی پریشانی تھی، وہ اس کے بیٹے کی ماں بننے والی تھی۔ جینی کو ریاست ارضِ اسلام پہنچانے کے لیے جہاز میں سوار کیا گیا مگر حادثاتی طور پر جینی نے بچے کو جنم دیا اور خود جان کی بازی ہار گئی۔ وہ بچہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

عجوبہ تھا۔ پیدا ہوتے ہی اس نے سب کو حیران کرنا شروع کر دیا۔ عینی کی لاش کو جہاز کے ذریعے واپس یہودیوں کے پاس بھیج دیا گیا تھا۔ یہودی اس عجوبہ بچے (عابد علی منگی) کو حاصل کرنا چاہتے تھے اور پیچھے لگے ہوئے تھے کہ وہاں سکندر جب پیچھے۔ وقت گزرتا گیا اور عابی دس برس کا ہو گیا۔ دس برس کا ہونے کے باوجود وہ نوجوان لگ رہا تھا۔ غیر معمولی طاقت کا حامل عابی کئی زبانوں پر عبور رکھتا تھا۔ اس کا حافظہ بہت تیز تھا۔ عابی کو یہودیوں نے اغوا کرانے کے لیے اپنے آدمی بھیجے مگر عابی نے ان کو ٹھکانے لگا دیا۔ دو اغوا کاروں کو عابی نے زندہ رکھا اور خواہش کی کہ وہ دنیا دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ ان کے ساتھ خود چلا گیا۔ عابی رومانیہ آ گیا۔ رومانیہ میں اسے پتا چلا کہ یہودی انسانی اعضا کی خرید و فروخت میں ملوث ہیں۔ مراد نے وہاں موجود اس عمارت کو نیست و نابود کر ڈالا۔ ادھر ہم زاد کے ہاں ایک اور بچے کی ولادت متوقع تھی جو عابی کی طرح عجوبہ تھا۔ دراصل وہ بچہ نہیں بچی تھی۔ مراد نے مشورہ دیا کہ بچی کا نام ماروی رکھا جائے تو زیب النساء محظوظ رہے گی۔ یہ ان کے دل کی بات تھی۔ ادھر اچانک خبر ملی کہ ماروی انتقال کر گئی ہے۔ اچانک زیب النساء کی کوکھ میں تین ماہ کی بچی متحرک ہو گئی تھی۔ مراد نے ماسٹر کو بو کی مدد سے اپنا چہرہ تبدیل کر لیا اور حماد کے نام سے اپنے کاغذات تیار کرا لیے۔ حماد کے پیچھے شائلہ شانی کی بیٹی تھی تاہم مراد نے اسے باور کرا دیا کہ وہ حماد کا ہم شکل ہے۔ ادھر ائرپورٹ پر شائلہ پر حملہ ہوا عابی نے اسے زخمی حالت میں اسپتال پہنچایا۔ عابی کو ایک پولیس افسر اپنے ساتھ لے گیا۔ تاہم پولیس افسر کو عابی سمیت اغوا کیا گیا۔ پولیس افسر مارا گیا۔ مرتے وقت اس نے اپنی بیٹی کی ذمے داری عابی کے سپرد کر دی۔ عابی نے ماریہ سے نکاح پڑھا لیا۔ عابی اپنے دوست پولیس آفیسر کی موت کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ ماریہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ ادھر عابی کا ایک اور دشمن میدان میں اتر چکا تھا جو لوگوں کے دماغ میں گھس کر ان کے خیالات پڑھ لیتا تھا اور انہیں قابو میں کر کے کچھ بھی کروا سکتا تھا۔ کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ وہ کون ہے۔ دشمن خوش تھے کہ سیر پر سوا سیر آ گیا ہے۔ مگر وہ انجان دشمن عابی کے دماغ پر تسلط قائم نہیں کر پا رہا تھا اور پے در پے ناکامی کا منہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے ارضِ اسلام میں بشریٰ کے دماغ پر قابو پایا تاہم وہ اسے ایک ذرا نقصان پہنچا پایا۔ بشریٰ اس کے چنگل سے نکل گئی۔ ادھر شادی کی پہلی رات ماریہ چل بسی۔ سب سمجھنے لگے کہ اسے ان تون نے ہلاک کیا ہے۔ ماریہ عابی کی غیر معمولی طاقت کے زیرِ اثر اپنی جان سے گئی تھی۔ جو بھی ہوا تھا، مشیتِ ایزدی سے ہوا تھا۔ ان تون نے یہ جھوٹا بیان دیا کہ ماریہ کو اس نے ہلاک کیا ہے۔ عابی اور ان تون منظرِ عام سے غائب ہو گئے تھے۔ زیب النساء کے ہاں بچی کی ولادت ہوئی جو حیرت انگیز صلاحیتوں کی حامل تھی۔ تاریک دنیا کی ایک لڑکی نیلماں دینِ اسلام کی طرف مائل ہو کر عابی کی مددگار بن گئی۔ وہ جب چاہتی تھی ٹرانسپیرنٹ ہو کے غائب ہو جاتی تھی۔ نیلماں نے عابی کی مدد کر کے ان تون کو پکڑوا دیا تاہم نیلماں کا باپ بارودا اسے عابی کے شکنجے سے نکال کر لے گیا۔ شیطان کو ماننے والی اور اس کی پرستش کرنے والی لارا نامی عورت مراد کے پیچھے پڑ گئی اور اسے اپنے جال میں پھنسا لیا۔ لارا شیطان کی مناجات کر رہی تھی اور چاہتی تھی کہ مراد سے اپنا لے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے

شیطان نے یہ کیا کہ نیلماں کو ان سے دور کر دیا۔ اگر وہ موجود ہوتی تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کے محبوب عابی کے باپ کو لارا دھوکا دے رہی ہے۔ وہ مراد کو اس کی حقیقت بتاتی پھر تمام طاغوتی منصوبے خاک میں مل جاتے اور شیطان کو یہ منظور نہیں تھا۔

شیطان یوں بھی اس سے ناراض تھا۔ وہ پوجا پاٹ چھوڑ کر عابی کے دین کی طرف مائل ہو گئی تھی۔ بہرحال طاغوتی قوت نے اسے گہری نیند سلا دیا تھا۔ وہ ایک دن اور دو راتوں تک اس طرح سوتی رہی کہ کبھی کھانے پینے کی ضرورت ہوتی تو جاگ جاتی، ورنہ پھر سو جاتی تھی۔

بارودا نے پوچھا۔ ”تمہیں کیا ہوا ہے؟ کیوں اتنا سو رہی ہو؟“

”پتا نہیں پاپا! مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔ میں اور سونا چاہتی ہوں۔ پلیز مجھے سونے دیں۔“

باپ نے اسے سونے دیا۔ یہ سوچا کہ جب وہ نیند پوری کر کے نہا دھو کر فریش ہو کر آئے گی تو اسے لارا کی پلاننگ کے متعلق بتائے گا۔ اس اثنا میں لارا نے جھوٹے منہ اسلام قبول کیا پھر زلیخا زوجہ مراد بن کر آرزوؤں کی سیج پر پہنچ گئی۔ شادی خانہ آبادی کا جشن نہیں منایا گیا۔ مراد نے نکاح پڑھوانے کے بعد ہم زاد، زیب النساء، عابی، بلے اور بشریٰ کو خوش خبری سنائی اور کہا کہ وہ دوسرے دن کی فلائٹ سے دلہن کو لے کر اپنی ریاست میں آ رہا ہے۔

کاہن نے فون کے ذریعے لارا سے کہا۔ ”ریاست ارضِ اسلام کی طرف نہ جاؤ۔ میرا علم کہتا ہے۔ مجھے آگہی ملی ہے۔ آبنوس کی طرح تم بھی وہاں جا کر نقصان اٹھاؤ گی۔“

وہ بولی۔ ”سیٹیں کنفرم ہیں۔ وہاں جانے سے انکار نہیں کر سکوں گی۔ پھر یہ کہ خود ہی ریاست میں جا کر وہاں کی ملکہ بننے کی پلاننگ کرتی رہی ہوں۔ میں نے مراد سے کہا تھا کہ ہم ہنی مون منانے سے پہلے اپنی ریاست میں جا کر جشن منائیں گے۔ اب میں انکار کیسے کروں؟ بائی داوے تمہارا پراسرار علم کہتا کیا ہے؟ وہاں کیا ہو سکتا ہے؟“

وہ بولا۔ ”پراسرار علوم سے اچھے برے حالات کے اشارے ملتے ہیں۔ وضاحت سے کوئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ آبنوس کے وہاں جانے سے پہلے جو اشارے مل رہے تھے وہی اب مل رہے ہیں۔ لارا...... اپنی کامیابی کو قائم رکھو۔ وہاں نہ جاؤ۔“

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

وہ فکر میں مبتلا ہوگئی۔ ایسا کیا ہے؟ کاہن کی پیش گوئیاں درست ہوا کرتی تھیں۔ آبنوس کے ساتھ جو ہوا اس سے دہشت طاری ہوگئی تھی۔ عقل بھی کہہ رہی تھی کہ نہ جاؤ۔ طاغوتی قوتیں وہاں جاکر پانی ہو جائیں گی۔

اس نے مراد سے کہا۔ ”میرا دل گھبرا رہا ہے۔ میں ایک لمبا فضائی سفر نہیں کرسکوں گی۔ پلیز، سیٹیں کینسل کروادو۔“

”تعجب ہے۔ اچانک دل کیوں گھبرا رہا ہے؟ کوئی تکلیف کوئی بیماری ہے تو ابھی ڈاکٹر آجائے گا۔“

”میرا دل بہت کمزور ہے۔ بعض اوقات دھڑکنیں ڈوبنے لگتی ہیں۔ مجھے ائرپورٹ نہیں، ہاسپٹل لے چلو۔“

”چار گھنٹے کے بعد فلائٹ روانہ ہوگی۔ ہم ابھی ہاسپٹل جائیں گے۔ تمہاری طبیعت سنبھل جائے گی تو وہیں سے ائرپورٹ چلے جائیں گے۔“

”پلیز نہیں۔ ہم کل یا پرسوں کسی دن جائیں گے، آج نہیں۔“

”اچھی بات ہے۔ میں سیٹیں کینسل کرواتا ہوں۔“

اس نے قریب رکھے ہوئے فون کو اٹھایا۔ اس کی ایک کال پر سیٹیں کینسل ہوجاتیں۔ فی الحال سفر ملتوی ہوجاتا لیکن اسی وقت فون سے رنگ ٹون ابھرنے لگی۔ مراد نے کال اٹینڈ کی۔ دوسری طرف سے ہمزاد نے کہا۔ ”ہم پریشان ہیں۔ ماروی اچانک بیمار ہوگئی ہے۔ تم آرہے ہونا؟“

بیٹی بیمار ہوگئی تھی۔ وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ”میں ابھی سیٹیں کینسل کروانے والا ہوں۔ یہاں زلیخا (لارا) بیمار ہوگئی ہے۔“

”مراد تمہیں یہاں آنا چاہیے۔ ہماری ننھی سی بچی نے تکلیف سے کراہتے ہوئے تمہیں یاد کیا ہے۔“

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ”وہ تو ابھی بولنے کے قابل بھی نہیں ہے، مجھے کیسے یاد کیا ہے؟“

”ہم سب حیران ہیں، اچانک ہی یہ بخار میں مبتلا ہوئی ہے۔ میں نے، زیب النساء نے اور عابی نے صاف طور سے سنا ہے۔ اس کے منہ سے ٹھہر ٹھہر کر بابا جانی کے الفاظ نکلے تھے۔“

مراد نے تڑپ کر کہا۔ ”میری بیٹی مجھے بلارہی ہے۔ میں آرہا ہوں۔ سیٹیں کینسل نہیں ہوں گی انتظار کرو۔ میری بیٹی کا خیال رکھو۔“

اس نے فون بند کردیا۔ لارا نے پریشان ہوکر اسے دیکھا پھر کہا۔ ”جانا ضروری ہے میں بڑی کوشش کرتی ہوں گی لیکن سچ کہتی ہوں، سفر نہیں کرسکوں گی۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم چلے جاؤ پھر بیٹی کی طبیعت سنبھل جائے تو میرے پاس آجاؤ۔“

وہ لارا کو کھینچ کر بازوؤں میں بھرتے ہوئے بولا۔ ”ایک ہی رات گزاری ہے۔ دوسری راتیں مجھ سے چھین رہی ہو۔“

”مجھے خود ایسا لگ رہا ہے کہ اپنے آپ پر ظلم کر رہی ہوں مگر کیا کروں سفر کرنے کے قابل نہیں ہوں۔“

”چلو کوئی بات نہیں ہے۔ ماروی کی طبیعت آج سنبھل جائے گی تو کل ہی آجاؤں گا۔ تمہارے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔“

وہ خوش ہوگئی۔ کسی گڑھے میں جاکر گرنے سے بچ رہی تھی۔ یہ سن کر بھی خوش ہوئی کہ مراد اس کا دیوانہ ہوگیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ اس کے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ حالات بدلنے والے تھے۔ اس کے مطابق ریاست کے محل میں مراد کو ضرور پہنچنا تھا اور لارا اس سے سیٹیں کینسل کروارہی تھی۔ یہ کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا کہ ننھی ماروی نے اچانک بیمار ہوکر مراد کو محل میں آنے پر مجبور کردیا تھا۔

وہ ننھی سی جان کیسی عجوبہ ہے؟ یہ ابھی کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ شاید اسے معلوم ہوگیا تھا کہ نیلماں طویل نیند سے بیدار ہوگئی ہے۔ اور اسے لارا کی شیطانی پلاننگ کے متعلق بھی ممکن ہے کچھ معلوم ہوگیا تھا اور واقعی نیلماں اپنی تاریک دنیا میں تھی۔ باپ کے سامنے بیٹھی ہوئی اس کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”لارا نے زبردست کامیابی حاصل کی ہے۔ آبنوس عابی کو مات دینا چاہتا تھا۔ وہ عابی کے باپ کو زیر کرنے کے لیے اس کی شریک حیات بن گئی ہے۔ اس طرح وہ عابی کی ماں بن کر اس کے قریب رہ کر ہمیں اس کی کمزوریوں سے آگاہ کرتی رہے گی۔ ابھی ہم اس کے دماغ میں نہیں جاسکتے۔ آئندہ جلد ہی راستہ بنالیں گے۔“

وہ باپ کی باتیں سن کر پریشان ہوگئی۔ اس نے پوچھا۔ ”لارا ابھی کس شہر میں مراد کے ساتھ ہے؟“

”وہ ابھی پیرس میں ہے۔ مراد کے ساتھ ریاست ارض اسلام میں جانے والی ہے لیکن ہمارے کاہن نے اسے وہاں جانے سے منع کیا ہے۔ وہ ریاست ہمارے لیے کانٹوں کا گھر ہے۔ آبنوس ایک بار وہاں جاکر پھنس گیا تھا۔ میں اسے نکال کرلے آیا تھا۔ کاہن کو اچانک معلوم ہوا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہے کہ لارا ابھی وہاں جائے گی تو کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گی۔

نیلماں نے کہا۔ ”وہ تو ریاست کی ملکہ بن گئی ہے۔ کیا وہاں جانے سے باز آجائے گی؟“

”جہاں خطرہ ہو، ادھر وہ بھی نہیں جاتی۔ میں جا کر دیکھتا ہوں وہ کیا کرنے والی ہے، تم بھی چلو۔“

”مجھے اس کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ویسے میں بھی تاریکی سے نکل رہی ہوں۔ روشنی میں اچھا خاصا وقت گزار کر آؤں گی۔“

وہ باپ بیٹی جہاں بیٹھے ہوئے تھے، وہاں سے گم ہو گئے۔ ایک لارا کی طرف گیا، دوسری عابی کے پاس آگئی۔ وہ محل کے بیڈروم میں ماروی کے پاس تھا۔ زیب النساء اور ہمزاد بھی اس کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر پہلے ہی مراد نے فون پر کہا تھا کہ وہ پیرس سے روانہ ہو چکا ہے۔ تین گھنٹے کے اندر ریاست میں آجائے گا۔ تب تک اس کا فون بند رہے گا۔

وہ وہاں آکر ٹرانسپیرنٹ ہو گئی تھی۔ کانچ کے مجسمے کی طرح کہیں کہیں سے جھلک رہی تھی۔ ایک جگہ چھپی ہوئی عابی کو دیکھ رہی تھی۔ کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا تھا لیکن ماروی کو آگہی مل گئی۔

وہ اپنی بہن کی پیشانی کو چھو کر کہہ رہا تھا۔ ”بابا! حرارت نہیں ہے۔ بخار اتر گیا ہے۔“

ماروی نے دونوں ہاتھ اس کی طرف اٹھائے۔ وہ مسکرا کر بولا۔ ”یہ دیکھیں، یہ میرے پاس آنا چاہتی ہے۔“

اس نے دونوں بازوؤں میں اسے اٹھالیا پھر بیڈ سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے دل میں بات آرہی تھی کہ بہن کو کمرے سے باہر لے جائے۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکا کہ کیوں وہاں سے جانا چاہتا ہے؟ وہ بے اختیار اسے سینے سے لگائے دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ کوریڈور میں کوئی نہیں تھا اس لیے نیلماں حاضر ہو گئی۔

وہ مسکرا کر بولا۔ ”یا خدا...... اب سمجھ میں آیا کہ میری بہنا کیوں میری گود میں آئی ہے؟ یہ مجھے یہاں لائی ہے۔“

نیلماں نے کہا۔ ”میں سوچ رہی تھی کہ کس طرح تمہیں مخاطب کروں۔ تم سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔ اپنے بیڈروم میں چلو۔“

وہ بیڈروم میں آگئے۔ اس نے کہا۔ ”تمہارے بابا جانی نے جس سے شادی کی ہے، وہ ہماری تاریک دنیا کی بہت ہی چالباز عورت ہے۔“

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ”کون ہے وہ؟“

”وہ شیطان کی پوجا کرتی ہے۔“

”بابا جانی کہہ رہے تھے کہ وہ عیسائی تھی۔ اس نے ہمارا دین قبول کیا ہے۔“

”وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ دھوکا دے رہی ہے۔ اس کی حقیقت مجھ سے سنو۔“

وہ سنانے لگی۔ لارا کی اور طاغوت کے پرستاروں کی ہسٹری بیان کرنے لگی۔ عابی نے سن کر کہا۔ ”اگر تم نہ ہوتیں تو ہم سب پتا نہیں کب تک اس سے دھوکا کھاتے رہتے اور طاغوتی قوتوں کے زیرِ اثر آتے رہتے۔ بابا جانی کو ابھی اور اسی وقت آگاہ کرنا چاہیے۔“

”وہ کب تک یہاں آئیں گے؟“

”ایک گھنٹے میں پہنچنے والے ہیں۔ فون پر تفصیلی گفتگو نہیں ہو سکے گی۔ مجھے انتظار کرنا چاہیے۔ میں ابھی بابا کو اور ماما کو اس کی حقیقت بتاؤں گا۔ نیلماں! تمہیں اب میرے بزرگوں کے سامنے آنا چاہیے۔ یہ سب ہی جانتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔“

”میں خود ان کے سامنے آنا اور ان سے ملنا چاہتی ہوں لیکن یہ اندیشہ ہے کہ آبنوس ’لارا‘ یا کاہن کے جاسوس یہاں چھپ کر آتے ہوں گے۔ دور سے تم سب کی مصروفیات کو دیکھتے ہوں گے۔ ایسے وقت میں بھی ان کی نظروں میں آجاؤں گی پھر سارا بھید کھل جائے گا کہ میں نے ہی آبنوس کو تمہارے سامنے بے نقاب کیا ہے اور اب لارا کی اصلیت بتائی ہے۔“

وہ درست کہہ رہی تھی۔ ابھی باروو اور کاہن وغیرہ کو معلوم نہیں ہونا چاہیے تھا کہ وہ ایک مسلمان کو دل دے چکی ہے اور اس کی مخبر بن گئی ہے۔

اس نے کہا۔ ”میں جا رہی ہوں۔ ابھی تم بابا جانی کو ریسیو کرنے ائرپورٹ جاؤ گے۔ میں ایک گھنٹے بعد آؤں گی۔ چھپ کر تم لوگوں کی باتیں سنتی رہوں گی۔ تمہیں کچھ کہنا ہو گا تو اپنے بیڈروم میں آؤ گے۔ میں وہاں انتظار کرتی رہوں گی۔“

ریاست کا حکمران آرہا تھا۔ ائرپورٹ سے محل تک مسلح آرمی، پولیس اور حکومت کے اعلیٰ عہدیدار اس کے استقبال کے لیے الرٹ تھے۔

عابی نے ہمزاد کے ساتھ ائرپورٹ کی طرف جاتے ہوئے اسے لارا کے متعلق بتایا۔ یہ بہت ہی پریشان کرنی والی معلومات تھیں۔ جب مراد وہاں پہنچا اور ان کے ساتھ

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کار میں بیٹھ کر محل کی طرف جانے لگا تو وہ بھی لارا کی مکاری سے آگاہ ہو کر حیران ہوا اور یہ سوچ کر تکلیف بھی ہوئی کہ ایک عورت نے اسے بڑی آسانی سے دھوکا دیا ہے۔

وہ تھوڑی دیر تک آنکھیں بند کیے اپنے رب کو یاد کرنے لگا پھر بولا۔ ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ ہم نقصان اٹھانے سے پہلے شیطانی چالوں سے واقف ہو گئے ہیں۔ لارا واقعی چال باز ہے۔ مجھے ایک ذرا شبہ نہیں ہوا۔ اس نے چار آیتیں یاد کی ہیں۔ میری موجودگی میں نمازیں پڑھتی ہے۔''

عالی نے کہا۔ ''وہ دکھاوے کی نمازیں پڑھتی ہے اور سجدہ شیطان کو کرتی ہے۔ اب آپ کیا کرنا چاہیں گے؟''

وہ کچھ دیر تک سوچنے کے بعد بولا۔ ''اس کی گردن دبوچنے اور سانسیں چھین لینے میں ایک ذرا وقت نہیں لگے گا۔ وہ مرجائے گی تو شیطان کے چیلے دوسرے، بہروپ میں دوسرے راستوں سے آئیں گے۔ میرا خیال ہے لارا کو ابھی زندہ رہنے دیا جائے۔ وہ ہمیں دھوکا دے رہی ہے۔ ہم بھی اسے فریب میں' خوش فہمی میں مبتلا رکھیں گے۔ اللہ کا شکر ہے اس معبود نے نیلماں کو معلومات کا وسیلہ بنایا ہے۔ وہ اپنی تاریک دنیا میں رہ کر جو منصوبے بنائے گی اور اپنی پُراسرار صلاحیتوں سے جو کرنا چاہے گی، نیلماں ہمیں بتا دیا کرے گی۔''

''بابا جانی! بہت سی باتیں نیلماں سے بھی چھپی رہ سکتی ہیں۔ آپ اچانک دھوکے میں نقصان اٹھا سکتے ہیں۔''

''اللہ بڑا کارساز ہے۔ میرا معبود مجھے مشکلات سے نکالتا آیا ہے۔ ہم کچھ عرصے تک انجان بن کر اس کے ساتھ ڈراما کرتے رہیں گے۔ نقصان ہوگا تو پھر اسے زندہ نہیں رہنے دیں گے۔''

''بابا جانی! نیلماں کہہ رہی تھی کہ وہ پُراسرار غیر معمولی علوم کی حامل ہے۔ ٹیلی پیتھی بھی جانتی ہے۔ پلک جھپکتے ہی اپنی صورت اور شخصیت کو بدل دیتی ہے۔ تاریک دنیا کے تمام باشندوں کی طرح ایک پل میں ایک جگہ سے گم ہو کر دوسری جگہ چلی جاتی ہے۔ آپ نے دیکھا تھا۔ میں نے آبنوس کی گردن دبوچ لی تھی۔ وہ اسی لیے وہاں سے غائب ہو کر فرار نہ ہو سکا پھر جیسے ہی گردن میری گرفت سے نکلی، وہ جان بچا کر نکل گیا۔ آپ کو لارا سے محتاط رہنا ہوگا۔ کبھی اسے سزا دیے بغیر اپنی گرفت ڈھیلی کریں گے تو وہ نکل بھاگے گی اور پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گی۔''

''درست کہتے ہو۔ مجھے یہ سمجھنا ہوگا کہ وہ پُراسرار علوم کو کس طرح کام میں لاتی ہے۔ ویسے وہ بہت مکار ہے۔ اس نے بڑا زبردست گیم کھیلا ہے۔ بڑی آسانی سے ہماری فیملی میں گھس آئی ہے لیکن بڑی بے آبرو ہو کر یہاں سے جائے گی۔''

مراد نے محل میں آکر پہلی بار ماروی کو دیکھا پھر اسے اٹھا کر چومتے ہوئے پوچھا۔ ''چاچی! کیا آپ کی ماروی بچپن میں ایسی ہی تھی؟ آپ نے تو اسے دودھ پلایا تھا، گود میں کھلایا تھا۔''

وہ بولی۔ ''بیٹے! ایک مدت گزر گئی ہے۔ بچپن کی صورت یاد نہیں رہی ہے مگر ہاں، کچھ ویسی ہی لگتی ہے۔ تم نے اس کا نام ماروی رکھا ہے تو دل بے اختیار اس کی طرف کھنچا جاتا ہے۔''

مراد نے بڑی محبت سے ماروی کو دیکھا۔ وہ بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ دیکھنے کے انداز میں بڑی سنجیدگی اور اپنائیت تھی۔ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ ماروی ایک نام ہے۔ ایک علامت ایک مثال ہے، سچائی اور پارسائی کی۔ ماروی وہ ہے جسے آگ بھی نہیں جلاتی۔ کسی کا بھی نام ماروی رکھنے سے وہ اپنی ہتھیلی پر انگارے نہیں رکھ سکے گی۔ خوف سے منہ چرائے گی۔

''بابا جانی! میں اس ماروی کا روحانی سلسلہ ہوں جو حیا پرور تھی۔ جس نے محل کی دولت کو اور ہر طرح کے لالچ کو ٹھکرادیا تھا۔ میں طاغوت کے اندھیروں میں جاری رہنے والی ہوس پرستی کو اور گناہ گاروں کو ٹھوکریں مارنے آئی ہوں۔ آپ سے پہلی ملاقات میں واضح کر رہی ہوں کہ میں ایک روحانی سلسلہ ہوں۔ دنیاوی رشتے سے آپ کی بیٹی ہوں۔''

اس بچی کی آنکھیں جیسے بے زبانی سے بول رہی تھیں اور مراد واضح طور پر نہ سنتے ہوئے بھی سمجھ رہا تھا۔ روحانیت کے بھید سمجھ میں نہیں آتے اور بہت کچھ سمجھا بھی دیتے ہیں۔

ننھی ماروی نے آنکھیں بند کرلیں۔ مراد نے اسے چوم کر زیب النساء کی گود میں دے دیا۔ عالی نے کہا۔ ''میرے کمرے میں چلیں۔ وہاں باتیں کریں گے۔''

وہ وہاں سے چلتا ہوا باتیں کرتا ہوا بیٹے کے کمرے میں آیا تو دروازہ کھولتے ہی نیلماں نظر آئی۔ وہ سر جھکا کر پیشانی تک ہاتھ لا کر بولی۔ ''میرے بابا جانی! السلام علیکم۔''

مراد نے کہا۔ ''وعلیکم السلام...... تمہیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں لیکن پہچان رہا ہوں۔ میرے بیٹے کے کمرے میں صرف نیلماں ہی ہو سکتی ہے۔''

اس نے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں۔ ''سلامت رہو۔ تم راستہ بدل کر صراطِ مستقیم پر آئی ہو۔ شاد و آباد رہو۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

نیلماں نے کہا۔ ”بابا جانی! میں آپ کو کچھ سنانا چاہتی ہوں، پلیز فرش پر بیٹھ جائیں۔“

وہ تینوں قالین پر ایک دوسرے کے روبرو دو زانو ہو گئے۔ نیلماں نے سر پر رکھے ہوئے اسکارف کو درست کیا پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے بعد کلام پاک کی ایک آیت پڑھی تو مراد حیرانی سے سننے لگا۔ وہ کئی چھوٹی چھوٹی آیتیں یاد کر چکی تھی اور صحیح تلفظ کی ادائیگی کے ساتھ پڑھ رہی تھی۔

عابی نے کہا۔ ”اس نے میرے سامنے کلمہ پڑھ کے دینِ اسلام قبول کیا ہے۔ میں اسے روز کلام پاک پڑھاتا ہوں۔ یہ اپنی تاریک دنیا میں جا کر وہاں بھی چھپ کر نمازیں پڑھتی ہے۔“

مراد نے کہا۔ ”سبحان اللہ، میری دلی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، اللہ تمہیں اور ایمان دے لیکن نیلماں...... میری بیٹی! عابی میرے بیٹے! تم دونوں نامحرم ہو۔ دینی احکامات کے مطابق تمہیں نکاح پڑھوا لینا چاہیے۔“

عابی نے کہا۔ ”یہ روشنی اور تاریکی، خیر و شر کے درمیان تقسیم ہو گئی ہے۔ نیلماں کا وہاں رہنا اور ہمارے خلاف ہونے والی سازشوں کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔“

”صرف اپنے مقاصد اور نیلماں سے مخبری کروانے کے لیے اپنے دین کے ایک اہم حکم کو نظر انداز نہ کرو۔ مرد اور عورت کو نکاح کے بغیر ایک دوسرے کے روبرو نہیں آنا چاہیے۔ تم اسے کلام پاک پڑھاتے ہو۔ اس کے لیے بھی محرم ہونا لازمی ہے۔“

”بابا جانی! اگر ہم آج کل میں نکاح پڑھوائیں گے تو دشمنوں کو معلوم ہو جائے گا کہ نیلماں ہی ان کی گھر کی بھیدی تھی۔ ہمارے مقابلے میں انہیں نقصان پہنچا رہی تھی۔ ویسے یہ بھی نہیں چاہتی کہ میری منکوحہ بننے کے بعد وہاں ایک پل بھی گزارے۔“

نیلماں نے کہا۔ ”وہاں کہیں چھپ کر آیتیں یاد کرتی ہوں، کبھی نماز پڑھتی ہوں۔ میں جلد سے جلد یہاں آنا چاہتی ہوں لیکن اب لارا بھی آپ کی زندگی میں آ کر ایک مسئلہ بن گئی ہے۔“

”ہم دینی احکامات کو نظر انداز کر کے کسی بھی مسئلے کو اہمیت دیں گے تو وہ سر کا پھوڑا بن جائے گا اور ناقابلِ حل دکھائی دے گا۔ میں ابھی مسائل کو حل کرتا ہوں۔ ہم دونوں کے بعد نیلماں کو اپنے گھر لے آئیں گے اور میں لارا سے نمٹ لوں گا۔ نیلماں! تم ابھی جاؤ اور اڑتالیس گھنٹوں تک عابی سے پردہ کرو۔ پھر اس کی منکوحہ بن کر

تنقید نگار

بہت سے لوگ دوسروں کے بخیے ادھیڑنے میں دن رات دیہاڑی سے لگے ہوئے ہیں۔ آنکھوں پر محدب شیشے لگائے، خوردبین ہاتھوں میں لیے قدیم و جدید ادب میں کیڑے نکالنے میں لگے ہوئے ہیں۔

ایک کہتا ہے۔

”اس میں سماجی شعور نہیں!“

دوسرا کہتا ہے۔

”اس سے جدلی مادیت کی نفی ہوتی ہے!“

تیسرا گرہ لگاتا ہے۔

”داخلیت اور خارجیت کا پہلو نظر انداز نہیں ہونا چاہیے۔“

چوتھا پکارتا ہے۔

”اس سے شعور و لاشعور کا پتا نہیں چلتا!“

ایک اور اضافہ کرتا ہے۔

”اس میں فکر کی گہرائی بھی نہیں ہے!“

اور اس طرح سب کے سب اپنے اپنے اکھاڑے بنائے پالیاں جمائے اور دکانیں سجائے بیٹھے ہیں۔

جونہی کوئی نیا لکھنے والا میدان میں آتا ہے، یہ ہلا بول کر اس پر پل پڑتے ہیں۔

”جانے نہ پائے!“

”لیجیو بچو کو!“

”پکڑیو لپک کر!“

”دے پٹخی!“

”دیکھنا۔ ہلنے نہ پائے!“

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نیا لکھنے والا اپنی عزت کے ساتھ ساتھ جان بچا کر بھاگ نکلتا ہے اور یہ خوش ہو جاتے ہیں کہ

”میدان مار لیا!“

اقتباس: سرخ، سفید، سیاہ از شفیع عقیل

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

یہاں رہ سکوگی۔"

وہ مراد کا حکم سنتے ہی اسے سلام کرکے نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ وہاں باپ بیٹے رہ گئے۔ انہیں دو دنوں کے اندر کئی پیچیدہ معاملات سے نمٹنا تھا۔

☆☆☆

یہودی اپنی سازشوں میں مصروف تھے۔ جن دنوں عابی اور ان نون روپوش تھے، ان دنوں کریگ ہوسٹن نے چاہا تھا کہ عابی کو بے نقاب کردے۔ اس نے فون پر آبنوس سے باتیں کی تھیں۔ اسے یہ کہا تھا کہ عابی اپنے محل میں چھپا ہوا ہے۔ اگر آبنوس ریاست ارض اسلام میں قتل و غارت گری کی دھمکیاں دے گا تو عابی روپوشی ترک کرکے سامنے آنے پر مجبور ہوجائے گا۔

وہ عابی کو اپنے دجال معظم کا نمائندہ ماننے والے، اس کے سامنے سر جھکانے والے اب جانی دشمن بن گئے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ عابی اپنی ریاست میں بے نقاب ہوجائے گا اور آبنوس کے ہاتھوں مارا جائے گا لیکن بازی اچانک پلٹ گئی تھی۔ آبنوس کی گردن عابی کے ہاتھوں میں آگئی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے جان بچا کر وہاں سے بھاگا تھا۔

کریگ ہوسٹن اور دیگر اکابرین نے عابی کے لیے جو گڑھا کھودا تھا، وہ گڑھا الٹ کر بلند مینار بن گیا تھا۔ اس کی شہ زوری اور شہرت کو مزید عروج حاصل ہورہا تھا۔ یہ دوستوں اور دشمنوں نے تسلیم کرلیا تھا کہ پرنس عابد علی متقی لوہے کا چنا ہے۔ آبنوس سے چبایا نہ جائے گا۔

شیطانی عداوت رکھنے والے شکست کھاتے ہیں لیکن ہار نہیں مانتے۔ بار بار پلٹ کر نت نئی چالوں سے زندگی حرام کرتے رہتے ہیں۔ تاریک دنیا کی طاغوتی قوتیں عابی کا پیچھا چھوڑنے والی نہیں تھیں اور نہ ہی یہودی اپنی خو سے باز آنے والے تھے۔

تل ابیب کے ایک اہم خفیہ اجلاس میں کریگ ہوسٹن کو طلب کیا گیا۔ اس سے پوچھا گیا۔ "عابد علی متقی کو ایک طویل عرصے سے گھیرتے چلے آرہے ہو پھر وہ تمہارے ہاتھ سے کیسے نکل گیا ہے؟"

ہوسٹن نے کہا۔ "وہ اپنے دین کی زنجیروں سے بندھا ہوا ہے۔ ان زنجیروں کو دنیا کی کوئی طاقت توڑ نہیں سکے گی۔ وہ ٹوٹ جائے گا، مر جائے گا لیکن ہمارا مذہب، اپنی ماں جینی کا مذہب کبھی قبول نہیں کرے گا۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے پیشوائے اعظم اور ربیوں کی یہ پیش گوئی غلط ہورہی ہے کہ جو دجال معظم کا نمائندہ ہماری فلاح و بہبود کے لیے دنیا میں آنے والا تھا، وہ ایک یہودی عورت جینی کے بطن سے پیدا ہوچکا ہے۔ ہم نہیں مانتے کہ پرنس عابی وہی نمائندہ، وہی مسیحا ہے۔ وہ مسیحا نہیں ہے۔ یہودیت کا کٹر دشمن ہے۔ اگر اسے صفحۂ ہستی سے مٹایا نہیں گیا تو وہ ہمیں مٹا ڈالے گا۔"

اسے مٹانے کے لیے ہی وہ خفیہ اجلاس طلب کیا گیا تھا۔ وہاں صیہونیت کی وسیع و عریض تنظیم کی کئی شاخیں تھیں۔ ہر شاخ مختلف معاملات میں مختلف ہتھکنڈوں سے سرگرم عمل رہتی تھی۔ اس اجلاس میں صیہونیت کی کئی خطرناک خفیہ تنظیموں کے سربراہ موجود تھے۔

ان میں ایک تنظیم کا نام The wise and warrior (ذہین اور جنگجو) تھا۔ اس تنظیم کا ہر فرد انتہائی ذہین اور چالباز تھا۔ بڑی ذہانت اور مکاری سے لڑتا تھا۔ ان کے گن فائٹرز بھی بلا کے نشانہ باز تھے۔ انہیں جھپٹنے پلٹنے پھر پلٹ کر جھپٹنے میں مہارت حاصل تھی۔

دی وائز اینڈ واریئر کے سربراہ نے کہا۔ "مسٹر ہوسٹن! آپ نے پرنس سے نمٹنے کے لیے ایک عرصہ گزار دیا ہے۔ آپ کی تحریری رپورٹ ہمارے سامنے ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ مالدوا سے پیرس تک پرنس کے ساتھ ایسے کئی مواقع آئے جب اسے آسانی سے موت کے گھاٹ اتارا جاسکتا تھا لیکن اس کی موت کو اس لیے ٹال دیا گیا کہ اسے یہودیت کی طرف لانے کی کوششیں کی جارہی تھیں اور پیشوائے اعظم نے کہا تھا کہ مسلمان باپ کے بیٹے سے مایوس نہ ہونا، وہ یہودی ماں کا بیٹا ہے۔ ہمارا ہے، ہمارا ہی رہے گا۔"

کریگ ہوسٹن نے کہا۔ "بے شک ہم اب تک بھی دھوکا کھاتے آرہے ہیں۔ ہماری ناکامی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ایک بارہ برس کے بچے سے کمزور ہیں۔ ہم نے کامیابی کے بہترین مواقع خود گنوائے ہیں۔ اب ہماری کمزوری یہ ہے کہ وہ ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا ہے۔ پہلے کی طرح ہمارے سائے میں رہتا تو ہمارا ہاتھ اس کی شہ رگ تک آسانی سے پہنچ جاتا۔ اب دشواریوں کا سامنا ہے۔"

وائز اینڈ واریئر کے سربراہ نے کہا۔ "بے شک وہ ہاتھ سے نکلنے کے بعد اور خطرناک اور ناقابل تسخیر ہوگیا ہے۔ اس نے ان نون کو بے نقاب کرنے کا بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ وہ ان نون وہ آبنوس اب ہم سے بھی چھپ نہیں سکے گا۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا اگرچہ میدان چھوڑ کر بھاگا ہوا لگ رہا ہے تاہم اس کے واپس آنے کی

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

www.paksociety.com

توقع ہے۔ اس کا وہ ساتھی اور مددگار جو اسے جابی سے چھڑا کر لے گیا تھا، وہ بھی زبردست ہو گا۔ جیسا کہ معلوم ہوا ہے تاریک دنیا کے باشندے پراسرار علوم کے حامل ہوتے ہیں۔ آبنوس کے دوسرے ساتھی بھی غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل ہوں گے، ہم ان سے دوستی کریں گے اور ان کا اعتبار حاصل کریں گے پھر موقع کی مناسبت سے اپنی پلاننگ کے مطابق انہیں استعمال کریں گے۔ مسٹر ہوسٹن! تم اس سے فون پر باتیں کر چکے ہو پھر اس سے رابطہ کرو۔ اس سے ہمارا تعارف کراؤ۔ ہم اسے یقین دلائیں گے کہ وہ ہماری دنیا میں آکر ہمارے بھرپور تعاون سے ہی کامیابیاں حاصل کر سکے گا۔''

کریگ ہوسٹن نے اپنے فون کی سم تبدیل کی پھر آبنوس کے فون نمبر پنچ کیے۔ دوسری طرف سے ریکارڈنگ سنائی دی کہ فی الحال رابطہ ممکن نہیں ہے، تھوڑی دیر بعد رابطہ کریں۔

پھر تھوڑی دیر بعد ریکارڈنگ سنائی دی کہ وہ فون بزی ہے۔ ہوسٹن نے کہا۔ ''میں نے پہلے بھی رابطہ کیا تھا۔ جواب میں ایسی ہی بے تکی ریکارڈنگ سنائی دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریک دنیا میں فون کے بوسٹر نہیں ہوں گے۔ سگنل وہاں تک پہنچتے نہیں ہوں گے۔ آبنوس تاریکی سے نکل کر ہماری دنیا میں آکر فون پر بولتا ہو گا۔''

''ہم اسپیشل چینل کے ذریعے آبنوس کو اور تاریک دنیا کی اہم شخصیات کو مخاطب کریں گے۔ انہیں خیر سگالی کا پیغام دیں گے۔ وہ بھی مسلسل ناکامیوں کے بعد سمجھ گئے ہوں گے کہ انہیں تنہا ناکامی ہو رہی ہے۔ وہ یہاں آکر ہم سے اتحاد کر کے ہی عابی کے مقابلے میں بھاری پڑیں گے۔''

ایسے وقت تاریک دنیا میں آبنوس، لارا، بارودا اور کاہن سر جوڑے بیٹھے تھے۔ لارا نے مراد کو ٹریپ کر کے بہت بڑی کامیابی حاصل کی تھی لیکن وہ کامیابی اسے کھٹک رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''جب مراد مجھ سے رخصت ہو کر گیا تو دل و جان سے میرا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ میرے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ دوسرے ہی دن ریاست سے واپس آجائے گا۔ وہ ادھر گیا ہے، میں ادھر آئی ہوں۔ چھ گھنٹے گزرنے کے بعد بھی اس نے فون پر رابطہ نہیں کیا تھا۔ میں نے ہی فون پر شکایت کی تو اس نے کہا کہ وہاں پہنچتے ہی ریاست کے پیچیدہ معاملات میں الجھ گیا ہے۔ بعد میں مجھ سے باتیں کرے گا لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ اس کا لہجہ، اس کا رویہ کچھ بدلا ہوا تھا۔ میں چھپ کر وہاں جا سکتی ہوں۔ میں دیکھ سکتی ہوں

سنہری باتیں

☆ نالائق اولاد اپنے والدین کے لیے بوجھ ثابت ہوتی ہے۔

☆ صورت کے بجائے سیرت پرست بننا دانائی ہے۔

☆ محبت کے گھر میں ساگ پات، عداوت والے گھر میں پکے ہوئے گوشت سے لاکھ درجہ بہتر ہے۔

☆ جو شخص نیکی کا جواب بدی سے دے، شیطان اسی گھر میں بسیرا کرتا ہے۔

☆ احمق جب تک خاموش رہے گا، داناؤں میں گنا جاتا رہے گا۔

☆ کاہلی اور سستی انسان کو غفلت کی نیند میں غرق کر دیتی ہے۔

☆ جہاں تک ممکن ہو سکے اپنی اولاد کو دینی اور دنیاوی تعلیم کے گوہر سے آراستہ کیا جائے۔

☆ سب سے بری عورت وہ ہے جو اپنے شوہر کا حکم نہ مانے۔

☆ اپنے پڑوسی کو ستانے والا دوزخ کا ایندھن ہوتا ہے۔

انتخاب۔ ریاض بٹ، حسن ابدال

شمع فروزاں

☆ حقیقی خوب صورتی کا سرچشمہ دل ہے۔ اگر یہ سیاہ ہو تو چمکتی آنکھیں کچھ کام نہیں دیتیں۔

☆ کوئی کام شروع کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچو اور سوچنے کے بعد کوئی فیصلہ کر لو پھر اس پر پوری طرح ڈٹ جاؤ۔

☆ اگر تم کسی کی خوبیاں نہیں دیکھ سکتے تو اس کی خامیاں بھی مت گنواؤ۔

☆ اللہ کو راضی کرو، وہ تمہیں راضی کرے گا۔

مرسلہ۔ محمد انور ندیم، حویلی لکھا، اوکاڑہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایڈ فری لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety
پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1
پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

http://paksociety.com

کہ اس میں تبدیلی کیوں آئی ہے۔ لیکن کاہن کی اس بات نے خوف زدہ کر دیا ہے کہ آبنوس کی طرح اچانک پکڑی جا سکتی ہوں۔ وہاں میری اصلیت ظاہر ہو سکتی ہے۔"

بارودا نے کہا۔ "بے شک تمہیں محتاط رہنا چاہیے۔ ابھی تم یہاں ہو اور وہ تمہیں کال کرے گا تو یہاں سگنل نہیں ملیں گے۔"

"وہ پوچھے گا تو کہہ دوں گی کہ فون کو آف کر کے سو رہی تھی۔ ابھی جلد ہی چلی جاؤں گی۔"

کاہن نے کہا۔ "مجھے معلوم ہوا تھا کہ مراد کے ساتھ ریاست میں جاؤ گی تو مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گی۔ اگر مراد ریاست میں پہنچ کر کچھ بدل گیا ہے تو پھر میری پیش گوئی درست ہو رہی ہے۔ کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا۔ "میں پھر اپنے علوم کی پوتھی کھول کر پڑھتا ہوں۔ اگر ہمارے خلاف تبدیلی ہو رہی ہے تو خطرے کا سگنل مل جائے گا۔"

بارودا نے کہا۔ "لارا......! تمہیں ابھی اسی دنیا میں رہنا چاہیے۔ وہاں جاؤ اور اپنا فون آن کرو۔ مراد کو کال کرو۔ اس سے باتوں ہی باتوں میں یہ بھید معلوم کرو کہ وہ تم سے کیوں کترا رہا ہے؟"

وہ اسی وقت گئی پھر آدھے گھنٹے بعد آ کر بولی۔ "مراد سو رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس سے باتیں ہوں گی۔ ابھی اسپیشل چینل سے کوئی آبنوس کو بار بار مخاطب کر رہا ہے۔ کچھ اہم باتیں کرنا چاہتا ہے۔"

بارودا نے کہا۔ "آبنوس! چلو اس دنیا میں اور ان سے رابطہ کرو، معلوم تو ہو کہ وہ ہم سے کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

لارا کے ساتھ وہ دونوں بھی پیرس کے اس علاقے میں آ گئے جہاں ان کی ایک رہائش گاہ تھی۔ انہوں نے ٹی وی کو آن کیا۔ اسپیشل چینل سے تحریر کی صورت میں بریکنگ نیوز جاری تھی۔ کوئی آبنوس کو مخاطب کر رہا تھا اور اپنا ایک فون نمبر پیش کر رہا تھا۔

بارودا نے اپنے فون پر وہ نمبر پنچ کیے پھر اسے آبنوس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے فون کو لے کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے کریگ ہوسٹن نے پوچھا۔ "ہیلو کون؟"

آبنوس نے کہا۔ "وہی ہوں جس سے بات کرنا چاہتے ہو۔"

ہوسٹن نے کہا۔ "ہاں تم وہی ہو۔ ایک بار تم سے فون پر باتیں ہو چکی ہیں۔ میری آواز پہچان رہے ہو؟"

"پہچان رہا ہوں۔ تمہاری باتوں میں آ کر ریاست میں جا کر پھنس گیا تھا۔ میرے استاد محترم آ کر مجھے رہائی نہ دلاتے تو وہ دشمن مجھے زندہ نہ چھوڑتا۔"

"اپنی غلطی کو سمجھو، میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ خود ریاست میں جاؤ اور اپنی گردن پھنسا لو۔ تمہاری اس غلطی سے اتنا معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس ٹیلی پیتھی کی طاقت ہے لیکن ایسے خطرناک علم کو استعمال کرنے کی ذہانت نہیں ہے۔ ایک بار ہماری ذہانت، ہمارے منصوبے پر عمل کرو۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ تم عابی کو زیر کر سکو گے۔"

"میں نہیں جانتا تم کون ہو؟ تاریک دنیا سے آنے والے سے دوستی کیوں کر رہے ہو اور میرے دوست بن کر اپنی دنیا کے رہنے والے عابی سے دشمنی کیوں کر رہے ہو؟"

"سیدھی سی بات ہے۔ عابی ہمارا دشمن ہے۔ یہ تم دیکھ رہے ہو کہ وہ کس قدر طاقت ور ہے۔ اس کے مقابلے میں ہمارے پاس ٹیلی پیتھی کی طاقت ہوتی تو اب تک اسے فنا کر چکے ہوتے۔ آزمائش شرط ہے۔ ایک بار ہمارے ایک منصوبے کے مطابق ٹیلی پیتھی کو کام میں لاؤ۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تم اسے نقصان پہنچا سکو گے، اس کے بعد آنکھیں بند کر کے ہم پر بھروسا کرنے لگو گے۔"

"تمہاری پلاننگ کیا ہے؟ مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"ابھی سوچا نہیں ہے، پہلے تمہیں راضی کرنا تھا۔ تم راضی ہو جاؤ تو ہم مل بیٹھ کر پہلے دشمن کے موجودہ حالات کا جائزہ لیں گے۔ اس کی صحیح پوزیشن معلوم کریں گے پھر ٹریگر دبائیں گے تو گولی نشانے پر بیٹھے گی۔"

بارودا نے آبنوس سے کہا۔ "فون مجھے دو۔"

وہ فون پر بولا۔ "یہ لو، میرے استاد محترم سے بات کرو۔"

اس نے فون لے کر کہا۔ "ہیلو...... میرا نام بارودا ہے۔ میں ابھی تمہاری باتیں سن رہا تھا۔"

کریگ ہوسٹن نے کہا۔ "ہم آبنوس کے استاد محترم کو سلام کرتے ہیں۔ یقیناً آپ بھی ٹیلی پیتھی جانتے ہوں گے؟"

اس نے کہا۔ "ہمارے پاس تین ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں اور بھی ہو جائیں گے۔ ہمارے پاس دماغوں میں گھسنے والے ہتھیاروں کی کمی نہیں ہے۔ ویسے میں تمہاری یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ ہم ٹیلی پیتھی کے ہتھیار کو ذہانت اور صحیح پلاننگ کے مطابق استعمال نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آبنوس عابی کے مقابلے میں ناکام ہوتا آ رہا ہے۔ ہم ایک بار تم پر بھروسا کریں گے۔ تمہارے ساتھ مل بیٹھ کر ایک ٹھوس منصوبہ بنائیں گے اور ٹیلی پیتھی کے ہتھیار صحیح طور سے آزمائیں گے لیکن یہ سن لو کہ مل بیٹھنے کے لیے تمہارے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

روبرو بھی نہیں آئیں گے۔"
ہوسٹن نے کہا۔ "جس وقت عابی نے آبنوس کو گرفت میں لیا تھا، اس وقت ہم اسپیشل چینل کی اسکرین پر آبنوس کو اور شاید تمہیں دیکھ چکے ہیں۔ پھر بھی روبرو نہیں آنا چاہتے تو نہ آؤ۔ تم ہمیں بھی نہیں دیکھ سکو گے۔ ہمارا طریقہ کار یہ ہوگا کہ تم تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے، ہمارے ایک آلۂ کار کے دماغ میں آکر بولو گے۔ ہم اس آلۂ کار کے پاس بیٹھ کر تم سے بولتے رہیں گے۔ تم میں سے کوئی خیال خوانی کے ذریعے یہ معلوم نہیں کر سکے گا کہ وہ آلۂ کار کہاں ہے؟ تم اس کے ذریعے ہم تک اس لیے نہیں پہنچ سکو گے کہ وہ اندھا ہوگا۔
"وہ آلۂ کار نہ تمہیں دیکھ سکے گا، نہ ہمیں دیکھ سکے گا۔ ہم سب اندھے دوست، اندھے اتحادی ہوں گے اور ایک دوسرے پر اندھا اعتماد کرنے پر مجبور ہوں گے۔"
بارودا نے کہا۔ "ہم ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے محفوظ رہنے کی یہ بہت ہی عمدہ تدبیر ہے۔ اس تدبیر سے تمہاری ذہانت کا اندازہ ہوگیا ہے۔ ہم تمہارے ساتھ رہ کر اپنی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں کو واقعی ذہانت سے کام میں لاسکیں گے۔"
ہوسٹن نے پوچھا۔ "تو پھر بولو، ہم اس اندھے آلۂ کار کو اپنے درمیان کب لائیں؟"
"ہم دو چار گھنٹے بعد رابطہ کریں گے پھر اس اندھے کی آواز سن کر اس کے اندر جا کر تم سے گفتگو کریں گے۔"
رابطہ ختم ہوگیا۔ یہودیوں کے خفیہ اجلاس میں کریگ ہوسٹن ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے بول رہا تھا۔ عارضی طور پر ان کا اعتماد حاصل کر کے دوستی کی ابتدا کر چکا تھا۔ تمام یہودی اکابرین خوش تھے۔ کریگ ہوسٹن کو کامیابی کی مبارک باد دے رہے تھے۔
بارودا، لارا اور آبنوس بھی اندھی دوستی اور اندھے معاہدے سے اس لیے مطمئن ہوگئے تھے کہ ان کی کسی پلاننگ پر عمل کر کے نقصان اٹھانے والے نہیں تھے۔ لارا نے مراد کو ٹریپ کر کے کامیابی حاصل کی تھی۔ دوسری کامیابی یہ تھی کہ تاریک دنیا سے باہر انہیں بہت ہی ذہین اتحادی مل گئے تھے۔ وہ جلد ہی عابی کو ٹریپ کرنے اور ذلت آمیز شکست دینے والے تھے۔
☆☆☆
مراد ذہنی طور پر ایک ذرا سا الجھ گیا تھا۔ وہ لارا کو آسانی سے سزائے موت نہیں دے سکتا تھا۔ سزا دینے سے پہلے اسے بتانا ضروری تھا کہ جھوٹ اور فریب چھپتا نہیں ہے۔ اس کا فراڈ کھل گیا ہے۔ وہ اس کی اصلیت جان چکا ہے۔
پھر وہ بھید کھلتے ہی چشم زدن میں غائب ہو جاتی۔ اگر وہ اس کی گردن دبوچ کر اپنی گرفت میں رکھتا تو وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوتی لیکن خیال خوانی کے ذریعے ایک آواز دیتی تو بارودا اور آبنوس پلک جھپکتے ہی چلے آتے۔ اس کی رہائی کے لیے مراد پر قاتلانہ حملے کرتے۔ وہ اپنا بچاؤ کرتا تو گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ فرار ہو جاتی۔ بارودا اور آبنوس اس کے ہاتھ نہ آتے۔ ہر پہلو سے سوچتا تھا کہ کیا کیا جائے؟
لارا بھی ٹیلی پیتھی جانتی تھی۔ رہائی پانے کے بعد وہ بارودا اور آبنوس کے ساتھ چھپ چھپ کر مراد کے پاس آتی رہتی اور اس پر حملے کرتی رہتی...... یا تو دور سے ہی گولی مار دیتی یا اس کا جینا حرام کرتی رہتی۔ ایک بلا بن کر گلے پڑ جاتی۔
اگر وہ لارا کو ہلاک کر دیتا تو بارودا اور آبنوس انتقامی کارروائی جاری رکھتے۔ اب تو ان کا اتحاد یہودیوں سے ہو رہا تھا۔ وہ بڑی کامیابی سے مراد کو گھیرتے رہتے یا اسے روپوش رہنے پر مجبور کرتے رہتے۔
وہ طاغوتی قوت والے دیر تک غائب تو نہیں رہ سکتے تھے لیکن چند ساعتوں کے لیے نظروں سے اوجھل ہو کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتے تھے۔ وہ جگہ بدل بدل کر مراد کے حملوں سے خود کو بچاتے رہتے لیکن مراد ان سے بچ نہ پاتا۔
صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور بابا صلاح الدین اجمیری کی روحانی سرپرستی مراد کی پوری فیملی کو طاغوتی حملوں سے بچا رہی تھی۔ یہ تحفظ غنیمت تھا۔ وہ دشمن عداوت سے ان کے قریب نہیں آسکتے تھے لیکن دور سے حملے کر سکتے تھے۔
ایک عابی ایسا تھا جسے گولیاں نہیں لگتی تھیں۔ کوئی ہتھیار اسے زخمی نہیں کر سکتا تھا۔ باقی مراد، ہم زاد اور زیب النساء کو دشمنوں سے محتاط رہنا تھا اور محتاط رہنے کے لیے لازمی ہوگیا تھا کہ خوب سوچ سمجھ کر لارا کے خلاف قدم اٹھایا جائے۔
اب مقابلے پر صرف آبنوس نہیں تھا۔ اس کے ساتھ بارودا، لارا اور کاہن تھے۔ وہ سب پراسرار قوتوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ تاریکی سے باہر یہودی اکابرین کی سازشیں تھیں۔ ان کی خطرناک تنظیم وائز اینڈ واریئر کے ذہین چال باز اور جنگجو ماہرین تھے۔ لارا اکیلی نہیں تھی۔ مراد اسے ایک چٹکی میں مسل نہیں سکتا تھا۔
وہ بڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے ماسٹر کو یوبو سے فون پر کہا۔ "ماسٹر! میں بہت پریشان ہوں۔"
"تم اور پریشان؟ تعجب ہے۔ فوراً بولو کیا مسئلہ ہے؟"
"یہ جو آپ کی نئی بہو آئی ہے یہ فراڈ ہے۔ تاریک

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

دنیا کی پروردہ ہے۔ شیطان کی پرستار ہے۔ ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔ طاغوتی قوتیں رکھتی ہے۔ آبنوس اور ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا استاد بارودا اس کے ساتھی ہیں۔ یہ سب ہی شیطانی صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ میں لارا کو ہلاک کرنا یا اسے اپنی زندگی سے نکالنا چاہوں گا تو تمام طاغوتی قوتیں میرے پیچھے پڑ جائیں گی۔ میں ان سے مقابلہ نہیں کرسکوں گا۔ وہ لوگ پلک جھپکتے ہی غائب ہوجاتے ہیں۔ انہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکوں گا۔ میں پہلی بار خود کو بے بس اور قوتوں سے خالی محسوس کررہا ہوں۔"

ماسٹر نے کہا۔ "تم پر خدا مہربان ہے۔ یہ بتاؤ روحانی صلاحیتوں سے کس حد تک تحفظ حاصل کرسکو گے؟"

"بے شک...... اللہ تعالیٰ ہی ہماری حفاظت فرماتا ہے۔ طاغوتی قوتیں رکھنے والے میرے قریب نہیں آسکیں گے لیکن دور سے گولیاں چلا کر ہلاک کرسکتے ہیں اور زخمی اپاہج بھی بنا سکتے ہیں۔"

ماسٹر نے کہا۔ "میرے بیٹے! تم اپاہج بن جاؤ یہ کبھی ہو نہیں سکتا۔ فکر نہ کرو، میں لارا کو تم سے دور کردوں گا۔"

"کیسے کریں گے؟"

"میرے خاص ماتحت انجانے دشمن بن کر اس کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ ہوسکتا ہے پہلے ہی حملے میں اسے اوپر پہنچادیں یا پھر اس کا جینا حرام کردیں۔"

"ماسٹر! وہ شیطان کی پرستار ہے۔ اب وہ میری منکوحہ نہیں رہی ہے۔ میں اس کے ساتھ تنہائی میں وقت نہیں گزاروں گا۔ اسے کل تک مجھ سے دور کردو۔"

"ایزی ہوجاؤ۔ جو چاہتے ہو وہی ہوگا۔"

ماسٹر سے رابطہ ختم ہوگیا۔ اسی وقت پھر رنگ ٹون ابھرنے لگی۔ لارا کال کررہی تھی۔ اس نے بٹن کو دبا کر کان سے لگایا۔ وہ بولی۔ "ہیلو مراد! کیا مجھے بھول گئے ہو؟"

اس نے کہا۔ "تم بھلانے والی چیز نہیں ہو۔ میرے ذہن سے چپک گئی ہو۔ میں نے کہا تھا کہ ریاست کے پیچیدہ معاملات میں الجھ گیا ہوں۔ ذرا صبر کرو۔ کل یا پرسوں تک آجاؤں گا۔"

"کیا فون پر دو باتیں کرنے کی بھی فرصت نہیں ملتی ہے؟"

"کھانے پینے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ آج میں نے لنچ نہیں کیا ہے۔ صرف شام کی چائے پی ہے۔"

"میں سوچ رہی ہوں' اس فون کا فائدہ کیا ہے جو تمہاری آواز نہیں سناتا۔ میں اسے بند کررہی ہوں۔ جب تم آؤ گے تو اسے آن کروں گی۔"

"تم میری الجھنوں کو نہیں سمجھ رہی ہو۔ ناراض ہو کر فون بند کرنا چاہتی ہو۔ تمہاری مرضی ہے۔ میں اصولاً اہم معاملات کو پہلے اہمیت دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے رابطہ ختم کردیا۔ وہ شیطان زادی سے بولنا تو کیا اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ مجبوراً اور مصلحتاً بول رہا تھا۔ لارا اس کی بے رخی کو، اس کی بے زاری کو خوب سمجھ رہی تھی۔

وہ گونگے فون کو مٹھی میں جکڑ کر اپنی توہین کے احساس سے تلملا رہی تھی۔ یہ سوال اس کے ذہن میں چبھ رہا تھا کہ وہ اچانک کیوں بدل گیا ہے؟ کیا اسے میری اصلیت معلوم ہوگئی ہے؟ کیسے معلوم ہوگئی ہے؟ وہ مجھ سے دور ہوکر وہاں کیا کررہا ہے؟ وہ مجھے نقصان پہنچانے کی، مجھے مار ڈالنے کی تدبیر کررہا ہوگا مجھے دیکھنا چاہیے کہ وہاں کیا کررہا ہے؟

اسے چھپ کر دیکھنے کے لیے ریاست میں جانا ضروری تھا اور وہاں جانے کے خیال سے ہی خوف طاری ہوجاتا تھا۔ آبنوس ارضِ اسلام کی زمین پر قدم رکھتے ہی موت کے شکنجے میں چلا گیا تھا۔ اس کے نصیب میں زندگی تھی۔ بارودا نے اسے بچالیا تھا لیکن موت سے کوئی ہمیشہ نہیں بچتا۔ یہ وارننگ مل چکی تھی یا یہ خوف خود بخود طاری ہوگیا تھا کہ شیطانی غلاظت رکھنے والے ریاست کی پاک زمین پر قدم نہیں رکھ سکیں گے۔ یقین نہ ہو تو پھر ایک بار آزمالیں۔

یہ بے چینی اسے بے چین کررہی تھی کہ مراد وہاں جاکر اس کے خلاف کیا کررہا ہے؟ وہ سوچ رہی تھی کہ دشمنی سے مراد کو نقصان پہنچانے نہیں جائے گی تو اس سے دشمنی نہیں ہوگی۔ وہ بڑی رازداری سے جائے گی۔ چھپ کر اسے دیکھے گی، اس کی باتیں سنے گی پھر چلی آئے گی۔

اس نے کاہن کے پاس آکر کہا۔ "میں چند منٹ کے لیے چھپ کر مراد کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ بس جاؤں گی اور اپنی تسلی کرکے چلی آؤں گی۔ وہ میرے خلاف کچھ کررہا ہوگا تو میں خطرے سے آگاہ ہوجاؤں گی۔ تم کیا کہتے ہو؟"

وہ بولا۔ "نہ جاؤ۔ وہ ریاست ہمارے لیے منحوس ہے۔ آبنوس کی طرح تم پر بھی کوئی مصیبت آسکتی ہے۔"

"اگر بارودا اور آبنوس خیال خوانی کے ذریعے میرے اندر موجود رہیں گے تو میں وہاں اکیلی نہیں رہوں گی۔ جیسے ہی کوئی مصیبت مجھ پر آئے گی، وہ میرے لیے ڈھال بن جائیں گے۔ مجھے حفاظت سے لے آئیں گے۔"

بارودا نے کہا۔ "یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مراد اپنی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ریاست میں پہنچتے ہی لارا سے بے زار کیوں ہو گیا ہے؟ اگر اسے لارا کی اصلیت معلوم ہو گئی ہے تو کیسے معلوم ہوئی ہے؟ آئندہ بھی ہمارے راز کس طرح اسے معلوم ہوں گے؟ اس کے خفیہ ذرائع کیا ہیں؟ ہمیں معلوم ہونا چاہیے۔"

وہ احتیاطی تدبیر کے مطابق لارا کے دماغ میں آگئے۔ کاہن نے کہا۔ "جاؤ، میں تمہاری سلامتی کے لیے شیطان معظم کی پناہ مانگتا رہوں گا۔"

ایسے وقت نیلماں محل میں پہنچی ہوئی تھی۔ مراد نے اسے نصیحت کی تھی کہ جب تک نکاح نہ پڑھایا جائے اسے عابی سے پردہ کرنا چاہیے۔ وہ نصیحت کے مطابق اس کے سامنے نہیں گئی تھی۔ ماروی کے پاس آگئی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ اس کے دماغ میں ہے اور اسے اپنے پاس بلا رہی ہے۔

اور وہ بے اختیار اس کے پاس محل میں آگئی تھی۔ ماروی کو پیار سے دیکھ کر اسے بستر سے اٹھا کر سینے سے لگانا چاہتی تھی۔ اسی لمحے میں اس نے طاغوتی لوبان کی مہک محسوس کی۔ وہ لوبان شیطان کی پوجا کرتے وقت جلایا جاتا تھا۔

نیلماں اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ دماغ نے چیخ کر کہا کوئی شیطان کا چیلا محل میں آیا ہے۔ وہ فوراً ہی ماروی کے پاس سے گم ہو کر عابی کے پاس پہنچی۔ وہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا مصروف تھا۔ وہاں لوبان کی مہک نہیں تھی۔ اس کے آس پاس کوئی نہیں تھا۔

وہ پلک جھپکتے ہی مراد کے پاس پہنچ گئی۔ وہ اپنا فون اٹھا کر کسی سے رابطہ کرنے کے لیے نمبر پنچ کر رہا تھا۔ اس کے پیچھے لارا صوفے سے یوں لگی بیٹھی تھی کہ وہ سر گھماتا تو فوراً صوفے کے پیچھے چھپ جاتی یا وہاں سے غائب ہو جاتی۔

نیلماں اس کے پیچھے تھی۔ اس سے پہلے کہ لارا مراد کی ٹیلی فون کال سنتی، نیلماں نے اچھل کر ایک لات اس کی کمر پر ماری۔ وہ لات کھاتے ہی اچانک صوفے کی طرف مراد کے پاس جھکی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے بولا۔ "تم...... لارا تم یہاں؟"

وہ دوسرے ہی لمحے میں نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ نیلماں نے کاہن کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہاں چند لمحوں کے بعد لارا، بارودا اور آبنوس حاضر ہو گئے تھے۔ لارا اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر تکلیف سے کراہ رہی تھی۔

بارودا نے کہا۔ "تم پر کس نے حملہ کیا تھا؟ اگر تم پلٹ کر دیکھتیں تو ہم بھی اسے دیکھ لیتے۔"

وہ کراہتے ہوئے بولی۔ "پیچھے کوئی نہیں تھا۔ میں نے وہاں سے فرار ہوتے وقت دیکھا تھا۔ کمرے میں صرف مراد تھا۔ اس کی کسی روحانی قوت نے حملہ کیا تھا۔"

کاہن نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی منع کیا تھا۔ اب سنبھل جاؤ۔ آئندہ وہاں قدم نہ رکھنا۔"

"کان پکڑتی ہوں۔ کبھی ادھر کا رخ نہیں کروں گی۔"

آبنوس نے کہا۔ "ہم وہاں کبھی جانے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ریاست ان لوگوں کی محفوظ پناہ گاہ ہے۔ ہم کبھی وہاں جا کر ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے۔"

بارودا نے کہا۔ "پلڑا برابر ہے۔ وہ بھی ہماری تاریک دنیا میں کبھی نہیں آسکیں گے۔ ہم یہاں ان سے محفوظ ہیں۔"

لارا نے کہا۔ "وہاں جانا مجھے مہنگا پڑ رہا ہے۔ مراد نے مجھے حاضر ہوتے اور غائب ہوتے دیکھ لیا ہے۔ پہلے تو نہ جانے کیوں مجھ سے بدظن تھا۔ اب یقین ہو گیا ہو گا کہ میں بھی آبنوس کی طرح تاریک دنیا سے تعلق رکھتی ہوں۔"

"آئندہ تم آزادی سے ان کی دنیا میں نہیں رہ سکو گی۔ مراد علی منگی بہت ہی جلاد ہے۔ اپنے دشمنوں کو زندہ نہیں چھوڑتا ہے۔ جرائم کی دنیا میں اس کے وسیع ذرائع ہیں۔ تم جہاں بھی نظر آؤ گی، لارا کے اس چہرے کے ساتھ ماری جاؤ گی۔"

"میں پلک جھپکتے ہی روپ بدل لیتی ہوں۔ دشمنوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نچا سکتی ہوں۔ مراد مجھ سے نہیں بچے گا۔ جب بھی ریاست سے باہر آئے گا تو میرے حملوں کی زد میں رہے گا۔ میں دور سے گولیاں چلا کر اسے اپاہج بنا کر سڑک کے کنارے بھیک مانگنے بٹھا دوں گی۔"

کاہن نے کہا۔ "جاگتی آنکھوں سے خواب نہ دیکھو۔ وہ ریاست سے باہر کبھی نظر نہیں آئے گا۔ وہ چہرے اور شخصیت بدل کر رہنے کا عادی ہو گیا ہے۔ دشمنوں سے آنکھ مچولی کھیلنے کا ماہر ہے۔ تم اسے ڈھونڈتی رہ جاؤ گی۔"

بارودا نے کہا۔ "فی الحال اپنی سلامتی کی فکر کرو۔ آج اس نے تمہارا اصلی روپ دیکھ لیا ہے۔ تمہیں اچھی طرح سمجھ گیا ہے کہ آئندہ بھی تم چھپ کر حملے کرنے جاؤ گی۔ اسے تمہاری طرف سے خطرہ رہے گا۔ وہ تمہیں کسی طرح ختم کر دینا چاہے گا۔"

کاہن نے کہا۔ "آج تم میری بات نہ مان کر وہاں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

گئی تھیں۔ قسمت سے بچ کر آ گئی ہو۔ آئندہ کے لیے ایک مشورہ دیتا ہوں کہ کچھ عرصے تک اس سے دور رہو۔ ہماری یہ تاریک دنیا بہترین پناہ گاہ ہے۔ یہاں سے کبھی نکلو تو باہر اسے لارا نظر نہ آئے۔ اس سے جتنی دور رہو گی، اتنی ہی لمبی زندگی گزارتی رہو گی۔"

"میں یہی کروں گی۔ کبھی اصلی چہرے کے ساتھ باہر نہیں جاؤں گی اور کچھ عرصے تک اس دشمن سے دور رہوں گی۔"

نیلماں مراد کے پاس آئی۔ وہ ہم زاد اور عابی کے ساتھ بیٹھا لارا کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔ نیلماں نے ٹرانسپیرنٹ ہو کر ایک پردے کے پیچھے سے کہا۔ "بابا جانی! میں آگئی ہوں، یہاں عابی کو رہنے دیں۔ میں پردے میں رہوں گی۔"

مراد نے پوچھا۔ "کیا تم جانتی ہو کہ لارا یہاں آئی تھی؟"

"جی ہاں۔ میں نے ہی اسے لات ماری تو وہ آپ کے پاس جا کر گری تھی۔"

"میں نے دیر کر دی۔ اسے پکڑ لیتا تو ابھی میری گرفت میں رہتی اور اپنے برے انجام کو پہنچتی۔"

"یہ اچھا ہوا کہ آپ نے اسے اپنی گرفت میں نہیں لیا۔ وہ اکیلی نہیں تھی۔ آبنوس اور میرے پاپا اس کے اندر چھپے ہوئے تھے۔ وہ انجانے میں آپ کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔"

ہم زاد نے کہا۔ "لارا نے یہاں آکر خطرے کی گھنٹی بجادی ہے۔ وہ آئندہ بھی حملہ کرنے آتی رہے گی۔"

"نہیں آئے گی۔ آبنوس کے بعد وہ یہاں سے جان بچا کر بھاگی ہے۔ ان سب کے دل و دماغ میں یہ دہشت سما گئی ہے کہ یہاں روحانی قوتیں آپ سب کی محافظ ہیں۔ وہ جب بھی یہاں قدم رکھیں گے، مارے جائیں گے۔"

عابی نے کہا۔ "اگر ایسی دہشت طاری ہو گئی ہے تو یہ ہمارے لیے بہت ہی اچھا ہے۔ وہ کبھی ادھر نہیں آئیں گے۔"

"وہ کہتے ہیں کہ جس طرح وہ تاریک دنیا کے طاغوتی سائے میں محفوظ ہیں، اسی طرح روحانی قوتیں آپ لوگوں کو ریاست میں تحفظ فراہم کر رہی ہیں۔ وہ جب بھی ادھر آئیں گے تو نقصان اٹھائیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہمارے لیے بہتری ہو رہی ہے۔"

مراد نے پوچھا۔ "بیٹی......! تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ لارا میرے پاس آئی ہے؟"

"میں نہیں جانتی تھی کہ لارا کے عزائم کیا ہیں؟ مجھے ماروی نے بلایا تھا۔"

"ماروی نے........؟"

سب نے چونک کر پردے کی طرف دیکھا جس کے پیچھے نیلماں تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "یہ میں نے محسوس کیا تھا جیسے ماروی میرے دماغ میں سوچ کی لہروں کی طرح آئی ہے اور مجھے بلا رہی ہے۔ میں یہاں آئی تو مجھے اس لوبان کی مہک محسوس ہوئی جسے شیطان کی پوجا کرتے وقت جلایا جاتا ہے۔ میں سمجھ گئی کہ یہاں کوئی دشمن آیا ہے۔ حقیقتاً ماروی نے آپ کو لارا کے ناپاک عزائم سے بچایا ہے۔ میں نے اس کی پیدائش سے لے کر اب تک یہی دیکھا ہے۔ میرے اور اس کے درمیان ایک نامعلوم سا روحانی رابطہ رہتا ہے۔ اس کی آنکھیں جیسے بولتی ہیں۔ میں وہ چہرے کے تاثرات سے اور ہاتھ پاؤں کی حرکتوں سے سمجھ لیتی ہوں۔"

عابی نے کہا۔ "یہ میری بہنا میرے ساتھ بھی ایسا ہی کرتی ہے اور میں بھی سمجھ لیتا ہوں۔"

مراد اور ہم زاد نے بھی کہا کہ وہ ننھی سی جان اپنی زبان بے زبانی سے بہت کچھ بولتی رہتی ہے اور وہ جیسے آسانی سے پہیلی بوجھ لیتے ہیں۔

پھر مراد نے کہا۔ "میں نے اڑتالیس گھنٹے کے اندر عابی اور نیلماں کا نکاح پڑھوانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس سے پہلے لارا سے نمٹنا چاہتا تھا۔ ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے ہیں اور لارا ایک کنارے لگ گئی ہے۔ اس سے تو پتا نہیں کب تک نمٹتے رہنا ہوگا۔ بیٹی نیلماں! میں چاہتا ہوں، ابھی اسی وقت تاریک دنیا کو چھوڑ دو۔ اپنے پاپا کو الوداع کہہ کر چلی آؤ۔ آج ہی تم دونوں کا نکاح پڑھا دیا جائے گا۔"

سب نے اس فیصلے کی تائید کی۔ اس نے کہا۔ "نکاح سے پہلے ہم ایک اہم مسئلے پر اطمینان حاصل کرنا چاہیں گے۔ میں اس مسئلے پر عابی سے بات کرتا ہوں۔ نیلماں! تم زیب النساء کے پاس جاؤ اور ان سے باتیں کرو۔"

وہ چلی گئی۔ کمرے میں ایک بیٹا اور دو باپ رہ گئے۔ بظاہر یہ بات مضحکہ خیز تھی کہ اس کے دو باپ تھے۔ حقیقتاً وہ ایک ہی تھے۔ ہر انسان کے ساتھ اس کا ایک ہم زاد پیدا ہوتا ہے' جو اس کے اندر رہتا ہے۔ اس کا ایک الگ جسم نہیں ہوتا۔ جس کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اس کا منفی خیال بھی ہوتا ہے۔ مثبت خیال بھی ہوتا ہے۔

مراد کا ہم زاد بابا اجمیری کی دعاؤں سے مجسم ہو کر دکھائی دینے لگا تھا۔ یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ مراد ہی ہے۔ مجسم ہو کر اس کے وجود کا دوسرا حصہ دکھائی دے رہا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

www.paksociety.com

سب ہی سے کہا گیا تھا کہ وہ مراد کا ہم شکل ہے۔ دونوں کا وجود ایک ہی تھا۔ دونوں ہی مراد تھے اور کوئی ہم زاد کی حقیقت جاننے والا تھا اور نہ ہی اس موضوع پر بھی بحث ہونے والی تھی۔

بہرحال مراد نے عابی سے کہا۔ ”بیٹے! تمہاری شادی خانہ آبادی کا ایک افسوس ناک انجام ساری دنیا نے دیکھا ہے۔ ہمیں ماریہ کی وفات کا یا ہلاکت کا صدمہ ہمیشہ رہے گا۔ تم سے یہ سوال ہے' کیا ہم پھر ایسا ہی صدمہ اٹھانے کی غلطی کرنے والے ہیں؟“

یہ سوال ایسا تھا جس کا جواب وہ بزرگوں کو وضاحت سے نہیں دے سکتا تھا۔ شرم مانع تھی۔ وہ کچھ کہنے سے ہچکچا رہا تھا۔

ہم زاد نے کہا۔ ”بیٹے! تمام ڈاکٹر، تمام دوست اور دشمن کہتے ہیں کہ کوئی بھی دلہن تمہارے ساتھ ازدواجی تعلقات کی متحمل نہیں ہوسکے گی۔ اس بے چاری کی پہلی سہاگ رات ہی آخری ہوگی۔“

عابی نے کہا۔ ”آپ کی پریشانیاں بجا ہیں۔ جو المناک سانحہ ہو چکا ہے، اس کے پیش نظر مجھے شادی سے پرہیز کرنا چاہیے لیکن انسان موت کے ڈر سے جینا نہیں چھوڑ دیتا۔ ہم موت سے لڑتے ہوئے لائف انجوائے کرتے ہیں اور اس طرح انجوائے کرتے ہیں کہ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ مجھے یقین ہے کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ میری دلہن کو شاید نقصان نہیں پہنچے گا۔“

مراد اور ہم زاد نے ایک دوسرے کو دیکھ کر سر ہلایا۔

زیب النسا اپنے بیڈروم میں نیلماں سے کہہ رہی تھی۔ ”بے شمار لڑکیاں میرے عابی کی دیوانی ہیں لیکن ماریہ کا انجام دیکھ کر سہم گئی ہیں۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے صاف طور پر سمجھا دیا ہے کہ کوئی بھی لڑکی میرے بیٹے سے ازدواجی رشتہ قائم نہیں کر سکے گی۔ کرے گی تو موت لازمی ہوگی۔“

اس نے نیلماں کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ ”کیا تم خوف زدہ نہیں ہو؟ تم نے ہر پہلو سے سوچا ہوگا، غور کیا ہوگا، کیا تمہیں فکر و اندیشہ نہیں ہے؟“

”اللہ کا شکر ہے۔ مجھے کسی طرح کا اندیشہ نہیں ہے۔ میں نے ہر پہلو پر غور کیا ہے۔ اللہ نے چاہا تو ہم ایک کامیاب ازدواجی زندگی گزاریں گے۔“

زیب النساء نے اسے تھپک کر کہا۔ ”جب تمہیں یقین ہے، تم مطمئن ہو تو ہم سب تمہارے لیے دعائیں مانگتے رہیں گے۔“

فقیری نسخہ

میں نے ایک فقیر سے کہا۔

”مجھے گناہ کی بیماری ہے۔ کوئی علاج فرمائیں۔“

فقیر نے فرمایا۔ ”درج ذیل نسخہ استعمال کرو۔ توبہ کی مصری، صبر کا پیالہ، توحید کے پتے، ذکر کی جڑ بڑ، شریعت کی اوکھلی میں ڈال کر طریقت کے ڈنڈے سے خوب باریک کرلو۔ جب پس کر باریک ہوجائے تو حقیقت کی چھلنی میں چھانو پھر معرفت کی ہنڈیا میں ڈال کر عشق کے چولہے پر چڑھاؤ۔ جب تیار ہوجائے تو گناہ کے حلق میں انڈیل دو لیکن تین چیزوں سے پرہیز کرو۔ تکبر کی مولی، شرک کا پیاز، دغا کا چاول۔“

انتخاب۔ ریاض بٹ، حسن ابدال

انمول موتی

☆ رشتوں کی رسی کمزور تب ہوتی ہے جب انسان غلط فہمی میں پیدا ہونے والے سوالوں کے جواب خود ہی بنا لیتا ہے۔

☆ زندگی مسکرا کر بسر کرو، دنیا رونے والے کے ساتھ نہیں روتی۔

☆ سب سے بڑا راز موت ہے اور سب سے بڑی دولت اچھا دوست ہے۔

☆ رشتے خون کے نہیں ہوتے، احساس کے ہوتے ہیں اگر احساس ہو تو اجنبی بھی اپنے، یہ نہ ہو تو اپنے بھی اجنبی ہوتے ہیں۔

مرسلہ۔ قاری محمد رمضان حسرت الحسنی، نور پور تھل

دولت اور دنیا

☆ جب دولت بولتی ہے تو سچائی بھی بعض مرتبہ خاموش ہوجاتی ہے (روسی کہاوت)

☆ دولت چند دوست اور بہت سے دشمن پیدا کرتی ہے (ویز)

☆ دولت کی زبان کو دنیا کے تمام لوگ سمجھتے ہیں (تھیلو)

☆ اگر ہم اپنی دولت پر حکومت کر سکتے ہیں تو ہم امیر اور آزاد ہیں اور اگر ہم پر ہماری دولت حکومت کرتی ہے تو ہم غریب اور غلام ہیں (برک)

مرسلہ۔ محمد انور ندیم، حویلی لکھا، اوکاڑہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

وہ بولی۔ ''ماما! میں اپنے باپ سے رخصت ہونے جارہی ہوں۔ مجھے اجازت دیں۔ جلد ہی واپس آؤں گی۔''

وہ چلی گئی۔ زیب النساء نے ہم زاد سے کہا۔ ''نیلماں بہت پُراعتماد ہے۔ اسے کسی طرح کا اندیشہ نہیں ہے۔ کہتی ہے، عابی کے ساتھ کامیاب ازدواجی زندگی گزرے گی۔''

عابی نے کہا۔ ''بابا جانی! اللہ ہم سے راضی ہے۔ کوئی ناگوار واقعہ پیش نہیں آئے گا۔ آپ ہماری شادی کا اعلان کریں۔ دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے باوجود میں کسی دلہن کے لیے خطرناک نہیں ہوں۔ آج بعد نمازِ مغرب نیلماں میری زندگی میں آرہی ہے اور اللہ نے چاہا تو وہ سلامت رہ کر طبعی عمر گزارے گی۔''

مراد نے اسپیشل چینل سے رابطہ کیا۔ وہاں سے اعلان ہونے لگا کہ پندرہ منٹ کے بعد ٹھیک ایک بجے ریاست ارضِ اسلام کے فرماں روا ہز ہائی نس مراد علی منگی ایک بہت ہی چونکا دینے والا اعلان کریں گے۔

پھر ایک بار ہلچل مچ گئی۔ یہ سب ہی کو تجسس ہوا کہ وہ چونکا دینے والا اعلان کیا ہوگا؟ پانچ منٹ کے بعد پھر اعلان کیا گیا۔ ''آج پرنس عابد علی منگی کی شادی خانہ آبادی ہے...... آج بعد نمازِ مغرب نکاح خوانی ہے۔''

تمام چاہنے والیوں کے دل کی دھڑکنیں بیک وقت شور مچانے لگیں۔

یہ ایسا اعلان تھا کہ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مرد، عورتیں، جوان اور بوڑھے سب ہی ٹی وی کے سامنے آگئے۔ اسے حاصل کرنے کے خواب دیکھنے والی لڑکیاں تو پاگل ہو رہی تھیں۔

اس وقت وہ باؤلی جی دار دلہنیا بننے والی تاریک دنیا میں اپنے باپ بارودا کے سامنے تھی۔ آبنوس، لارا اور کاہن اس کے اطراف موجود تھے۔ اس نے کہا۔ ''پاپا! میں آپ کو اور اس کالی دنیا کو چھوڑ کر جارہی ہوں۔''

باپ نے پوچھا۔ ''مجھے چھوڑ کر کہاں جاؤ گی؟ میرے بغیر کیسے رہ سکو گی؟''

''جیسے دوسری لڑکیاں رہتی ہیں۔ اس عمر میں ہر لڑکی اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر پیا کے گھر جاتی ہے۔''

لارا نے کہا۔ ''اچھا تو تم نے جیون ساتھی ڈھونڈ لیا ہے۔ مبارک ہو، کون ہے وہ؟''

''پرنس عابد علی منگی۔''

یہ نام توپ کے گولے کی طرح سب ہی کے سینے پر لگا۔ بارودا نے ناگواری سے پوچھا۔ ''کیا بکواس کررہی ہو؟''

''میرے جانے کے بعد معلوم ہوگا کہ بکواس نہیں کررہی ہوں۔ آج وہاں کے وقت کے مطابق شام سات بجے پرنس عابی سے میرا نکاح پڑھایا جائے گا۔ افسوس، بیٹی کی شادی میں باپ شریک نہیں ہوسکے گا۔''

کاہن نے کہا۔ ''کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ شیطان کی پرستش چھوڑ کر مسلمانوں کے پاس برباد ہونے جاؤ گی؟''

آبنوس نے پوچھا۔ ''یہ عابی کے ساتھ کب سے چکر چل رہا ہے؟ تم ہم سے چھپ کر اپنے باپ کو دھوکا دے کر اس دشمن سے ملتی رہی ہو۔''

لارا نے کہا۔ ''اور صرف ملتی نہیں رہیں، ہمارے خلاف جاسوسی بھی کرتی رہی ہو۔ عابی آبنوس کو نہیں پہچانتا تھا۔ وہ تمہاری مدد سے آبنوس تک پہنچ گیا تھا۔''

وہ کاہن سے بولی۔ ''میں یقین سے کہتی ہوں، آج میں مراد کے پاس جاتے ہی نیلماں کی دشمنی سے گرفت میں آنے والی تھی۔ یہ آستین کی سانپ ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔''

یہ کہتے ہی اس نے ایک الٹا ہاتھ نیلماں کے منہ پر مارا۔ وہ ہاتھ چہرے پر سے گزرتا ہوا ادھر سے ادھر چلا گیا۔ وہ ٹرانسپیرنٹ ہوگئی تھی۔ اس کا ٹھوس وجود نہیں رہا تھا۔

کاہن نے کہا۔ ''بارودا...... ! اپنی بیٹی کو لگام دو۔ اسے جانے سے روکو۔''

بارودا نے اپنی بیٹی کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ ''اپنا ہاتھ مجھے دو۔ تم باپ کی گرفت میں رہوگی۔ یہاں سے نہیں جاؤ گی۔''

''سوری پاپا! میں دینِ اسلام قبول کرچکی ہوں۔ نمازیں پڑھتی ہوں۔ میں آپ کی ہر بات مانوں گی۔ آپ شیطان پر تھوک کر میرے ساتھ چلیں۔''

اس نے شیطان پر تھوکنے کو کہا تھا۔ کاہن یہ سنتے ہی غصے سے لرز گیا۔ بارودا کے پیچھے بیڈ کے سرہانے ایک گن رکھی ہوئی تھی۔ اس نے جھپٹنے کے انداز میں گن کو اٹھایا پھر نیلماں پر تڑاتڑ گولیاں چلائیں۔ وہ گولیاں اس کے سر، سینے اور پیٹ سے گزر رہی تھیں اور اس کے پیچھے جاکر قدِ آدم آئینے کو توڑ رہی تھیں۔

وہ غصے میں بھول گیا تھا کہ وہ ٹرانسپیرنٹ ہے۔ گولیاں نہیں لگیں گی۔ اس کی طرف جو بھی چیز پھینکی جاتی تھی ... وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

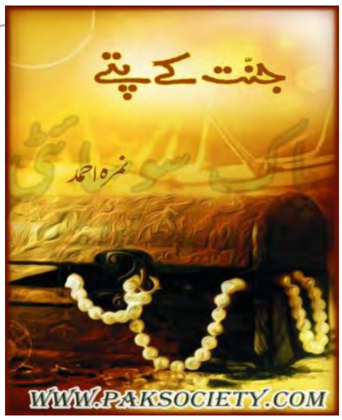

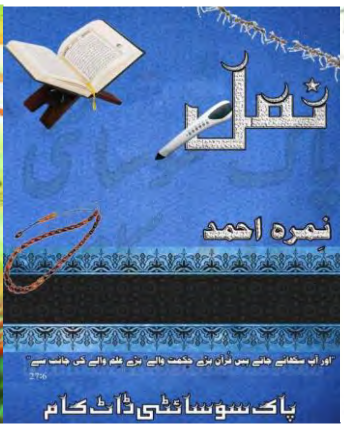

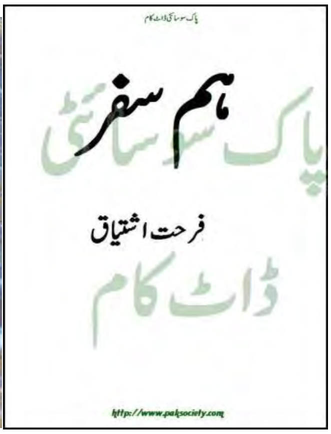

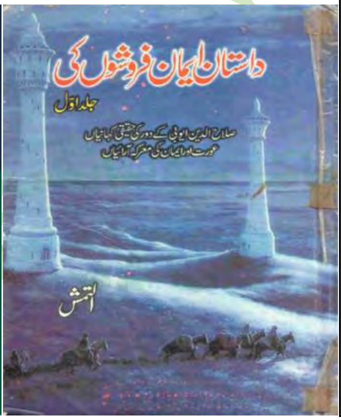

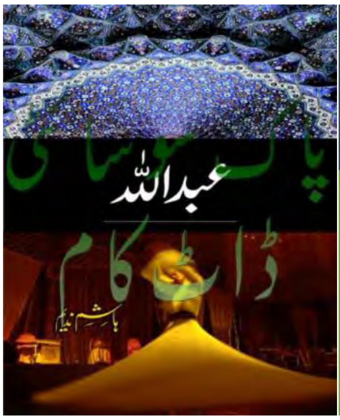

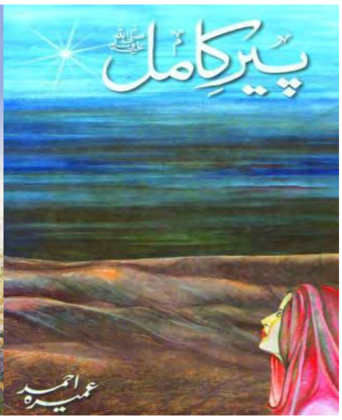

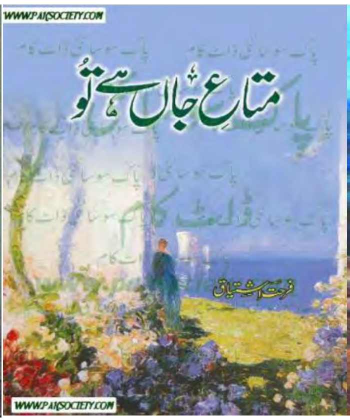

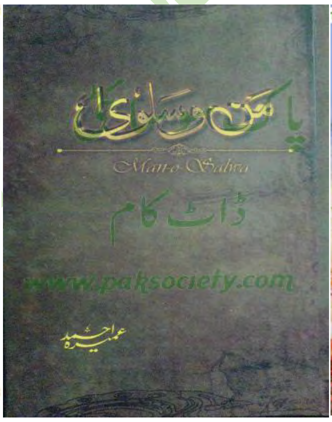

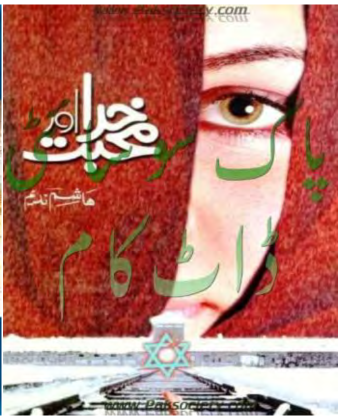

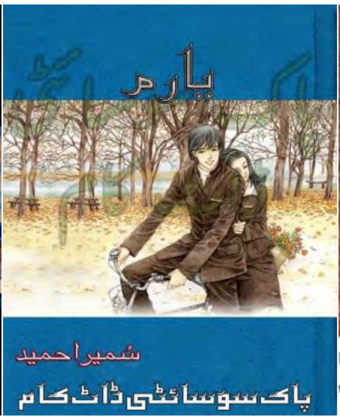

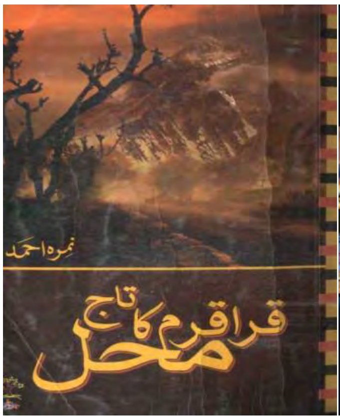

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

www.paksociety.com

آرپار چلی جاتی تھی۔

وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ شیطان کے خلاف نفرت برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ گن کے دستے سے اسے مارنے لگا۔ خالی اور کھوکھلے حملوں کے باعث ہانپنے لگا۔ لارا اور آبنوس نے اسے پکڑ کر پیچھے ہٹایا۔ اسے سمجھانے لگے کہ وہ ذرا صبر کرے۔ جلد ہی شیطان کا قہر نیلماں پر نازل ہونے والا ہے۔

بارو دا بیٹی کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ بے بسی سے سوچ رہا تھا کہ یہ ہاتھ سے گئی۔ کسی کی گرفت میں نہیں آئے گی۔ اس نے باپ کو بھی ہاتھ پکڑنے نہیں دیا تھا۔ ایک بار پکڑ میں آجاتی تو پھر وہاں سے فرار نہ ہو پاتی۔ طاغوت کے پنجرے میں قیدی بن کر رہ جاتی۔

وہ بولی۔ ''پاپا! آپ کی محبت میرے دل سے نہیں نکلے گی۔ میں اپنے رب سے دعائیں مانگتی رہوں گی کہ جس طرح میں پھر گئی اسی طرح آپ کا دل بھی شیطان سے پھر جائے۔ میں جا رہی ہوں' آپ آئیں۔ سیدھے سچے اور ایمان کے راستے پر آئیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عزت اور نیک نامی دے گا۔ بیٹی سے محبت ہے تو آپ ایک دن ضرور آئیں گے۔''

یہ کہہ کر وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ مراد اور عابی ریاست کے ذاتی اسٹوڈیو میں تھے۔ وہاں اسپیشل چینل کے ساتھ منسلک ہو گئے تھے۔ مقررہ وقت کے مطابق دنیا کی تمام ٹیلی ویژن اسکرینز پر نظر آنے والے تھے۔

نیلماں نے وہاں پہنچ کر کہا۔ ''بابا جانی! میں تمام کشتیاں جلا کر آئی ہوں۔ اب یہاں میرا اللہ ہے' آپ ہیں اور عابی ہیں۔''

مراد نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''خوش رہو۔ سیدھے اور سچے راستوں پر تمہیں کبھی کانٹے نہیں چبھیں گے۔ تمہیں آسودگی اور نیک نامی ملتی رہے گی۔''

یہ کہہ کر وہ کیمرے کے سامنے آگیا۔ ٹی وی اسکرین پر ناظرین کو دکھائی دینے لگا۔ اس نے کہا۔ ''میری ماؤ' بہنو' بزرگو' بھائیو اور دوستو! میں مراد علی منگی ایک طویل مدت کے بعد آپ سے مخاطب ہو رہا ہوں۔ آپ میں سے بیشتر حضرات جانتے ہیں کہ میرے دن رات دشمنوں کے بچھائے ہوئے کانٹوں پر گزرتے رہتے ہیں۔ آپ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ ٹیلی پیتھی جاننے والی بلائیں ہماری دنیا پر حکومت کرنے کے ناپاک ارادوں سے آگئی ہیں۔ انہوں نے آتے ہی میرے بیٹے عابد علی منگی سے عداوت شروع کر دی ہے۔ آپ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ وہ عداوت کے نتیجے میں کس طرح پرنس عابی سے شکست کھاتے رہتے ہیں۔ ٹیلی پیتھی ایک بہت ہی طاقت ور ہتھیار ہے۔ یہ ہتھیار دشمنوں کو دماغی طور پر کھوکھلا کر دیتا ہے۔ ان نادانوں کو یقین ہے کہ وہ جلد ہی اس ہتھیار کے ذریعے ہم پر حاوی ہو جائیں گے۔ تاریک دنیا کے ٹیلی پیتھی جاننے والے بے دین ہیں۔ ان کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ وہ شیطان کے پجاری ہیں اور ہماری دنیا سے تمام مذاہب کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔ خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ خدا ہمیں بچانے والا ہے۔ ہمیں اپنے مذہب کو بچانا ہے۔ مذہب ہے تو تہذیب ہے۔ اخلاق ہے اور شرم و حیا ہے۔ اللہ ہمارے دین کا محافظ ہے۔ دین اسلام پر آنچ نہیں آئے گی۔ ہم انہیں شیطان کی پوجا پاٹ سے باز رکھیں گے۔ ہم ان کی دشمنی کے جواب میں دشمن بن جاتے ہیں لیکن دوستی اور محبت سے بھی پیش آرہے ہیں اور میں مراد علی منگی محبت کا ثبوت پیش کرنے کے لیے شیطان کے ایک پرستار کی بیٹی کو اپنی بہو بنا رہا ہوں۔''

اس نے نیلماں سے کہا۔ ''بیٹی! یہاں آؤ۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر مراد کے پاس آئی۔ اس وقت جیسے پوری دنیا کی لڑکیاں اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے کیمرے کی طرف دیکھتے ہوئے ناظرین سے کہا۔ ''السلام علیکم محترم ناظرین...... میرا نام نیلماں ہے۔ میں چند روز پہلے تک طاغوت پرست تھی۔ اب اللہ کا شکر ہے، میں دین اسلام کی رحمتوں اور برکتوں سے مالا مال ہو رہی ہوں اور آج شام کے بعد پرنس عابد علی منگی جیسے دین دار اور نیک نام مجازی خدا کے سائے میں زندگی گزاروں گی۔''

ہائے...... ! بے شمار حسیناؤں کے دل سے آہ بھی نکلی اور ہائے بھی نکلی۔

اسکرین پر مراد کی تقریر جاری تھی۔ اسے سننے والے سن رہے تھے اور طرح طرح کے سوالات کرنے کے لیے فون کالز بھی کر رہے تھے۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''ناظرین! مجھے بتایا جا رہا ہے کہ ٹیلی فون کالز کے ذریعے عابی کی شادی کے سلسلے میں کئی طرح کے سوالات کیے جا رہے ہیں۔ سوالات کرنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ وہ ذرا صبر کریں۔ میرا بیٹا بے رحم قصائی نہیں ہے۔ وہ ایک ایمان لانے والی شریک حیات کی زندگی سے نہیں کھیلے گا۔

''آپ صبر و تحمل سے انتظار کریں۔ آپ کو معلوم ہونا

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

چاہیے کہ ہم کس طرح طاغوتی قوتیں رکھنے والوں سے نمٹ رہے ہیں؟ میں نے دو روز پہلے لارا نام کی ایک دوشیزہ کو شریک حیات بنایا تھا۔ اس کے متعلق جلد ہی انکشاف ہوا کہ نہ وہ عیسائی تھی نہ اس نے ہمارا دین قبول کیا تھا۔ وہ شیطان کی پرستش کرتی تھی۔ آبنوس کے بعد تاریک دنیا سے آنے والی یہ دوسری دشمن ہے۔ نیلماں کے پاپا بھی ہمارے بدترین دشمن ہیں۔ تاریک دنیا میں اور نہ جانے کتنے طاغوتی قوتیں رکھنے والے ہیں جو اپنے مزاج اور اپنے حالات کے مطابق ہمارے لیے مسائل پیدا کرنے کی خاطر آتے رہیں گے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ صرف میرے اور میری فیملی کے دشمن نہیں ہیں۔ یہ آپ سب کے دماغوں میں گھس کر آپ کو غلام بنا کر ہماری دنیا پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ سپر پاور اور بے شمار طاقت ور تنظیموں نے آبنوس باروداور لارا کے چہرے دیکھے ہیں۔ ان کی ٹیلی پیتھی سے نجات حاصل کرنے کے لیے آپ انہیں تلاش کریں۔

"فی الحال اتنا ہی کہنا کافی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے تعاون سے ہی طاغوتی قوتوں کو پسپا کرسکیں گے۔ میرے بیٹے کی شادی، ازدواجی معاملے میں جو تجسس ہے وہ آج رات دور ہوجائے گا۔ ہم بھی انتظار کررہے ہیں۔ آپ بھی انتظار کریں۔"

وہ اللہ حافظ کہہ کر اسکرین سے آؤٹ ہوگیا۔ اگلے بارہ گھنٹوں میں تجسس ختم ہونے والا تھا۔ اس وقت تک مردوں سے زیادہ عورتیں مضطرب اور بے چین تھیں۔

☆☆☆

بارودا اور یہودیوں کے درمیان سمجھوتا ہورہا تھا۔ دوستی کی ابتدا ہورہی تھی۔ بارودا نے یہ تسلیم کیا تھا کہ ان کے پاس ٹیلی پیتھی کی خطرناک قوت ہے لیکن وہ اس قوت کو صحیح پلاننگ کے مطابق استعمال نہیں کررہے ہیں۔ اسی لیے عابی ہر مقابلے میں ان سے بازی لے جارہا ہے۔

بارودا نے یہودیوں سے کہا تھا۔ "ہم ایک بار تم پر بھروسا کریں گے۔ تمہارے ساتھ مل بیٹھ کر ایک ٹھوس منصوبہ بنائیں گے پھر اپنی ٹیلی پیتھی کی طاقت کو آزمائیں گے لیکن مل بیٹھنے کے لیے تمہارے روبرو نہیں آئیں گے۔"

ہوسٹن نے کہا تھا۔ "ہمارا طریقہ کار یہ ہوگا کہ تم تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے ہمارے ایک آلۂ کار کے دماغ میں آکر بولو گے۔ ہم اس آلۂ کار کے پاس بیٹھ کر بولتے رہیں گے۔ تم میں سے کوئی بھی خیال خوانی کے ذریعے یہ معلوم نہیں کرسکے گا کہ وہ آلۂ کار کہاں ہے؟ تم اس کے ذریعے ہمارے قریب بھی نہیں آسکو گے کیونکہ وہ آلۂ کار اندھا ہے۔ وہ نہ تمہیں دیکھ سکے گا، نہ ہمیں دیکھ سکے گا۔ ہم سب اندھے دوست اندھے اتحادی ہوں گے اور ایک دوسرے پر اندھا اعتماد کرنے پر مجبور ہوں گے۔"

یہ بہت ہی عمدہ تدبیر تھی۔ اس سے یہودیوں کی مکارانہ ذہانت کا پتا چلتا تھا۔ بارودا لارا اور آبنوس ان سے راضی ہوگئے۔ انہوں نے کریگ ہوسٹن سے کہا تھا کہ وہ دو چار گھنٹوں کے بعد ان سے رابطہ کریں گے پھر اس اندھے آلۂ کار کی آواز سن کر اس کے دماغ میں جاکر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

مگر وہ دو چار گھنٹوں میں رابطہ نہ کرسکے۔ ان کے حالات تیزی سے بدلنے لگے تھے۔ لارا چپ کر مراد کی ٹوہ لینے گئی تھی اور اس کی نظروں میں آگئی تھی۔ اس کی شریک حیات بن کر اسے دھوکا دیتے رہنے کی پلاننگ ناکام ہوگئی تھی۔ اس کے حالات بدل گئے تھے۔ آئندہ مراد سے بدترین دشمنی جاری رہنے والی تھی۔

ایسی الجھن کے بعد دوسری الجھن یہ پیدا ہوئی کہ نیلماں اچانک مسلمانوں کی پناہ میں چلی گئی۔ بارودا اپنی بیٹی کو بہت چاہتا تھا۔ اس کی اچانک جدائی سے اپ سیٹ ہوگیا تھا۔ صدمے کے باعث ایک گوشے میں بیٹھ گیا تھا۔ کسی سے نہیں بول رہا تھا۔

کاہن نیلماں کو گالیاں دے رہا تھا۔ بارودا سے کہہ رہا تھا۔ "شیطان کی توہین کرنے والی پر تھوک دو۔ اسے یاد نہ کرو۔ بھول جاؤ۔ وہ مسلمانوں کے پاس حرام موت مرنے گئی ہے۔ میں ایسے شیطانی منتر پڑھوں گا کہ وہ ان دیکھی آگ میں جلتی رہے گی۔"

لارا نے سمجھایا۔ "بیٹی کے غم میں یہودیوں کو نہ بھولو۔ ان سے ہمیں بہت فائدہ حاصل ہوگا۔ وہ بہت ہی مکاری سے چالیں چلتے ہیں۔ اگر ان کی کسی تدبیر پر عمل کرکے ہم عابی کو کچل ڈالیں گے تو نیلماں یکہ و تنہا ہوکر پھر تمہارے پاس لوٹ آئے گی۔"

ایک باپ کو ہونے والے داماد سے دشمنی تھی۔ ہر طرف سے گونج سنائی دے رہی تھی کہ عابی کی بچھائی ہوئی سیج دلہن کے لیے موت کا بستر ہوتی ہے۔ اس کی بیٹی جان پر کھیلنے گئی ہے۔ وہ پاگل ہوگئی ہے۔ اسے سحرزدہ کردیا گیا ہے۔ کل صبح وہ اپنے باپ کو پاپا بولنے کے لیے زندہ نہیں رہے گی۔

بارودا نے تڑپ کر کریگ ہوسٹن کو فون پر مخاطب

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

www.paksociety.com

کیا۔ ''مسٹر ہوسٹن! میں بہت اپ سیٹ ہوں۔ میرا دماغ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ بیٹی کو اس دشمن کی سیج پر جانے سے کیسے روکوں؟ وہ مرجائے گی۔ میرا دل ابھی سے ٹکڑے ٹکڑے ہورہا ہے۔''

ہوسٹن نے کہا۔ ''آپ صبر کریں۔ وہ باپ بیٹے نادان نہیں ہیں۔ وہ پوری دنیا کے سامنے الزام اٹھانے کے لیے نیلماں کی ہلاکت کا سامان نہیں کریں گے۔ عابی کچھ سوچ سمجھ کر ہی ڈنکے کی چوٹ پر اسے شریک حیات بنارہا ہے۔''

بارودا کو صبر اور انتظار کرنا ہی تھا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ انہوں نے ایسے وقت طے شدہ پروگرام کے مطابق عمل کیا۔ ایک اندھے شخص کو کسی چار دیواری میں آرام سے بٹھا دیا گیا۔ وہ نابینا نہیں جانتا تھا کہ اسے کہاں لایا گیا ہے۔ بارودا کو فون پر اس کی آواز سنا کر اس کے دماغ میں پہنچایا گیا تھا۔

اس نے کہا۔ ''ہم نے طے کیا تھا کہ چار گھنٹے بعد ہماری یہ میٹنگ ہوگی لیکن بدلتے ہوئے حالات نے ہم ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو کئی معاملات میں الجھا دیا ہے۔ پہلے تو میری بیٹی کے مسئلے پر بولو۔ کیا کسی طرح ان کی نکاح خوانی کو روکا جاسکتا ہے؟ کیا میری بیٹی کو ان مسلمانوں کے چنگل سے نکال کر لایا جاسکتا ہے؟''

ہوسٹن نے کہا۔ ''اگرچہ یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں کوئی کام ناممکن نہیں ہے لیکن یہ ناممکن اس لیے ہے کہ وہ پوری فیملی اپنی ریاست میں اور اپنے محل میں ہے...... اور یہ اب تک کا تجربہ ہے کہ ..... تمہارا کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا، شیطان کا کوئی پجاری وہاں قدم رکھتے ہی بے نقاب ہوجاتا ہے۔ جنگ لڑنے کے لیے میدان میں آنا پڑتا ہے۔ کیا تم ٹیلی پیتھی جاننے والوں میں سے کوئی وہاں جانا چاہے گا؟ اگر کوئی حوصلہ کرے گا تو ہم ابھی اس ریاست کی روحانی سیکیورٹی کی سلامتی کے لیے چیلنج بن جائیں گے۔ ایسے ہنگامے برپا کریں گے کہ شادی خانہ آبادی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ وہ منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔ عابی تمہاری بیٹی کو سہاگ کی قربان گاہ تک نہیں لے جاسکے گا۔''

آبنوس، لارا اور کاہن، بارودا کی رہائش گاہ میں بیٹھے خیال خوانی کے ذریعے اندھے آلۂ کار کے اندر پہنچے ہوئے تھے۔ اس اندھے کے اطراف بیٹھے ہوئے کریگ ہوسٹن اور دوسرے چھ یہودی اکابرین سے باتیں کررہے تھے۔ وہ تمام یہودی یوگا کے ماہر تھے۔ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتے تھے۔ اس لیے کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا ان کے اندر نہیں آسکتا تھا۔

آبنوس نے کہا۔ ''میں تو اس ریاست میں جانے کی غلطی نہیں کروں گا۔ ریاست سے باہر دنیا بہت بڑی ہے۔ میں اس دنیا میں ان سے نمٹتا رہوں گا۔''

لارا نے کہا۔ ''میرے بھی نصیب اچھے تھے۔ میں بچ کر آگئی۔ دوسری بار ادھر کا رخ نہیں کروں گی۔ دراصل مراد اور عابی ہماری غیر معمولی صلاحیتوں کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔ انہیں صرف روحانی قوتیں بچارہی ہیں۔ روحانی قوتوں نے اس ریاست کو ہمارے لیے ممنوعہ بنادیا ہے۔ ہم وہاں جانے کی غلطی نہیں کریں گے۔''

بارودا نے کہا۔ ''کوئی وہاں جانے کا حوصلہ نہیں کرے گا۔ دشمنوں سے نمٹنے کا کوئی راستہ نہیں کھلے گا۔ مسٹر ہوسٹن! تم نے کہا تھا، ہمیں اپنی ٹیلی پیتھی کے ہتھیار کو استعمال کرنے کا صحیح راستہ بتاؤ گے لیکن تمہاری عقل بھی کام نہیں کررہی ہے جبکہ ایسے ہی چیلنج کے وقت کسی زبردست تدبیر کو ذہن میں آنا چاہیے۔ موجودہ حالات میں تم تمام یہودی بھی ہماری طرح مجبور اور بے بس ہوگئے ہو۔ ہم سے سمجھوتا اور اتحاد کرنے کے پہلے ہی دن ناکام ہورہے ہو۔ ہمیں ابتدا میں ہی مایوس کررہے ہو۔''

ہوسٹن نے کہا۔ ''تم مایوس ہورہے ہو۔ ہم مایوس اور کمزور ہونا نہیں جانتے۔ دشمنوں کی کسی نہ کسی کمزوری پر نظر رکھتے ہیں۔ بے شک ہم نے کہا تھا کہ ریاست میں جاکر بھی ان سے جیت نہیں سکو گے۔ وہاں قدم بھی نہیں رکھ سکو گے لیکن ہم انہیں ریاست سے باہر آنے پر مجبور کرسکتے ہیں۔ آج ہونے والی شادی کو روک سکتے ہیں۔''

بارودا نے تڑپ کر پوچھا۔ ''کیسے روک سکتے ہیں؟ کیا سچ کہہ رہے ہو؟ جلدی بتاؤ۔''

کاہن نے پوچھا۔ ''واقعی...... ایسا کیا کروگے کہ شادی رک جائے گی؟''

ہوسٹن نے کہا۔ ''اے کاہن! ہم تمہاری طرح شیطانی منتر نہیں جانتے ہیں مگر ہمارے دماغ میں جادو بھرا ہے۔ ہم شطرنج کے کھلاڑی ہیں اور دشمن کے ایک ایک مہرے پر نظر رکھتے ہیں۔ مراد کا ایک اہم مہرہ اس کا ایک بیٹا شہزادعلی منگی لندن میں کہیں ہے۔ اس پر اچانک ٹیلی پیتھی کے حملے کروگے اسے موت کی دہلیز پر پہنچادو گے تو مراد اور عابی جھاگ کی طرح بیٹھ جائیں گے۔ شادی خانہ آبادی کھٹائی میں پڑجائے گی۔''

وہ تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے خوشی سے اچھل

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

پڑے۔ باروڈا نے کہا۔ "دشمنوں کی اتنی بڑی کمزوری جانتے ہو۔ اب تک کیوں نہیں بول رہے تھے؟ مراد ایک بیٹے کی شادی کے لیے دوسرے بیٹے کی موت نہیں چاہے گا۔ پرنس عابد علی منگی بھی بھائی کو بچانے کے لیے نکاح خوانی بھول جائے گا۔ ریاست سے باہر نکل آئے گا۔ اور ہم کیا چاہتے ہیں؟ وہ باپ بیٹے ریاست میں نہ رہیں اور شادی تو آج رکے گی ہی۔ ابھی رکے گی۔ ہمیں ابھی شہزاد علی منگی کی کھوپڑی میں پہنچ کر اسے اپنا غلام بنانا چاہیے۔"

ہوسٹن نے کہا۔ "شہزاد کے متعلق چند اہم پوائنٹس ذہن میں رکھو۔ وہ ایک فولادی باپ کا بیٹا ہے۔ یقیناً یوگا کا ماہر ہوگا اور نہیں بھی ہوسکتا ہے۔ وہاں اس کے نام سے دولت اور جائداد ہوگی۔ تم سب خیال خوانی کے ذریعے وہاں کے سرکاری اداروں میں جاؤ گے۔ اعلیٰ عہدیداروں کے دماغوں سے معلوم کرو کہ لندن میں اس کی جائداد کہاں ہے؟ یوں معلوم ہوگا کہ وہ وہیں رہتا ہوگا اور... وہاں کس یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ آسانی سے اس کا پتا ٹھکانا معلوم ہوجائے گا۔"

وہاں بیٹھے ہوئے یہودی اپنے وسیع ذرائع سے لندن کے سرکاری اداروں میں پہنچ گئے۔ وہاں تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو پہنچادیا۔ عابی اور نیلماں کی نکاح خوانی کے لیے دو گھنٹے رہ گئے تھے۔ وہ شہزاد کو گرفت میں لیتے ہی چیلنج کرنے والے تھے کہ نکاح خوانی نہ روکی گئی تو مراد کو ایک بیٹے کی میت اٹھانی ہوگی۔

انہیں ایک گھنٹے کے اندر معلوم ہوگیا کہ لندن کی رچرڈسن اسٹریٹ میں شہزاد علی منگی کا شاہانہ طرز کا بنگلا ہے۔ باروڈا' لارا اور آبنوس یہودیوں کی مدد سے خطرناک شوٹروں کو اپنا آلۂ کار بنا کر اس بنگلے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ ایک نے کال بیل کے بٹن کو دبایا۔

وہ منزل تک پہنچ گئے تھے۔ ان کا شکار دو چار ہاتھ کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھی ملازمہ نے دروازہ کھولا۔ ایک نے کہا۔ "ہم شہزاد علی منگی سے ملنے اور اس کے باپ کا ضروری پیغام دینے آئے ہیں۔"

"باپ کا پیغام؟" ملازمہ نے حیرت سے پوچھا۔ "کس باپ کا پیغام......؟ وہ تو ابھی اپنے باپ کے پاس ہے پھر پیغام کس باپ کا لائے ہو؟"

باروڈا نے اپنے آلۂ کار کے ذریعے پوچھا۔ "کیا کہہ رہی ہو؟ کیا وہ اپنے باپ کے پاس ہے؟"

"ہاں، وہ اپنے بھائی عابد علی منگی کی شادی میں شریک ہونے گیا ہے۔ تم لوگ کون ہو؟"

وہ تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والے اور یہودی اکابرین جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ جسے پھانسنے آئے تھے، وہ بھی اسی ریاست میں پہنچا ہوا تھا جہاں وہ قدم نہیں رکھ سکتے تھے۔

کیسی ستم ظریفی تھی۔ وہ مراد اور عابی کی بہت بڑی کمزوری سے کھیلنے میں کامیاب ہونے ہی والے تھے۔ کامیابی کے دروازے تک پہنچ گئے تھے لیکن...

بہت بڑی اور زبردست پلاننگ کرنے والوں کے دماغوں میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کی خوشیوں میں شریک ہونے گیا ہوگا۔ ویسے عارضی طور پر ناکامی ہوئی تھی۔ شہزاد ہمیشہ اس ریاست میں رہنے والا نہیں تھا۔ وہ شادی کے بعد لندن واپس آنے والا تھا۔ تب وہ اپنا کھیل شروع کرسکتے تھے۔

☆☆☆

اس دنیا میں کیا نہیں ہوتا؟ جو نہ سوچو' وہ ہوجاتا ہے۔ کسی نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا کہ ازدواجی مسرتوں کے دوران دلہن ہلاک ہوجاتی ہے۔ ایسی ناقابلِ یقین واردات پہلے بھی ہوچکی تھی۔ اب دوسری ہونے جارہی تھی۔

ستر فی صد مرد حضرات کہہ رہے تھے۔ آگ کا کام ہے جلانا' خنجر کا کام ہے پیوست ہوکر جان نکال لینا۔ پرنس عابی اپنی شہ زوری سے مجبور ہے۔ شاید خاندانی منصوبہ بندی کے طریقے بھی ناکام ہوجائیں گے۔

باقی تیس فی صد خاموش تھے۔ بار بار ٹی وی کے سامنے آکر... خبریں سن رہے تھے۔ یہ بتایا گیا تھا کہ عابی اور نیلماں کا نکاح پڑھایا گیا ہے۔ وہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئے ہیں۔

وقت اپنی مخصوص رفتار سے گزر رہا تھا۔ ادھر رات جذبوں میں بھیگ رہی تھی۔ رفتہ رفتہ آدھی گزر گئی تھی اور آدھی بھی گزرتی جارہی تھی۔ بے شمار حسیناؤں کی نیندیں اڑ گئی تھیں۔ وہ اس خیال سے ٹی وی کے سامنے جاگ رہی تھیں کہ کسی وقت بھی اچانک کوئی چونکا دینے والی خبر نشر ہوسکتی تھی۔

کئی طرح کے سوالات ابھر رہے تھے اور جوابات بھی ازخود سمجھ میں آرہے تھے۔

آخر سپر پاور کے ایک اعلیٰ حاکم نے فون پر عابی کو کامیاب ازدواجی زندگی کی مبارک باد دی تو اس نے جواباً شکریہ ادا کیا۔ اس طرح یہ معلوم ہوگیا کہ دلہن زندہ سلامت ہے۔ یہ خبر اسپیشل چینل کے ذریعے دور تک پھیل گئی۔ یہ توقع

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

نہیں تھی کہ نیلماں خیریت سے رہے گی۔ سوال پیدا ہو رہا تھا' معجزہ کیسے ہوگیا؟ وہ کیسے بچ گئی؟ اس سوال کا جواب سب ہی چاہتے تھے، کیا نیلماں آئندہ بھی اس کے ساتھ راضی خوشی ازدواجی تعلقات رکھنے والی ہے؟

ایسے سوال کا جواب میاں بیوی کسی کو نہیں دے سکتے تھے۔

ہر بات کہنے کی نہیں ہوتی۔ سمجھنے کی ہوتی ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کے حوالے سے کچھ محفوظ طریقے ہیں اور جہاں تک نیلماں کا تعلق تھا۔ وہ ٹرانسپیرنٹ ہوجاتی تھی۔

کوئی بھی مسئلہ پیدا ہو۔ کوئی بھی فتنہ برپا ہو تو ابتدا میں بڑا شور ہوتا ہے۔ بڑی ہلچل پیدا ہوتی ہے پھر وہ مسئلہ کسی طرح حل ہوتا ہے اور نہیں بھی ہوتا۔ تب بھی وہ رفتہ رفتہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔

نیلماں اور عابی کی شادی خانہ آبادی آگے چل کر شادی ہی رہی، بربادی نظر نہیں آئی تو پہلے جیسا تجسس اور معلومات حاصل کرنے کی بے چینی نہ رہی۔ سب اپنے اپنے کام سے لگ گئے۔

یہ سب ہی تسلیم کر رہے تھے کہ مراد کی فیملی کئی دنیاوی معاملات میں ناقابلِ تسخیر ہے۔ مراد برسوں سے اپنی طاقت کا لوہا منواتا آرہا تھا۔ عابی نے آتے ہی ون مین آرمی بن کر یعنی اپنی ذات میں تنہا ایک فوج بن کر کئی ممالک کی افواج کے چھکے چھڑا دیے تھے۔ دونوں باپ بیٹے ٹیلی پیتھی کے ہتھیار کے ساتھ آنے والی شیطانی قوتوں کو مات دے رہے تھے۔ وہ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں انعام دے رہا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انہیں حضرت صلاح الدین اجمیری کی نادیدہ سرپرستی حاصل ہے۔

عابی روحانی صلاحیتوں کے باعث عجوبہ کہلا رہا تھا۔ ماروی کی پیدائش سے پہلے ہی یہ معلوم ہوگیا تھا کہ وہ بھی روحانی صلاحیتوں کی حامل ہوگی اور اب سونے پر سہاگا یہ کہ غیر معمولی صلاحیتوں کی حامل نیلماں اس خاندان میں آگئی تھی۔

اس کے باوجود طاغوتی محاذ کمزور نہیں تھا۔ بارودا، لارا، آبنوس اور کاہن غیر معمولی قوتوں کے حامل تھے۔ پراسرار قوتیں رکھنے والے شیطان کے پجاری اور بھی تھے۔ وہ بھی دین کے خلاف جنگ جاری رکھنے والے تھے پھر یہ کہ سیاسی مکاریوں کے حامل یہودی ان کے اتحادی تھے۔ وہ انہیں عداوت کے نت نئے راستے دکھا رہے تھے۔

اسے رابطہ تو بھی دکھایا تھا کہ انہیں مراد کے بیٹے شہزاد علی منگی کے دروازے تک پہنچا دیا تھا۔ اب انتظار تھا کہ شہزاد ریاست سے واپس آئے گا تو اسے لندن میں جکڑ لیا جائے گا۔ اسے شکنجے میں رکھ کر مراد اور عابی کو بڑی آسانی سے کمزور بنایا جائے گا۔

وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے شہزاد کی بوڑھی ملازمہ کے دماغ میں پہنچ جایا کرتے تھے۔ اس کے خیالات پڑھتے رہتے تھے۔ تقریباً پچیس دنوں تک انتظار کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ شہزاد دوسرے دن کی فلائٹ سے لندن اپنی رہائش گاہ میں آرہا ہے۔

کریگ ہوسٹن نے بارودا سے کہا تھا کہ فی الحال بوڑھی ملازمہ کے اندر رہیں۔ شہزاد کے دماغ میں نہ جائیں۔ وہ باپ اور بھائی کی طرح دماغی توانائی رکھتا ہوگا۔ ان کی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک کر انہیں بھگا دے گا پھر یہ بھید کھل جائے گا کہ دشمن شہزاد تک پہنچ رہے ہیں۔ تب اس کی سلامتی کے لیے وہ اسے ریاست سے باہر جانے نہیں دیں گے۔ اسے اپنی پناہ میں' سخت نگرانی میں رکھیں گے۔

ہوسٹن نے کہا۔ ”اگر مجھ سے اتحاد نہ ہوتا، میں یہ مشورہ نہ دیتا تو تم سب ٹیلی پیتھی کے ہتھیار کو پھر ذہانت سے استعمال نہ کرتے اور بگڑنا کام ہوتے۔“

وہ ان خیال خوانی کرنے والوں کو سمجھانے لگا کہ شہزاد کو کس طرح ٹریپ کیا جائے گا؟ اس نے کہا۔ ”وہ لندن آئے گا تو پہلے تمہارے تین آلۂ کار اس سے ملاقات کرنے کے لیے اس کی رہائش گاہ میں جائیں گے۔ جب وہ شہزاد کے روبرو پہنچ جائیں گے، تب تم تینوں اس کے دماغ میں جاؤ گے۔

”ایسے وقت وہ تمہیں اپنے اندر آنے سے روکے گا تو تمہارے تینوں آلۂ کار اسے گن پوائنٹ پر رکھیں گے۔ اسے زخمی کریں گے۔ یہی کامیاب طریقہ ہوگا۔ وہ زخمی ہوکر کمزوری کے باعث سانس نہیں روک سکے گا۔ تم لوگوں کو بھگا نہیں سکے گا۔ مراد کے ایک بیٹے کے دماغ پر تمہارا قبضہ ہوجائے گا۔“

بارودا نے کہا۔ ”واقعی یہ ہوتی ہے چالاکی اور چال بازی۔ ہم تم سے بہت کچھ سیکھتے رہیں گے۔“

مراد نادان نہیں تھا۔ بارہ برس پہلے اس نے اور محبوب علی چانڈیو نے لندن میں شہزاد کی تعلیم اور رہائش کے انتظامات کرتے وقت احتیاطی تدابیر اختیار کی تھیں۔ وہ

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

جانتے تھے کہ آج نہیں تو کل دشمن کبھی نہ کبھی شہزاد کو بھی ٹارگٹ بنائیں گے اور ایک باپ کی کمزوریوں سے کھیلیں گے۔ اب وہ اٹھارہ برس کا تھا۔ تاحال کسی دشمن نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ وہ سلامتی اور اطمینان سے وہاں تعلیم حاصل کررہا تھا۔

مراد بھی مطمئن تھا لیکن اب ٹیلی پیتھی جاننے والے نئے دشمن پیدا ہوگئے تھے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ دشمن کبھی شہزاد کے لیے مصیبت بنیں گے تو پھر جیسے بھی حالات پیدا ہوں گے ان سے تو نمٹنا ہی ہوگا۔

یہودیوں نے ادھر کا راستہ کھول دیا تھا۔ شہزاد دوسرے دن لندن آگیا۔ بارودا' بوڑھی ملازمہ کے اندر تھا۔ لارا اور آبنوس اپنے تین آلۂ کاروں کے دماغوں میں تھے۔ جب ملازمہ نے دروازہ کھول کر شہزاد کا استقبال کیا تو وہ تینوں آلۂ کار اطمینان سے چلتے ہوئے وہاں آئے۔

شہزاد اندر چلا گیا تھا۔ دروازہ بند ہوگیا تھا۔ انہوں نے کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ تھوڑی دیر بعد ملازمہ نے دروازے کو کھولا تو وہ تینوں اسے دھکا دیتے ہوئے اندر آگئے۔ وہ فرش پر گر کر تکلیف سے چلانے لگی۔

"یہ کیا زبردستی ہے.....کون ہو تم لوگ؟"

وہ گن نکال کر دندناتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئے پھر اس بنگلے کے مختلف حصوں میں جاکر اسے تلاش کرنے لگے۔ بارودا' ملازمہ کے دماغ سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ شہزاد کہاں ہے۔ وہ تکلیف سے کراہ رہی تھی اور فرش پر پڑی تھی' یہ نہیں جانتی تھی کہ شہزاد کہاں ہے؟ اسے تلاش کرنے والے ناکام ہوکر ڈرائنگ روم میں آئے۔ ایسے ہی وقت کوئی چیز اڑتی ہوئی آئی۔ ان میں سے ایک کے منہ پر ٹھوکر لگی۔ وہ پیچھے جاکر فرش پر گر پڑا۔

انہوں نے دیکھا وہ ایک بونا تھا۔ فضا میں قلابازیاں کھا کر ایک کو ٹھوکر مارتا ہوا سینٹر ٹیبل پر پہنچ کر دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر کھڑا ہوگیا تھا پھر اس نے پوچھا۔ "ہاں تو کیا تکلیف ہے؟ میں ہوں شہزاد علی منگی!"

وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے ایک بونے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ بارودا نے فوراً ہی کریگ ہوسٹن سے پوچھا۔ "کیا مراد کا بیٹا شہزاد بونا ہے؟"

"بونا......؟" ہوسٹن بھی حیران ہوا پھر بولا۔ "اسے بونا تو نہیں ہونا چاہیے۔ کیا تم نے اپنے آلۂ کار کے ذریعے ابھی اسے دیکھا ہے؟"

"ہاں لارا اور آبنوس بھی دیکھ رہے ہیں۔ وہ بونا خود کو شہزاد علی منگی کہہ رہا ہے۔"

"ہم نے بھی اس کے قد وقامت کے متعلق معلوم نہیں کیا ہے۔ تعجب ہے۔ جسٹ اے منٹ۔ ہم ابھی اس کے تعلیمی ادارے سے معلوم کریں گے۔"

بارودا اپنے آلۂ کار کے دماغ میں واپس آیا۔ وہاں لارا نے کہا۔ "تم شہزاد ہو تو ہمیں دماغ میں آنے دو۔ ہم تمہاری اصلیت معلوم کرلیں گے۔ ورنہ ایک گولی چلے گی پھر تم زخمی ہوکر اپنے دماغ کے دروازے بند نہیں کرسکو گے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی آلۂ کاروں کی چیخیں سنائی دیں۔ ان تینوں کے ہاتھوں سے ہتھیار نکل گئے۔ ان میں سے کوئی بیٹھ گیا، کوئی لمبا لیٹ گیا۔ اس نے پھر کمر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ "ہاں تو بولو' اب کیا ہوگا؟ ان تینوں کو پولیس والے لے جائیں گے۔"

وہ ایک طرف سے دوسری طرف جاتے ہوئے بولا۔ "تم مجھے کیسے لے جاؤ گے؟ اپنی ہسٹری، اپنا کچھ جغرافیہ بتاؤ۔ کون ہو؟ کیا وہی بابا جانی کے ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمن ہو؟ اگر ہو تو وہاں آرام سے موت آجاتی۔ اتنی دور کیوں مرنے آئے ہو؟"

انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہاں کوئی آلۂ کار کسی کام کا نہیں رہا تھا۔ وہ ان کے دماغوں سے چلے گئے تھے۔ کبڑی نے فون کے ذریعے پولیس کو واردات کی اطلاع دی پھر لاؤنج میں آگیا۔ وہاں شہزاد ہاتھ میں گن لیے بیٹھا تھا۔ اس نے گن کو صوفے پر پھینکتے ہوئے پوچھا۔ "انکل! یہ وہی شیطان کے پجاری ہیں؟"

وہ فون پر نمبر پنچ کرتے ہوئے بولا۔ "ہاں بیٹے! انہوں نے یہاں کا راستہ دیکھ لیا ہے۔ ہمیں اب ہر لمحہ محتاط رہنا ہوگا۔"

اس نے رابطہ ہونے پر کہا۔ "ہاں مراد! ہم یہاں پہنچ گئے ہیں۔ ہم سے پہلے مصیبتیں پہنچی ہوئی تھیں۔ شیطان کے ہاتھ بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے اب شہزاد کے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

مراد نے کہا۔ "یہ بہت برا ہوا۔ ایک نیا محاذ کھل گیا۔ میں نے اسی لیے تمہیں وہاں شہزاد کا سرپرست اور نگراں بنایا تھا۔ اب وہ تمام خبیث شہزاد کو میری کمزوری بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے۔"

"یہ چیلنج تو ہمارے سامنے آنا ہی تھا۔ پریشانی یہ ہے کہ شہزاد امن وسکون سے تعلیم حاصل نہیں کرسکے گا۔ آج

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اس نے پہلی بار بندوق اٹھائی ہے۔ کیا مصیبت ہے۔ آئندہ اس کے لباس میں بھی ہتھیار رہا کرے گا۔“

وہ عبداللہ کبڈی سے فون لے کر بولا۔ ”بابا جانی! بیٹے کو وراثت میں وہی ملے گا‘ جو باپ کے پاس ہے اور آپ کے پاس دشمنوں کی نہ ختم ہونے والی فوج ہے۔ ہتھیار ہیں‘ سازشیں ہیں‘ مکاریاں ہیں‘ قدم قدم پر موت کی دھمکیاں ہیں اور نت نئے چیلنجز ہیں۔ یہ میرے لیے بڑے فخر کی بات ہے کہ آپ نے جرائم کی دنیا میں جو شہرت حاصل کی ہے، وہ آج تک کوئی حاصل نہ کرسکا۔ عابی آپ کے نام کو چار چاند لگا رہا ہے۔ انشاء اللہ میں تعلیم اور ٹیکنالوجی کی فیلڈ میں آپ کا نام روشن کروں گا۔“

”خوش رہو بیٹے! میری اور عابی کی کوشش ہوگی کہ تمہیں ہتھیاروں سے زیادہ نہ کھیلنا پڑے۔ تمہارے ہاتھوں میں قلم اور اوزار رہا کریں۔ ابھی جو ہوا اسے نظر انداز کرو اور تعلیم کی طرف دھیان دو۔“

مراد نے رابطہ ختم کیا پھر سر جھکا کر پریشانی سے سوچنے لگا۔ دشمن شہزاد کو چھیڑ کر بہت بڑا چیلنج بن گئے تھے۔ اب وہ ریاست سے باہر نکلنے پر مجبور ہو رہا تھا۔

☆☆☆

وہ اندھا آلۂ کار ایک صوفے پر آرام سے بیٹھا اپنی پسند کی ڈشیں کھانے میں مصروف تھا۔ اسے ایک جگہ بیٹھ کر بولتے رہنے کے ہزاروں ڈالرز ملتے رہتے تھے۔ اس اندھے کی زندگی سنور گئی تھی۔ وہ جو کنگال تھا، اب اپنی بیوی بچوں کے ساتھ عیش و آرام سے رہنے لگا تھا۔

اس وقت کریگ ہوسٹن اور چھ یہودی اکابرین اس کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ بارودا‘ لارا اور آبنوس اس کے دماغ میں آگئے تھے۔ وہ سب بری طرح جھنجلا رہے تھے۔ شہزاد کو تر نوالہ سمجھا تھا کہ جاتے ہی اسے نگل جائیں گے اور وہ محاورتاً ہی نہیں، سچ مچ لوہے کا چنا ثابت ہوا تھا۔

کریگ ہوسٹن نے پوچھا۔ ”کیا ہوا؟“

لارا نے کہا۔ ”ہمارے تینوں آلۂ کار گولیاں کھا کر زخمی ہوگئے ہیں۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ شہزاد بے خبر ہوگا لیکن وہ باپ اور بھائی کی طرح صرف فائٹر ہی نہیں ہے، جمناسٹک کے کرتب بھی دکھاتا ہے لیکن تعجب ہے، وہ بونا ہے۔“

ہوسٹن نے کہا۔ ”میں نے شہزاد کے تعلیمی ادارے سے معلوم کیا ہے، وہ بونا نہیں ہے۔ باپ اور بھائی کی طرح قد آور ہے۔ کسی بونے کو اس کا باڈی گارڈ بنا کر رکھا گیا ہے۔“

بارودا نے کہا۔ ”ہمیں یقین تھا کہ یہ خالی میدان ہم مار لیں گے۔ شہزاد ابھی ہمارے شکنجے میں ہوتا تو مراد پھڑ پھڑاتا رہتا۔ ہمارے آگے گھٹنے ٹیکنے کے سوا اس کے پاس کوئی راستہ نہیں ہوتا۔“

ایک یہودی نے کہا۔ ”سہانے خواب دیکھنے کے پیسے نہیں لگتے۔ کسی وقت بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ دیکھو کہ خواب کی تعبیر نے تمہیں صرف مایوس نہیں کیا ہے۔ یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ وہ پہلے سے محتاط تھے۔ آئندہ اور زیادہ محتاط اور مستعد رہیں گے۔“

دوسرے یہودی نے کہا۔ ”ہم ابھی جان نہیں سکیں گے کہ وہ شہزاد کی سیکیورٹی کے لیے کیسی حکمتِ عملی اختیار کریں گے؟“

”جیسی بھی کریں، انہیں کچھ وقت تو لگے گا۔ ہم ابھی دوسرے آلۂ کار بنا کر وہاں جاسکتے ہیں۔ اس بار وہاں پہنچتے ہی شہزاد کو گولی مار کر زخمی......“

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ ایک یہودی نے پوچھا۔ ”کیا ہوا؟“

بارودا نے جھنجلا کر کہا۔ ”ہم وہاں کس پر گولی چلائیں گے؟ وہاں تو صرف بونا تھا۔ کوئی اور بھی تھا جس نے چھپ کر ہمارے تین آلۂ کاروں کو زخمی کیا تھا۔ ہم نے اس کی آواز بھی نہیں سنی ہے۔“

”بوڑھی ملازمہ کے دماغ میں رہو۔ شہزاد نظر آجائے گا۔“

آبنوس نے کہا۔ ”تم یہاں پلاننگ کرو، میں وہاں جاتا ہوں۔“

وہ خیال خوانی کے ذریعے وہاں گیا پھر ایک منٹ میں واپس آکر بولا۔ ”انہوں نے ملازمہ کی چھٹی کردی ہے۔ وہ اس بنگلے میں نہیں ہے اور کوئی ایسا نہیں ہے جس کے اندر رہ کر شہزاد پر نظر رکھی جاسکے۔“

ہوسٹن نے کہا۔ ”فی الحال اپنے نئے آلۂ کاروں کو بنگلے کے باہر نگرانی کے لیے رکھو۔ شہزاد ضرور تنہا باہر جائے گا تو اسے ٹریپ کیا جاسکے گا۔“

ہوسٹن نے لندن کے چار پیشہ ور سراغ رسانوں سے رابطہ کیا۔ وہاں کی یہودی تنظیم نے ان چار سراغ رسانوں اور شوٹرز کو فوری پیمنٹ کی۔ وہ شہزاد کی نگرانی کے لیے اس بنگلے کے باہر دور تک ٹہلنے لگے۔

مراد اپنے بیٹے سے غافل نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے اپنی بہو سے کہا۔ ”نیلماں! وہ لوگ ناکام ہوکر گئے ہیں۔ ان کا ردِ عمل معلوم کرو۔ اب وہ کیا کرنے والے ہیں؟“

وہ اسی وقت تاریک دنیا میں پہنچ گئی۔ کاہن کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

رہائش گاہ میں بارودا، لارا اور آبنوس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی باتیں سن کر نیلماں کو معلوم ہوا کہ وہ تینوں کسی آلۂ کار کے دماغ میں ہیں اور وہاں کچھ لوگوں سے باتیں کررہے ہیں۔

بارودا نے گفتگو کے دوران کسی کو مسٹر ہوسٹن کہا تھا اور کسی یہودی تنظیم کے سراغ رسانوں اور شوٹرز کا ذکر ہوا تھا۔

وہ مراد اور عابی کے پاس آکر بولی۔ ''وہ بھائی جان (شہزاد) کے بنگلے کے باہر سراغ رسانوں کی ڈیوٹی لگارہے ہیں۔''

عابی نے پوچھا۔ ''کیا ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے ذرائع لندن تک ہیں؟''

''نہیں، وہ کسی آلۂ کار کے دماغ میں رہ کر یہودیوں سے باتیں کررہے تھے۔ پاپا نے کسی کو مسٹر ہوسٹن کہا تھا۔''

عابی نے کہا۔ ''یا خدا...... وہ مجھے یہودیت کی گود میں بٹھانے والا ناکام ہوکر انتقاماً ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے لیے سہولتیں پیدا کررہا ہے۔''

مراد نے اسی وقت فون کے ذریعے عبداللہ کبڈی سے رابطہ کیا پھر اسے بتایا کہ بنگلے کے باہر دشمن کے جاسوس ہیں اور شاید ان کی تعداد چار ہے۔

عبداللہ نے کہا۔ ''ڈونٹ وری، میں ان سے نمٹنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تمہیں جلد ہی کال کروں گا۔''

مراد نے کہا۔ ''یار، شہزاد کے لیے میرا دل بہت کمزور ہے۔ اسے ان معاملات سے دور رکھنا۔''

''اے مراد! کیا ہوا ہے تجھے؟ تیرے منہ سے پہلی بار کمزور بات سن رہا ہوں۔ دشمن سنیں گے تو نہال ہوجائیں گے۔''

''یار...... تیری طرح میں بھی چاہتا ہوں کہ وہ ٹیکنالوجی کی فیلڈ میں نمایاں مقام حاصل کرے اور ایک پُرامن سماجی، معاشرتی زندگی گزارے لیکن ایسی زندگی گزارنے والوں کو بھی موت آتی ہے اور ان پر بھی جبر الاگی جاتی ہے۔ اب تو شہزاد سے بھی دشمنوں کی ٹھن گئی ہے۔ کہیں سے کوئی اندھی گولی آکر اسے لگے تو تو کیا کرے گا؟ کیا ایک کمزور باپ کی طرح اپنا سر پھوڑے گا؟''

مراد نے اپنا سر سہلاتے ہوئے کہا۔ ''یار معاف کردے۔ میں جذباتی ہوگیا تھا۔ حالات ایسے ہیں کہ شہزاد کو بھی اپنی سلامتی کے لیے گن پکڑنی ہوگی۔''

''اچھا فون بند کرتا ہوں، ذرا دیکھوں تو باہر کیا ہورہا ہے؟''

وہ رابطہ ختم کرکے بنگلے کے ٹیرس پر آیا۔ وہاں سے چھپ کر دیکھنے لگا۔ بنگلے کے پیچھے ایک گلی تھی۔ نگرانی کرنے والے ادھر چھپ کر نہیں رہ سکتے تھے۔ سامنے ایک سڑک تھی اور کھلے میدان میں ایک انسٹیٹیوٹ اور لائبریری کی عمارت تھی۔

وہ تھوڑی دیر تک انتظار کرتا رہا۔ دور تک نظریں دوڑاتا رہا پھر ایک گاڑی دکھائی دی۔ وہ انسٹیٹیوٹ کے پارکنگ ایریا میں جاکر رک گئی تھی۔ دو افراد اس کے اگلے دروازے کو کھول کر باہر نکلے اور کبڈی کی نظروں میں آگئے۔ اپنی گاڑی سے نکلتے وقت ان کی نظریں شہزاد کے بنگلے کی طرف تھیں۔ دیکھنے کا انداز کہہ رہا تھا کہ وہ کس مقصد کے لیے آئے ہیں۔ ان میں سے ایک گاڑی کے پاس رہا جبکہ دوسرا ٹہلنے کے انداز میں چلتا ہوا بنگلے کے پیچھے جانے لگا۔

کبڈی بھی ٹیرس کے پچھلے حصے کی طرف آگیا۔ وہ شخص وہاں پہنچ کر کسی سے فون پر بولنے لگا۔ بولتے وقت اس کی نظریں بنگلے پر تھیں۔ کبڈی کو یقین ہوگیا کہ وہ کرائے کا شوٹر ہے۔ پھر بھی اس نے سوچا کہ اس سے اندازے کی غلطی ہوسکتی ہے۔ یونہی کسی کی زندگی سے نہیں کھیلنا چاہیے۔ پہلے اور یقین ہوجائے، اسے ایکشن میں آنے پر مجبور کیا جائے۔

اس نے نشانہ لیا پھر ٹریگر کو دبایا۔ بے آواز گولی اس کے بازو کو چھیلتی ہوئی گزری تو وہ بوکھلا گیا۔ ایک دیوار کی آڑ میں جاتے ہوئے اپنی گن نکالنے لگا۔ وہ بھی بڑا پھرتیلا تھا۔ اس نے پلٹ کر ٹیرس کی طرف دوبار فائرنگ کی تو یقین ہوگیا۔ تب کبڈی نے دوسری گولی صحیح نشانے پر داغ دی۔ وہ اچھل کر گرا پھر وہیں پھڑپھڑا کر رہ گیا۔

آبنوس اس کے دماغ میں تھا۔ اس نے چیخ کر کہا۔ ''بارودا! میرا آلۂ کار مارا گیا ہے۔ یہ کیا ہورہا ہے؟ وہ ابھی تو وہاں پہنچا تھا۔''

بارودا نے کہا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ لوگ کتنے فاسٹ ہیں؟ کیسے فوراً ہی اپنے دشمنوں کو تاڑ لیتے ہیں؟''

پھر وہ تینوں اپنے آلۂ کاروں کے دماغوں میں پہنچ کر بولنے لگے۔ ''تمہارا ایک ساتھی مارا گیا ہے۔ تم لوگ نظروں میں آگئے ہو۔ چھپ کر وہاں نگرانی نہیں کرسکو گے۔ ابھی جاؤ وہاں سے۔''

کبڈی ٹیرس پر تھا۔ اس نے بنگلے کے سامنے دیکھا۔ وہ گاڑی پارکنگ ایریا سے نکل کر واپس جارہی تھی۔ اس نے فون پر مراد سے کہا۔ ''میں نے ایک کو مار گرایا ہے۔ اس کا دوسرا ساتھی یہاں سے بھاگ گیا ہے۔ باقی میری نظروں

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

میں نہیں آئے ہیں۔"

اس نے کہا۔ "ابھی نیلماں نے آکر بتایا ہے کہ وہ سب وہاں سے جاچکے ہیں۔ عارضی طور پر پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ شاباش کبڈی! تم نے میدان خالی کردیا۔ سوچتا ہوں تم آدھے ہو۔ پورے ہوتے تو پتا نہیں کیسی قیامتیں برپا کرتے۔"

کبڈی نے ہنستے ہوئے رابطہ منقطع کردیا۔

☆☆☆

لارا کے مقاصد یہ تھے کہ وہ مراد کی زوجہ بن کر بڑی رازداری سے، بڑے اعتماد سے اس کے دین میں شگاف ڈالے گی۔ اس کے دینی طور طریقوں میں رفتہ رفتہ بے ترتیبی اور کمزوری پیدا کرے گی۔ اسے بھی شبہ نہیں ہونے دے گی کہ وہ کافروں سے بھی بدتر شیطان کی پجارن ہے۔

اس کا اہم مقصد یہ تھا کہ مراد کے بچے پیدا کرے گی اور ان کی اس طرح پرورش کرے گی کہ وہ جوان ہوتے ہوتے باپ کے سر پر شیطانی رقص کرنے لگیں گے۔ ان کے درمیان مذہبی تضاد پیدا ہوگا تو وہ باپ سے بغاوت کریں گے۔ مراد بھی ان کی شیطانی فطرت کو برداشت نہیں کرے گا۔ نیک نامی اور شہرت حاصل کرنے والے مراد علی منگی کا خاندانی شیرازہ بکھر جائے گا۔

منصوبے تو خوب کھل کھلا کے بنائے جاتے ہیں لیکن کوئی اپنے آنے والے کل سے آگاہ نہیں ہوتا۔ انسان سو برس کا سامان کرتا ہے اور پل کی خبر نہیں رکھتا۔ لارا کی حسرتیں دل میں ہی رہ گئیں۔ تمام تخریبی منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔

اس کی اصلیت معلوم ہونے کے بعد مراد نے سوچا تھا کہ اسے فریب اور مکاری کی سزا دے گا۔ اسے اس طرح اپاہج بنادے گا کہ کوئی اسے ایک رات کے لیے بھی قبول نہیں کرے گا۔ عورت کے لیے یہی سزا ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔

وہ پہلے تو ریاستی معاملات میں مصروف تھا۔ اب دشمنوں نے شہزاد کی سلامتی کو چیلنج بنادیا تھا۔ وہ اس قدر مصروف ہوگیا تھا کہ لارا کو عارضی طور پر نظرانداز کررہا تھا پھر بھی یہ بات ذہن میں تھی کہ کبھی کہیں ٹکراؤ ہوگا تو اس کی گردن دبوچ لے گا۔ اسے چھوڑے گا نہیں، سزا ضرور دے گا۔

ویسے ایک دن تو ٹکراؤ ہونا ہی تھا۔ اس کے آثار شیطان کی عبادت گاہ میں پیدا ہوگئے۔ تاریک دنیا کے ایک وسیع وعریض معبد میں شیطان کا ایک قدآور مجسمہ تھا۔ وہاں مرد عورتیں، بچے اور بوڑھے پوجا پاٹ کے لیے اور ناچنے گانے کے لیے آتے رہتے تھے۔

اس رات شیطان کے قدموں میں سالانہ جشن منایا جارہا تھا۔ حسین عورتیں اور خوبرو مرد اپنی سالانہ کارکردگی کی روداد شیطان کے سامنے سنایا کرتے تھے۔ روداد یہ ہوتی تھی کہ وہ بیرونی دنیا میں کس طرح شیطانی تعلیمات کا پرچار کرتے ہیں۔ کس طرح لوگوں کو گناہوں کی نت نئی دلچسپیوں اور رنگینیوں میں سحرزدہ کردیتے ہیں۔ ایسے سحرزدہ ہوجانے والے بظاہر مذہبی رہ جاتے ہیں لیکن درپردہ بے لگام گناہ آلود زندگی گزارتے ہیں۔

کاہن نے کہا۔ "تم میں سے جو ٹیلی پیتھی اور دوسرے خطرناک علوم جانتا ہے، وہ میرے سامنے آجائے۔"

ٹیلی پیتھی شیطانی علم نہیں ہے لیکن یہ علم شیطان صفت لوگوں کو حاصل ہورہا تھا۔ دو ٹیلی پیتھی جاننے والے کاہن کے سامنے آگئے۔ اس نے ایک سے پوچھا۔ "تیرا نام کیا ہے؟"

وہ بولی۔ "میرا نام امبی مالا ہے۔ میں خیال خوانی کے ذریعے کسی کو بھی ٹریپ کرلیتی ہوں۔"

"کیسے کرلیتی ہے؟ تیری عمر کچھ زیادہ لگ رہی ہے۔ چہرے پر بڑھاپے کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔"

"ہاں مگر میں بوڑھی نہیں رہتی۔ شیطان معظم کی جے ہو...... میں جب چاہتی ہوں سولہ برس کی کنواری کنیا بن جاتی ہوں۔ جس پر دل آتا ہے اسے سولہ برس کے سبز باغ میں لے آتی ہوں۔ خوب عیش وعزت کی زندگی گزار رہی ہوں۔"

کاہن نے کہا۔ "اب تم ہمارے لیے کام کروگی۔ ایک باپ ہے اور دو بیٹے ہیں۔ ان میں سے ایک بیٹا لندن میں ہے۔ تم اسے ٹریپ کروگی۔ کیا ان کے بارے میں کچھ جانتی ہو؟"

"مراد علی منگی اور پرنس عابی ہمارے شیطان کی طرح مشہور ہیں۔ انہیں کون نہیں جانتا؟ میں نے دوروز پہلے شہزاد علی منگی کو لندن ائرپورٹ پر دیکھا تھا۔ وہ اپنی ریاست سے واپس آیا تھا۔ میرا دل اس پر آگیا۔ میں اس کے ذہن کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے اس کے دماغ میں پہنچی تو وہ کچھ بے چین سا ہوگیا۔ اس کا دماغ قدرتی طور پر حساس ہے۔ وہ میری سوچ کی لہروں کے باعث پریشان ہوگیا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اچانک کیا ہو رہا ہے؟ وہ کسٹم چیکنگ سے گزر رہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ اس کے لب و لہجے میں کہا...... مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ناگواری سی محسوس ہو رہی ہے۔ برداشت کرنا چاہیے۔ یہ دوشیزہ جو پاس کھڑی ہے اس کے حسن و شباب میں دلچسپی لوں گا تو دل بہل جائے گا۔''

''وہاں میرے سامان کی بھی چیکنگ ہو رہی تھی۔ ویسے تو وہ مجھے پہلے بھی دیکھ رہا تھا۔ اس بار اس کی سوچ سے معلوم ہوا کہ دل سے دیکھ رہا ہے۔ اس کے چور خیالات نے بتایا کہ رومینٹک موڈ میں رہنے والا جوان ہے۔ اسے پھانسنے میں دیر نہیں لگے گی۔ وہ چیکنگ کے دوران کسٹم کے افسران سے بھی باتیں کر رہا تھا۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کے اہم خیالات پڑھے تو یہ جان کر حیران ہوئی کہ وہ مراد علی منگی کا بڑا بیٹا ہے۔ میری دلچسپی اور بڑھ گئی۔''

کاہن نے پوچھا۔ ''پھر تو تم نے یہ معلوم کیا ہوگا کہ اس کا باپ اور بھائی پرنس عابی ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے دشمنی کر رہے ہیں؟''

وہ بولی۔ ''شہزاد کے دماغ میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اس کے باپ سے ہماری جو دشمنی ہے، اس کا مجھے کسی حد تک علم ہے لیکن وہ اپنے باپ اور بھائی کی مصروفیات کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ ایک طالبِ علم کی سیدھی سادی زندگی گزار رہا ہے۔''

کاہن نے پوچھا۔ ''آگے بولو کیا ہوا؟''

وہ بولنے لگی۔ ''چیکنگ کے بعد اس نے میری ایک اٹیچی اٹھا کر ٹرالی پر رکھتے ہوئے کہا، میں ہیلپ کر رہا ہوں۔ تمہارا سامان زیادہ ہے اور بھاری ہے۔''

میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''او تھینک یو۔ یو آر سو نائس ٹو می۔ میرا نام امی مالا ہے۔''

میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''میرا نام شہزاد علی منگی ہے۔''

''میں تمہیں دیر سے دیکھ رہی تھی۔ تم کبھی کبھی پریشان ہوتے تھے پھر نارمل ہو جاتے تھے۔''

یہ کہتے ہی میں پھر اس کے دماغ میں پہنچ گئی۔ وہ اپنے سر کو چھو کر بولا۔ ''پھر وہی عجیب سی بے چینی ہے۔ پتا نہیں یہاں پہنچتے ہی اور آب و ہوا بدلتے ہی کچھ ہو رہا ہے۔''

میں نے اس کے دماغ سے نکل کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اب کچھ نہیں ہوگا۔ جو مجھے چھو لیتا ہے اس کی تکلیف دور ہو جاتی ہے۔''

وہ حیرانی سے خوش ہو کر بولا۔ ''واقعی میرا سر ہلکا پھلکا سا لگ رہا ہے۔ کسی طرح کی بے چینی نہیں ہے۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''تو پھر میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ مصافحہ بہت لمبا ہو گیا ہے۔''

وہ فوراً ہی ہاتھ چھوڑ کر بولا۔ ''کیا ہم دوست بن سکتے ہیں؟''

''میں تو یہی چاہتی تھی کہ دوستی کی آفر اس کی طرف سے ہو اور یہی ہوا۔ ہم نے ایک دوسرے کا فون نمبر لیا پھر کسی وقت ملنے کا وعدہ کر کے بچھڑ گئے۔''

کاہن نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''شاباش۔ تم نے پھانسنے کے معاملے میں واقعی گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ اسے بہت خوب صورتی سے ٹریپ کیا ہے۔ مراد اور عابی تو عورتوں سے دور بھاگتے ہیں۔ تم نے اس کے اس بیٹے کو بھاگنے سے پہلے ہی دبوچ لیا ہے۔''

بارود وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ ''امی! تم سے اس کی ملاقات کے بعد ہی ہم نے اس کے بنگلے میں اسے ٹریپ کرنا چاہا تھا اور ناکام ہو گئے تھے۔ ہمیں معلوم ہوتا کہ تم نے اسے پھانس لیا ہے تو ہم بھی اپنا وقت اور لاکھوں ڈالرز ضائع نہ کرتے، بہرحال تم نے خوش کر دیا ہے۔ آج ہم جشن منانے کے بعد ایسی پلاننگ کریں گے کہ وہ کبھی تمہارے شکنجے سے نکل نہیں سکے گا۔ تم اسے دماغی طور پر کمزور بناتی رہو گی۔ اس کا دین بدل دو گی۔ ہمارے شیطان کا پرستار بنا دو گی۔''

وہاں شیطانی پرستش کا سالانہ جشن منایا جا رہا تھا۔ چیختی ہوئی جذباتی موسیقی کی دھن پر عورتیں مردوں کے ساتھ ناچ رہی تھیں۔ گا رہی تھیں۔ وہاں شراب پانی کی طرح بہہ رہی تھی۔

دو ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ ایک تو امی مالا تھی۔ دوسرا ایک درمیانے قد کا جوان تھا۔ کاہن نے اس سے پوچھا۔ ''تیرا نام کیا ہے؟''

وہ بولا۔ ''میں شیطان معظم کی پرستش کرتا ہوں۔ اس کے نام سے طاغوتی کہلاتا ہوں۔ میں ٹیلی پیتھی کا کھلاڑی ہوں۔ ایسے لوگوں کے پیچھے پڑ جاتا ہوں جو یوگا کے ماہر ہوتے ہیں۔ سانس روک کر مجھے اپنے اندر نہیں آنے دیتے۔ میں مختلف ہتھکنڈوں سے انہیں زیر کر لیتا ہوں۔''

کاہن نے کہا۔ ''تم ہمارے موجودہ مشن کے لیے بہت ضروری ہو۔ تمہیں آئندہ ایسے لوگوں کے اندر پہنچنا ہے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

جنہوں نے اپنے طاغوتی قوتوں کو فولادی قلعہ بنا رکھا ہے۔ ان کی طاغوتی قوتوں میں اضافہ ہو رہا۔ وہ ناچ رہے تھے۔ گا رہے تھے۔ عورتوں نے کم سے کم لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ بڑے ہی ترغیب دینے اور بھڑکانے والے انداز میں بدن کی نمائش کر رہی تھیں۔ لارا بھی نشے میں مست ہو کر جھوم جھوم کر ناچ رہی تھی۔

پھر اس کا دل اچانک ہی ڈوبنے لگا تھا۔ گھبراہٹ سی ہونے لگی۔ تب ہی اسے ابکائی سی محسوس ہوئی۔ شاید شراب اندر سے باہر آنا چاہتی تھی۔ اس نے قے کرنے کی کوشش کی لیکن اندر سے کچھ نہیں نکل رہا تھا۔

وہاں بوڑھی عورتیں موجود تھیں۔ وہ سمجھ گئیں۔ انہوں نے اسے وہیں لٹا کر اس کا معائنہ کیا پھر کہا۔ ''یہ ماں بننے والی ہے۔''

یہ ایسی چونکا دینے والی خوش خبری تھی کہ لارا پریشانی اور گھبراہٹ کو بھول گئی۔ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھ شیطان کے مجسمے کی طرف پھیلا کر قہقہہ لگانے لگی۔ ''اہرمن......! اے اہرمن......! کھلا دیا میرے دل کا چمن۔ ہاہاہا...... اب کہاں بچ کے جائے گا دشمن؟''

وہ شیطان کے قدموں پر سر رکھتے ہوئے بولی۔ ''جے ہو تیری طلسماتی قوتوں کی۔ روحانی قوتوں کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے ایک مراد علی منگی میرے پیٹ میں آ گیا ہے۔''

کاہن نے کہا۔ ''تُو نو مہینے کے بعد یہاں شیطان کے سامنے اس ننھے مراد کو جنم دے گی۔ ہم اس کا نام بامراد رکھیں گے۔''

بارودا نے کہا۔ ''اس دشمن کو بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ اللہ والا، شیطان کی چھاؤں میں باپ بننے والا ہے۔''

وہ سب بیرونی دنیا کی ایک رہائش گاہ میں آ گئے۔ لارا نے مراد کے نمبر پنچ کر کے فون کو کان سے لگایا۔ دوسری طرف کالنگ ٹون جا رہی تھی۔ پھر آواز آنا بند ہو گئی۔ وہ ناگواری سے بولی۔ ''لائن کاٹ دی۔ اونہہ، بہت اکڑ رہا ہے۔ ابھی سکڑ جائے گا۔''

اس نے پھر نمبر پنچ کیے۔ مراد نے اپنے فون کو دیکھا پھر عابی سے کہا۔ ''لارا مجھے بار بار کال کر رہی ہے۔ میں اس کی آواز نہیں سننا چاہتا۔ نیلماں سے کہو اس کی خبر لے۔ وہ کیوں ایک ماہ کے بعد اچانک کال کر رہی ہے؟''

اس نے بٹن دبا کر دوسری بار بھی کال کرنے والی کو چپ کرا دیا۔ نیلماں وہاں پہنچ گئی تھی۔ ٹرانسپیرنٹ ہو کر ایک جگہ چھپ کر سن رہی تھی۔ اپنے باپ بارودا کو بڑے پیار سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''اس نے پھر لائن کاٹ دی ہے۔ تم سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا۔''

لارا نے بے چینی سے پہلو بدل کر کہا۔ ''میرے اندر ایسی ہلچل ہے کہ اس دشمن کو خوش خبری سنائے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔ میں کیا کروں؟ کیسے اس کے اندر دھما کا کروں؟''

نیلماں سوچنے لگی۔ ''تعجب ہے یہ ایسی کون سی خوش خبری سنانا چاہتی ہے جو بابا جانی کے لیے دھماکا ثابت ہو گی۔ کیا یہ لوگ کسی محاذ پر کامیابی حاصل کر رہے ہیں؟''

بارودا نے کہا۔ ''وہ تمہارا فون کبھی اٹینڈ نہیں کرے گا۔ تم اسپیشل چینل کے ذریعے اسے مخاطب کرو۔ پوری دنیا کو بھی بتاؤ کہ اس کے بچے کی ماں بننے والی ہو۔''

حیرت اور صدمے سے نیلماں کا منہ کھل گیا۔ وہ مراد اور عابی کے پاس آ کر بولی۔ ''بابا جانی! بہت بری خبر ہے۔ وہ آپ کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔''

مراد ہڑبڑا کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ یہ بات دور تک ذہن میں نہیں تھی کہ وہ اس کے بچے کی ماں بنے گی۔ حالانکہ سیدھا سا قدرتی نتیجہ سامنے آیا تھا۔ یہ حیران کرنے والی نہیں، صدمہ پہنچانے والی بات تھی۔ شیطان کی لاڈلی اس کی اولاد کو جنم دینے والی تھی۔ دین کے خلاف اس کی پرورش کرنے والی تھی۔

وہ غصے اور صدمے سے لرز گیا۔ اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ ایک چڑیل کے جال میں کیوں پھنس گیا تھا؟ لارا کے متعلق اچھی طرح چھان بین کیوں نہیں کی گئی؟ کیوں اسے منکوحہ بنانے میں جلدی کی گئی؟

جلد ہی دنیا والوں کو اسپیشل چینل کے ذریعے یہ دلچسپ اور سنگین خبر سنائی گئی۔ ''سنو دنیا والو......! سنو کہ ایک ایمان والے کی اولاد شیطانی کوکھ سے جنم لینے والی ہے۔''

لارا ایک چینل سے مراد کو مخاطب کر رہی تھی۔ للکار رہی تھی، کہہ رہی تھی۔ ''ارے او ناقابلِ شکست کہلانے والے سورما! میں نے تجھے پچھاڑ دیا ہے۔''

وہ ٹی وی کے سامنے سر جھکائے بیٹھا سن رہا تھا۔ عابی، نیلماں، ہمزاد اور زیب النساء سب ہی پریشان تھے۔ یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ آگے جا کر ایمان اور شیطان کے درمیان سنگین فسادات برپا ہوتے رہیں گے۔

ہمزاد نے کہا۔ ''اب کیا ہو سکتا ہے؟''

زیب النساء نے کہا۔ ''وہ عداوت سے باز نہیں آئے گی اور ہماری طرف سے عداوت نہیں ہو سکے گی کیونکہ لارا کو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

نقصان پہنچائیں گے تو بچے کو بھی نقصان پہنچے گا۔“
ہم زاد نے کہا۔ ”واقعی مراد......! ہم اس سے دشمنی نہیں کرسکیں گے۔ اس سے کسی طرح بھی سمجھوتا کرنا ہوگا۔ بچے کو اپنے ماحول میں لاکر رکھنا ہوگا۔“
”وہ کبھی ہمارے ماحول میں نہیں آئے گی۔ اسے دشمنی کے لیے بہت بڑی طاقت مل گئی ہے۔“
عابی نے کہا۔ ”بابا جانی! کچھ کیا جائے۔ کوئی ایسی صورت ہو کہ بچہ ہمارے ماحول میں پرورش پائے۔ اسے یقین دلایا جائے کہ ہم اس ماں سے بچے کو نہیں چھینیں گے۔ وہ ہمارا ہے۔ ہم اسے تعلیم اور تربیت دیں گے۔“
مراد نے کہا۔ ”اسے کھل کر دشمنی کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ وہ مجھ سے کسی طرح کا سمجھوتا نہیں کرے گی پھر بھی میں اس سے بات کرتا ہوں۔ دنیا والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے اولاد کی خاطر اپنے اصولوں میں لچک پیدا کی ہے۔ اس سے سمجھوتا ہوگا تو دشمنی کم سے کم ہوتی جائے گی۔ اچھا ہے۔ لوگ مانیں گے کہ امن و امان کی صورت نکالی جارہی ہے۔“
اس نے چینل کے ذریعے کہا۔ ”میں لارا سے مخاطب ہوں۔ تم نے ماں بننے کی خبر سنائی ہے۔ اس خبر کو اپنے لیے خوش خبری اور میرے لیے عذاب کہا ہے۔ میں ایسا نہیں سمجھتا۔ یہ میرے لیے بھی خوش خبری ہے۔ یہ بچہ بچھڑے ہوئے ماں باپ کو ملانے آیا ہے۔ ہم پھر سے ایک ہوسکتے ہیں۔ اس طرح بچہ ماں اور باپ کے سائے میں پرورش پاتا رہے گا۔“
وہ ہنسنے لگی پھر بولی۔ ”ایسے وقت کہتے ہیں ’اونٹ آیا ہے پہاڑ کے نیچے۔ ویسے میں نادان نہیں ہوں۔ تمہارے جھکنے سے دھوکا نہیں کھاؤں گی۔ اپنے بچے پر تمہارا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گی۔ ہم آگ اور پانی ہیں۔ شیطان آگ ہے جلاتا رہے گا، تم بجھاتے رہو گے اور تماشا دیکھتے رہو گے۔“
”کیا تم کسی بھی پہلو سے دوستی اور سمجھوتا نہیں کروگی؟“
”کروں گی لیکن تمہارے پاس نہیں آؤں گی۔ تم میرے پاس آؤ گے۔ میں نے تمہارے دین کا کلمہ پڑھا تھا۔ اب تم میرے شیطان کا کلمہ پڑھو گے۔ پھر ہم دونوں مل کر اپنی اولاد کو بھی یہی کلمہ پڑھاتے رہیں گے۔“
”تھو ہے تم پر۔ تمہاری باتوں نے ثابت کردیا ہے کہ دوستی اور محبت تمہیں راس نہیں آئے گی۔ تم پوری دنیا کے سامنے شیطانی ارادے ظاہر کرکے اپنی موت کا سامان کررہی ہو۔“
”یاد رکھو کسی چال بازی سے مجھے مارو گے تو میرے ساتھ بچہ بھی مارا جائے گا۔“
”اللہ نے چاہا تو وہ سلامت رہے گا۔ تم دس ماہ تک جیو گی پھر میری چیز میرے لیے چھوڑ کر جاؤ گی۔“
”میں مرنے سے ڈرنے والی نہیں ہوں۔ میرے بعد بچے کو تاریک دنیا سے اور شیطان کے معبد سے باہر کوئی لے جا نہیں سکے گا۔ وہ مضبوط ہاتھوں میں پرورش پاتا رہے گا۔“
”وہ بچہ جہاں جہاں، جن کے ہاتھوں میں جائے گا، وہ اپنے ہاتھوں سے محروم ہوتے جائیں گے۔ دنیا دیکھے گی کہ مراد علی منگی کی اولاد ایمان والی ہی رہے گی۔“
چینل سے رابطہ ختم ہوگیا۔ وہ سب اندھے آلۂ کار کے پاس آگئے۔ ان سب کے ذہنوں میں ایک ہی سوال تھا کہ مراد کیا کرنے والا ہے؟
کریگ ہوسٹن نے کہا۔ ”مراد بھی کھوکھلا چیلنج نہیں کرتا ہے۔ اب تک اس کا یہی ریکارڈ ہے۔ وہ ضدی دشمن جو کہہ دیتا ہے اسے کرکے دکھاتا ہے۔“
ایک یہودی نے کہا۔ ”اس بار تو اس کی اپنی اولاد کا معاملہ ہے۔ وہ کٹر مسلمان ہے۔ اپنے بچے کو شیطانی ماحول میں رہنے نہیں دے گا۔ لارا کے پیچھے پڑ جائے گا۔“
لارا نے کہا۔ ”وہ میری پرچھائیں تک بھی پہنچ نہیں پائے گا۔ ہماری تاریک دنیا میں کبھی نہیں آسکے گا۔ مجھے باہر کسی دوسرے روپ میں پہچان نہیں سکے گا۔ دیکھ لینا‘ میرے معاملے میں اس کا چیلنج کھوکھلا رہے گا۔“
آبنوس نے کہا۔ ”تم بھول رہی ہو۔ عابی نے مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا پھر اچانک مجھے کیسے پہچان گیا تھا؟“
”نیلماں ہم سے چھپ کر عابی سے ملتی تھی۔ اس نے تمہاری گردن تک اسے پہنچایا تھا۔ اب ہم سب کو نیلماں سے بھی محتاط رہنا چاہیے۔ میں اپنا چہرہ، اپنی شخصیت تبدیل کرکے یہاں رہوں گی تو وہ مجھے پہچان نہیں سکے گی۔ میرے خلاف مخبری نہیں کرسکے گی۔“
ایک یہودی نے کہا۔ ”اگر تمہیں یقین ہے کہ وہ تمہیں کبھی پہچان نہیں سکے گا تو یہ تم ہی جانو۔ ہم تو مراد کو دیکھتے آرہے ہیں۔ وہ انہونی کو ہونی اور ہونی کو انہونی بنادیتا ہے۔“
”تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے۔ تم یہودی شطرنج کے کھلاڑی ہو۔ بولو میں کیا کروں؟“
”نیلماں کو کسی طرح تاریک دنیا میں آنے سے روکو۔ ابھی تم تینوں وہاں بیٹھے خیال خوانی کے ذریعے ہم سے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

بول رہے ہو۔ کیا وہ ایسے وقت قریب آ کر ہماری باتیں سن سکتی ہے؟ وہ کیسے آئی ہوگی؟ کیسے تم لوگوں سے چھپی ہوگی؟"

وہ تینوں اپنے آس پاس حدِ نظر تک دیکھنے لگے۔ بارو دا نے کہا۔ "وہ میری بیٹی ہے۔ دشمنوں کے جال میں پھنس گئی ہے۔ وہ روشنی میں چھپ کر آتی ہے تو ٹرانسپیرنٹ ہوجاتی ہے۔ ڈھونڈنے سے دکھائی نہیں دیتی جبکہ ہم اندھیرے میں آس پاس کی چیزوں کو دیکھ لیتے ہیں۔"

لارا نے کہا۔ "اسے تاریک دنیا میں چھپنے کی سہولتیں حاصل ہیں۔ میں جگہ بدل کر روپ بدل کر رہوں گی، تب وہ مجھے ڈھونڈتی ہی رہ جائے گی۔"

"تم بھول رہی ہو۔ جب تمہارے جسم میں تبدیلیاں رونما ہوں گی تو کسی بھیس میں بھی پہچانی جاؤ گی۔"

"میں ایسے وقت تمہاری بیرونی دنیا میں آ کر رہوں گی۔ اس وسیع و عریض دنیا میں کروڑوں عورتیں مائیں بنتی ہیں۔ وہاں آسانی سے چھپ کر رہ سکوں گی۔"

"چلو اچھا ہے کہ تم ہر طرح سے محتاط رہوگی۔"

بارو دا نے کہا۔ "ہمارے لیے ایک اچھی بات یہ ہوئی ہے کہ اب مراد لارا تک پہنچنے کے لیے ریاست سے باہر آئے گا۔ وہ ریاست کا حکمران ہے لیکن لاکھوں میں پہچانا جاتا ہے۔ اس لیے بھیس بدل کر آئے گا لیکن کہیں بھی حالات سے مجبور ہو کر ایکشن میں ہوگا تو اپنے وے آف ایکشن سے پہچانا جائے گا۔"

کریگ ہوسٹن نے کہا۔ "بارو دا! اسے اپنی بدنصیبی یا مراد کی خوش نصیبی کہو۔ تم لوگ شہزاد جیسے آسان ٹارگٹ کے ذریعے بھی اسے کمزور نہ بنا سکے۔ اب بھی وہ آسان ہے۔ اس کے بونے محافظ کو کھٹمل کی طرح مسل سکتے ہو۔ اس کی طرف توجہ دو۔"

"ہم توجہ دے رہے ہیں۔ اب ہمیں ناکامی نہیں ہوگی۔ ہماری ایک اور ٹیلی پیتھی جاننے والی امبی مالا شہزاد کو شیشے میں اتار چکی ہے۔ ابھی کچھ روز عشق و محبت کا سلسلہ چلے گا۔ وہ اس کے دماغ کو شکنجے میں لینے کی کوشش کرتی رہے گی۔ ہم دیکھیں گے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھنے والا ہے؟"

وہ فیصلہ کر رہے تھے کہ آئندہ شہزاد پر جارحانہ حملے نہیں کیے جائیں گے۔ اسے بڑی رازداری سے امبی مالا کے شکنجے میں لایا جائے گا۔

☆☆☆

جان گلبرٹ ستر برس کا ایک کروڑپتی تاجر تھا۔ بیوی نہیں تھی، کوئی اولاد بھی نہیں تھی۔ اب اپنے آخری ایام ایک محبت کرنے والی خدمت گزار بیوی کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔ وہ اس مقصد کے لیے کسی عمر رسیدہ خاتون کی تلاش میں تھا۔ امبی مالا کو معلوم ہوا تو اس نے ایک تقریب میں بوڑھے تاجر کو دیکھا پھر اس کے دماغ میں جا کر بیٹھ گئی۔ اسے اپنی طرف مائل کرنے لگی۔ اس نے دور سے اسے دیکھا جبکہ وہ اس کے قریب، اس کے اندر تھی۔ وہ بے اختیار اس کے پاس آ گیا۔

امبی نے تجاہلِ عارفانہ سے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ آپ میرے سامنے آ کر رک گئے ہیں؟"

وہ بولا۔ "پتا نہیں تم میں کیسی کشش ہے۔ مجھے تمہارے جیسی خاتون کی ضرورت ہے۔ لندن کے ٹاپ کار ڈیلرز میں میرا نام آتا ہے۔ میرا نام جان گلبرٹ ہے۔ میں تمہیں پروپوز کر رہا ہوں۔"

وہ بولی۔ "میرا نام انجو مالا ہے۔ میں ایک بیوہ ہوں۔ میری ایک سولہ برس کی بیٹی ہے۔ اس کا نام امبی مالا ہے۔ کیا مجھے جوان بیٹی کے ساتھ قبول کرو گے؟"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے کہ مجھ بے اولاد کے لیے تم ایک اولاد بھی ساتھ لاؤ گی۔ میں اسے بیٹی بنا کر دل سے محبت دوں گا۔"

"ایک اہم بات یہ ہے کہ میری بیٹی مجھ سے ناراض رہتی ہے۔ کبھی میرے سامنے نہیں آتی۔ مجھ سے بات بھی نہیں کرتی۔"

"تعجب ہے ایسی بھی کیا ناراضی ہے کہ پیدا کرنے والی ماں کا منہ بھی نہیں دیکھتی ہے۔ بات بھی نہیں کرتی ہے؟"

"ہم دونوں کے مزاج اور نظریات میں فرق ہے۔ میں دنیا کی باتیں کرتی ہوں۔ وہ دین کی باتیں سمجھاتی ہے۔ میں کلبوں میں جاتی ہوں، وہ چرچ میں جاتی ہے۔ فادر، مدر اور دیگر ننس کے ساتھ رہتی ہے۔ ان کے ساتھ راتیں بھی گزارتی ہے۔"

"پھر تو تمہاری بیٹی قابلِ قدر ہے۔ میں دل و جان سے اس کی عزت کروں گا۔ تمہاری دنیاداری پر بھی اعتراض نہیں کروں گا۔"

وہی ایک امبی مالا تھی۔ وہی ماں تھی۔ وہی بیٹی تھی۔ آئندہ ڈبل رول ادا کرتے وقت یہ ہوتا کہ جہاں ماں ہوتی، وہاں بیٹی نہیں آسکتی تھی۔ اس لیے پہلے سے کہہ دیا کہ ماں بیٹی کے درمیان شدید اختلافات ہیں۔ وہ شوہر بننے کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بعد بیوی کی موجودگی میں بیٹی کو اور بیٹی کی موجودگی میں بیوی کو نہیں دیکھ سکے گا۔

پھر یہ کہ اس کے مزاج میں عیاشی رچی بسی ہوئی تھی۔ وہ سولہ برس کی بن کر بوائے فرینڈز کے ساتھ راتیں گزارتی تھی۔ اس لیے اس کی پارسائی بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ چرچ کے فادر، مدر اور ننس کے ساتھ راتیں گزارتی ہے۔

اسی رات جب جان گلبرٹ اپنے بیڈروم میں سو رہا تھا، تب وہ اس کے اندر پہنچ گئی پھر اس پر تنویمی عمل کرنے لگی۔ اس کے دماغ میں یہ نقش کیا کہ وہ اس کی ہونے والی بیوی انجو مالا کی تمام باتوں کو سچ سمجھے گا۔ اس پر شبہ نہیں کرے گا اور یہ کہ وہ انجو مالا سے زیادہ امبی مالا کو اہمیت دے گا۔ اسے ایک سگی بیٹی کے تمام حقوق دیتا رہے گا۔

اس نے شادی سے پہلے ہی اس کے دماغ کو اچھی طرح جکڑ کر اپنے مزاج اور اپنے مقاصد کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ وہ بظاہر ایک ذہین اور ہوش مند تاجر تھا لیکن یہ نہ جان سکا کہ سحر زدہ ہو گیا ہے۔ اب وہ شادی کے بعد سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ امبی کا تابعدار غلام بن کر رہنے لگا ہے۔

اس نے چاہا تھا کہ دولت مند تاجر کی بیٹی بن کر رہے۔ اس کے لیے اس نے ماں بن کر اس گھر میں نوخیز دوشیزہ کے لیے جگہ بنائی۔ ماں بیٹی کا تماشا زیادہ دنوں تک جاری نہیں رہ سکتا تھا۔ جان گلبرٹ کی تاجر برادری کے افراد سے بھی ملتے رہنا ضروری تھا۔ وہ سب ہی پر تنویمی عمل نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی ایک ہی وقت میں سب ہی کو ٹیلی پیتھی کی لاٹھی سے ہانک سکتی تھی۔

اس نے گلبرٹ سے کہا۔ ”ڈیڈ! میں مام سے پردہ کرتے ہوئے ایک ہی گھر میں نہیں رہ سکتی۔ یہاں سے چلی جاؤں گی۔“

اس نے کہا۔ ”نہیں امبی! میں دل سے تمہیں بیٹی مانتا ہوں، مجھے چھوڑ کر جانے کی بات نہ کرو۔“

”تو پھر آپ مام کو چھوڑ دیں۔ میں نے ان کی ایک فون کال سنی ہے۔ وہ کسی سہیلی سے کہہ رہی تھیں کہ آپ سے طلاق لے کر یہاں سے چلی جائیں گی۔“

”اگر تم وعدہ کرو کہ باپ کے ساتھ ہمیشہ رہو گی تو میں تمہاری ماں کو طلاق دے دوں گا۔“

وہ وہی کہہ رہا تھا جو خیال خوانی اور تنویمی عمل کے ذریعے اس کے دماغ میں نقش کر دیا گیا تھا۔ امبی نے جیسی پلاننگ کی تھی، اس کے مطابق اس نے انجو مالا کو طلاق دے دی۔ وہ اس کی زندگی سے نکل گئی۔ اس کا گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ اس طرح اسے ماں بیٹی کے ڈبل رول سے نجات مل گئی۔

اب وہ جان گلبرٹ کی بیٹی بن کر رہتی تھی۔ اسے عزت، دولت اور شہرت حاصل تھی۔ ایسے ہی وقت لندن کے ائرپورٹ پر شہزاد سے اس کی شناسائی ہو گئی تھی۔

شہزاد مغربی ماحول کا پروردہ تھا۔ وہ روزے نماز کا پابند تھا اور وہاں کی آزادانہ روش پر بھی چلتا تھا۔ ہوس پرست نہیں تھا لیکن پھول، رنگ، خوشبو اور حسن کا دلدادہ تھا۔ شعر و شاعری سے لگاؤ تھا۔ موسیقی میں گٹار پلے کرتا تھا اور صحیح سروں میں گاتا بھی تھا۔

ایسی طبیعت رکھنے والا امبی سے متاثر ہو گیا تھا۔ اس سے ملاقات ہونے سے پہلے ذہنی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ امبی اس کے اندر پہنچ کر بڑی خاموشی سے اس کے خیالات پڑھتی رہی ہے۔

اسے ٹیلی پیتھی کے متعلق کچھ زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ اس نے چینل کے ذریعے اپنے بھائی عابی اور آبنوس کے مقابلے دیکھے تھے۔ بہت کچھ سمجھتا رہا تھا لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے اپنے اندر یوگا کی مہارت ہے۔ وہ سانس روک کر پرائی سوچ کی لہروں کو بھگا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی نہ جان سکا کہ پرائی سوچ کی لہروں کے باعث وہ الجھن سی محسوس کرتا رہا تھا۔

امبی نے کہا تھا۔ ”جو مجھے چھو لیتا ہے، اس کی تکلیف فوراً ہی دور ہو جاتی ہے۔“

اس وقت وہ امبی سے مصافحہ کر رہا تھا۔ اسے چھوڑ رہا تھا اور وہ اس کے دماغ سے نکل آئی تھی۔ اس نے حیرانی سے خوش ہو کر کہا تھا۔ ”واقعی میرا سر ہلکا پھلکا سا لگ رہا ہے۔ کسی طرح کی بے چینی نہیں ہے۔“

امبی کی اس جادوگری نے اسے اور متاثر کیا تھا۔ اس نے اسی وقت اس سے دوستی کر لی تھی۔ انہوں نے ایک دوسرے کے فون نمبر بھی لے لیے تھے۔ بعد میں رابطہ رکھنے والے تھے لیکن ائرپورٹ سے گھر پہنچتے ہی ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے اس پر حملے کیے تھے۔ ان حملہ کرنے والوں سے امبی کا طاغوتی رشتہ تھا لیکن اس وقت وہ ان کی عداوتوں سے بے خبر تھی۔

امبی کئی گھنٹوں کے بعد اس کے دماغ میں پہنچی تو وہ پھر الجھن سی محسوس کرنے لگا۔ اس نے عبداللہ کبڈی سے کہا۔ ”انکل! پتا نہیں، آج کیا ہوا ہے طیارے سے باہر آنے کے بعد بھی کبھی بے چینی اور ناگواری سی محسوس کرنے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

لگا ہوں۔ ایسا کئی بار ہو چکا ہے۔ اس وقت بھی سر بھاری لگ رہا ہے۔"

کبڈی نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہا۔ "ایک ذرا اپنی سانسیں روکو پھر سانس لینے لگو۔"

اس نے یہی کیا۔ سانس روکتے ہی امبی اس کے اندر سے نکل گئی تھی۔ وہ خوش ہو کر بولا۔ "اوہ انکل! یو آر گریٹ۔ ذہن ہلکا ہو گیا ہے۔ کیا اس طرح سانس روکنے سے ذہنی الجھن دور ہو جاتی ہے؟"

کبڈی تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔ "بیٹے! اپنے باپ اور بھائی سے ہونے والی دشمنی کو سمجھو۔ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا ابھی تمہارے اندر تھا۔ وہ سانس روکتے ہی نکل بھاگا ہے۔ ہم نے اب تک تمہیں جرائم کی دنیا سے اور دشمنوں کی سازشوں سے دور رکھا ہے۔ اب حالات کا تقاضا ہے کہ تمہیں تمام دشمنوں کے بارے میں بتایا جائے۔ تم یہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کر رہے ہو۔ اب مجبوراً تمہیں جرائم کی یونیورسٹی میں بھی داخلہ لینا ہوگا اور اس یونیورسٹی کا جو سب سے بڑا استاد ہے، وہ تمہارا باپ ہی ہے۔"

"مجھے اپنے بابا جانی پر فخر ہے۔ ساری دنیا کبھی انہیں خطرناک مجرم کہتی تھی۔ آج کسی بھی ملک میں ان کی آمد پر گارڈ آف آنر پیش کیا جاتا ہے۔ اب کوئی انہیں مجرم کہنے کی جرأت نہیں کرتا ہے۔ دنیا کی تمام عدالتیں بھی انہیں ایک ریاست کا نیک نام حکمران تسلیم کرتی ہیں۔"

شہزاد نے سانس روک کر امبی کو دماغ سے نکال دیا تھا۔ وہ اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہو کر سوچ رہی تھی۔ 'مجھے اس کے اندر نہیں جانا چاہیے۔ وہ مجھ پر شبہ کر سکتا ہے۔ اسے تابعدار بنانے کا دوسرا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔'

اس نے کاہن سے کہا تھا کہ وہ شہزاد کو ٹریپ کرنے میں جلدی نہیں کرے گی۔ وہ شروع سے آبنوس، بارودا اور لارا کی ناکامیاں دیکھتی آ رہی ہے۔ اس لیے خوب سوچ سمجھ کر بدلتے ہوئے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اسے اپنا مطیع و فرمانبردار بنائے گی۔

فون سے کالنگ ٹون ابھرنے لگی۔ وہ ننھی سی اسکرین کو دیکھ کر مسکرائی۔ شہزاد اسے پکار رہا تھا۔ اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا۔ وہ بولا۔ "میں ہوں شہزاد علی منگی......"

وہ مسکرا کر بولی۔ "تمہارا نام میرے فون کے ننھے سے دل میں محفوظ ہے۔ ہائے...... تم نے یاد کیا ہے۔ کال کر رہے ہو۔ بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

"میں بہت پہلے ہی کال کرنے والا تھا لیکن یہاں آتے ہی مصیبت آ گئی۔ کچھ نامعلوم دشمنوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔"

وہ پریشانی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔ "اوہ مائی گاڈ! تم خیریت سے ہو نا؟ یہ دشمن کہاں سے آ گئے تھے؟"

"خدا کا شکر ہے۔ میرے انکل نے انہیں زخمی کر کے پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔"

"تھینکس گاڈ! اب کیا حالات ہیں؟"

وہ بولا۔ "ہم حالات سے نمٹنا جانتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں ایک ناقابلِ شکست فائٹر مراد علی منگی کا بیٹا ہوں۔"

اس نے حیرانی ظاہر کی۔ "کیا واقعی؟ کیا اس مراد علی منگی کے بیٹے ہو جو ریاست ارضِ اسلام کا حکمران ہے؟"

"ہاں۔ وہ میرے بابا جانی ہیں۔ میرا نام ہی شہزاد نہیں ہے، میں اس ریاست کا شہزادہ بھی ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "اوہ...... میں کتنی لکی ہوں۔ ایک ریاست کے شہزادے سے دوستی ہو گئی ہے۔ میں ابھی تم سے ملنا چاہوں گی۔"

اس نے کہا۔ "سوری۔ ابھی انکل مجھے باہر نہیں جانے دیں گے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ ناکام ہونے والے دشمن پھر حملہ کریں گے۔ مجھے ابھی چار دیواری میں رہنا چاہیے۔"

"تمہارے انکل درست کہتے ہیں۔ فی الحال تمہیں گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ حالات سازگار رہیں گے، کوئی دشمن پریشان نہیں کرے گا تو میں تم سے ملنے آؤں گی۔"

"تمہارے آنے سے گڑبڑ ہو جائے گی۔ انکل کو بتانا ہوگا کہ تم کون ہو؟ ایک نامحرم مجھ سے کیوں ملنے آئی ہے؟ میرے بابا جانی جوان لڑکے لڑکیوں کی دوستی اور میل جول کو پسند نہیں کرتے۔ مجھ پر بڑی پابندیاں عائد کر دی جائیں گی۔ ہم آئندہ کچھ دنوں تک چھپ کر ملیں گے۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا۔"

انہوں نے طے کیا کہ وہ انتظار کریں گے۔ صرف فون پر باتیں کریں گے۔ وہ تین دنوں کے بعد یونیورسٹی جائے گا تو وہاں ملاقات ہو سکے گی۔

امبی نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا۔ وہ بڑے صبر و تحمل سے شکار کھیلتی تھی۔ شہزاد کے سلسلے میں چاہتی تھی کہ دونوں کی دوستی راز میں رہے۔ مراد اور جانی کو اور اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

خاندان کے کسی فرد کو معلوم نہ ہوا کہ شہزاد کسی اجنبی مالا نامی دوشیزہ میں دلچسپی لے رہا ہے۔

☆☆☆

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔ یہ محبت کی نہیں عداوت کی آگ تھی۔ مراد اور لارا دونوں ہی اندیشوں میں گھرے ہوئے تھے۔ مراد کو یہ اندیشہ تھا کہ لارا اس بچے کو باپ سے دور رکھنے کے لیے اس پر جادو اور ٹونے ٹوٹکے کرواتی ہوگی۔ اس بچے کو پیدا ہونے سے پہلے ہی شیطانی اثرات میں رکھتی ہوگی۔

لارا کو یہ اندیشہ تھا کہ مراد روحانی قوتوں کے ذریعے بچے کو پیدا ہونے سے پہلے ختم کردے گا تاکہ نہ بانس رہے نہ بانسری بجے۔ وہ بچے کی پیدائش تک انتظار کرے گا پھر اسے اپنے ہتھکنڈوں سے چھین کرلے جائے گا۔ وہ اس کے ہتھکنڈوں کو کبھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔ اب سے پہلے بھی وہ اور عابی اچانک چونکا دینے والے انداز میں انہیں نقصان پہنچا چکے تھے۔

اس نے احتیاطاً لارا کی حیثیت ختم کردی تھی۔ شولی کے نام سے ایک دوسری عورت بن کر رہتی تھی۔ اپنی تاریک رہائش گاہ میں نہیں جاتی تھی کیونکہ نیلماں ادھر آتی تھی۔ وہ اسے نئے روپ میں پہچان نہیں سکتی تھی۔

وہ کاہن کے پاس بھی نہیں جاتی تھی۔ نیلماں ادھر بھی آجاتی۔ باروِدا اور آبنوس سے بھی دور رہ کر خیال خوانی کے ذریعے ان سے بات کرتی تھی۔ وہ ہر پہلو سے محتاط رہنے لگی تھی۔

مراد اور ہم زاد کو ریاستی معاملات میں کئی ممالک کے اکابرین سے رابطہ رکھنا پڑتا تھا۔ دوستوں اور دشمنوں کو ان کی فون کال سے پتا چلا کہ مراد ریاست سے باہر آگیا ہے۔ کبھی فرینکفرٹ، کبھی پیرس اور کبھی لندن سے بولتا ہے۔ وہ یقیناً ان علاقوں میں لارا کو تلاش کررہا ہے۔

حقیقتاً ہم زاد ان ملکوں اور شہروں میں جاکر سیاسی رابطے رکھتا رہا۔ اس طرح دنیا والوں کو خصوصاً لارا کو معلوم ہوتا رہا کہ مراد اسے کہاں تلاش کررہا ہے۔ وہ ادھر نہیں جارہی تھی۔

ہم زاد صرف دو ہفتے تک باہر رہ کر ریاست میں واپس آگیا تھا۔ اب مراد اٹلی کے شہر فلورنس میں تھا۔ وہاں سے اندھی تلاش شروع کررہا تھا۔ ابھی یہ پتا چلنے والا نہیں تھا کہ وہ کہاں جاکر چھپی ہوئی ہے۔

نیلماں لارا کو دوسرے بھیس میں پہچان نہیں سکتی تھی۔

نمک پارے

☆ شادی کے کچھ عرصے بعد شادی کی انگوٹھی اور خاوند تنگ ہوجاتے ہیں۔

☆ شادی کرنے کے لیے کسی سیانے سے مشورہ کرلینا چاہیے اگر وہ سیانا کہے کرلو تو پھر کسی دوسرے سیانے سے مشورہ کرلینا چاہیے۔

☆ ہر عورت اداکارہ ہوتی ہے مگر بیسٹ ایکٹر خاوند ہی ہوتا ہے۔

☆ اداکارائیں دو وجہ سے مشہور ہوتی ہیں، ایک اداکاری کی وجہ سے دوسری کاری ادا کی وجہ سے۔

☆ بینک سے جو تھوڑا قرضہ لے، بینک کے رحم وکرم پر ہوتا ہے اور جو زیادہ قرضہ لے، بینک ان کے رحم وکرم پر ہوتا ہے۔

موقع

ایک خوب صورت لڑکی نے ایک لڑکے سے کہا۔

''میں تم سے ستر بار کہہ چکی ہوں کہ میں تم سے شادی نہیں کرسکتی۔''

لڑکے نے اداس لہجے میں کہا۔

''اوہ! میری زندگی ہی بے کار ہوگئی۔ میں نے پتا نہیں کیسے کیسے جتن کرکے دس لاکھ روپے جمع کیے تھے۔''

لڑکی ایک ادا سے بولی۔

''اوہ! کیا تم مجھے اکہتر واں موقع نہ دوگے؟''

بلا فرمائش

ایک بیوی کے شوہر اور ایک درجن بچوں کے باپ کی میز پر ہمیشہ ایک چینی کے بڑے مرتبان میں ایک رنگین مچھلی تیرتی رہتی تھی۔

ایک دن ان کے ایک دوست نے مرتبان میں صرف ایک مچھلی کی موجودگی کا سبب پوچھا تو انہوں نے بتایا۔

''میں کم سے کم ایک ایسی شے بھی اپنے ہمراہ رکھتا ہوں جو اپنا منہ کھولتی ہے تو کوئی چیز نہیں مانگتی۔''

مرسلہ۔ ماہا ایمان، پنجاب

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

چند ماہ میں اس پر حمل کے اثرات ظاہر ہونے لگتے، تو اس کا ایک موہوم سے امید تھی کہ وہ پیٹ والی اپنی کسی نہ کسی غلطی سے پہچانی جائے گی۔

ابھی دو ماہ کا حمل تھا۔ تیسرے مہینے میں مسئلہ پیدا ہوا۔ حاملہ عورتوں کو طرح طرح کے مسائل پیش آتے رہتے ہیں۔ لارا کے دل میں یہ شبہ جڑ پکڑ رہا تھا کہ مراد کسی طرح کے پراسرار عمل کے ذریعے بچے کو پیدائش سے پہلے ہی ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اس نے فون کے ذریعے کاہن سے کہا۔ ''میں اس دشمن سے بہت محتاط ہوں۔ اپنے بچے تک اسے پہنچنے نہیں دوں گی لیکن وہ کسی طرح کا روحانی عمل کر رہا ہے۔ بچے کو میرے پاس رہنے نہیں دے گا۔ اسے خود حاصل نہ کر سکا تو مار ڈالے گا۔ وہ شاید یہی کر رہا ہے۔ اسے روکو۔ شیطان معظم کے کسی بڑے تانترک مہاراج سے روحانی عمل کا توڑ کرواؤ۔ میرے بچے کو اب کسی تانترک مہاراج، کسی گرو گھنٹال کے سائے میں رہنا چاہیے۔''

کاہن نے کہا۔ ''گرو مہا شکتی مان کو مہا کالی ماتا نے بڑی شکتی دی ہے۔ وہ اپنے کالے منتروں سے اور کالے عمل سے پہاڑوں میں شگاف ڈال دیتا ہے۔ وہ تو روحانی قوتوں کی دھجیاں اڑا دے گا۔ میں ابھی ان کے پاس جاتا ہوں۔''

وہ رگھو ناتھ کالیا کو گرو مہا شکتی مان کہہ رہا تھا۔ کالیا کالی مائی کا پجاری تھا۔ کولکتہ کے علاقے ہوڑا کے جنوب میں خلیج بنگال کی سمت مہا کالی ماتا کا ایک بہت بڑا مندر ہے۔ جہاں پوجا کے سمے جانوروں کی بلی چڑھائی جاتی ہے اور دیوی کو پرسن کرنے کے لیے رات کی تاریکی میں زندہ انسانوں کو بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔ گرو مہا شکتی مان اس مندر کا سرپرست بھی تھا اور پنڈت اور پجاری بھی تھا۔

کاہن نے اس کے پاس آ کر کہا۔ ''میں تاریک دنیا کے شیطانی معبد کا پنڈت اور پجاری ہوں۔ شیطان کی ایک بندی پر بڑی بپتا آن پڑی ہے۔ روحانی قوتیں اسے نقصان پہنچانا چاہتی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ تم ہی اپنی خطرناک کالی قوتوں سے اس ماں بننے والی کو بچا سکو گے۔''

اس نے گرو دیو کو مراد اور لارا کی پوری ہسٹری سنائی تو کالیا چونک گیا۔ بیٹھے بٹھائے مراد جیسے دشمن کی بہت بڑی کمزوری ہاتھ آ رہی تھی۔ وہ پوری مہا بھارت سن کر بولا۔ ''جسے دکھ ہے، اسے سکھ پانا ہے۔ اس یہاں آنا ہے۔ اسے مہا کالی کی شکتی کے سائے میں رہنا ہے۔''

وہ ڈرتی ہے کہ یہاں آئے گی تو دشمن اس کے پیچھے چلا آئے گا۔ وہ روپوش رہ کر بہت سہمی ہوئی زندگی گزار رہی ہے۔''

''اس سے بولو کہ کسی سے نہ ڈرے۔ کوئی چنتا نہ کرے۔ مہا کالی کے مندر میں روحانی قوتیں پانی ہو جائیں گی۔ وہ آئے اور کسی خوف و خطر کو خاطر میں نہ لائے۔''

لارا اپنے بچے کی سلامتی کے لیے پریشان تھی۔ اپنے اصلی روپ میں کالیا کے پاس آ گئی۔ اس کے آگے جھک کر اس کے پاؤں کو ہاتھ لگایا۔ وہ آشیرواد دینے کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مہا کالی کلکتے والی تیرا وچن نہ جائے خالی۔ تو نے وچن دیا ہے کہ جو تیرے چرنوں میں زندہ انسانوں کی بلی چڑھائے گا تو اس کا کلیان کرے گی۔ تیرے چرنوں پر بلی چڑھائی جائے گی تو اس دکھیاری ناری کو اور اس کے بچے کو دشٹ باپ سے مکتی دلائے گی۔''

اس نے کالی مائی کے کالے مجسمے کے آگے ڈنڈوت کیا۔ اس کے قدموں میں اوندھے منہ لیٹ کر منتر پڑھنے لگا۔ ان منتروں سے اسے گیان حاصل ہوتا تھا کہ کسی دشمن سے نجات پانے کے لیے اسے کیا کرنا چاہیے؟

☆☆☆

لارا اور کاہن اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ اوندھے منہ فرش پر پڑا ہوا پہلے تو سکون سے منتر پڑھ رہا تھا پھر کچھ بے چین سا ہو گیا تھا۔

اسے گیان حاصل ہو رہا تھا کہ دشمن اپنے دین کے مطابق صوم و صلوٰۃ کے بہت مضبوط قلعے میں ہے۔ کوئی پراسرار منتر اسے چھو نہیں سکے گا۔ جادوئی ہتھکنڈے اسے نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہ ناکامی ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ کرودھ میں آ کر چیخا۔

پھر گیان حاصل ہوا کہ وہ لارا کو اور اس کے بچے کو دشمن باپ سے دور رکھ سکتا ہے۔ وہ دشمن کبھی لارا اور اس بچے تک پہنچ نہیں پائے گا۔

وہ تھوڑی دیر تک کالی مائی کو پکارتا رہا۔ منتر پڑھتا رہا اور گیان حاصل کرتا رہا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ لارا کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تجھے اشنان کرنا ہوگا لہو سے...... بچے نو مہینے میں آتے ہیں۔ ایک ایک مہینے کے حساب سے نو کنواری کنیاؤں کے لہو سے نہائے گی تو وہ لہو ڈھال بن کر پیٹ کے بچے کی رکشا کرے گا۔ وہ دشمن کبھی اس بچے تک پہنچ نہیں پائے گا۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

وہ بولی۔ ''یہ تو بہت مشکل کام ہے۔ نو کنواری لڑکیوں کو کیسے ٹریپ کیا جائے گا؟ ٹیلی پیتھی کے ذریعے کوشش کی جاسکتی ہے لیکن دشمن کو خبر ہوگی تو وہ کسی کنواری پر ظلم ہونے نہیں دے گا۔''

گرو مہاشکتی نے کہا۔ ''نو لاکھ روپے دیوی کے چرنوں میں رکھ دے۔ تجھے اشنان کرنے کے لیے نو کنواریوں کا لہو حاصل ہوتا رہے گا۔''

کاہن نے کہا۔ ''ہم ابھی رقم لاکر رکھ دیں گے۔''

لارا نے کہا۔ ''میں یہی چاہتی ہوں کہ وہ میرے بچے تک کبھی نہ پہنچ پائے لیکن یہ بنیادی مقصد کیسے پورا ہوگا کہ میرا بچہ طاغوت پرست رہے، روحانیت اور مذہب کی طرف نہ جائے؟''

وہ آنکھیں بند کرکے زیرِ لب کچھ پڑھنے لگا پھر آنکھیں کھول کر بولا۔ ''نو کنواریوں کا لہو دو چار گھونٹ پی لیا کرے گی تو وہ لہو پیٹ کے بچے تک پہنچے گا۔ اسے طاغوتی قوتوں میں جکڑتا رہے گا پھر وہ دنیا کے تمام مذاہب کے خلاف بولتا رہے گا۔''

''میں تو بس اتنا چاہتی ہوں کہ وہ اپنے باپ کے دین کی دھجیاں اڑائے۔ اس کا پورا خاندان جو دین و ایمان کا مضبوط قلعہ بنا ہوا ہے، اسے میرا بچہ کھنڈر بنادے۔''

''وہ بنادے گا۔ اوش بنادے گا۔ اپنے باپ کے دین کا سروناش کردے گا۔ باپ اور اولاد کے بیچ ایسا یُدھ (جنگ) ہوگا کہ دنیا دیکھے گی۔''

لارا کو اب اس کی ضرورت کے مطابق شیطانی قوتیں حاصل ہو رہی تھیں۔ ایسے وقت مراد اس سے بے خبر تھا۔ نیلماں کوشش کرنے کے باوجود لارا کو ڈھونڈنے میں ناکام ہو رہی تھی۔ وہ غیب کی باتیں نہیں جان سکتی تھی ورنہ اسے معلوم ہوجاتا کہ وہ کولکتہ کے مہاکالی مندر میں کالی قوتیں حاصل کرنے پہنچی ہوئی ہے۔

ابھی تین ماہ کا حمل تھا۔ اسے تین کنواریوں کے لہو سے غسل کرنے کے لیے تین دنوں تک اسی مندر میں رہنا تھا۔ گرو مہاشکتی مان اس مندر کا صرف پنڈت اور پجاری ہی نہیں تھا، وہ اغوا اور قتل کی واردات کا ماہر بھی تھا۔ اس کے چیلے ضرورت کے مطابق بچوں کو اور کنواری لڑکیوں کو اغوا کرکے دیوی ماں کی بھینٹ چڑھاتے تھے۔

ان کے پیشے کی مہارت کے مطابق وہاں یہی ہو رہا تھا۔ مراد پہلے روزے کی افطاری کے وقت دعائیں پڑھ کر گلاس کو منہ سے لگا کر پانی پی رہا تھا، ٹھیک اسی وقت لارا پہلی کنواری کے لہو کا جام نوش کر رہی تھی۔ اپنی ناف پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''میرے بچے! تو ہمارا ہے۔ ہمارے شیطان کی شکتی تجھ میں پہنچ رہی ہے۔ تیرے دل کو، دماغ کو ہمارا بنا رہی ہے۔''

خیر و شر کے اپنے راستے ہوتے ہیں۔ وہ دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر نماز پڑھ رہا تھا، اسی وقت وہ ایک کنواری کے لہو سے اپنے بدن کو بھگو رہی تھی۔ لہو سے غسل کر رہی تھی۔ ایسے جادوئی ہتھکنڈے پہلے بھی کامیابی سے آزمائے گئے تھے۔ وہ تین دنوں تک بڑے یقین کے ساتھ تین کنواریوں کے لہو سے کھیلتی رہی اور بڑے اعتماد سے شیطان کے گن گاتی رہی۔

اس حد تک تو کامیابی ہو رہی تھی کہ کسی رکاوٹ کے بغیر بچے تک شیطانی اثرات پہنچ رہے تھے۔ حمل کے مراحل سے گزرتے وقت جو ننھا سا دل اور دماغ بنتا جا رہا تھا، اس پر شیطانی غلاف چڑھتا جا رہا تھا۔ وہ غلاف رفتہ رفتہ اس بچے کے وجود کا اہم حصہ بننے والا تھا۔

☆☆☆

مراد اور عابی بہت پریشان تھے۔ یہ سمجھ رہے تھے کہ لارا بچے کی پیدائش سے پہلے ہی کہیں ہوئی ہوگی۔ اسے باپ سے دور رکھنے کے لیے شیطانی ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہوگی۔ بچے کو صاف ستھرا دینی ماحول ملنا چاہیے اور یہ اسی وقت ممکن ہوتا... جب وہ لارا کو کسی طرح پکڑ کر اپنی حراست میں رکھتے۔ اپنی موجودگی میں وہ پیدا ہوتا تو پھر کسی طرح کا اندیشہ نہ رہتا۔

نیلماں اسے تلاش کرنے میں ناکام رہی تھی۔ وہ تاریک دنیا میں جاتی تھی، چھپ کر باروداء آبنوس اور کاہن کی باتیں سنتی تھی۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ لارا ان سے بھی چھپ کر رہتی ہے۔

لارا نے کاہن کو تاکید کی تھی کہ بارودا اور آبنوس کو کولکتہ کالی مندر کی کوئی بات نہ بتائی جائے۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ نیلماں کسی وقت آکر ان کے منہ سے یہ سن سکتی ہے کہ بچے کو شیطانی شکنجے میں رکھنے کے لیے وہ ہر ماہ کنواریوں کے لہو سے غسل کرتی رہتی ہے۔

چھ ماہ گزر چکے تھے اور وہ رازداری برتنے میں کامیاب رہی تھی۔ وہ باپ بیٹے دشمنوں کی بو سونگھ لیا کرتے تھے۔ اس کی بو نہیں پارہے تھے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کس بل میں ہاتھ ڈال کر اس ناگن کو باہر لائیں۔

مراد نے سپر پاور اور اس کے اتحادی ممالک کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

حکمرانوں سے کہا۔ ''تمہاری حکومتوں میں بے شمار یہودی اعلیٰ عہدیدار ہیں۔ وہ سب ہی صیہونی تنظیم سے وابستہ ہیں۔ وہ ضرور جانتے ہیں کہ لارا کہاں روپوش رہتی ہے۔''

ایک اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ''وہ کیسے جان سکتے ہیں، لارا کا ان سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔''

''جو مسلمانوں کے دشمن ہوتے ہیں، انہیں یہودی فوراً دوست بنالیتے ہیں۔ کریگ ہوسٹن اور چند یہودی اکابرین نے ان تین ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو دوست بنالیا ہے۔ انہوں نے یہودیوں کی شہ پر میرے بیٹے شہزاد کی طرف رخ کیا ہے ورنہ اب سے پہلے کسی دشمن نے میرے اس بیٹے کو کبھی نہیں چھیڑا تھا۔ آپ حضرات یہودیوں کی چال بازیوں پر پردہ نہ ڈالیں۔ ہماری خاطر ان سے ڈیلنگ کریں۔ مجھے ہر حال میں لارا تک پہنچنا ہے۔ اگر آپ مجھے اس کی شہ رگ تک پہنچادیں گے تو یہ مراد علی منگی توقع سے زیادہ آپ کے کام آئے گا۔ آپ کو کسی بھی پیچیدہ مسئلے سے نکال لائے گا۔''

اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ''یہودیوں کے حلق سے کوئی بات اگلوانا تقریباً ناممکن ہوتا ہے پھر بھی ہم کوشش کرتے ہیں۔ شاید وہ کسی لین دین پر راضی ہوجائیں۔''

عابی نے کریگ ہوسٹن سے کہا۔ ''تم لوگ ایک یہودی ماں کے بیٹے کو اپنی طرح یہودی نہ بنا سکے۔ اب مجھ سے دشمنی پر اتر آئے ہو۔ ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو میرے بڑے بھائی شہزاد کے پیچھے لگادیا ہے۔ اس کا بھی برا انجام تمہارے سامنے ہے۔ ہمارے خلاف آئندہ بھی ناکام رہو گے۔ تم لوگ بہت شاطر کہلاتے ہو پھر اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ ہم سے دشمنی کرکے نقصانات اٹھاتے آرہے ہو۔ آزماؤ ہمیں، لارا تک پہنچادو پھر دیکھو کہ ہم تمہاری کتنی مشکلات میں کام آتے رہیں گے۔''

کریگ ہوسٹن نے کہا۔ ''عابی! ہم جانتے ہیں کہ تم زبان کے دھنی ہو۔ ہم ایک بار تمہارے کام آئیں گے، تم دس بار ہمارے کام آتے رہو گے لیکن یقین کرو لارا نے خود کو بہت ہی پراسرار بنالیا ہے۔ اس نے ٹیلی پیتھی جاننے والے ساتھی بارودا اور آبنوس کو بھی نہیں بتایا ہے کہ وہ کہاں روپوش رہتی ہے۔ ضرورت کے وقت ان سے خیال خوانی کے ذریعے بولتی ہے پھر گم ہوجاتی ہے۔ وہ تمہارے باپ سے بہت خوف زدہ ہے۔ وہ روپوش رہ کر بچے کو جنم دے گی۔ اسے تمہارے باپ کے ہاتھ لگنے نہیں دے گی۔ ویسے ہم تمہیں اپنا بنائے رکھنے کے لیے لارا تک پہنچنے کی کوئی تدبیر کرتے ہیں۔ جیسے ہی اس کا کوئی سراغ ملے گا، ہم اسی وقت تمہیں کال کریں گے۔''

ہوسٹن نے رابطہ ختم کرکے گونگے فون کو دیکھا پھر کہا۔ ''ہم الو کے پٹھے نہیں ہیں کہ مسلمانوں کو دوست بنائیں اور ان پر بھروسا کریں۔ لارا انہیں خوب نچارہی ہے۔ ہم اسے کبھی ان کے ہاتھ لگنے نہیں دیں گے۔''

عابی نے ہوسٹن سے باتیں کرنے کے بعد پاس بیٹھی ہوئی نیلماں کو دیکھا پھر کہا۔ ''یہ یہودی بھروسے کے قابل نہیں ہیں۔ میں نے اس کے لہجے سے اندازہ لگایا ہے کہ اس نے مجھے ٹال دیا ہے۔''

وہ بولی۔ ''ہم اسے تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کررہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ خدا کو ابھی منظور نہیں ہے اس لیے ناکامی ہورہی ہے۔ جو بندے ناکامیوں سے حوصلہ نہیں ہارتے کوششیں جاری رکھتے ہیں، اللہ ان سے جلد راضی ہوجاتا ہے۔''

''درست کہتی ہو۔ اللہ ہماری مسلسل جدوجہد کا انعام ضرور دے گا۔''

نماز کا وقت ہورہا تھا۔ وہ دونوں اپنے اپنے مصلے پر آگئے۔ نماز کی نیت کرتے وقت بھی ان کے دل کہہ رہے تھے۔ ''ہم کچھ نہیں چاہتے۔ صرف بچے کی سلامتی دین ایمان کے ساتھ چاہتے ہیں۔''

انہوں نے بڑی دل جمعی سے نماز ادا کی۔ آخر میں دعا مانگتے وقت نیلماں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''یا اللہ! میری اتنی سی دعا ہے کہ ابھی سجدہ کروں پھر سجدے سے یہاں نہ اٹھوں، جہاں وہ چھپی ہے وہاں سجدے سے سر اٹھے۔''

وہ اللہ اکبر کہتی ہوئی سجدے میں گئی۔ تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہا پھر پلکیں جھپکتے ہوئے سجدے سے سر کو اٹھایا تو ایک انجانی چاردیواری میں خود کو پایا۔

وہ خواب گاہ تھی۔ ایک جوان عورت بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے پیٹ سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ چھ ماہ کی حاملہ ہے۔ بظاہر وہ لارا نہیں تھی۔ کوئی اجنبی عورت تھی۔

اس کا ایمان کہہ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی ہے، اسے لارا کے پاس پہنچا دیا ہے۔ وہ مکان سے باہر آگئی۔ یہ معلوم کیا کہ وہ کس ملک اور کس شہر کے کس علاقے میں ہے؟

وہ اٹلی کے شہر فلورنس میں تھی۔ اسے کہتے ہیں تقدیر کا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

تماشا۔ مراد ریاست سے نکل کر اسی شہر میں آیا تھا۔ پچھلے تین ماہ سے وہاں تھا۔ شاید اس نے بھی کسی جگہ لارا کو دیکھا ہو اور لارا نے بھی اسے دیکھا ہو لیکن دونوں کے چہرے اور شخصیت تبدیل ہو چکی تھی۔ کسی نے کسی کو پہچانا نہ ہوگا یا ایک شہر میں رہ کر بھی سامنا نہیں ہوا ہوگا۔

اسے کہتے ہیں بچہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں۔ وہ سارے عالم میں اسے ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ نیلماں نے اس کے پاس آکر سلام کیا پھر کہا۔ ''بابا جانی! شاید لارا اسی شہر میں ہے۔ آپ ایسٹ فلورنس میں ہیں۔ وہ ویسٹ میں ہے۔''

وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''بیٹی! تم شاید کہہ رہی ہو' کیا اس پر لارا کا شبہ ہو رہا ہے؟''

وہ بولی۔ ''رب کریم میرا ایمان سلامت رکھے۔ میں نے دعا مانگی اور وہاں پہنچ گئی۔ آپ اسے گرفت میں لیں گے تو اس کی اصلیت کھل کر سامنے آجائے گی۔''

وہ نیلماں کے ساتھ باہر آکر کار میں بیٹھ گیا۔ تیز رفتاری سے ادھر جانے لگا۔ نیلماں نے فون پر عابی سے کہا۔ ''میں لارا تک پہنچ گئی ہوں۔ بابا جانی کے ساتھ اس کی رہائش گاہ میں جا رہی ہوں پھر کسی وقت کال کروں گی۔''

وہ ایک بڑے سے خوب صورت بنگلے کے سامنے پہنچ گئے۔ اس بنگلے کا مالک ایک بوڑھا تجربہ کار ڈاکٹر تھا۔ لارا نے خیال خوانی کے ذریعے اسے اپنا معمول اور تابعدار بنا لیا تھا۔ اس کی بیوی بن کر وہاں رہتی تھی۔

وہاں احاطے کے مین گیٹ پر ایک چوکیدار تھا۔ بنگلے کے اندر ایک ملازمہ رہتی تھی۔ مراد نے دونوں کو آسانی سے قابو میں کر کے انہیں رسیوں سے باندھ کر ایک اسٹور روم میں بند کر دیا پھر اس خواب گاہ میں آیا۔ آہٹ سنتے ہی اس کی آنکھ کھل گئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ نیلماں کو ایک اجنبی کے ساتھ دیکھ کر وہاں سے غائب ہوتی، مراد نے چھلانگ لگا کر اسے دبوچ لیا۔

وہ گرفت سے نکلنے کے لیے زور لگاتے ہوئے بولی۔ ''کون ہو تم؟ کیوں مجھ پر ظلم کر رہے ہو؟ اگر چور ہو چوری کرنے آئے ہو تو جو مانگو گے وہ دوں گی۔ مجھے چھوڑ دو تو سہی۔''

وہ بولا۔ ''چھوڑتے ہی غائب ہو جاؤ گی۔ لارا اصلی روپ میں آجائے گی۔''

''میں لارا نہیں ہوں۔ میرا نام شوطی ڈاکر ہے میں مشہور و معروف ڈاکٹر ولبر ڈاکر کی وائف ہوں۔''

''تم لارا نہیں؟ نہ بنو۔ مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تمہارے پیٹ میں میری امانت ہے۔ جب تک وہ امانت مجھے نہیں ملے گی، تم میری قید میں رہو گی۔ میں تمہیں غائب ہونے کا موقع نہیں دوں گا۔''

اس نے نیلماں سے کہا۔ ''کسی قریبی پولیس اسٹیشن میں جاؤ۔ وہاں سے ایک ہتھکڑی اٹھا کر لے آؤ۔''

وہ اسی وقت ایک پولیس اسٹیشن میں پہنچ کر ٹرانسپیرنٹ ہو گئی۔ ایک سپاہی نے حیرت سے کہا۔ ''ارے دیکھو یہ کیا ہے؟ یہ ایک لڑکی کی طرح جھلک رہی ہے۔''

دوسرے سپاہی اور وہاں کا افسر بھی اس کے قریب آگئے۔ اس افسر نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھونا چاہا تو وہ کوئی ٹھوس وجود نہیں تھا۔ اسے پکڑنا چاہا تو اس کی مٹھی بند ھ گئی، وہ ہاتھ نہیں آئی۔ ایک دیوار پر کئی ہتھکڑیاں لٹک رہی تھیں۔ وہ ایک ہتھکڑی اٹھا کر وہاں سے غائب ہو گئی۔ سب ہی کے منہ حیرت سے کھل گئے۔

نیلماں نے وہاں آکر مراد کی ہدایت کے مطابق اس کی اور لارا کی کلائی میں ہتھکڑی پہنا دی۔ وہ اسے اپنی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے بولا۔ ''اب غائب ہونے کی حسرت پوری کرو۔''

وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے کہا۔ ''تم مجھے قیدی بنا کر نہیں رکھ سکو گے۔ میرا پیچھا چھوڑ دو، بچہ میرا ہے۔ تم اسے حاصل نہیں کر سکو گے۔''

وہ اسے کھینچتا ہوا بنگلے سے باہر لے آیا۔ کار کی پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ نیلماں گاڑی ڈرائیو کرتی ہوئی اس کے اپارٹمنٹ میں انہیں لے آئی۔ لارا نے پوچھا۔ ''کیا اس ہتھکڑی میں دن رات میرے ساتھ رہ سکو گے؟''

اس نے کہا۔ ''زنجیر کا ایک سرا تمہاری اس ہتھکڑی سے اور دوسرا سرا اس بیڈ سے بندھا رہے گا۔ میں تو تم سے دور ہی رہوں گا۔ اگر تم یہاں سکون سے رہ کر بچے کو جنم دو گی تو میں تمہیں یہاں سے زندہ جانے دوں گا۔''

وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ ''اگر میں زندہ نہ رہنا چاہوں تو کیا کرو گے؟ ذرا سوچو، میری موت کا مطلب ہے بچے کی موت۔ یہ تو میری زندگی اور موت سے جڑا ہوا ہے۔''

''میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔''

''اور میں اگلے ایک گھنٹے تک انتظار کروں گی۔ اگر تم نے مجھے رہا نہ کیا تو میں یہاں خودکشی کر کے دکھاؤں گی۔''

یہ تشویش میں مبتلا کرنے والا چیلنج تھا۔ مراد نے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پریشان ہو کر اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہا۔ "میں تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ کر رکھوں گا۔ کیا ایک بندھی ہوئی عورت بچے کو جنم دے سکتی ہے؟"

یہ ممکن نہیں تھا۔ زچگی کے دن جیسے جیسے قریب آتے ہیں، مسائل پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ماں بننے والی کو زیادہ آرام زیادہ سہولتیں پہنچائی جاتی ہیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھے نہیں جا سکتے۔ اس وقت وہ لیبر روم میں ڈاکٹروں اور نرسوں کے درمیان رہتی ہے۔ ایسے وقت لارا آسانی سے خود کو نقصان پہنچا سکتی تھی۔

یکایک اس کا پلڑا بھاری ہو گیا تھا۔ اسے شکنجے میں رہنا تھا۔ وہ سر چڑھ کر بول رہی تھی۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ بچے کے دینی ماحول میں جانے سے پہلے ہی اپنی ممتا کو کچل ڈالے گی۔ خود تو ڈوبے گی، اس بچے کو بھی لے ڈوبے گی۔

مراد نے اپنی ہتھکڑی کھول کر زنجیر کے ایک سرے کو اس سے باندھا۔ اس کے دوسرے سرے کو بیڈ کے آہنی راڈ سے باندھتے ہوئے کہا۔ "میں سوچوں گا کہ بچے کی پیدائش تک تمہیں کس طرح قابو میں رکھ سکوں گا اور ابھی دیکھوں گا کہ تم کس طرح خودکشی کرنا چاہو گی؟"

وہ اس سے دور ہو گیا۔ وہ زنجیر کو کھولے یا توڑے بغیر غائب نہیں ہو سکتی تھی۔ نیلماں نے کہا۔ "لارا...... بے جا ضد سے باز آ جاؤ۔ تمہاری دشمنی بابا جانی سے ہے۔ بچے سے دشمنی کی بات نہ کرو۔"

لارا نے کہا۔ "یو شٹ اپ! شیطان کی پناہ سے بھاگنے والی عورت تیرا انجام برا ہو گا۔ تو نے مجھے پھنسا دیا ہے، میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ مرتے مرتے تجھے بھی مار ڈالوں گی۔"

وہ بول رہی تھی، اس کا ایک ہاتھ اپنے لباس کے اندر تھا۔ وہ ہاتھ لباس کے نیچے رینگ رہا تھا پھر اچانک ہی وہ باہر آیا۔ "خبردار! میں گولی چلا دوں گی۔"

اس نے پستول کی نال کو پھولے ہوئے پیٹ پر رکھ لیا۔ اس کی انگلی ٹریگر پر تھی۔ مراد کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی ٹریگر دب جاتا۔ پیٹ پھٹ جاتا۔ پلک جھپکتے ہی قصہ تمام ہو جاتا۔

وہ دم بخود رہ گیا۔ وہ بچے کے پاس ہی اس کی موت کو چھپا کر لائی تھی۔ مراد ایک چھلانگ میں پستول تک پہنچ سکتا تھا لیکن اس لمحے تک گولی چل جاتی۔ پستول کی نال لباس میں یوں دھنسی ہوئی تھی جیسے پیٹ میں گھس گئی ہو۔ موت اب تب میں چنگھاڑنے والی تھی۔

وہ بے بسی سے بولا۔ "پلیز لارا...... پستول کو وہاں سے ہٹاؤ، میں تمہارے پاس نہیں آؤں گا۔ دیکھو بات کو سمجھو، دھوکے سے ٹریگر دب سکتا ہے۔ تم ماں ہو، اپنے بچے پر رحم کرو۔"

"تو پھر بچے کی سلامتی چاہو۔ بیڈ کے راڈ سے بندھی ہوئی زنجیر کھول دو۔"

اس نے راڈ اور زنجیر کو دیکھا۔ وہ زنجیر کی لمبائی کے مطابق راڈ سے دس فٹ کی دوری پر تھی۔ وہ پھرتی نہیں دکھا سکتا تھا۔ بجلی کی طرح لپکتا، تب بھی گولی چل ہی جاتی۔

وہ ایسا مجبور اور لاچار پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ راڈ کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ "یہ سمجھ گیا ہوں کہ بچے کو میرے پاس آنے سے پہلے مار ڈالو گی۔ تمہارے پاس رہے گا تو یہ زندہ رہے گا۔ تم اچھی طرح سمجھ گئی ہو کہ میں اس معصوم کو زندہ رکھوں گا پھر بھی مان لو کہ پیدائش کے بعد اسے اپنے سائے میں نہیں رکھ سکو گی۔ میں اسے ہر حال میں، ہر قیمت پر حاصل کروں گا۔"

اس نے زنجیر کے اس سرے کو کھول کر راڈ سے الگ کر دیا۔ لارا نے جکڑ بندی سے نکلتے ہی مراد پر گولی چلائی۔ نیلماں چیختی ہوئی اس کے پاس آئی۔ "بابا جانی......!"

ایسے وقت وہ ٹرانسپیرنٹ ہونا بھول گئی۔ دوسری گولی نے اس کے قدم اکھاڑ دیے۔ وہ اچھل کر گری پھر بابا جانی کے پاس تڑپ کر ٹھنڈی پڑ گئی۔ جو کبھی سوچا نہیں جا سکتا تھا، وہ چند لمحوں میں ہو گیا۔

وہ پیار کرنے والی بہو سانسوں سے محروم ہو گئی تھی۔

پہلی گولی مراد کے ایک کان سے لگتی ہوئی سنسناتی ہوئی گزر گئی تھی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہوا۔ غصے میں بھول گیا کہ دوسری گولی اس کا بھی کام تمام کر سکتی ہے۔ اس نے اس پر چھلانگ لگائی۔ لارا اندر سے سہمی ہوئی تھی کہ پھر پکڑی جائے گی۔ وہ چشم زدن میں غائب ہو گئی۔ مراد چھلانگ لگانے کے نتیجے میں خالی جگہ آ کر فرش پر گر پڑا۔ زندگی میں پہلی بار وہ پہاڑ زمین بوس ہو گیا تھا۔

حیرت انگیز واقعات، سحر انگیز لمحات اور سنسنی خیز گردشِ ایام کی دلچسپ داستان کا مزید احوال اگلے ماہ ملاحظہ فرمائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

Downloaded From
Paksociety.com

گمان

ثمر عباس

تصوراتی دنیا میں ہر انسان اپنی سلطنت کا بادشاہ ہوتا ہے۔ چاہے سانس لینے کی ہمت نہ ہو مگر وہ تصور میں ہمالیہ بھی سر کرلیتا ہے... یہی حال کچھ ان لوگوں کا بھی تھا جن کا دنیا میں ہر رشتہ ہوتے ہوئے بھی کوئی نہیں تھا اور وہ صرف اپنی قوتِ ارادی کے بل پر زندگی کے کٹھن مراحل سے گزرتے جا رہے تھے۔

ترقی یافتہ ماحول میں خوشی اور غم کا امتزاج...... مغربی معاشرے کا المیہ

میں وارڈ یونٹ میں رہتی ہوں جہاں نرسیں اور اسپتال کے ملازمین ہر وقت مسکراتے اور اونچی آواز میں بولتے رہتے ہیں جیسے ہم سب اونچا سنتے ہوں لیکن میری قوتِ سماعت ہمیشہ سے ہی تیز ہے، البتہ میری یادداشت کبھی کبھی مدھم ہو جاتی ہے۔ اس وقت بھی میں ہال کی دوسری جانب سوتے جم کی سرگوشیاں سن سکتی ہوں۔ مجھے بلی کے چلنے کی آواز بھی سنائی دے رہی ہے اور کافی فاصلے سے اسپتال کے ملازم کے جوتوں کی آواز بھی آرہی ہے۔ وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

دوائیں تقسیم کرنے کے لیے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جارہا ہے۔ میں اس کے چلنے کی رفتار سے اندازہ لگاسکتی ہوں کہ آج کی رات بھاری جسم والے اردلی ڈین کی ڈیوٹی ہے۔

جب کوئی رہائشی گرجائے تو نرسیں ڈین کو ہی بھیجتی ہیں تاکہ وہ اسے اٹھا کر کرسی یا بستر پر بٹھا سکے' جب بھی کوئی وہاں کا رہنے والا گھومنے نکل جائے تو ڈین اسے پکڑ کر واپس لے آتا ہے۔ میں اسے بالکل پسند نہیں کرتی۔ اس کی مسکراہٹ، خوش اخلاقی اور وہاں کے رہنے والوں کو بے تکلفانہ انداز میں مخاطب کرنے کے باوجود اس کے اندر کوئی خباثت چھپی ہوئی ہے۔ مجھے تو وہ کوئی بھوت پریت، سایہ یا عفریت لگتا ہے جسے دیکھ کر بچے ڈر جائیں۔

میرا بیٹا اسٹیو اب پچاس سال کا ہے۔ میں نے ایک دفعہ اسے بتایا کہ ڈین کے بارے میں کیا سوچتی ہوں تو اس نے اپنی آنکھیں گھماتے ہوئے کہا کہ یہ میرا وہم ہے۔

''مما! ڈین بہت اچھا شخص ہے۔ ایک نہایت عمدہ اردلی۔ یہاں ہر کوئی اس سے محبت کرتا ہے۔''

''ہر کوئی سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' میں نے پوچھا۔

ہم اس وقت مرکزی ہال میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ کھڑکی سے آنے والی سورج کی روشنی براہِ راست اسٹیو کے چہرے پر پڑ رہی تھی جس کی بدولت اس کی آنکھوں کے نیچے نمودار ہونے والی نئی شکنیں صاف دیکھی جاسکتی تھیں۔ اس کی ازدواجی زندگی زیادہ خوشگوار نہیں تھی اور دوسری بیوی سے بھی اسے طلاق ہو چکی تھی۔ اب اس کی ڈاڑھی اور سر کے بالوں میں بھی سفیدی جھلک رہی تھی۔ اس وقت وہ مجھ سے بھی زیادہ عمر رسیدہ نظر آرہا تھا حالانکہ میں اسی برس کی ہو چکی تھی۔

''اسٹاف، انتظامیہ اور فیملی ممبرز، سب ہی اسے پسند کرتے ہیں۔'' اسٹیو نے کہا۔

''لیکن یہاں مقیم افراد میں سے کوئی بھی اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔''

اسٹیو محض سر ہلا کر رہ گیا جیسے کہہ رہا ہو کہ مما کا مرض لاعلاج ہے۔

راہداری میں ڈین کے جوتوں کی دھمک رک گئی اور میں نے سنا کہ ڈین کسی رہائشی کی مزاج پرسی کر رہا ہے پھر میں نے دبی دبی آوازیں سنیں اور اچانک ہی گریٹا میرے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے پیچھے لوسی بھی تھی۔

گریٹا نے سوٹ اور اونچی ہیل کے جوتے پہنے ہوئے تھے اور سر پر سوٹ کے ہم رنگ ہلکے نیلے رنگ کا ہیٹ تھا۔ لوسی نے نہانے کا گاؤن اور سلیپر پہن رکھے تھے۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی میرے پاس آئیں۔

''ہائے راکیل! تم ہمارے ساتھ شہر چل رہی ہو؟'' گریٹا نے پوچھا۔ اس کی آنکھیں جوش سے چمک رہی تھیں۔ ''ہم ہیئر، دیکھنے جارہے ہیں۔''

اسے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ میرا نام راکیل نہیں بلکہ روز ہے لیکن میں نے اسے یاد نہیں دلایا اور نہ ہی اسے یہ بتایا کہ وہ اور لوسی اب نیویارک کے بجائے جنوبی فلوریڈا میں رہتی ہیں جبکہ ہیئر، اپریل انیس سو اڑسٹھ میں براڈوے میں دکھایا گیا تھا اور اس کے سترہ سو پچاس شوز ہوئے تھے۔ مجھے پرانی باتیں خوب یاد رہتی ہیں البتہ یہ نہیں بتاسکتی کہ میں نے آج یا گزشتہ روز ناشتے میں کیا کھایا تھا۔

''کیا تم نے ٹیکسی کے لیے فون کردیا؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔'' لوسی سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''ٹیکسی آنے والی ہے۔ ہمیں باہر جانا چاہیے۔ راکیل! تم بھی لباس تبدیل کرلو۔'' یہ وہ عورت کہہ رہی تھی جس نے خود کسی کارٹون کی طرح مضحکہ خیز لباس پہن رکھا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتی' دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور ڈین دواؤں کی ٹرالی دھکیلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے گریٹا اور لوسی کو غور سے دیکھا اور بولا۔ ''یہاں کیا ہورہا ہے؟''

''ہم تھیٹر جارہے ہیں۔'' گریٹا نے اسے مطلع کیا۔

''اوہ، اچھا۔'' ڈین سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ہیئر دیکھنے۔ میں نے سنا ہے کہ بہت شاندار ڈراما ہے۔ کیا ٹیکسی آرہی ہے؟''

''بالکل۔ راستے میں ہے۔'' لوسی نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''ہم پیدل براڈوے نہیں جاسکتے۔ تم ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہو؟''

''میں نہیں جاسکتا۔'' ڈین نے جواب دیا۔ ''مجھے بہت کام کرنا ہے لیکن میں جانے سے پہلے تمہیں کچھ دینا چاہتا ہوں۔'' اس نے ٹرالی پر سے ایک پلاسٹک کی بوتل اٹھائی اور اس میں سے ایک دوا نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے بولا۔

''یہ تمہارے لیے ہے لوسی۔''

اس نے وہ گولی لوسی کو دی جو گریٹا اور مجھ سے بہت پہلے سے دا یونٹ میں رہ رہی تھی۔ اس نے وہ گولی منہ میں

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

رکھی اور پانی کے بغیر ہی نگل لی۔ اسے اس کی پریکٹس ہو گئی تھی پھر بولی۔ ”گریٹا! آجاؤ...... ہمیں چلنا چاہیے۔“

گریٹا نے اپنا ہینڈ بیگ سیدھا کیا جو اس کے کندھے پر لٹک رہا تھا۔ وہ مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔ ”تم آرہی ہو روز اکیلی؟“

”میرا خیال ہے کہ کچھ دیر آرام کرلوں۔“ میں نے ایک کتاب اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”میں اسے ختم کرنا چاہ رہی ہوں۔“

”جانے سے پہلے تم بھی ایک گولی لے لو گریٹا۔“ ڈین نے بوتل میں سے ایک اور گولی نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھی۔

”تمہارا بہت بہت شکریہ۔“ وہ اپنا سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔ ”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ اس نے لوسی کا بازو پکڑا اور ہم دونوں کو دیکھ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے بولی۔ ”تم دونوں سے بعد میں ملاقات ہوگی۔“

ڈین کا چہرہ لمحہ بھر کے لیے تاریک ہو گیا گو کہ یہ کیفیت عارضی تھی لیکن اس نے مجھے دہشت زدہ کر دیا۔ پھر وہ آہستگی سے ان دونوں عورتوں کی جانب بڑھا اور اس نے گریٹا کا بازو پکڑ لیا۔ وہ اتنی تیزی سے گھومی کہ اس کا خوب صورت ہیٹ سر سے نیچے گر گیا۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ ڈین نے اسے گھمایا یا پھر وہ خود ہی گھوم گئی۔ وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑائی اور اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

”آئندہ تم مجھے اس طرح ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔“ اس نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

”اوہ، اوہ۔“ لوسی اپنا سر ہلاتے ہوئے مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔ ”ڈین مشکل میں ہے۔ گریٹا مشکل میں ہے۔ سب لوگ مشکل میں ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف مڑ گئی۔

”دوا لے لو۔ اس کے بعد ٹیکسی پکڑ لینا۔“ ڈین نے اپنا ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔ اس کی ہتھیلی پر سرخ رنگ کی چھوٹی سی گولی خون کے قطرے کے مانند نظر آرہی تھی۔

”ڈین نے بُرے الفاظ کہے۔“ لوسی نے کہا۔ وہ بار بار یہی الفاظ دہرا رہی تھی۔ اس کی آواز لحظہ بہ لحظہ بلند ہوتی جا رہی تھی۔ ڈین اسے خاموش کرنے کے لیے آگے بڑھا کہ میں نے لات مار کر دواؤں کی ٹرالی اس کی طرف دھکیل دی جو اس کی کمر سے ٹکرائی اور وہ ڈگمگاتا ہوا لوسی پر جا گرا اور وہ دونوں ہی فرش پر گر گئے۔ لوسی بُری طرح چلا رہی تھی اور گریٹا اپنا ہینڈ بیگ اس کے سر، کمر اور ٹانگوں پر مارتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”اسے چھوڑ دو تم ایک عفریت ہو۔ اسے چھوڑ دو۔“

دواؤں کی ٹرالی کو دھکا دیتے ہوئے میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور جب اٹھنا چاہا تو گھٹنوں میں شدید تکلیف کی وجہ سے رونے لگی۔ میری چیخ و پکار سے پورے یونٹ میں دہشت پھیل گئی اور عمارت میں لگا ہوا الارم بجنے لگا۔ رات کی ڈیوٹی پر موجود نرس اور تین اردلی دوڑتے ہوئے کمرے میں آئے۔ اس وقت تک ڈین ہسٹریائی انداز میں چلاتی ہوئی لوسی سے الگ ہو چکا تھا اور وہ تیزی سے لپکتی ہوئی اس سے دور جا چکی تھی۔ وہ زور زور سے ہچکیاں لے رہی تھی۔ اس کا گاؤن سامنے سے پھٹ گیا تھا اور ایک سلیپر پیروں سے نکل کر ڈیوڑھی میں پڑا ہوا تھا۔ گریٹا اب بھی اپنا بیگ گھما رہی تھی اور مسلسل چلا رہی تھی کہ ڈین نے اس کا بازو پکڑا اور لوسی کو روکا۔

ایک اردلی نے گریٹا کو قابو کیا اور اسے خاموش کرانے کے بعد میرے کمرے سے باہر لے گیا۔ دروازے پر کافی لوگ جمع ہو گئے تھے۔ دوسرے اردلی نے لوسی کو سنبھالا اور اسے میرے بستر تک لے آیا جبکہ تیسرا تیزی سے میری طرف لپکتے ہوئے بولا۔ ”روز! تم ٹھیک تو ہو؟“

میں نے اپنے ہاتھوں سے گھٹنوں کو دبا رکھا تھا۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ بالآخر میں نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ وہ کینیا کا رہنے والا خوب صورت شخص ٹونی تھا۔ اس کی سیاہ رنگت اور چاکلیٹی رنگ کی آنکھیں مجھے بہت پسند تھیں۔ وہ میرے سامنے کھڑا پریشان اور مضطرب نظر آرہا تھا۔ وہ عام طور پر دن کی شفٹ میں کام کرتا تھا۔

میں اسے اچھی طرح جانتی تھی۔ ہم گھنٹوں کینیا میں اس کی بیوی اور گھر والوں کے بارے میں باتیں کیا کرتے تھے لیکن میں زیادہ دیر انہیں یاد نہیں رکھ سکتی۔ میرے دماغ سے دوسرے لوگوں کی زندگی کے بارے میں تفصیلات چھلنی ہو کر نکلتی رہتی ہیں لیکن اس میں میری اپنی زندگی کی تفصیلات کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ میرا دماغ تھک چکا ہے۔ اس لیے ایک دن پہلے کی بات بھی بھاپ بن کر اڑ جاتی ہے۔

”میرا خیال ہے کہ......“ میں نے ٹونی کو جواب دینے کی کوشش کی۔

ٹونی نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہیں اٹھنے میں مدد دیتا ہوں۔“

اگر اس کی جگہ ڈین ہوتا تو میں اسے بھی اس کی کوئی چال سمجھتی۔ اب بھی میں ہچکچا رہی تھی لیکن یہ ہچکچاہٹ زیادہ دیر نہ رہی۔ میں نے اپنے جھریوں بھرے ہاتھ سے اس کا

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہاتھ پکڑ لیا۔ سیاہ اور سفید جلد کا یہ حسین امتزاج تھا۔ میں تقریباً رونے والی تھی۔ ''شکریہ! میں یہ مشکل کہہ سکی۔''

میں کھڑی ہو گئی تو ٹونی مجھے کرسی تک لے کر آیا اور بولا۔ ''کیا ہوا تھا روز؟''

''میں بتاتا ہوں کہ کیا ہوا تھا۔'' ڈین بیل کی طرح ڈکراتے ہوئے بولا۔ ''اس نے دواؤں کی ٹرالی میری طرف دھکیل دی تھی۔''

''کیا کہہ رہے ہو؟'' ٹونی حیران ہوتے ہوئے بولا۔ ''یہ واکر کے بغیر چل نہیں سکتی۔ کیا چھلانگ لگا کر ٹرالی میں جا گری تھی؟''

رات کی ڈیوٹی والی نرس مارتھا چالیس سال کی مضبوط عورت تھی اور دیکھنے میں لگتا تھا کہ اس نے کراٹے میں بلیک بیلٹ حاصل کر رکھی ہے۔ وہ ان دونوں کے درمیان میں آگئی اور انہیں الگ کرتے ہوئے بولی۔ ''بس بہت ہو چکا۔'' وہ زور سے نہیں بولی۔ اسے ایسا کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس کی آواز میں اتنا رعب تھا کہ ڈین کو بھی خاموش ہونا پڑا۔

''ہم لوسی کو اس کے کمرے میں چھوڑنے جا رہے ہیں۔ روز کے لیے کچھ اسنیکس اور ایک کپ گرم چاکلیٹ کا لے کر آؤ اور پھر میرے دفتر میں ایک میٹنگ ہوگی۔''

ٹونی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہارے لیے اسنیکس لے کر آتا ہوں روز!''

وہ مارتھا اور ڈین کے پاس سے گزرتا ہوا چلا گیا جو زمین پر گری ہوئی دوائیں اٹھا کر ٹرالی میں ڈال رہے تھے۔ ڈین کی نظروں نے اس کا تعاقب کیا پھر مارتھا کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ ''دیکھو میں......''

''چپ ہو جاؤ۔'' مارتھا نے غصے سے کہا۔ ''یہ ایسا معاملہ ہے جس پر ہمارے خلاف مقدمہ ہو سکتا ہے۔ یہ ٹرالی یہاں سے لے جاؤ۔''

ڈین نے ایک نفرت بھری نگاہ مجھ پر ڈالی اور ہال میں چلا گیا جہاں دوسری نرسیں اور اردلی تماشا دیکھنے والوں کو ہٹا رہے تھے۔ الارم بھی خاموش ہو چکا تھا اور حالات معمول پر آ رہے تھے۔

مارتھا نے میرے قریب آ کر پوچھا۔ ''کیا تم بتا سکتی ہو روز کہ کیا ہوا تھا؟''

''گریٹا ڈراما دیکھنے کے لیے شہر جانا چاہ رہی تھی۔ لوسی اور اس نے مجھے بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ ڈین چاہتا تھا کہ وہ جانے سے پہلے دوا لے لیں لیکن گریٹا نے انکار کر دیا۔ اس پر ڈین نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ میں یہ دیکھ کر خوفزدہ ہوئی اور چھلانگ لگا کر ٹرالی پر جا گری۔''

اس کے بعد میں نے زور زور سے رونا شروع کر دیا اور اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ مارتھا نے میرا کندھا تھپتھپایا اور میرے کمرے سے چلی گئی۔ جب میں نے اپنی آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹائے تو وہاں رہنے والی بلی مجھ پر نظریں جمائے میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر اس نے چھلانگ لگائی اور میری گود میں بیٹھ گئی۔ وہ سیاہ اور سفید رنگ کی بلی میڈی تھی اور میں اس کی سنگت میں بہت آرام محسوس کرتی تھی۔

☆☆☆

میں نے کئی دنوں سے ڈین کو نہیں دیکھا اور نہ ہی گریٹا یا لوسی مجھے نظر آئیں۔ میں نے ان کے بارے میں کوئی خبر نہیں سنی لیکن جب جم ناشتے کی میز پر میرے برابر بیٹھا تو مجھے محسوس ہوا کہ اسے کچھ نہ کچھ معلوم ہے۔ وہ عمر میں مجھ سے بڑا ہے اور سوتے میں ہلکی آواز سے روتا ہے، جیسے چڑ ریں ریں کر رہا ہو۔ اس کی جھکی ہوئی کمر ایک سوالیہ نشان کی طرح خمیدہ ہے اور وہ چھڑی کے سہارے لنگڑا کر چلتا ہے۔ اس کی انگلیاں جوڑوں کی سوجن کی وجہ سے ناہموار ہو چکی ہیں اور اس کے سر پر ایک بھی بال نہیں ہے۔ کسی زمانے میں وہ وال اسٹریٹ پر کام کرتا تھا لیکن مارکیٹ تباہ ہونے سے پہلے ہی وہ فلوریڈا چلا گیا جہاں اس کی بیٹی اور خاندان کے دیگر افراد رہتے تھے۔ یہ کئی سال پرانی بات ہے۔ اب اس کے نواسے نواسیاں جوان ہو چکے ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ وہ یہاں کیوں رہ رہا ہے لیکن اس کے دماغ میں بھی میری طرح چند سوراخ ہیں جن کی وجہ سے اسے بھی کل کی بات یاد نہیں رہتی۔

''یہ کیک کیسے ہیں روز؟''

''حیرت انگیز طور پر خوش ذائقہ۔''

''تمہیں تو یہ بیر بھی بہت پسند ہیں؟''

''یہاں کون سی چیز ایسی ہے جو مجھے پسند نہ ہو۔''

وہ بے ساختہ ہنس پڑا حالانکہ میں نے کوئی مذاق نہیں کیا تھا۔ ''میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں کہ ڈین کی زخمی انا کا رنگ ان بیروں کے رنگ سے بھی زیادہ گہرا ہوگا۔''

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا لیکن اس کی نظریں کیک کی پلیٹ، بیروں، کافی کے کپ اور جوس پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنی دوائیں بھی ساتھ ہی رکھی ہوئی تھیں۔ میں سمجھ گئی کہ وہ ہمارے ناشتے کے دوران اردلی کی موجودگی نہیں چاہتا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

”تم میرا دکھ بانٹنا چاہ رہے ہو یا محض تجسس ختم کر رہے ہو؟“

اس نے چوری چوری مجھے دیکھا۔ میں اس کی نیلی آنکھوں میں ابھرنے والے تاثرات نہ پڑھ سکی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”ناشتے کے بعد صحن میں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔“

ایک نرس نے بتایا تھا کہ پورے یونٹ میں یہ واحد جگہ ہے جہاں خفیہ کیمرے نہیں لگے ہوئے۔ یہ وہاں کے رہنے والوں اور ان کے ملاقاتیوں کے لیے ایک پرائیویٹ جگہ تھی لیکن مجھے شبہ تھا کہ منتظمین نے اس جگہ کی پرائیویسی کے بارے میں جھوٹ بولا تھا۔ میں نے کئی سالوں تک وکالت کی ہے اور اپنے تجربے سے یہی سیکھا ہے کہ سچ کے سوا کسی پر بھروسا نہ کرو۔

جم اور میں تھوڑی دیر بعد مرکزی صحن میں ملے۔ ہم نے بیٹھنے کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کیا جو فوارے سے نزدیک تھی تاکہ پانی کے شور میں ہماری آواز کوئی اور نہ سن سکے۔

”تم جانتی ہو کہ اس رات جب وہ اسے کمرے میں واپس لے کر گئے تو لوسی کے ساتھ کیا ہوا؟“

”میں نے اس بارے میں کچھ نہیں سنا۔“

”انہوں نے اسے برقی جھٹکوں سے علاج کے لیے میامی بھیج دیا۔“

”وہ اسے مزید برقی جھٹکے نہیں لگا سکتے جم۔“

”بہرحال انہوں نے اسے یہاں سے روانہ کر دیا ہے اور اس کی جلد واپسی ممکن نہیں۔“

”گریٹا کہاں ہے؟“

”اس کی بیٹی اسے اپنے ساتھ لے گئی ہے۔“

”اور ڈین...... وہ بھی نظر نہیں آ رہا؟“

”اسے ایک ہفتے کے لیے معطل کر دیا گیا تھا۔ وہ کل کام پر واپس آ جائے گا جبکہ ٹونی کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا ہے۔“

میرے پاس ٹونی کا سیل نمبر تھا۔ اصولاً مجھے اس سے رابطہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہاں کے رہائشیوں اور عملے کے درمیان اس طرح کے تعلق کی سخت ممانعت تھی لیکن میرے خیال میں قانون توڑنے کے لیے ہی بنائے جاتے ہیں۔ میں نے جم سے کہا۔ ”باغ میں چہل قدمی کرتے ہیں۔“

صحن کی طرح باغ کے گرد بھی چار دیواری تھی لیکن وہاں طرح طرح کے پھل دار درخت اور خوشنما پودے لگے ہوئے تھے۔ میں اپنے واکر اور جم چھڑی کے سہارے چلتے ہوئے درختوں کے جھنڈ تک پہنچے تو میں نے اپنا موبائل فون نکال کر ٹونی کا نمبر ڈائل کیا، جواب میں اس کی حیرت زدہ آواز سنائی دی۔

”روز! تم ٹھیک تو ہو؟“

”اس وقت میں اور جم باہر باغ میں ہیں اور اس نے مجھے بتایا ہے کہ تمہیں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟“

”انہوں نے مجھے نکالنے کی دھمکی دی تھی۔ لہٰذا میں نے خود ہی ملازمت چھوڑ دی۔“

”مجھے اس سے بات کرنے دو۔“ جم نے میرے ہاتھ سے فون چھینتے ہوئے کہا پھر ٹونی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ”اگر میں اور روز اس قید خانے سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں تو تم ہمیں گاڑی میں بٹھا کر کہیں لے جا سکتے ہو؟“

”کیا؟“ میں نے فون اس سے چھین لیا اور اسی کشمکش میں کال منقطع ہو گئی۔

”اسے دوبارہ فون کرو۔“ جم ایک دائرے کی شکل میں ٹہلتے ہوئے بولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ ہم کہاں مل سکتے ہیں۔ میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے اور پوری منصوبہ بندی کر لی ہے۔ تمہیں تھوڑی سی ہمت کرنا ہوگی روز۔“

”یہ پاگل پن ہے۔“ یہ کہہ کر میں اس کے پاس سے ہٹ گئی اور واکر کو دھکیلتی ہوئی تیزی سے واپس جانے لگی۔ میں سوچ رہی تھی کہ کیا واکر کے بغیر چل سکتی ہوں۔ میری ٹانگوں، اعصاب اور پیروں میں کوئی نقص نہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ اپنی قوتِ ارادی کے سہارے نہ چل سکوں۔ میں رک گئی۔ واکر کو دائیں جانب دھکیلا اور اسے چھوئے بغیر ایک قدم آگے بڑھایا۔ میں نے اپنے پیروں کو دیکھا اور خود کلامی کے انداز میں ان سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔ ”تم بالکل ٹھیک اور سلامت ہو اور کسی مدد کے بغیر چل سکتے ہو۔“ میں نے ایک قدم اٹھایا پھر دوسرا...... اس طرح چھ قدم کا فاصلہ کسی سہارے کے بغیر طے کیا پھر میں نے ایک قریبی بینچ کا سہارا لیا اور اس پر بیٹھ گئی۔

چند لمحوں بعد جم لنگڑاتا ہوا میرے پاس آیا۔ وہ ایک ہاتھ سے میرا واکر دھکیل رہا تھا اور دوسرے ہاتھ میں اس نے چھڑی پکڑی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے معنی خیز انداز میں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔ ”فرار ہونا چاہتی ہو؟“

”یقیناً!“ میں نے دل ہی دل میں کہا۔ ”لیکن ہم جائیں گے کہاں؟“

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

☆☆☆

میں اس شخص کو فوری طور پر نہ پہچان سکی جو ڈنر کے دوران میرے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ عمر میں مجھ سے بہت چھوٹا تھا گو کہ اس کی ڈاڑھی اور بال سفید ہو چکے تھے۔ وہ کافی تھکا ہوا لگ رہا تھا اور میرے شوہر کی طرح اس کی آنکھوں میں بھی اداسی تیر رہی تھی۔

"کیسی ہو مام؟"

"مام؟ کیا میں تمہاری ماں ہوں؟ اگر یہ سچ ہے تو مجھے کیوں یاد نہیں رہا؟ میرا پورا نام کیا ہے؟"

"روز تلیچ میتھیمن۔ آر آر ایم۔ تم دستخط کرتے وقت اپنے نام کا یہی مخفف استعمال کیا کرتی تھیں۔"

اس کے ساتھ ہی مجھے سب کچھ یاد آ گیا۔ وہ اسٹیو تھا...... میرا بیٹا اسٹیو۔ میں نے کہا۔ "تم پاس ہو گئے؟"

اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "مارتھا نے مجھے اس رات کے واقعے کے بارے میں ایک رپورٹ ای میل کی تھی جو ڈین، گریٹا اور لوسی کے درمیان پیش آیا تھا۔"

"یہ پرانی بات ہوگئی۔" میں نے کہا۔

"میں نے وہ رپورٹ ول سولیون کو بھیج دی تھی۔"

ول سولیون میرا وکیل ہے۔ میں نے اسٹیو سے پوچھا کہ اسے یہ رپورٹ بھیجنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

"میں تمام رپورٹیں اسے بھیج دیتا ہوں حالانکہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے اور وہ کافی مہنگا بھی ہے لیکن صرف تم ہی اسے فارغ کر سکتی ہو۔"

میں ایسا کیوں کروں گی۔ ول سولیون ہفتے میں ایک بار مجھے ملنے آتا ہے اور میرے روزمرہ اخراجات کے لیے کچھ رقم دے جاتا ہے تاکہ میں اپنے بال رنگ سکوں اور جب ہمیں تفریح کے لیے باہر لے جایا جائے تو کچھ شاپنگ کر سکوں۔ ول میرے شوہر کا سب سے ذہین طالب علم تھا جب بین میامی یونیورسٹی میں قانون پڑھایا کرتا تھا۔

"میں ول کو پسند کرتی ہوں۔ یہ بتاؤ تم اتنا عرصہ کہاں رہے؟"

"میں نے ایک نئی ملازمت شروع کی ہے اور فلوریڈا اٹلانٹک یونیورسٹی میں پڑھا رہا ہوں۔ اس کی وجہ سے مصروفیت بڑھ گئی ہے۔"

مجھے ہنسی آ گئی۔ اسے یہ اندازہ نہیں کہ جب وہ چھوٹا تھا تو اس کی وجہ سے میں کتنی مصروف رہا کرتی تھی۔ میں نے زبان سے کچھ نہیں کہا لیکن اس نے میرے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا لیا اور میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "یہاں کے اخراجات بہت زیادہ ہیں اور تمہاری پنشن اس کے لیے ناکافی ہے۔ جب تک میں اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو جاتا، میرے لیے تمہاری دیکھ بھال کے اخراجات برداشت کرنا مشکل ہے۔"

یہ جھوٹ تھا۔ مکمل جھوٹ۔ جب وہ مجھے لے کر یہاں آیا تھا تو میں نے اسے ول سولیون کے ذریعے اپنے اکاؤنٹس تک رسائی دے دی تھی اور میں جانتی ہوں کہ سرمایہ کاری، جائداد اور اثاثوں کی شکل میں لاکھوں ڈالرز موجود تھے۔ یہ میری اور بین کی محنت کی کمائی تھی۔ ممکن ہے کہ مجھے کل کی باتیں یاد نہ رہتی ہوں یا میں اپنے بیٹے کو نہ پہچان سکتی ہوں لیکن اعداد وشمار کے معاملے میں میری یادداشت غیر معمولی تھی۔ جب بین کا انتقال ہوا تو ہم دولت مند تھے اور اب اسٹیو غربت کا رونا رو رہا تھا۔

میں نے کانٹے سے مرغی کا ٹکڑا اٹھانا چاہا لیکن میرا دھیان بٹ گیا اور میں نے اسٹیو کے ہاتھ کی پشت میں کانٹا گھونپ دیا۔

جو عورت مجھے دیکھنے آئی، اس نے پہلا سوال خوابوں کے بارے میں کیا۔ میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"کیسے خواب؟ ان دواؤں کے ہوتے ہوئے کیا خواب دیکھ سکتی ہوں۔"

"تم جو دوائیں لے رہی ہو، ان سے خوابوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

اس کے لیے یہ کہنا آسان تھا۔ وہ تقریباً چالیس سال کی تھی جو زندگی کے عروج کا زمانہ ہوتا ہے اور اسے بالکل بھی اندازہ نہیں کہ عمر کے اس حصے میں میرے لیے اس بات کی کیا اہمیت ہے۔ ڈین بھی کمرے میں موجود تھا اور اسے گزشتہ چند ہفتوں کے دوران میرے غیر متوازن رویے کے بارے میں معلومات فراہم کر رہا تھا۔ مثلاً گریٹا اور لوسی سے ملنے اور باتیں کرنے کا مطالبہ، چند چیزوں کو کھانے سے انکار اور چند قوانین کی خلاف ورزی وغیرہ وغیرہ۔ ہاں، میں ان کے لیے مشکلات پیدا کر رہی تھی لیکن اس عورت یا کسی اور کو یہ اختیار نہیں کہ میری زندگی کو کنٹرول کرے۔ میرے اندر سے آواز آئی۔ "چلے جاؤ، سب چلے جاؤ۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"

ول سولیون اور میں مرکزی صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دبلا پتلا پچاس سال سے زیادہ عمر کا شخص ہے اور خوش وخرم ازدواجی زندگی گزار رہا ہے۔ اس کی دو بیٹیاں کالج جاتی ہیں۔ اس روز وہ اپنے ہمراہ ایک بریف کیس بھی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

لے کر آیا تھا۔

"اسٹیو نے مجھے اس واقعے کے بارے میں رپورٹ ای میل کی ہے جو کئی ہفتے قبل پیش آیا تھا اور حال ہی میں ہونے والے چند واقعات کے بارے میں بھی بتایا ہے۔"

"مثلاً میں نے اس کے ہاتھ کی پشت میں کانٹا گھونپ دیا تھا؟"

وہ تیوری چڑھاتے ہوئے بولا۔ "ای میلز میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ واقعہ کب پیش آیا؟"

"جب وہ گزشتہ بار مجھ سے ملنے آیا تھا؟"

"میں نے اسے دو دن پہلے دیکھا ہے۔ اس کا ہاتھ تو بالکل ٹھیک ہے۔"

یہ کیسے ممکن تھا؟ میں نے اتنی زور سے کانٹا اس کے ہاتھ کی پشت میں گھونپا تھا کہ پوری میز پر خون پھیل گیا تھا لیکن جتنا میں اس بارے میں سوچتی ہوں، اتنا ہی میرا یقین کم ہوتا جاتا ہے کہ واقعی ایسا ہوا ہوگا۔

"ممکن ہے یہ میں نے تصور کیا ہو۔ جانتی ہوں کہ میں اس کے ہاتھ میں کانٹا گھونپنا چاہتی تھی۔ مجھے اس پر غصہ آرہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کوئی دوسری سہولت برداشت نہیں کرسکتی کیونکہ میں غریب ہوگئی ہوں۔ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں بھی فارغ کردوں۔"

ول کا چہرہ تاریک ہوگیا۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ اس نے یہ تجویز پیش کی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں دو دن پہلے اس سے ملا تھا کیونکہ اس پر ایک بڑی چوری کا الزام لگ گیا ہے۔ اس نے اسٹاک سے تمہارا تمام سرمایہ نکال لیا ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ تم نے اسے اپنے اکاؤنٹس کے اس حصے کے معاملات دیکھنے کی اجازت دی تھی۔ مجھے اس طرح معلوم ہوا کہ اس نے تمہارے دوسرے اکاؤنٹس سے بھی رقوم نکالنا شروع کردیں۔ ہم اس کے خلاف گزشتہ موسمِ گرما سے ایک کیس تیار کررہے ہیں۔"

کاش میں کہہ سکتی کہ مجھے حیرت ہوئی لیکن اس کے بجائے میری زبان سے نکلا۔ "اب کیا پوزیشن ہے؟ کیا میں بالکل قلاش ہوگئی ہوں؟"

وہ میری طرف جھکتے ہوئے بولا۔ "جب بین اسپتال میں تھا تو اس نے مجھ سے کہا تھا کہ سارا پیسا ایک دوسرے اکاؤنٹ میں منتقل کرکے تمہارے لیے ایک ٹرسٹ بنا دوں۔ اسٹیو کو اس رقم کا علم نہیں ہے لہٰذا اس لحاظ سے تم اچھی پوزیشن میں ہو۔ میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کیا اپنے طور پر زندگی گزار سکتی ہو، اگر تمہیں گھر پر ہی تمام سہولتیں مہیا کر دی جائیں؟"

"میرے پاس کوئی گھر نہیں ہے۔ اسٹیو اسے بھی بیچ چکا ہے۔"

"تمہارے پاس اب بھی ساحل پر ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ ہے جس کا کرائے دار گزشتہ ماہ جاچکا ہے۔ ڈاکٹر کے پاس یا گروسری اسٹور تک جانے کے لیے کمیونٹی کی طرف سے ٹرانسپورٹ کی سہولت موجود ہے۔ اس عمارت میں کئی عمر رسیدہ افراد رہتے ہیں۔ وہاں تیراکی کا تالاب اور دیگر کئی سہولتیں بھی موجود ہیں۔"

"بہت اچھا خیال ہے۔ کیا میرا دوست جم بھی وہاں آسکتا ہے؟ کیا تم اس کی نواسی سے بات کرسکتے ہو؟"

ول نے ایک بار پھر تیوری چڑھائی اور بولا۔ "جم رٹز؟ میں اس سے اور اس کی نواسی سے گزشتہ ماہ مل چکا ہوں۔ جب میں اور تم کسی دوسری جگہ منتقل ہونے کی بات کررہے تھے۔ بعد میں اس کی نواسی نے فون کرکے کہا کہ اسے بھی اس مشورے میں شامل کیا جائے کیونکہ اگر تم کہیں چلی گئیں تو جم کا دل ٹوٹ جائے گا۔ وہ اس کے تمہارے ساتھ جانے پر رضامند بھی۔"

مجھے ایسی کوئی بات یاد نہیں تھی اس لیے میں نے اس سے کہا۔ "جب ہم گزشتہ ماہ یہاں سے جانے کی بات کررہے تھے تو تم نے اپارٹمنٹ میں منتقل ہونے کے امکان کی جانب اشارہ کیوں نہیں کیا؟"

"کیونکہ اس وقت کچھ قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے یہ ممکن نہیں تھا۔"

"میں کتنی جلدی یہاں سے جاسکوں گی؟"

"دو ہفتے تو لگ ہی جائیں گے۔"

"اتنی دیر کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے تمہارے لیے کچھ اردلیوں کے انٹرویوز کرنا ہوں گے۔ اس کے علاوہ اپارٹمنٹ کی صفائی بھی کروانی ہے۔"

"میں ایک بہت اچھے مددگار کو جانتی ہوں۔" میں نے اسے ٹونی کے بارے میں بتایا اور اس کا فون نمبر دے دیا۔

"میں اسے فون کروں گا۔" ول نے کہا تو میں نے فرطِ مسرت سے اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور رونا شروع کردیا۔

رات کی ڈیوٹی والا اردلی ڈین اپنی مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ میرے کمرے میں آیا تو میں سوچنے لگی کہ یہ گھر کب جاتا ہے اور کبھی چھٹی بھی کرتا ہے یا نہیں۔ اس کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

http://paksociety.com

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
- ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
- کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ایڈ فری لنکس
- ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ کا ایک پیج پر
- ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

ہاتھ میں بہت سی گولیاں تھیں۔ اس نے اپنے مخصوص طنزیہ انداز میں کہا۔ ''تمہاری دوائیں روز!''

میں کھڑکی کے پاس کرسی پر بیٹھی شاعرہ این سیکسٹن کی شاعری کی کتاب پڑھ رہی تھی۔ میری بلی میڈی بھی میرے زانو پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈین نے کتاب کا سرورق دیکھا اور بولا۔ ''وہ پاگل عورت تھی۔ میں نے کالج کے دنوں میں اس کی شاعری پڑھی ہے۔ بالآخر اس نے خودکشی کرلی۔''

''ہیمنگوے نے بھی تو خودکشی کی تھی۔''

''اس کا کیس مختلف تھا۔''

''وہ کیسے؟'' میں بحث پر آمادہ تھی۔

''اپنی دوائیں لے لو۔''

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' میں نے اس سے گولیاں لے کر منہ میں رکھیں اور انہیں زبان کے نیچے دبالیا۔ اس پر یہ ظاہر کیا کہ اس نے مجھے جو پانی کا گلاس دیا ہے' اس کے ذریعے انہیں نگل لوں گی۔ وہ گولیاں پگھلنا شروع ہوگئی تھیں لیکن مجھے امید تھی کہ ان کے مکمل طور پر پگھلنے سے پہلے وہ کمرے سے چلا جائے گا پھر میں انہیں تھوک سکوں گی۔

''ہیمنگوے کی زندگی میں آنے والی عورت نے اس کی زندگی عذاب بنادی تھی۔'' ڈین نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

بالکل جیسے میرے بیٹے کی زندگی میں آنے والی اس کی دو سابقہ بیویوں نے ایسے حالات پیدا کردیے کہ اس کے پاس میری رقم چرانے اور مجھے اس اولڈ ہوم میں داخل کرانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ مرد ہمیشہ عورتوں کو ہی الزام دیتے ہیں چاہے وہ ماں، بہن، بیوی یا مالکن ہی کیوں نہ ہو۔ میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ میں تو بس یہ چاہ رہی تھی کہ وہ فوراً میرے کمرے سے چلا جائے۔

''مارتھا کا خیال ہے کہ کل تم علاقے کی سیر کے لیے چلی جاؤ۔'' وہ دروازے کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

''کہاں؟''

''اس چھوٹے شاپنگ سینٹر میں جہاں دہی کی دکانیں اور بک اسٹور ہے لیکن میں نے اسے بتادیا ہے کہ گزشتہ چندروز سے تم اتنے پُرتشدد اور مخالفانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کررہی ہو کہ تمہیں باہر جانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔'' اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے انتقام جھلک رہا تھا۔

''مجھے شاپنگ سینٹرز پسند نہیں ہیں۔'' میں نے جل کر کہا۔

وہ بھونڈے انداز میں ہنستے ہوئے بولا۔ ''تم نے ایک دفعہ مجھے بتایا تھا کہ تمہیں دہی اور چاکلیٹ کتنی پسند ہیں اور تم گھنٹوں بک اسٹور میں وقت گزارتی تھیں۔''

''ان باتوں سے تمہارا مطلب کیا ہے؟''

''تم نے مجھے ایک ہفتے کے لیے ملازمت سے معطل کروایا تھا۔ اب میں تمہاری زندگی عذاب بنادوں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔ ممکن ہے کہ میں تمہاری گولیوں میں کوئی ایسی دوا ملادوں جسے کھانے کے بعد تم اپنے آپ کو بھی نہ پہچان سکو۔'' اس نے دوبارہ قہقہہ لگایا اور ٹرالی دھکیلتا ہوا ہال کی طرف چلا گیا۔

میں نے زبان کے نیچے رہ جانے والی گولیاں تھوک دیں اور گلاس ہونٹوں سے لگا کر منہ صاف کیا۔ اس کے باوجود میرے منہ کا ذائقہ ٹھیک نہیں ہوا۔ اس کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ کہیں واقعی اس نے میری دواؤں میں کچھ ملا نہ دیا ہو؟

میرے سینے کے وسط میں شدید درد اٹھا، میں واکر کا سہارا لیے بغیر ہی الماری کی طرف بڑھی۔ اس میں سے اپنا سوٹ کیس نکالا اور پیکنگ شروع کردی۔ میں دو ہفتے انتظار نہیں کرسکتی تھی۔ ممکن ہے کہ اس دوران میری موت واقع ہوجاتی۔ ڈین کسی بھی وقت میرے کمرے میں آکر سوتے ہوئے میرے منہ پر تکیہ رکھ کر دبا دیتا اور کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ اس کے کہے ہوئے الفاظ میرے دماغ میں ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔ ''میں تمہاری زندگی عذاب بنادوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

جب میرا سوٹ کیس بھر گیا تو میں نے اپنا نائٹ سوٹ اتارا۔ ٹی شرٹ، پتلون اور آرام دہ جوتے پہنے اور جم کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ الماری کے سامنے کھڑا ہینگروں سے کپڑے اتار کر سوٹ کیس میں رکھ رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر چونک گیا اور سرگوشی میں بولا۔ ''دروازہ بند کردو۔''

میں نے ایسا ہی کیا اور بولی۔ ''تم جارہے ہو جم؟''

''ہاں جیسے ہی رات کی شفٹ ختم ہوگی اور صبح کی شفٹ والے آنا شروع ہوں گے۔ اس وقت یہاں کافی افراتفری ہوتی ہے۔''

''تم کہاں جاؤ گے؟''

''اگر مجھے کسی پل کے نیچے بھی رہنا پڑا تو رہ لوں گا لیکن اب مزید برداشت نہیں کرسکتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

ڈین نے کیا کہا ہے۔ جب وہ کچھ دیر پہلے یہاں آیا تھا کہ مجھے دماغی امراض کے اسپتال بھیجا جارہا ہے کیونکہ میری نواسی میرا دماغی معائنہ کروانا چاہتی ہے۔''

''مگر کیوں؟''

''کیونکہ اگر مجھے نااہل قرار دیا گیا تو وہ میرے مالی معاملات سنبھال لے گی۔'' اس نے الماری سے تمام چیزیں نکال کر سوٹ کیس میں رکھیں اور کہا۔ ''ڈین نے مجھے یہ وجہ نہیں بتائی لیکن میں جانتا ہوں کہ یہی بات ہے۔ میں نہیں بلکہ میری نواسی پاگل ہے۔''

میرا بیٹا، اس کی نواسی، دونوں ہی لالچ جیسی متعدی بیماری میں مبتلا تھے۔ ''ہم دن کی روشنی میں یہ سوٹ کیس عمارت سے باہر نہیں لے جاسکتے۔'' میں نے کہا۔

''ہم!'' وہ چونکتے ہوئے بولا۔

میں نے اسے جلدی جلدی ول سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا جو ہم نے اپارٹمنٹ کے بارے میں کی تھی۔ ''میں نے ٹونی کو ایس ایم ایس کردیا ہے۔ وہ تیس منٹ میں دروازے پر پہنچ جائے گا۔ ہمیں فوراً نکل جانا چاہیے کیونکہ ابھی اندھیرا ہے اور تم پل کے نیچے رہنے کا خیال دل سے نکال دو۔ میرے اپارٹمنٹ میں دو بیڈروم ہیں۔''

اس کے جھریوں بھرے گالوں پر آنسو بہنے لگے پھر سب کچھ بڑی تیزی سے ہوا۔ جس طرح چارلی چپلن کی فلموں میں ہر چیز بڑی تیزی سے دکھائی جاتی ہے۔ جم نے ہال میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''راستہ بالکل صاف ہے۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''حفاظتی دروازے کی طرف چلو۔ وہاں سے ہم سیڑھیاں اتریں گے۔''

''الارم تو نہیں بجے گا؟''

''وہ کئی ہفتوں سے خراب ہے۔ چند روز قبل کچھ لوگ اسے ٹھیک کرنے آئے تھے۔ میں نے ان میں سے ایک کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ پورا سسٹم بدلا جائے گا۔''

جم نے دروازہ کھولا اور ہم راہداری میں داخل ہوگئے جہاں مدھم روشنی تھی۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور سانس سینے میں اٹک رہی تھی۔ یہ سب کچھ ایک خواب کے مانند غیر حقیقی لگ رہا تھا۔ ہمارے سوٹ کیسوں کے پہیے فرش پر رگڑنے سے آواز پیدا کررہے تھے لیکن مجھے امید تھی کہ یہ آواز نرسنگ اسٹیشن تک نہیں جائے گی۔ راہداری میں لگے ہوئے دو سیکیورٹی کیمرے ہماری نقل وحرکت ریکارڈ کر رہے تھے لیکن اس بات کا بہت کم امکان تھا کہ رات کے اس پہر میں کوئی ان کی نگرانی کررہا ہوگا۔ رات کی ڈیوٹی پر مامور نرس اور اردلی اسٹاف روم میں بیٹھے کافی پی رہے ہوں گے اور اولڈ ہوم میں رہنے والے بوڑھوں کو برا بھلا کہہ رہے ہوں گے۔

جب ہم ہنگامی دروازے پر پہنچے تو جم نے جھک کر اندر دیکھا۔ کسی الارم کے بجنے کی آواز نہیں آئی۔ اس نے چھڑی کی مدد سے اسے کھلا رکھا جب تک میں اس سے نہ گزر گئی۔ میرے پیچھے وہ بھی پھسلتا ہوا آگیا۔ ہمارے پیچھے دروازہ آہستہ سے بند ہوا اور ہم اپنے سامنے ڈھلوان سیڑھیاں دیکھنے لگے۔

''ہم اپنے بیگ سیدھے رکھ کر انہیں زور سے دھکا دیتے ہیں۔'' اس نے تجویز پیش کی۔

پہلے میں نے اپنے سوٹ کیس کو دھکا دیا لیکن اس کے لڑھکنے سے جو شور ہوا، اس کے پیشِ نظر ہم نے اس کے سوٹ کیس کو سیڑھیوں سے اتارنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لیے جم نے یہ ترکیب کی کہ اس نے چھڑی اپنے کندھے پر لٹکائی۔ ایک ہاتھ سے سوٹ کیس پکڑا اور دوسرا ہاتھ زینے کی ریلنگ پر رکھا جبکہ میں نے دوسری طرف کی ریلنگ پکڑ رکھی تھی اور سوٹ کیس ہمارے درمیان تھا۔ گوکہ میں واکر کے بغیر چل سکتی تھی لیکن میری چال ہموار نہیں تھی اور لینڈنگ تک پہنچنے سے پہلے میں لڑکھڑا گئی اور میں نے جس طرف سے سوٹ کیس پکڑ رکھا تھا، وہ حصہ سیڑھیوں سے ٹکرایا جس کی وجہ سے جم اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ وہ آگے کی جانب جھکا اور سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر سیڑھیوں پر جاگرا۔

ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ مجھے اس کے چہرے پر دہشت نظر آئی لیکن اس کے پیچھے جو مسرت چھپی ہوئی تھی، وہ ہمیں برسوں بعد نصیب ہوئی تھی۔ ہم نے یہ کارنامہ انجام دے لیا تھا اور ایسی خوف ناک جگہ سے نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے جہاں ہماری سرگرمی کو نوٹ کیا جاتا تھا۔ ہماری خوراک، دوائیں، بلڈ پریشر، آمدورفت، ہر بات کی کڑی نگرانی ہوتی تھی۔ اب ہم اس سے آزاد ہورہے تھے۔

جم اور میں لینڈنگ تک پہنچے۔ ہم نے اپنے اپنے سوٹ کیسوں کے ہینڈل پکڑے اور اس دروازے کی جانب بڑھے جو باغ میں کھلتا تھا۔ جب ہم باہر آئے تو ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے ہمارا استقبال کیا اور آزادی کی خوشبو سے ہماری طبیعت سرشار ہوگئی۔

''ہم دیوار سے باہر کیسے جائیں گے؟'' جم نے پوچھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

مجھے اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا اور نہ ہی میں نے اتنی دور کا سوچا تھا۔ ہم تنگ پگڈنڈی پر آگے بڑھتے گئے پھر اچانک ہی میرا سیل فون بج اٹھا۔ ٹونی کی طرف سے پیغام تھا۔ "میں دروازے پر ہوں۔ میرے پاس اب بھی گیٹ کی ایک چابی ہے۔ اس سے میں نے تالا کھول دیا ہے اور اب اپنی ٹارچ روشن کر رہا ہوں۔"

میں نے جلدی سے اس جانب دیکھا لیکن جم پہلے ہی ٹارچ کی روشنی دیکھ چکا تھا۔ "وہاں......!" اس نے میرا کندھا پکڑتے ہوئے سرگوشی کی۔ "کیا وہ ٹونی ہے؟"

"ہاں اور اس نے گیٹ کا تالا کھول دیا ہے۔"

"چلو چلتے ہیں۔"

میں آگے تھی اور میرے سوٹ کیس کے پہیے پگڈنڈی پر کھڑ کھڑا رہے تھے۔ میرے پیچھے جم کی چھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی۔ اچانک ایک دروازہ کھلا اور تیز روشنی نے ہمیں اپنے حصار میں لے لیا پھر اس دروازے سے ڈین نمودار ہوا اور قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ "تم دونوں واقعی یہ سمجھ رہے تھے کہ یہاں سے ٹہلتے ہوئے باہر چلے جاؤ گے۔"

"ہم بالکل یہی کر رہے ہیں۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔

لیکن ڈین سیدھا میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور راستہ روکتے ہوئے بولا۔ "نہیں۔ معاف کرنا روز اور تمہارا اوکر کہاں گیا۔ کیا وہ محض دکھاوا تھا؟"

جیسے ہی اس نے میرے سوٹ کیس کا ہینڈل پکڑا، جم کی چھڑی فضا میں لہرائی اور ڈین کی ناک پر جا لگی۔ وہ درد سے چلاتا ہوا پیچھے کی طرف لڑکھڑایا۔ اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لیے۔ اس کے نتھنوں سے خون بہنے لگا پھر چھڑی کی ضربیں مسلسل اس کے کندھوں، گھٹنوں، کمر اور جسم کے دوسرے حصوں پر لگتی رہیں۔ بالآخر ڈین بے سدھ ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اس کے چاروں طرف خون ہی خون تھا۔

جم اپنی جگہ کھڑا ہوا بری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کی چھڑی اب بھی فضا میں بلند تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ خوف اور دہشت نے اسے منجمد کر دیا ہے۔

"چلو۔" میں اس کا بازو پکڑتے ہوئے بولی اور اسے آگے کی طرف کھینچنے لگی۔ ہم اپنے سوٹ کیس گھسیٹتے ہوئے تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اولڈ ہوم کی روشنیاں ہم سے دور ہوتی جا رہی تھیں۔ خدا خدا کر کے ہم گیٹ پار کر کے ٹونی کے ٹرک تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

"جلدی سے بیٹھو۔" اس نے کہا۔ "میں تمہارا سامان رکھتا ہوں۔"

جم اور میں اگلی نشست پر بیٹھ گئے۔ ٹونی نے سامان پچھلے حصے میں رکھا اور ٹرک اسٹارٹ کر دیا۔ عملے کے چار افراد تیزی سے ٹرک کی جانب لپکے۔ ٹونی نے فوراً ہی ٹرک کی رفتار بڑھا دی اور ان کی پہنچ سے بہت دور نکل گیا۔

میں ابھی تک صدمے کی کیفیت میں تھی اور میں نے مضبوطی سے اپنے زانو پکڑ رکھے تھے۔ "کیا میں نے اسے مار ڈالا؟" جم ہکلاتے ہوئے بولا۔

"تم نے اپنے بچاؤ کے لیے ایسا کیا ہے۔" ٹونی نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی مسٹر سولیون کو فون کر کے ساری بات بتا دی ہے۔ وہ سب سنبھال لیں گے۔ ممکن ہے کہ وہ کل صبح تمہارے بیانات لینے آئیں۔"

میری ساری الجھن دور ہو گئی۔ جم نے مضبوطی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں نے ٹونی کا بازو تھام لیا۔ اس طرح ہم تینوں آپس میں جڑ گئے۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ میں مکمل لباس میں اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی اور میرا سوٹ کیس قریب ہی فرش پر رکھا ہوا تھا۔ یہ حقیقت جان کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی کہ میں ابھی تک اولڈ ہوم میں ہی تھی۔ تو کیا وہ سب کچھ خیالی تھا؟ کیا اب میں حقیقت اور تصور کے درمیان فرق محسوس کرنے کے قابل بھی نہیں تھی لیکن اس میں کسی حد تک حقیقت تھی۔ مثلاً میں نے باہر جانے کے لیے مکمل لباس اور جوتے پہن رکھے تھے اور میرا سوٹ کیس تیار تھا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ میرا تصور تھا۔

میں نے اپنا فون اٹھا کر چیک کیا۔ سارے پیغامات پڑھ ڈالے لیکن ان میں کوئی پیغام ایسا نہیں تھا جس میں ٹونی سے کہا گیا ہو کہ وہ مجھے یہاں سے لے جائے پھر میں نے سولیون کو ایس ایم ایس کیا۔

"کیا ساحل پر میرا کوئی اپارٹمنٹ ہے؟"

"ہاں۔" اس کا جواب آیا۔

"میں یہاں سے کب نکل سکتی ہوں؟"

"میں کل صبح تمہیں اور جم کو لینے آؤں گا۔"

یہ سنتے ہی میں جم کو یہ خبر سنانے کے لیے لڑکھڑاتی ہوئی ہال کی جانب بڑھی کہ ہم اپنی زندگی کا نیا باب شروع کرنے والے ہیں اور اس کے لیے اب اسے کسی ڈین نامی عفریت کو مارنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

بیت المقدس ... [illegible]
روزانہ سیاحوں کی بسیں اسرائیل جاتی ہیں اور ان ہی بسوں میں سے ایک میں بیٹھ کر میں وہاں پہنچا تھا۔ پاکستانی پاسپورٹ لے کر اسرائیل جانے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہمارے پاسپورٹ پر ... [illegible] جرم مانا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اسرائیل کی مہر والے پاسپورٹ پر کوئی بھی آدمی سعودی عرب نہیں جاسکتا۔ پاکستان میں بسنے والا ہر ایک مرد، عورت سعودی عرب نہیں جا پاتا مگر اس کے

بدلتے وقت کی زہریلی رنگینیوں کا سنگین احوال

مگین شلوم

ڈاکٹر شیر شاہ سید

جتنی انسیت ہمیں اپنے ماضی سے ہوتی ہے شاید اتنی اپنایت اپنے حال سے بھی نہیں ہو پاتی... جب جب کوئی چند لمحوں کے لیے بھی ذرا پلٹ کر دیکھتا ہے تو ٹھٹک سا جاتا ہے... وہ بھی کراچی کی محبت میں پور پور ڈوبا ہوا تھا مگر افسوس... جن مہکتی فضائوں اور بسنے والوں کے خلوص کو وہ گرہ میں باندھ کر لے گیا تھا زندگی کے آخری لمحات میں وہ گرہ اچانک اس طرح کھل گئی گویا جیسے اس کے ہاتھوں سے کوئی قیمتی خزانہ نکل گیا ہو۔

Downloaded From
Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

www.paksociety.com

خواب ضرور دیکھتا ہے۔

پاکستان اور سعودی عرب دنیا کے دو عجیب و غریب ملک ہیں۔ دونوں ملکوں کے شہری اسرائیل نہیں جا سکتے اور دونوں ہی ملکوں میں اسرائیل کو کرۂ ارض پر قائم و دائم رکھنے والے ملک امریکا کے شہریوں کو جو عزت و احترام میسر ہے وہ امریکیوں کو امریکا میں بھی نہیں ہے۔ میں تو قاہرہ گیا ہی اس لیے تھا کہ مجھے یروشلم دیکھنا ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے بڑے سے سبز گنبد والے اس شہر کو دیکھنے کی آرزو تھی۔ میں نے پڑھا تھا کہ یہ سبز گنبد مخروطی چٹانوں کے اوپر بنایا گیا ہے۔ میرے ذہن میں ایک تصویر تھی، بیت المقدس کو دیکھنے کی ایک آرزو، تاریخ کو سمجھنے کی ایک تمنا تھی، اس سبز گنبد کے نیچے نماز پڑھنے کی ایک حسرت تھی اور اس کو ہی دیکھنے کی تمنا لے کر میں قاہرہ پہنچا تھا۔

قاہرہ سے بسیں جب اسرائیل کی سرحد پر پہنچی تھیں تو یہودی امیگریشن آفیسروں نے پاکستانی پاسپورٹ کو دیکھا اور پینتالیس ڈالر فیس لینے کے بعد مجھے ایک محدود مدت کے لیے اسرائیل میں گھومنے کا پروانہ بنا کر دے دیا۔ میں نے تین دن کی میعاد مانگی تھی، انہوں نے مجھے سات دن کا ویزا دے دیا تھا۔ ایک چھوٹا سا کارڈ جو مجھے اپنے پاس رکھنا تھا یا جیب کے اوپر لگانا تھا جس کے اوپر لکھا تھا ”سیاح پاکستانی اور سات دنوں کا قیام۔“

چھوٹا سا ہوٹل صاف ستھرا تھا اور پرانے یروشلم میں واقع تھا۔ میں نے اپنا سامان رکھا اور مسجد اقصیٰ دیکھنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ وہاں بھی مجھے ایک فلسطینی گائیڈ مل گیا تھا جس نے سبز گنبد، مسجد اقصیٰ، دیوار گریہ، انبیا کی قبریں، مسلمانوں کے گھر، یہودیوں کی آبادی، مسلمانوں کا قبرستان، عیسائیوں کے مکان، حضرت مریمؑ کی رہائش گاہ اور صلاح الدین ایوبی کے قصے سنائے تھے۔ بوڑھے فلسطینی گائیڈ کو ایک ایک پتھر، ایک ایک انچ اور ایک ایک دروازے کھڑکیوں کے بارے میں سب کچھ پتا تھا۔ وہ فلسطین، یروشلم، مسلمانوں کی عیاشی اور یہودیوں کی تاریخ سے مکمل طور پر آگاہ تھا۔

مجھے پہلی دفعہ پتا لگا کہ یروشلم کا سبز گنبد، مسجد اقصیٰ کا حصہ نہیں ہے۔ یہ تو چٹانوں کے اوپر ایک گول گنبد ہے جس پر اندر سے سونا چڑھایا گیا ہے۔ مسجد اقصیٰ تھوڑے سے فاصلے پر بنی ہوئی ہے جہاں غیر مسلموں کا داخلہ ممکن نہیں ہے۔ وہ شام اور رات میری زندگی کی عجیب ترین رات تھی۔ مجھے ایسا لگا تھا جیسے میں ہزاروں سال کا سفر کر کے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں پہنچ گیا تھا۔

فراعین اور رومنوں کے اس زمانے میں، جن کی داستانیں بچپن سے اتنی بار سنی تھیں کہ ذہن کے پردے پر ہر ایک کی تصویر بن گئی تھی، واضح صاف ستھری اور زندگی سے بھرپور۔ یروشلم ایسا ہی شہر تھا۔ وہاں تاریخ سانس لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ سرکتی ہوئی، دھیمے دھیمے تاریخی کتابوں کے اوراق کی طرح جو الٹتے الٹتے پڑھنے والے کو ڈراتے بھی ہیں اور حیرت زدہ بھی کر دیتے ہیں۔

انسان اپنے ماضی کی پرورش کرتا ہے اور ماضی سے کبھی بھی رشتہ نہیں توڑتا۔ اپنے حال کی تشریح بھی ماضی سے چاہتا ہے اور مستقبل بھی ماضی کی بنیاد پر بناتا ہے۔ یروشلم ایسی ہی ایک مثال تھی...... ماضی، حال اور مستقبل جہاں پر مل جاتے ہیں۔ اپنی شدتوں کے ساتھ وعدے لیے ہوئے، امیدیں کیے ہوئے اس رات میں خوب تھک ہار کر سویا تھا۔

دوسرے دن صبح پرانے شہر کے بازار میں گھومتے گھامتے ہوئے، پتھروں کی پرانی عمارتوں، اینٹوں کے بنے ہوئے راستوں اور تنگ تنگ گلیوں سے ہوتے ہوئے میں نہ جانے اس گلی میں کیسے پہنچ گیا تھا کہ صحیح راستہ مل ہی نہیں رہا تھا۔ مجھے یہ ڈر تھا کہ پاکستانی پاسپورٹ کے ساتھ کسی ایسی جگہ نہ پہنچ جاؤں کہ جہاں داخلہ بند ہو۔ پھر خواہ مخواہ کے مسائل میں الجھ جاؤں۔ فلسطینیوں کے ساتھ یہودیوں کے عجیب و غریب سلوک کی بہت سی داستانیں میں نے سنی ہوئی تھیں۔ یہی سوچتا ہوا میں ایک کشادہ گلی میں نکلا تھا کہ مجھے وہ پولیس والا نظر آیا تھا۔ جیکب اویسل نام تھا اس کا۔

میں نے اسے اپنے ہوٹل کا کارڈ دکھایا جہاں مجھے جانا تھا۔ اس کی انگلش بہت معقول تھی۔ اس نے کہا۔ ”تم بہت دور نکل آئے ہو۔ یہاں سے تمہیں بس یا ٹیکسی کرنی پڑے گی۔ چلو میں تمہیں بڑے روڈ تک چھوڑ دیتا ہوں۔“

اس نے مجھے پولیس کی گاڑی میں بٹھا لیا۔ درمیانے قد کے سانولے رنگ کا آدمی تھا وہ۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ اسرائیل میں ہی پیدا ہوا تھا اور یہیں پڑھ لکھ کر پولیس کی ٹریننگ کے بعد یروشلم پولیس میں کام کر رہا تھا۔

پھر اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں کہاں سے آیا ہوں۔ میرے بتانے پر کہ میں پاکستان سے آیا ہوں، اس نے پوچھا...... ”پاکستان......؟ کراتشی؟ کراتشی؟“ میں نے مسکرا کر کہا کہ ہاں کراچی ہی میرے شہر کا نام ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی عود کر آئی تھی کہ میرے پڑوس میں رہنے والے بھی اس شہر کا نام لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کراچی سے ہی اسرائیل آئے تھے۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ کراچی سے کیسے اکھڑتے ہیں لیکن وہ اس شہر کا اتنا نام لیتے ہیں کہ ہمیں یاد ہو گیا ہے۔ میری ان کے خاندان سے بڑی دوستی ہے۔ انکل تو ابھی تک کراچی کو یاد کرتے ہیں مگر کسی اسرائیلی کا پاکستان جانا ممکن نہیں ہے۔'' اس نے مجھے بتایا۔ یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ اسرائیل میں کسی کراچی کے خاندان کا پتا مل جائے گا۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میرا ہوٹل آ گیا۔ وہ بڑی گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ ملا کر مجھ سے رخصت ہوا تھا۔

میں چل چل کر کافی تھک گیا تھا۔ ہوٹل پہنچ کر میں ٹھنڈے پانی سے خوب نہایا پھر جیکب اور کراچی کے بارے میں سوچتا ہوا شام کی چائے پینے کے ساتھ سی این این کی خبریں دیکھ رہا تھا کہ مجھے نیند آ گئی۔ میری آنکھ دو گھنٹے کے بعد ٹیلی فون کی گھنٹی سے کھلی۔ دوسری طرف سے جیکب بول رہا تھا۔

اس نے کہا تھا کہ اس کے پڑوسی مجھ سے ملنا چاہتے ہیں، کیا میں ان کے ساتھ رات کا کھانا کھانا پسند کروں گا؟

اس سے اچھی بات تو کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ جیکب کے جانے کے بعد میں سوچتا رہا تھا کہ کراچی کے کسی پرانے آدمی سے ملنے میں کیا برائی ہے مگر کسی جھجک کی وجہ سے اپنی اس خواہش کا اظہار نہیں کر سکا تھا۔

جیکب شام سات بجے مجھے ہوٹل سے لینے آ گیا۔ مغربی یروشلم کی نئی عمارتوں میں جیکب کا کھلا کھلا سا اپارٹمنٹ تھا جہاں بوڑھے سولومن سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ دبلا پتلا اسی پچاسی سال کا آدمی تھا۔ لانبے قد کے ساتھ سفید بال جو کبھی سیاہ رہے ہوں گے اور لمبی نوکیلی ناک اس کے چہرے پر بہت واضح تھی۔ مجھے ایسا لگا جیسے کراچی کے گارڈن روڈ پر واقع گرینڈلیز بینک سے نکلنے والا کوئی پرانا پارسی ہے۔ ویسی ہی رنگت تھی، وہی انداز۔ بڑے میاں نے مجھے غور سے دیکھا اور شلوم کہہ کر ہاتھ ملایا۔ وہ اچھی انگلش بولتا تھا اور اسے ابھی تک سندھی اور گجراتی کے الفاظ یاد تھے۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا کہ وہ سندھی اور گجراتی بڑی اچھی بولتا تھا مگر اسرائیل آ کر تقریباً بھول گیا ہے۔

بڑے میاں مجھ سے کرید کرید کر کراچی کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ بہت سی ایسی جگہیں جہاں میں سالوں سے نہیں گیا تھا، انہیں ان کے بارے میں کیا بتاتا مگر میں انہیں مایوس نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے بتایا کہ برنس گارڈن ویسا ہی ہے۔ گاندھی گارڈن کے چاروں طرف دکانیں بن گئی ہیں۔ جنرل ایس کے ایم سی کے زیر اہتمام ہر ہفتے کلفٹن پر لوگوں کا میلا لگتا ہے۔ سینڈز پٹ، ہاکس بے کے راستے اب اچھے بن گئے ہیں اور راستوں پر ابھی تک کراچی کی پرانی آبادی رہتی ہے۔

بڑے میاں کو کراچی کی ایمپریس مارکیٹ اور سولجر بازار کی دکانیں یاد تھیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ بولٹن مارکیٹ کا ٹاور ٹوٹ گیا ہے اور وہاں پر کوئی بھی گھنٹا گھر نہیں ہے۔ پریڈی اسٹریٹ کا مندر بند ہو چکا ہے اور کراچی میں ہندوؤں اور پارسیوں کے بنائے ہوئے پانی کے وہ تمام اڈے جہاں جانور پانی پیا کرتے تھے، ٹوٹ چکے ہیں۔

بڑے میاں نے پوچھا تھا کہ جانور اب کدھر پانی پیتے ہیں؟ کیا گھوڑا گاڑیاں، اونٹ گاڑی، گدھا گاڑی سب ختم ہو گئی ہیں؟

میں نے بتایا۔ ''ختم تو نہیں مگر کم ہو گئی ہیں۔'' پہلے میں نے سوچا کہ اب بڑے میاں کو کیا بتاؤں مگر پھر میں نے بتا دیا کہ اب کراچی میں انسانوں کو پانی نہیں ملتا ہے، جانوروں کی کسے فکر ہے۔ اب تو وہاں سڑکوں پر لوگوں کو گولی ماردی جاتی ہے۔ بزدل ہندو کراچی چھوڑ گئے جو جانوروں کو پانی پلاتے تھے۔ اب کراچی والوں کو کراچی والے خون پلاتے ہیں...... خون۔

بڑے میاں نے پوچھا کہ کراچی پورٹ ٹرسٹ کی خوب صورت بلڈنگ کیسی ہے؟ میں نے بتایا کہ ویسی ہی ہے، سامنے سے صاف ستھری مگر اندر دیواروں، سیڑھیوں اور کونوں پر کراچی کے نئے شہریوں نے پان کی پچکاری مار مار کر گندا کر دیا ہے۔ کراچی اب عجیب شہر ہے جہاں نہ پبلک ٹوائلٹ ہے، نہ ہی جانوروں کے پانی پینے کا اڈا۔ بے ہنگم عمارتیں ہیں جن کی سیڑھیوں پر پان کی پیکیں ہیں۔ کے پی ٹی کی بلڈنگ کا بھی وہی حال ہے جو بقیہ شہر کا ہے۔ بڑے میاں کے چہرے پر جیسے ایک سایہ سا آ کر گزر گیا تھا۔

انہوں نے مزید پوچھا کہ پیلس، پیراڈائز اور کیپٹل سنیما میں اب بھی فلمیں چلتی ہوں گی؟ میں نے کہا کہ یہ سنیما ہال ختم ہو گئے ہیں، ان جگہوں پر بلڈنگیں بن گئی ہیں۔ اونچی اور خوف ناک...... وہ کراچی کے چہرے پر ایسی ہی لگتی ہیں جیسے کسی حسینہ کے چہرے پر برص کا نشان۔

بڑے میاں کا شوق اور کراچی کی محبت دیکھ کر میں بہت جھوٹ نہیں بول سکا۔ میں نے انہیں بتایا کہ کراچی اب 1947ء سے پہلے کا کراچی نہیں ہے جہاں ہندو، مسلمان، پارسی، یہودی اور عیسائی ساتھ رہا کرتے تھے۔ جہاں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

جانوروں کے لیے پینے کے پانی کا انتظام بھی ہوتا تھا۔ جہاں سڑکیں روزانہ دھوئی جاتی تھیں۔ جہاں شام کے وقت الفنسٹن اسٹریٹ پر لوگ گھوما کرتے تھے، جہاں ٹرام کی ٹن ٹن شہر میں کسی موسیقی کی طرح رہتی تھی۔ جہاں کیپٹل سنیما میں فلمیں چلتی تھیں اور سب لوگ دیکھا کرتے تھے، جب کراچی لسبیلہ اور تین ہٹی کے پل پر ختم ہو جاتا تھا۔ جہاں محبت کی ہوائیں چلتی تھیں، جہاں پورٹ ٹرسٹ سے ریلوے تک اور کسٹم سے کے ایم سی تک قابلیت کی بنیاد پر نوکری ملتی تھی۔ جب اندرونِ سندھ کے زمین دار کراچی آرام کرنے آتے تھے، شہر سے محبت کرتے تھے، یہاں کے قوانین کی پاسداری کرتے تھے۔ جب کراچی چھوٹا تھا اور کراچی والوں کا دل بہت بڑا تھا۔ میرا سر جھکا ہوا تھا، کسی مجرم کی طرح اور میں نے رک رک کر انہیں بتایا کہ اب کراچی بہت بڑا ہے اور کراچی والوں کا دل بہت چھوٹا ہے۔ اب کراچی میں زیادہ تر مندر بند ہو گئے ہیں۔ سڑکیں گندی ہیں۔ پرانی عمارتیں توڑ کر وہاں پر لوگوں نے پلازے کھڑے کر دیے ہیں، جہاں انسان کو جانوروں کی طرح ٹھونس دیا گیا ہے۔ کراچی کے نئے شہریوں نے پان تھوک تھوک کر کراچی کو چیچک زدہ بنا دیا ہے۔ باہر سے آنے والوں نے چاہے وہ کسی بھی قومیت سے تعلق رکھتے ہوں، سب نے کراچی کو لوٹا ہے، اسے دیا کچھ نہیں ہے۔ اب الفنسٹن اسٹریٹ، زیب النسا اسٹریٹ ہے اور میکلوڈ روڈ، چندریگر روڈ ہے اور بندر روڈ، جناح روڈ ہے۔

اب وہ کراچی نہیں ہے جب گدھا گاڑی اور اونٹ گاڑی والے جاہل لوگ سڑکوں پر چلنے والے پیدل لوگوں کا خیال کرتے تھے۔ ٹریفک پولیس کے ہاتھ کے اشاروں پر رکتے تھے، اس کے ہی اشاروں پر چلتے تھے۔ اب بڑی بڑی گاڑیوں میں تعلیم یافتہ ڈرائیور اور منی بس اور ٹرکوں کے جاہل ڈرائیور یکساں طریقوں سے انسانوں کو کچلتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔ آٹومیٹک ٹریفک سگنل سے گزر جاتے ہیں۔ انسان، انسان سے نفرت کرتا ہے۔ گھروں میں گھس کر گولی ماردی جاتی ہے۔

بوڑھے کے چہرے پر دوبارہ تاریکی سی چھا گئی تھی۔ انہوں نے جیکب کو مخاطب کر کے کہا۔ ”جیکب……جیکب! ایسا تو یہاں بھی نہیں ہوتا ہے۔ ایسا تو قدامت پسند یہودی، فلسطینیوں کے ساتھ بھی نہیں کرتے ہیں۔ نہیں، تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔“ بڑے میاں کے چہرے پر بے یقینی کی کیفیت صاف ظاہر تھی۔

میں نے کہا۔ ”نہیں، میں سچ کہہ رہا ہوں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بہت سا سچ نہیں کہہ رہا ہوں۔ چھٹیں چھوڑیں۔“ میں نے چائے کے ساتھ بسکٹ کھاتے ہوئے کہا۔ ”مجھے بتائیں آپ کراچی میں کہاں رہتے تھے؟ میں نے تو سب کچھ بتا دیا ہے۔“

بوڑھا سولومن دھیرے سے مسکرایا پھر دھیرے سے بولا۔ ”میں تو کراچی میں ہی پیدا ہوا تھا۔ میرا باپ بھی کراچی میں پیدا ہوا تھا۔ میرا دادا کوچین سے تجارت کرنے کراچی جاتا تھا پھر نہ جانے کیا بات ہوئی اور کراچی اسے ایسا لگا کہ وہ کراچی میں ہی رہ گیا۔ سولجر بازار میں رہتے تھے ہم لوگ اور بھگوان داس روڈ پر ہم لوگوں کا سینی گاگ تھا جہاں عبادت کرتے تھے۔ میں نے سنا ہے کہ وہاں پر اب ایک مارکیٹ بن گئی ہے اور بھگوان داس روڈ کا نام نشتر روڈ ہو گیا ہے۔

”میں نے کراچی کے یہودی اسکول میں پڑھا تھا اور ڈی جے کالج میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اسی کراچی کے سینی گاگ میں چودہ سال کی عمر میں برت می لا کی تقریب منعقد کی گئی تھی۔ اس تقریب میں ایک یہودی بچہ اپنے ایمان کی توثیق کرتا ہے۔ اسی سینی گاگ میں اپریل کے ماہ میں ہماری یہودی کمیونٹی پیساک کے تہوار کی عبادت کرتی تھی اور اکتوبر میں سوکوٹ کی عبادت ہوتی تھی۔ ہم لوگ اپنے گھروں کے باہر حضرت موسیٰؑ کی یاد میں چھوٹے چھوٹے خیمے لگاتے تھے جہاں مسلمانوں کی تواضع پھلوں سے کرتے تھے اور خدا کا شکر ادا کرتے تھے جس نے حضرت موسیٰؑ پر مہربانیاں کی تھیں۔ کراچی خوب صورت تھا، صاف تھا۔ نہ پانی کی کمی تھی اور نہ ہی جگہ کی کمی تھی اور شام کی ہوائیں کیماڑی سے سمندر کی خوشبو لے کر آتی تھیں تو ہم لوگ پاگل سے ہو جاتے تھے۔ تم نے اس عمر میں مجھے کیا بتا دیا ہے، مجھ سے میرا کراچی چھین لیا ہے۔ وہ حقیقت جس کے خواب میں بار بار دیکھتا تھا، اسے گندا اور میلا کر دیا ہے۔“ بوڑھے نے عجیب طرح سے مجھے دیکھا۔

”میں نے اپنے دماغ میں ایک کراچی بسا رکھا تھا اور اسرائیل کے اس جنگل میں جہاں یہودی نہ ہونا بھی ایک جرم ہے، جہاں روز دیکھنا پڑتا ہے کہ ہم یہودی لوگ کس طرح سے اس زمین میں ہزاروں سال سے بسنے والے فلسطینیوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں……اس پریشانی میں اسی کراچی کو یاد کر لیا کرتا تھا جہاں میرا بچپن گزرا تھا۔“

میں نے بھی دل میں سوچا کہ اچھا نہیں کیا میں نے، نہیں بتاتا تو کیا فرق پڑتا مگر اب بات ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا سولومن خود ہی بولا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''مگر اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ تم نے تو وہی بتایا ہے جو ہے۔'' پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔

''ہمارا کراچی بہت اچھا تھا۔ ہم سب ہی باہر سے آئے تھے ایران اور ہندوستان کے پارسی، گوا اور بمبئی کے عیسائی، کوچین اور تامل ناڈو کے یہودی، مقامی ہندو اور مسلمان سب نے مل کر کراچی کو بنایا تھا۔ سڑکیں، باغ، اسکول، کالج، کلب...... ہم لوگ انسان کو کیا جانور کو بھی نہیں مارتے تھے۔''

سولومن کے مزید کچھ کہنے سے پہلے آواز دی گئی، کھانا تیار ہے۔ کھانے کی میز پر سولومن نے دعا پڑھی۔ صدیوں پرانی یہودیوں کی دعا جس میں خدا کو حضرت موسیٰؑ سے کیے ہوئے وعدے کی یاد دہانی تھی اور شکر تھا کہ جس نے زمین پر بھی موسیٰؑ کے ماننے والوں کو اپنی رحمتوں سے نوازا ہے۔

میں نے تجسس کے ساتھ دعا کا مطلب پوچھا۔ کھانا سادہ اور مزیدار تھا۔ کھانے کے دوران بھی ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ جیکب نے مجھے بتایا کہ اسرائیل میں دو طرح کے یہودی رہتے ہیں۔ ایک وہ جو یورپ سے آئے ہیں اور ایک وہ جو ایشیا اور افریقا سے آئے ہیں اور دونوں ایک کو دوسرے پر برتر سمجھتے ہیں۔ مذہب ضرور ایک ہے مگر ثقافت جدا جدا ہے۔ اب تو آپس میں شادیاں بھی ہوتی ہیں، پہلے یہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ پھر اس نے یہ بھی بتایا کہ اسرائیل میں دو طرح کے یہودی رہتے ہیں۔ ایک وہ جو موجودہ اسرائیل کے رہتے ہوئے فلسطینیوں کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہتے ہیں اور دوسرے وہ جو فلسطینیوں کو اس جگہ سے نکال دینا چاہتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جو بنیاد پرست یہودی ہیں، جنگی اور بالکل دیوانے جن کے سامنے کسی بھی چیز کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور ان کی حرکتوں پر ہم لوگوں کے سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔

کھانے کے بعد ہم لوگ دوبارہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ چائے کے دوران سولومن نے مجھ سے پوچھا کہ کراچی میں اس کا ایک کام کرنے میں مجھے کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔

میں نے کہا بڑی خوشی سے۔ بوڑھے سولومن میں مجھے پرانے کراچی کی خوشبو سی محسوس ہوئی تھی۔ ''ضرور کروں گا اگر ممکن ہو سکا تو۔''

اس نے کہا۔ ''جب اسرائیل بنا تھا اور کراچی میں ہندوستان کے مسلمان آنے لگے تھے تو کراچی کے دو ہزار پانچ سو یہودیوں کی میٹنگ میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ اب پاکستان چھوڑ کر اسرائیل جانا ہوگا۔ ایک تو یہ کہ پاکستان میں مسلمانوں کے جذبات یہودیوں کے خلاف گرم ہو رہے تھے، دوسرے یہ کہ اسرائیل کو یہودیوں کی ضرورت تھی۔ چند یہودیوں نے اپنے کاروبار کی وجہ سے فیصلہ کیا تھا کہ وہ بمبئی جائیں گے اور ہم لوگوں نے فیصلہ کیا تھا کہ اسرائیل جائیں گے۔ میں اس وقت صرف اکیس سال کا تھا۔ میں، میرے والدین اور دو چھوٹے بھائی اور بہن آنے کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ آنے سے ایک ہفتہ پہلے ہم لوگوں نے سینی گاگ میں عبادت کی تھی اور ماں کو یہودیوں کے قبرستان میں دفن کر دیا تھا۔ اس کے بعد ہم میں سے کوئی بھی اپنی ماں کی قبر پر نہ دعا پڑھ سکا، نہ پھول

ماہنامہ پاکیزہ

میں، قاری بہنوں کی دلچسپی کے لیے ایک نیا اور منفرد سلسلہ باتیں بہار و خزاں کی...... پیش کیا جا رہا ہے جس میں ہر قاری بہن دیے گئے سوالوں کے جوابات دے کر شمولیت اختیار کر سکتی ہے۔ آپ کے خیالات و احساسات ہمارے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

تو قارئین آج ہی اکتوبر کا
ماہنامہ پاکیزہ
اپنے ہاکر سے بک کروالیں

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ڈال سکا اور نہ ہی موم بتی جلا سکا۔ ہر سال ماں کی برسی کے دن ہم صرف دعا کرکے رہ جاتے ہیں۔ مجھے ابھی تک یاد ہے، قبرستان کے شروع ہوتے ہی دائیں جانب عورتوں کی قبریں ہیں۔ اوپر سے گنو تو چودھویں لائن کی آخری قبر ہے۔ تم وہاں جا کر میری طرف سے پھولوں کا ایک گلدستہ رکھ دینا اور میری ماں ربیکا کو بتانا کہ اس کا بیٹا اسے بھولا نہیں ہے اور یہاں دیوار گریہ پر رو رو کر اس کے لیے دعا کرتا ہے اور اب اس کے پاس آنے والا ہے۔''

بوڑھے کا چہرہ فرطِ جذبات سے سرخ ہو گیا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔

میں جیکب سے ادھر ادھر کی باتیں کرہی رہا تھا کہ سولومن پھر آگیا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا ایک کاغذ تھا جس پر عبرانی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر ممکن ہو سکے تو پھولوں کے ساتھ کاغذ کا یہ ٹکڑا اس کی ماں کے قبر کے سرہانے رکھ دوں۔ مجھے اس نے غور سے دیکھا تھا جیسے تول رہا ہو پھر جیسے اسے یقین آگیا کہ میں یہ کام ضرور کروں گا۔ اس نے لمبی سانس بھر کر کہا تھا۔

''تم کو پتا ہے مگین شلوم کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ مگین شلوم کراچی کے سینی گاگ کا نام تھا۔ بہت پرانا سینی گاگ تھا وہ، صدیوں سے اس مگین شلوم میں ہم لوگ عبادت کررہے تھے۔ مگین شلوم کا مطلب ہوتا ہے تحفظ دینے والی جگہ۔ جہاں امان ملتی ہے۔ وہ جگہ تو ٹوٹ گئی ہے، ختم ہو گئی ہے، کراچی بھی ابتری کا شکار ہے۔ ایسا لگتا ہے بڑی جگہ ہے بغیر کسی روح کے، نہ کوئی تحفظ ہے اور نہ ہی امان۔''

مجھے نہیں پتا تھا کہ شہروں کی روح ہوتی ہے۔ ان کی بھی کوئی روحانیت ہوتی ہے لیکن بوڑھے سولومن نے جس یقین سے یہ بات کہی تھی مجھے لگا تھا جیسے سچ کہہ رہا ہے۔ کراچی اب ایسا ہی شہر تھا بغیر کسی روح اور روحانیت کے۔ تھوڑی دیر مزید بیٹھنے کے بعد میں نے اجازت چاہی اور رات کے گیارہ بجے جیکب مجھے میرے ہوٹل واپس چھوڑ گیا۔

ایک دن میں خود سے گھومتا رہا اور ایک دن جیکب مجھے اپنے ساتھ نیا اور پرانا شہر دکھانے لے گیا پھر اسی راستے سے واپس قاہرہ آکر میں کراچی واپس پہنچ گیا۔

کراچی کا وہی حال تھا۔ گندگی، گھٹن، دھواں، ٹریفک، بد اخلاقی، ابلتے ہوئے گٹر، ٹوٹی ہوئی سڑکیں، نعروں سے بھری ہوئی دیواریں، اغوا، قتل، ڈکیتیاں اور چوریاں۔ میرا شہر، پیارا شہر کیا تھا اور کیا ہو گیا تھا۔

چار پانچ دن کے بعد جب مجھے اپنے کاموں سے تھوڑی فرصت ملی تو میں پرانے کراچی میں نشتر روڈ پر مگین شلوم کی تلاش میں پہنچا۔ نشتر روڈ اور جیلہ اسٹریٹ کے جنکشن پر جس جگہ پر سینی گاگ ہوتا تھا، وہاں ایک کپڑے کی بڑی مارکیٹ تھی جس کے پیچھے ایک پرانی بلڈنگ کے بوڑھے مالک نے بتایا کہ یہاں پر یہودیوں کی عبادت گاہ ہوتی تھی۔ بوڑھے کو یاد تھا کہ مگین شلوم میں ہفتہ وار پابندی سے عبادت ہوتی تھی۔ بوڑھے نے ہی بتایا میوہ شاہ کے قبرستان میں یہودیوں کا قبرستان بھی ہے۔

میوہ شاہ کا قبرستان بہت بڑا ہے جہاں ہر قومیت کے الگ الگ قبرستان بنے ہوئے ہیں۔ مرنے کے بعد بھی کراچی والوں نے ایک دوسرے سے الگ ہی رہنا پسند کیا ہے۔ اصل قبرستان سے پہلے پتھروں کی ٹوٹی ہوئی دیوار کے احاطے میں ایک جگہ پر چھ کونوں کا ستارہ ایک ٹوٹی ہوئی قبر کے اوپر بنا ہوا تھا۔ میں پہچان گیا، یہی یہودیوں کا قبرستان تھا۔

یہاں بے تحاشا گھاس پھوس اگی ہوئی تھی۔ احاطے کے کونے میں ایک کمرا تھا، ٹوٹا پھوٹا، شاید سالوں سے وہاں کوئی نہیں آیا تھا۔ پرانی قبروں کے کتبے ٹوٹے ہوئے تھے اور بہت ساری قبریں قبروں سے غائب ہو چکے تھے۔ قبروں کی قطار غائب ہو چکی تھی۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ ربیکا کی قبر تلاش کی جاسکے۔ میں کافی دیر تک بوڑھے سے کیے گئے وعدے کو نبھانے کے لیے قبروں کی قطاروں کو گنتا رہا، بھٹکتا رہا، تلاش کرتا رہا۔ حضرت موسیٰؑ کے ماننے والوں کے درمیان کراچی کے پرانے شہریوں کی قبروں کے درمیان، بیت المقدس میں کھوئے ہوئے ایک کراچی کے بیٹے کی ماں کی قبر نہیں تلاش کرسکا تھا۔ میں قبرستان میں سب سے صاف اور اونچی جگہ پر گیا، گلدستہ رکھ کر انگلیوں اور پتھر سے زمین کھود کر بوڑھے کا دیا ہوا خط مٹی میں دبا دیا۔

بوڑھے سولومن کو میں نے ایک خط لکھا جس میں ایک بہت بڑا جھوٹ تھا کہ قبرستان مجھے مل گیا تھا اور اوپر سے گزر کر چودھویں قطار میں آخری قبر محفوظ تھی۔ اس قبر پر میں نے پھول رکھ دیے تھے اور زمین میں تمہارا خط بھی دبا دیا تھا۔

شاید یہ میری زندگی کا پہلا جھوٹ تھا جس کے بعد میرے دل میں اطمینان تھا...... یہ سوچ کر کہ وہ بوڑھا یہودی اپنی ماں کا قرض لے کر نہیں مرے گا لیکن ساتھ ہی یہ خوف بھی تھا کہ مگین شلوم کا کیا ہوگا؟ کراچی کا کیا ہوگا؟

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

قطب الدین خلجی بلا کا عیاش تھا۔ وہ ایک گجراتی ملازم خسرو خان پر عاشق تھا۔
قطب الدین نے ایک مہم دکن روانہ کی اور اس کا سپہ سالار خسرو خان کو بنا دیا گیا۔ مسلمان امراء کو بادشاہ کی یہ حرکت اچھی نہیں لگی۔ علاؤ الدین خلجی کے دو بیٹے حضر خان اور شادی خان خواجہ نظام الدین کے مرید تھے۔ قطب الدین کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ اس کو خواجہ نظام الدین سے بغضِ للّٰہی ہو گیا تھا۔

محبوب الٰہی

ضیا تسنیم بلگرامی

دوسرا اور آخری حصّہ

ولیوں کا پیدا ہونے کے لیے گھرانوں کا انتخاب... اور پھر ان کی تربیت اور پرورش کے لیے انسانوں کا انتخاب... اس کے بعد حالات اور تعلیم کا سلسلہ... اگر غور کیا جائے تو یہ تمام مراحل عام انسانوں سے کس قدر مختلف اور دشوار ہوتے ہیں۔ گویا اللہ کے خاص بندوں میں شمار ہونے کے لیے آزمائشیں اور کٹھن مرحلے پہلے سے کاتبِ تقدیر لکھ دیتا ہے اور پھر دیکھتا ہے کون اس کے امتحان پر پورا اترتا ہے وہی اس کا برگزیدہ بندہ کہلائے گا... خواجہ نظام الدین سے کون واقف نہیں... کیا شان ہے آپ کی... تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تو کئی نامور اولیا سے ہوتے ہوئے بابا فرید شکر گنج کی خدمت میں پہنچے جنہوں نے عنایات کی بارش کے بعد کہا۔ ”بابا نظام الدین! ہم نے تمہیں ہندوستان کی ولایت دی اور خلافت عطا کی۔“ اور پھر حضرت بختیار کاکی کی دستار اور اپنا عصا بھی عطا فرمایا۔ اللہ کے مقبول بندوں کی یہی تو نشانیاں ہیں۔

حضرت نظام الدین اولیا کی زندگی کے نشیب و فراز

Downloaded From
Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

قطب الدین کے درباری بھی حضرت نظام الدین سے چڑتے تھے۔ وہ بھی بادشاہ کو بھڑکایا کرتے تھے۔ آپ اپنے مریدوں میں پندونصائح کی بات کررہے تھے کہ نئے سلطان کا ایک آدمی اندر داخل ہوا۔

آپ نے ڈپٹ کر پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟ کیوں آئے ہو؟''

سلطان کے آدمی نے جواب دیا۔ ''نئے بادشاہ نے حضور کو یہ پیغام بھیجا ہے کہ آپ دہلی سے کہیں اور چلے جائیں کیونکہ اس شہر میں آپ کی رہائش حکومت کے لیے خطرناک ہے۔''

آپ نے فرمایا۔ ''جا اپنے سلطان سے کہہ دے کہ میں ایک گوشے میں پڑا ہوں۔ تیرا کچھ بگاڑتا نہیں! تیرے کسی معاملے میں دخل نہیں دیتا۔ میری طرف سے تجھ کو مطمئن رہنا چاہیے۔''

لیکن نئے بادشاہ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور اس نے دربار میں آپ کے خلاف گستاخانہ باتیں شروع کردیں۔ جب آپ کو یہ باتیں بتائی جاتیں تو فرماتے۔ ''وہ میرے خلاف باتیں ہی تو کرتا ہے، مجھے کوئی نقصان تو نہیں پہنچاتا اور پھر یہ کہ منتقم حقیقی اللہ ہے اگر بادشاہ تجاوز کرے گا تو وہ خدا کی پکڑ سے کس طرح بچے گا۔''

کئی دن بعد پتا چلا کہ بادشاہ کا پیشاب بند ہوچکا ہے اطبا عاجز و پریشان ہیں کیونکہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ بادشاہ کو وہ کون سی بیماری لاحق ہوچکی ہے جس کا ان کے پاس کوئی علاج نہیں۔

آپ نے فرمایا۔ ''مرض کے لیے دوا نہیں، دعا درکار ہے اور یہ چیز اس کے پاس ہے نہیں۔''

بادشاہ تین دن تک علاج کرواتا رہا مگر کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ بادشاہ کی ماں نے اپنے بیٹے سے کہا۔ ''بیٹے! میں تجھ سے ایک اہم بات کرنا چاہتی ہوں۔''

بادشاہ نے پوچھا۔ ''کون سی بات؟''

ماں نے کہا۔ ''تو نے نظام المشائخ کو اکثر برا بھلا کہا ہے۔ یہ تو اسی کی سزا بھگت رہا ہے، ان کے پاس جا اور دعا کا طالب ہو۔ ان سے معافی مانگ۔''

بادشاہ نے ناگواری سے کہا۔ ''میں فقیروں کو نہیں مانتا۔ ان دکاندار لوگوں کی دعا سے میرے مرض کا کیا تعلق؟''

اس کے باوجود ماں آپ کے پاس پہنچی اور رورو کر عرض کی۔ ''حضرت! بادشاہ نادان ہے، نوجوان ہے اور آپ سن رسیدہ بزرگ ہیں۔ خدا کے لیے اس کی شوخیوں کو نظرانداز کردیجیے اور اس کی خطا معاف کردیجیے۔''

آپ نے جواب دیا۔ ''میں اس کی خطا اس وقت معاف کروں گا جب باعث خطا شے بادشاہ کے پاس نہیں رہے گی۔''

ماں نے پوچھا۔ ''میں حضرت کا مطلب نہیں سمجھی؟''

آپ نے فرمایا۔ ''بادشاہ کو خطرہ ہے کہ میں اس کی بادشاہی کے خلاف بغاوت کرادوں گا، اس لیے وہ بدگمانی کی خطا کا مرتکب ہورہا ہے۔ میں بادشاہ کے لیے دعا کروں گا مگر اس وقت جب وہ اپنی بادشاہی مجھے دے دے گا۔''

ماں دم بخود رہ گئی۔ چند دنوں میں بادشاہ کا حال بالکل ابتر ہوگیا اور اس نے تھک ہار کر خود ہی اپنی ماں سے کہا۔ ''ماں! میں بھی یہی محسوس کرتا ہوں کہ دوا کا وقت گزر گیا۔ دعا کا آگیا۔ آپ نظام المشائخ کے پاس تشریف لے جائیں اور ان سے میرے حق میں دعا کرائیں۔''

ماں نے جواب دیا۔ ''بیٹے! میں ان کے پاس گئی تھی۔ وہ فرماتے تھے کہ میں دعا کردوں گا لیکن اس وقت جب بادشاہ باعث خطا شے ان کے حوالے کردے گا۔''

بادشاہ نے کہا۔ ''ماں! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

ماں نے جواب دیا۔ ''مطلب صاف ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ تو اپنی حکومت ان کے نام لکھ دے، وہ تیرے حق میں دعا کردیں گے۔''

بادشاہ اپنی جان سے عاجز آیا ہوا تھا، بولا۔ ''ماں! آپ حضرت کے پاس جائیے اور ان سے کہیے کہ میں اپنی بادشاہی آپ کے نام کردوں گا، آپ میرے مرض کو دور فرمادیجیے۔''

ماں آپ کی خدمت میں دوبارہ پہنچی اور عرض کیا۔ ''حضرت! میرا بیٹا اپنی بادشاہی آپ کو دینے کو تیار ہے، آپ دعا فرمادیجیے۔''

آپ نے جواب دیا۔ ''میں بادشاہ کی بات پر اعتبار نہیں کرسکتا...... وہ اپنی بادشاہی لکھ کردے دے، اس کے بعد میں دعا کروں گا۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ماں نے پوچھا۔ ''حضرت! وہ کس طرح؟''

آپ نے فرمایا۔ ''بادشاہ اپنی بادشاہی دینے کا ایک فرمان لکھے اور اس فرمان پر اپنی مہر لگائے۔ سب امیروں وزیروں کی تصدیق کرائے اور یہ فرمان میرے حوالے کردے، تب میں اس کے حق میں دعا کروں گا۔''

بادشاہ کی ماں جز بز ہوگئی، عرض کی۔ ''لیکن حضور تو تارک الدنیا ہیں، آپ کو بادشاہی کی کیا ضرورت پیش آگئی؟''

آپ نے جواب دیا۔ ''میں دنیا کا تارک بھی ہوں اور جو لوگ دنیا کا غلط استعمال کرتے ہیں، ان سے ان کی غلطیوں کا ترک کرانے والا بھی ہوں۔ جاؤ خاتون، محل واپس جاؤ۔ جب تک میری یہ شرط پوری نہیں ہوگی، میں دعا نہیں کروں گا۔''

ماں بادشاہ کے پاس واپس گئی اور سب کچھ صاف صاف بیان کردیا۔ بادشاہ نے اسی وقت امراء و وزراء کو طلب کیا۔ وہ جانکنی میں مبتلا تھا۔ اس نے فرمان تیار کرایا اور ماں کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ''ماں! آپ فوراً ان کے پاس جایئے اور میرے حق میں دعا کرا دیجیے۔''

ماں یہ فرمان لے کر آپ کی خدمت میں پہنچی۔ فرمان آپ کے حوالے کردیا، بولی۔ ''حضرت! یہ فرمان حاضر ہے آپ خدا کے لیے جلد از جلد دعا فرما دیجیے۔''

آپ فرمان پڑھ کر مسکرائے، فرمایا۔ ''خاتون! تم یہ فرمان واپس لے جاؤ۔ بادشاہ سے کہنا، میں نے تیری بادشاہی تیرے ہی پیشاب کی دھار پر ماردی ہے۔ میں دعا کرتا ہوں۔ بادشاہ سے کہنا وہ اس فرمان کو اپنے امیروں اور وزیروں کے سامنے چاک کردے، فوراً پیشاب آجائے گا۔''

ماں نے یہ فرمان بادشاہ کے حوالے کیا اور کہا۔ ''نظام المشائخ نے فرمایا ہے کہ اسے اپنے امیروں اور وزیروں کے سامنے چاک کردے، فوراً پیشاب آجائے گا۔''

یہ بات بادشاہ کی سمجھ میں نہیں آئی۔ طوعاً و کرہاً اس نے اپنے امراء اور وزراء کو طلب کیا اور ان کے سامنے ہی اپنے فرمان کو چاک کردیا۔ فرمان کے چاک ہوتے ہی بادشاہ کا پیشاب جاری ہوگیا۔ مسرت اور شادمانی سے بادشاہ کا حال غیر ہوگیا۔ ماں بھی بے حد خوش تھی، بولی۔ ''بیٹے! سلطان المشائخ کا مرتبہ اب تو معلوم ہوگیا۔ ان کے پاس جا اور معافی مانگ۔ وہ بادشاہی سے بے نیاز ہیں۔ تیری بادشاہی کو تیرے ہی پیشاب کی دھار پر ماردیا۔ ان کی خدمت میں حاضری دے اور اپنی پچھلی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگ۔''

بادشاہ ماں کی باتیں سن کر ہنسنے لگا، بولا۔ ''ماں! آپ کتنی سادہ لوح ہیں، آپ بادشاہی کی باتیں نہیں سمجھ سکتیں۔ جس شخص نے مجھ سے یہ فرمان لکھوایا تھا، میں اس شخص کو خوب جانتا ہوں۔ وہ پکا دکاندار ہے۔ میں نے اپنی بادشاہی حکمت سے ایسا فرمان لکھوایا تھا کہ وہ اس کے کام نہیں آسکتا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے پیشاب آگیا لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس میں ان کی دعا کا کچھ دخل نہیں تھا بلکہ یہ سب کچھ دواؤں کی تاثیر سے ہوا ہے۔''

ماں نے بڑی افسردگی سے کہا۔ ''بیٹا خلجی خاندان کی بس تُو ایک ہی نشانی ہے۔ اپنے سب بھائیوں کو تُو نے ہلاک کردیا۔ تیرا باپ نظام المشائخ کا کتنا معتقد تھا۔ تیرے بھائی بھی ان کے مرید تھے۔ تیری فوج کے امراء اور وزراء بھی آپ کے بے حد عقیدت مند ہیں۔ تیری ان کی شان میں گستاخیاں تجھے تنہا چھوڑ دیں گی اور وہ سب تیرے دشمن ہوجائیں گے۔''

بادشاہ نے اپنی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا۔ ''ماں! مجھے اپنی تلوار پر بھروسا ہے اور ساتھ ہی اپنی قوتِ بازو پر بھی...... میں نے اپنی بادشاہی کا راستہ اس تلوار سے صاف کیا ہے۔ اب یہ ایک کانٹا باقی رہ گیا ہے، اس کو بھی میری تلوار بہت جلد صاف کردے گی۔''

ماں اپنے بیٹے کی نادانی پر افسوس کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ بادشاہ نے اپنے مشیروں سے پوچھا۔ ''اس خطرناک درویش کا کیا انتظام کیا جائے؟''

کسی نے جواب دیا۔ ''حضورِ والا! نظام الدین چشتیہ سلسلے کے بزرگ ہیں اور ملتان کے مشائخ سہروردیہ ہیں۔ آپ شیخ بہاؤ الدین زکریا کے پوتے شیخ رکن الدین کو دہلی بلوائیں اور اپنے امراء اور دوسرے معززین کو مجبور کریں کہ وہ سب شیخ رکن الدین کی بہت زیادہ عزت کریں پھر جب......''

بادشاہ سب کچھ سمجھ گیا۔ خوشی میں بولا۔ ''میں سب کچھ سمجھ گیا۔ آپ لوگ ان دونوں خاندانوں کے حسد و رقابت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

مشیر نے کہا۔ ”بیشک، بالکل یہی بات ہے۔“

بادشاہ نے اسی دن شیخ رکن الدین کے نام ایک شاہی دعوت نامہ ملتان روانہ کر دیا۔ اس دعوت نامے پر شیخ رکن الدین ملتان سے روانہ ہو گئے۔ جب یہ دہلی کے قریب پہنچے تو بادشاہ کے حکم کے بموجب وزراء، امراء، مشائخ اور علما شیخ کے استقبال کے لیے شہر کے باہر پہنچ گئے۔ خود بادشاہ دوسرے دن صبح شہر کے باہر پہنچا۔ بیرونِ شہر ایک عارضی بستی قائم ہو گئی تھی۔ بادشاہ کی نظریں ملتان سے آنے والی راہ پر لگی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد چند گھوڑے آتے دکھائی دیے۔ جب یہ قریب آئے تو ان میں ایک بزرگ کا گھوڑا سب سے آگے تھا۔ یہ شیخ رکن الدین خود تھے۔ بادشاہ اپنے گھوڑے سے اتر کر پاپیادہ شیخ کی طرف بڑھا اور ان کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ شیخ نے گھوڑے سے اترنا چاہا مگر بادشاہ نے گھوڑے کی رکاب تھام کر عاجزی سے سوال کیا۔ ”حضور کو میرے سر کی قسم، آپ اسی طرح گھوڑے پر رہیں اور یہ فرمائیں کہ اس شہر دہلی میں سب سے پہلے آپ سے کون ملا؟“

شیخ نے جواب دیا۔ ”اس شہر کا سب سے اچھا آدمی۔“

بادشاہ نے درخواست کی۔ ”آپ براہِ کرم اس شخص کا نام بہ آوازِ بلند فرما دیجیے۔“

شیخ نے پوچھا۔ ”کیا اس سب سے اچھے آدمی کا نام لینا بہت ضروری ہے؟“

بادشاہ کا خیال تھا کہ سب سے پہلے وہی بادشاہ سے ملا ہے، بولا۔ ”حضرت! میں اس کا نام حاضرین کے علم میں اس لیے لانا چاہتا ہوں کہ یہ سب بھی اس کا احترام کریں اور اس کے حکم کی تعمیل اپنے حق میں موجبِ رحمت و سعادت گردانیں۔“

شیخ نے بلند آواز سے فرمایا۔ ”لوگو! اس شہر میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو اس وقت یہاں موجود نہیں ہے اور اس کو سارا ہندوستان شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے نام سے یاد کرتا ہے۔“

ہجوم میں اظہارِ ادب اور خوشنودی سے ہلکا سا شور بلند ہوا۔ بادشاہ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اس نے ناگواری سے کہا۔ ”شیخ! آپ کیسی متضاد بات کر رہے ہیں۔ ابھی ابھی آپ نے یہ فرمایا تھا کہ سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو سب سے پہلے آپ سے ملا ہے اور اب آپ یہ فرما رہے ہیں کہ سب سے اچھا وہ آدمی ہے جو یہاں موجود نہیں ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟“

شیخ نے جواب دیا۔ ”بادشاہ! تو نہیں جانتا کہ سلطان المشائخ دہلی سے ایک منزل دور میرے استقبال کو پہنچ چکے تھے۔ مجھ سے سب سے پہلے وہی ملے تھے اور میرا اشارہ انہی کی طرف تھا کہ دہلی کے سب سے اچھے آدمی وہی ہیں۔“

بادشاہ شیخ سے بھی ناراض ہو گیا اور واپس جا کر شیخ ضیا الدین رومی نامی درویش کا مرید ہو گیا۔ پھر یہ چرچا ہونے لگا کہ بادشاہ حضرت سلطان المشائخ کے خلاف ہر روز صلاح مشورے کرتا رہتا ہے۔ بادشاہ چاہتا ہے کہ آپ کو دہلی سے جلاوطن کر دیا جائے۔

شام کو مغرب کے بعد سلطان المشائخ کی خانقاہ میں مجلس جمی۔ اس مجلس میں بہت زیادہ لوگ تھے۔ اس دوران ایک نیا شخص مجلس میں داخل ہوا اور کرخت لہجے میں پوچھا۔ ”شیخ نظام الدین بدایونی کس کا نام ہے؟ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔“

خواجہ سید محمد امام کھڑے ہو گئے اور پوچھا۔ ”ان سے تجھے کیا کام ہے؟“

اجنبی نے جواب دیا۔ ”میں سلطان کی طرف سے شیخ نظام الدین بدایونی کے نام ایک فرمان لایا ہوں۔“

خواجہ سید محمد امام نے فرمایا۔ ”جو خط تو لایا ہے، مجھے دے دے تاکہ میں اسے حضرت کی خدمت میں پیش کر دوں۔“

سلطانی قاصد نے شاہی خط خواجہ سید امام کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے یہ خط پہلے خود پڑھا، اس کے بعد سلطان المشائخ نے حکم دیا۔ ”سلطان کے خط کو بہ آوازِ بلند پڑھ کر سنایا جائے۔“

”سلطان کو معلوم ہوا ہے کہ شیخ نظام الدین بدایونی کے اصطبل میں گھوڑے سونے کی میخوں سے باندھے جاتے ہیں حالانکہ وہ تارک الدنیا ہونے کے دعوے دار ہیں، لہٰذا یا تو وہ اس کا معقول جواب دیں ورنہ اس دنیاوی کروفر کو لے کر دہلی سے کہیں اور چلے جائیں۔“

خواجہ نظام الدین نے ہندو بہر دیو سے فرمایا۔ ”قلم دوات لاؤ۔“

جب قلم دوات حاضر کر دیے گئے تو آپ نے سید محمد امام سے فرمایا۔ اس خط کی پیشانی پہ لکھ دو۔

کجا . اندا ختم در دِل
نگر اندا ختم در گِل

(میں نے اپنے دل میں سونے کی میخ نہیں گاڑی بلکہ مٹی میں گاڑی ہے)

سلطان کا خط قاصد کو واپس دے دیا گیا، آپ نے فرمایا۔ ”میں نے جواب خط کی پیشانی پر لکھوا دیا ہے، لے جا اور بادشاہ کو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

نسیم حجازی کے شاہکار تاریخی ناول — جہانگیر پبلیکیشنز

آخری معرکہ 550/-
جب سومنات کے بڑے بت کو توڑنے کی باری آئی تو ہندو راجے اور پجاری سلطان کے قدموں میں گر پڑے اور کہا ہم اس کے وزن کے برابر سونا دینے کیلئے تیار ہیں۔ سلطان کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اور اس نے جواب دیا "میں بت فروش نہیں، بت شکن کہلانا چاہتا ہوں" نسیم حجازی کی ایک ولولہ انگیز تحریر

اندھیری رات کے مسافر
اندلس میں مسلمانوں کی آخری سلطنت غرناطہ کی تباہی کے دلخراش مناظر، بوڑھوں، عورتوں اور جوانوں کی ذلت و رسوائی کی الم ناک داستان 475/-

ثقافت کی تلاش 300/-
نام نہاد ثقافت کا پرچار کرنے والوں پر ایک تحریر، جنہوں نے ملک کی اخلاقی و روحانی قدروں کو طبلوں کی تھاپ، گھنگھروؤں کی چھنا چھن کے ساتھ پامال کیا

قیصر و کسریٰ 625/-
ظہور اسلام سے قبل عرب و عجم کے تاریخی، سیاسی، اخلاقی تہذیبی اور مذہبی حالات زندگی اور فرزندان اسلام کے ابتدائی نقوش کی داستان

اور تلوار ٹوٹ گئی 550/-
شیر میسور (ٹیپو سلطان شہید) کی داستان شجاعت، جس نے محمد بن قاسم کی غیرت، محمود غزنوی کے جاہ و جلال اور احمد شاہ ابدالی کے عزم و استقلال کی یاد تازہ کردی

گمشدہ قافلے 500/-
انگریز کی اسلام دشمنی، بنیے کی عیاری و مکاری اور سکھوں کی معصوم بچوں اور مظلوم عورتوں کو خون میں نہلانے کی لرزہ خیز داستان

داستانِ مجاہد 300/-
فتح دیبل کے بعد راجہ داہر نے راجوں مہاراجوں کی مدد سے دو سو ہاتھیوں کے علاوہ 50 ہزار سوار اور پیادوں کی نئی فوج بنائی، فاتح سندھ کی معرکۃ الآرا داستان

پردیسی درخت 450/-
اسلام دشمنی پر مبنی ہندوؤں اور سکھوں کے گٹھ جوڑ کی کہانی جنہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے تمام اخلاقی حدود کو پامال کرنے سے بھی گریز نہ کیا

یوسف بن تاشفین 500/-
اندلس کے مسلمانوں کی آزادی کیلئے آلام و مصائب کی تاریک راتوں میں امید کی قندیلیں بلند کرنے والے گمنام سپاہی کی داستان

معظم علی 475/-
لارڈ کلائیو کی اسلام دشمنی، میر جعفر کی غداری، بنگال کی آزادی و حریت کے ایک مجاہد معظم علی کی داستان شجاعت

خاک اور خون 550/-
سسکتی، تڑپتی انسانیت، قیامت خیز مناظر، تقسیم برصغیر کے پس منظر میں داستان خونچکاں

کلیسا اور آگ 450/-
فرڈی نینڈ کی عیاری، مسلمان سپہ سالاروں کی غداری، سقوط غرناطہ اور اندلس میں مسلمانوں کی شکست کی داستان

قافلہ حجاز 599/-
راہ حق کے مسافروں کی ایک بے مثال داستان

محمد بن قاسم 425/-
عالم اسلام کے 17 سالہ ہیرو کی تاریخی داستان، جس کے حوصلے اور حکمت عملی نے ستاروں پر کمندیں ڈال دیں

پورس کے ہاتھی 300/-
1965ء کی جنگ کے پس منظر میں ہندوؤں اور برہمنوں کے سامراجی عزائم کی شکست کی داستان، جنہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی

انسان اور دیوتا 450/-
برہمنی سامراج کے ظلم و بربریت کی صدیوں پرانی داستان جس نے اچھوتوں کو راہِ عمل اختیار کرنے پر مجبور کیا

پاکستان سے دیارِ حرم تک 300/-
تاریخی پس منظر میں لکھا جانے والا ایک دلچسپ سفرنامہ حجاز

آخری چٹان 450/-
سید خوارزم جلال الدین خوارزمی کی داستان شجاعت جو تاتاریوں کے سیل رواں کے لیے ایک چٹان ثابت ہوا

سو سال بعد 225/-
گاندھی جی کی مہاتمائیت، اچھوتوں اور مسلمانوں کے خلاف سامراجی مقاصد کی منہ بولتی تصویر

سفید جزیرہ 325/-
بحر اکاہل کے کسی نامعلوم جزیرے کی داستان

شاہین 475/-
اندلس میں مسلمانوں کے نشیب و فراز کی کہانی

سبق آموز کتب سلسلہ
دورنگی طباعت اور تصویری خاکوں سے مزین

- اقوالِ حضرت علی المرتضیٰؓ 165/-
- اقوالِ آئمہ کرامؒ 165/-
- حکایاتِ گلستانِ سعدیؒ 195/-
- اقوالِ شیخ سعدیؒ 140/-
- حکایاتِ رومیؒ 180/-
- دلچسپ و عجیب حقائق 170/-
- حکایاتِ بوستانِ سعدیؒ 199/-
- دلچسپ و حیرت انگیز باتیں 150/-
- ایمان افروز و سبق آموز سچے واقعات 180/-
- بڑے لوگوں کے روشن واقعات 165/-

جہانگیر
اُردو لغت
(جامع ترین)
ملفوظی طریقے سے تلفظ کے اندراج کے ساتھ اردو زبان کا پہلا لغت

جہانگیر بک ڈپو
042-35757086 | 022-2780128
021-32765086 | 051-5539609 | 042-37220879

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

www.paksociety.com

دے دے۔"

جب سلطانی قاصد خط لے کر چلا گیا تو آپ نے تین بار آہستہ آہستہ فرمایا۔ "ہنوز دلی دور است، ہنوز دلی دور است، ہنوز دلی دور است۔" (ابھی دلی دور ہے، ابھی دلی دور ہے)

صبح ہوتے ہوئے یہ خبر عام ہوگئی کہ بادشاہ کے پیرومرشد شیخ ضیاالدین رومی کا اچانک انتقال ہوگیا۔

تیسرے دن مرحوم شیخ کی خانقاہ میں سوئم کی نیاز میں حضرت نظام الدین بھی اپنے حلقہ بگوشوں کے ساتھ شریک ہوگئے۔ وہاں پہلے ہی سے بہت سے لوگ موجود تھے۔ سلطان قطب الدین بھی قرآن پاک کی تلاوت کررہا تھا۔ سلطان المشائخ جیسے ہی خانقاہ میں داخل ہوئے، ایک ہلچل سی مچ گئی اور سلطان کے رعب و دبدبے کو بالائے طاق رکھ کر لوگ آپ کے آس پاس پہنچ گئے۔

سلطان نے آپ کو کن انکھیوں سے دیکھ کر اپنے ایک امیر کے کان میں کچھ کہا۔ وہ امیر آپ کی خدمت میں پہنچ کر گویا ہوا۔

"حضرت! سلطان قطب الدین خلجی اس مجلس میں موجود ہیں اگر آپ سلطان کو سلام کرنا چاہیں تو میں آپ کو ان کے پاس لے چلوں۔"

سلطان المشائخ نے جواب دیا۔ "اس وقت میں تلاوت کلام پاک میں مشغول ہوں، اس حالت میں کسی شخص سے بھی ملاقات کرنا جائز نہیں۔"

قرآن خوانی کے بعد مرحوم شیخ کی نیاز ہوئی اور سلطان آپ کو کن انکھیوں سے دیکھتا ہوا خانقاہ سے چلا گیا۔ اس کے بعد آپ بھی چلے گئے۔

اس واقعے کے کئی دن بعد چند امراء نے سلطان کی طرف سے آپ کی مجلس میں حاضری دی اور کہا۔ "حضرت! سلطان نے فرمایا ہے کہ چاندرات کو دہلی کے مشائخ مجھے سلام کرنے اور نئے چاند کی دعا دینے دربار میں آتے ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ آپ ایک بار بھی نہیں آئے۔ آپ کا یہ طرزِ عمل بادشاہ کی توہین کا موجب ہے لہٰذا آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس چاندرات کو حضرت بھی نئے چاند کا سلام کرنے اور دعا دینے کے لیے دربار میں آئیں۔"

آپ نے نہایت پُروقار لہجے میں جواب دیا۔ "بادشاہ سے کہہ دینا کہ اس سے پہلے نہ تو میرے کسی بزرگ نے دربار میں حاضری دی ہے اور نہ میں نے ایسا کیا، اس لیے میں اس حکم کی تعمیل سے انکار کرتا ہوں۔"

اسی شام کو چاندرات تھی، آپ کا خادمِ خاص خواجہ اقبال پالکی لے کر حاضر ہوگیا اور آپ سے کہا۔ "حضرت! پالکی حاضر ہے۔"

سلطان المشائخ نے پوچھا۔ "کیوں؟ کس لیے؟"

خواجہ اقبال نے جواب دیا۔ "حضور! ہم سب پر رحم فرمائیں، آپ کو نہیں معلوم بادشاہ نے حکم دیا ہے اگر خواجہ نظام الدین خوشی سے نہ آئیں تو انہیں تلوار کے زور سے لایا جائے۔ حالانکہ خانقاہ کے باہر آپ کے سیکڑوں جاں نثار مسلح ہوکر جمع ہوگئے ہیں اور وہ آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ اگر سلطان کی طرف سے کسی قسم کی زیادتی ہوئی تو وہ سب آپ پر اپنی جانیں قربان کردیں گے۔"

آپ نے فرمایا۔ "اقبال! یہ آج تو کیسی باتیں کررہا ہے۔ باہر جو لوگ جمع ہوگئے ہیں، ان سے کہہ دو کہ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں کیونکہ میرا بچانے والا ہر وقت میرے ساتھ ہے۔"

مہندر ہردیو ہاتھ جوڑ کر آپ کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ بولا۔ "حضرت! شاید آپ کو معلوم ہوگا کہ اصل فتنہ وہ گجراتی ہندو ہے جو بظاہر مسلمان ہوکر خسرو خان بن گیا ہے۔ سلطان اس ہندوزادے پر عاشق ہے اور یہ ساری شرارتیں خسرو خان کی طرف سے ہی سرزد ہورہی ہیں کیونکہ خسرو خان جانتا ہے کہ جب تک آپ دہلی میں موجود ہیں، وہ ہندو حکومت قائم نہیں کرسکتا۔"

آپ نے متبسم ہوکر فرمایا۔ "مگر ہردیو! تم بھی تو ہندو تھے اور کیا تم علاؤالدین خلجی کے خلاف نہیں تھے؟ کیا تمہارے دل میں انتقام کا جذبہ نہیں؟"

ہردیو نے جواب دیا۔ "یہ سب کچھ ہے مگر میں آپ کا غلام ہوں۔ میں نے سچے دل سے اسلام قبول کیا ہے مگر خسرو خان نے بناوٹی اسلام قبول کیا ہے۔ میں گواہ ہوں کہ اس نے بارہا مجھ سے کہا ہے کہ یہ مسلمان جو باہر سے آئے ہیں، انہوں نے ہم ہندوؤں کو اپنا غلام بنالیا ہے۔ میں تجھ کو دکھاؤں گا کہ ان مسلمانوں کو میں کیسی عبرت ناک سزا دوں گا۔ اس پر میں نے اس سے کہا کہ تو جو کچھ بھی کہہ رہا ہے اس سے تمام ہندو مصیبت کا شکار ہوجائیں گے۔"

خواجہ نظام الدین ہردیو کی باتیں بڑی توجہ سے سن رہے تھے۔ جواب میں آپ نے ایک شعر پڑھا۔

اے روبہک چرانہ نشستی بجائے خویش
باشیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خویش

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

اس کے بعد ہردیو سونے چلا گیا۔ محل برخاست ہوئی لیکن ہر شخص فکر مند اور خوفزدہ تھا کہ دیکھیے کل کیا ہوتا ہے اور بادشاہ کی طرف سے کیا عتاب نازل ہوتا ہے۔

دوسرے دن علی الصباح جب لوگ سو کر اٹھے تو ہر طرف یہ خبر گشت کر رہی تھی۔

"نصف شب کو سلطان قطب الدین خلجی کو محل ہزار ستون کی چھت پر ہندو بچے خسرو خان نے قتل کر ڈالا۔"

☆☆☆

خسرو خان نے اقتدار سنبھالتے ہی اعلان کیا کہ میں دین محمدیؐ کا ناصر و مددگار ہوں۔ میرا نام ناصر الدین محمد ہے۔ جو میری اطاعت کرے گا، اپنے عہدے پر بحال رہے گا...... جو سرکشی کرے گا، مارا جائے گا۔

ہردیو نے اپنے پیر و مرشد سے عرض کیا۔ "حضرت! خسرو خان کٹر ہندو ہے۔ میری اور میرے باپ کی خیر نہیں ہے کیونکہ خسرو خان ہندو ہے اور میں مسلمان ہو چکا۔ میرے باپ کا مشورہ ہے کہ ہمیں دہلی چھوڑ کر دیوگڑھ چلا جانا چاہیے لیکن میں حضرت کی اجازت کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔"

آپ نے جواب دیا۔ "تیرے باپ کا مشورہ درست ہے۔"

خسرو خان نے ہندو فوج کی بھرتی کا حکم دے دیا۔ مسجدیں جلا دی گئیں۔ قرآن پاک پھاڑ دیے گئے۔ امراء پر پہرے بٹھا دیے گئے اور بڑے بڑے عہدے ہندوؤں کے حوالے کر دیے گئے۔

خسرو خان نے تمام صوبے داروں کو خلعت بھیجے۔ دوسروں نے تو ان خلعتوں کو قبول کر لیا مگر ملتان اور دیپال پور (بہاولپور) کے صوبے دار غازی ملک نے اس کو لوٹا دیا اور خسرو خان کو پیغام بھیجا۔ "میں خائنوں اور غداروں کی سرکوبی کے لیے دہلی آرہا ہوں۔ تم میرا انتظار کرو۔"

اتنی دیر میں خسرو خان نے ہندوؤں کی دو لاکھ کی فوج تیار کر لی تھی۔

ہردیو اپنے باپ کے ساتھ دیوگڑھ جا چکا تھا۔ ادھر خواجہ نظام الملک کی مجلس میں حالات حاضرہ پر باتیں ہوتیں تو آپ فرماتے۔ "جو کچھ ہوا دیکھ لیا، جو کچھ ہوگا اسے بھی دیکھ لوگے پھر پریشانی کس بات کی؟"

سرسا کے قریب غازی ملک اور خسرو خان کی فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ غازی ملک اپنی فوج کی کمان خود کر رہا تھا اور خسرو خان کی فوج کی کمان اس کے بھائی جاہریا کے ہاتھ میں تھی۔

دونوں فوجوں میں غضب کا معرکہ ہوا۔ آخر خسرو خان اور جاہریا کی فوج کو شکست ہو گئی۔ جاہریا دہلی میں مورچابند ہو گیا کیونکہ وہ ہار ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نے حوضِ خاص کے غرب میں مورچے بنائے اور اپنی مدد کے لیے چاروں طرف کے ہندو راجاؤں کو طلب کر لیا۔ جب یہ کمکیں دہلی پہنچیں تو مسلمان ان کی کثرت سے مرعوب ہو گئے اور ان کے حوصلے پست ہو گئے۔

غازی ملک ان حالات اور نفسی کیفیتوں کا نہایت عمیق مطالعہ کر رہا تھا۔ حوضِ خاص کے سامنے دونوں فوجیں پھر آمنے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ دونوں میں غضب کا معرکہ ہوا اور اس معرکے میں ہندوؤں کو شکست ہو گئی اور غازی ملک فاتح رہا۔ اس نے اپنے بیٹے جونا خان کو حکم دیا کہ وہ جاہریا اور خسرو خان کو تلاش کرے۔ دونوں جہاں بھی ملیں گرفتار کر لیا جائے۔ ان کا زندہ رہنا خطرے سے خالی نہیں۔

جونا خان نے دونوں کو تلاش کر کے اپنے باپ غازی ملک کے حوالے کر دیا۔ جب ان دونوں کو غازی ملک کے سامنے پیش کیا گیا تو خسرو خان نے کہا۔ "غازی ملک! آج تو ہندوستان کا شہنشاہ ہے، کل تک میں بادشاہ تھا۔ پس تو مجھ سے وہ سلوک کر جو بادشاہ بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔"

غازی ملک نے جواب دیا۔ "بیشک میں تیرے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو بادشاہ دوسرے بادشاہ سے کرتا ہے۔ تُو نے جو سلوک قطب الدین خلجی سے کیا ہے، وہی میں تجھ سے کروں گا۔"

اس کے بعد غازی ملک نے ان دونوں کو اپنے بیٹے جونا خان کے حوالے کر دیا اور کہہ دیا کہ ان دونوں کے ساتھ جیسا سلوک مناسب سمجھو کرو۔

جونا خان ان دونوں کو محل ہزار ستون کی چھت پر لے گیا۔ اس کے بعد دونوں سے پوچھا۔ "تم دونوں سچ سچ بتانا، دونوں نے قطب الدین خلجی کو کس جگہ قتل کیا تھا؟"

دونوں نے خوفزدہ نظروں سے ایک دوسرے کی صورت دیکھی اور ایک جگہ دکھا دی، بولے۔ "اس جگہ۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

جونا خان نے دو سپاہیوں کو حکم دیا۔ ''ان دونوں کی گردنیں ایک ہی وار میں اڑا دو۔''
حکم کی تعمیل ہوئی اور دونوں کو تلوار کے ایک ہی وار سے قتل کر دیا گیا۔ جونا خان نے ان دونوں کی لاشیں چھت کے نیچے پھنکوا دیں۔ اب غازی ملک غیاث الدین تغلق کے نام سے ہندوستان کا بادشاہ بن چکا تھا۔

ہردیو نے یہ خبر دیوگڑھ میں سنی تو وہ دوبارہ اپنے باپ کے ساتھ دہلی کی طرف چل پڑا۔

غیاث الدین تغلق کی ماں ہندو تھی اور باپ تاتاری مسلمان۔ اس کی بیوی بھی ہندو تھی۔ جونا خان جو بعد میں سلطان محمد تغلق کہلایا، اس ہندو بیوی کا بیٹا تھا۔ چنانچہ غیاث الدین تغلق سے ہندو بھی خوش تھے اور مسلمان بھی۔

جب ہردیو اپنے باپ کے ساتھ حضرت نظام الدین کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے متبسم ہو کر فرمایا۔ ''ہردیو! ہم تجھے بھولے نہیں تھے، تم دونوں کی آمد مبارک ہو۔ وضو کی پابندی کا کیا حال ہے؟''

ہردیو نے جواب دیا۔ ''حضرت! سفر کی دشواریوں میں وضو کی پابندی نہیں ہو سکی۔''

آپ آبدیدہ ہو گئے، فرمایا۔ ''ہردیو! انسان کے پیدا ہوتے ہی دنیا کا کٹھن سفر شروع ہو جاتا ہے مگر اس سفر کی آسانی اس بات میں ہے کہ ہم اپنے خالق اور اپنے معبود کو یاد رکھیں، اس کو اپنے سامنے رکھیں۔''

اس کے بعد آپ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے پھر فرمایا۔ ''ہردیو! سلطان محمود غزنوی کا ایک بہت مقبول غلام تھا ایاز اور اب تو بھی رسول مقبول ﷺ کی غلامی میں آ چکا ہے۔ رسول مقبول ﷺ کا ایک نام احمد ﷺ بھی تھا چنانچہ اسی نسبت سے میں نے تیرا نام احمد ایاز تجویز کیا ہے۔ تو اپنی توجہ لفظ احمد کی طرف ہمیشہ رکھ۔ جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو یہ خیال کر تو احمد کا الف ہے۔ جب رکوع میں ہو تو یہ سمجھ کہ تو احمد کی ح ہے اور جب سجدے میں جاؤ تو خود کو احمد ایاز سمجھنا یعنی احمد کے غلام۔''

ہردیو آپ کے قدموں میں گر کر زار و قطار رونے لگا، بولا۔ ''آج سے میں حضرت کا بے دام غلام ہوں۔''

اس واقعے کے تین دن بعد احمد ایاز آپ کے دوسرے مریدوں کے ساتھ آپ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ نئے سلطان غیاث الدین تغلق کا آدمی ایک حکم لے کر حاضر ہوا، پوچھا۔ ''نظام الدین بدایونی کون ہے؟''

خواجہ سید محمد امام نے عرض کیا۔ ''حضرت کے نام اگر کسی کا کوئی پیغام ہو تو میرے حوالے کر، میں انہیں دے دوں گا۔''

آنے والے نے جواب دیا۔ ''میں بادشاہ کا آدمی ہوں، بادشاہ نے کہا ہے کہ خواجہ نظام الدین بدایونی گانا سنتے ہیں جبکہ گانا شریعت میں حرام ہے اس لیے آپ میرے دربار میں آئیں اور میرے مفتیِ اعظم سے شہر کے جملہ علما کے سامنے اور میری موجودگی میں بحث کیجیے۔ اگر آپ نے گانے کا جواز ثابت کر دیا تو ہم سب بھی گانا سننا شروع کر دیں گے ورنہ آپ کو اس گناہ سے توبہ کرنی ہوگی۔''

آپ نے بادشاہ کا خط نہایت توجہ سے سنا، آپ نے سید محمد امام سے کہا۔ ''میرا جواب بنام بادشاہ لکھو۔''

سید محمد امام نے کاغذ قلم اور دوات سنبھالا۔ آپ نے جواب میں لکھوایا۔

''میری اور میرے بزرگوں کی یہ عادت رہی ہے کہ ہم کبھی کسی بادشاہ کے پاس نہیں گئے اور نہ ہی بادشاہوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن تو ہمیں جس دربار میں بلا رہا ہے وہ شریعت کا دربار ہے۔ میں اس دربار میں اس شرط پر آنے کو تیار ہوں کہ بادشاہ اس دربار میں اہلِ علم سے اونچی جگہ پر نہ بیٹھے۔ سب لوگ زمین کے فرش پر مساوی حالت میں نشست کریں۔''

بادشاہ نے جواب میں کہلا بھیجا۔ ''مجھے آپ کی شرط منظور ہے۔''

دوسرے دن آپ گھوڑے پر سوار ہو کر تغلق آباد تشریف لے گئے۔ یہ نیا شہر تھا زیرِ تعمیر، بادشاہ کے نام پر۔

آپ کے ارادت مند اور مرید آپ کے ساتھ ساتھ چلے اور درخواست کی کہ اس مناظرے اور مباحثے میں انہیں بھی ساتھ رکھا جائے مگر آپ نے ان کی بات نہیں مانی۔ فرمایا۔ ''اگر تم لوگ شاہی دربار میں میرے ساتھ گئے تو یہ کہا جائے گا کہ نظام الدین مریدوں کے ہجوم کے ساتھ یہاں آیا اور اس نے مفتیِ اعظم کو مرعوب کرنے کی کوشش کی۔''

لیکن مریدوں نے اصرار جاری رکھا، آپ نے ان کی بات نہیں مانی۔ شاہی محل کے سامنے زمین پر فرش بچھا دیا گیا تھا۔ صدر میں بادشاہ اپنے فوجی افسروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور یہ سب ہتھیار بند تھے۔ بادشاہ کے داہنی ہاتھ علما کی صف تھی، ان کے درمیان میں مفتیِ اعظم تشریف فرما تھے۔ بادشاہ نے اشارہ کیا کہ بحث کا آغاز کیا جائے۔

مفتیِ اعظم نے کھنکھار کر فرمایا۔ ''کیا آپ مسلمان ہیں؟''

آپ نے جواب دیا۔ ''بحمد اللہ میں مسلمان ہوں۔''

مفتی نے دوسرا سوال کیا۔ ''کیا آپ حنفی ہیں؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

آپ نے جواب دیا۔ ”ہاں، میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتا ہوں۔“

مفتی نے پوچھا۔ ”کیا آپ گانا سنتے ہیں؟“

آپ نے جواب دیا۔ ”ہاں، میں گانا سنتا ہوں۔“

مفتی نے پھر سوال کیا۔ ”کیا اس گانے میں مزامیر (ساز) بھی ہوتے ہیں؟“

آپ نے جواب دیا۔ ”کبھی ہوتے ہیں کبھی نہیں ہوتے۔“

مفتی نے پوچھا۔ ”وہ گانا گھر کے اندر مخفی طریقے سے ہوتا ہے؟“

آپ نے جواب دیا۔ ”میں دونوں ہی طرح سنتا ہوں، گھر کے اندر بھی اور مجلسِ عام میں بھی۔“

مفتی نے پوچھا۔ ”اس طرح گانا سننے کے جواز میں آپ کے پاس کوئی دلیل بھی ہے یا نہیں؟“

آپ نے فرمایا۔ ”بخاری شریف میں صحیح حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے مدینے کی انصار لڑکیاں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں اور آپ ان کا گانا سن رہے تھے۔ اتنے میں حضرت عمرؓ وہاں آگئے اور انہوں نے لڑکیوں کو گانے بجانے سے روکا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا...... عمر! ان لڑکیوں کو گانے بجانے سے نہ روکو۔ آج ان کا عید کا دن ہے اور ہر قوم کا ایک عید کا دن ہوتا ہے۔“

مفتیِ اعظم نے کہا۔ ”ترا با حدیث چہ اکار؟ تو کہ مشرب ابوحنیفہؒ داری، قولِ ابوحنیفہ بیار۔“ (تم کو رسول ﷺ کی حدیث سے کیا واسطہ...... تم حنفی ہو اور ابوحنیفہ کا مسلک رکھتے ہو، ابوحنیفہ کا قول دلیل میں پیش کرو۔“

آپ نے جواب دیا۔ ”سبحان اللہ۔ من کہ قولِ رسول ﷺ آرم تو می گوئی کہ قولِ امتی بیار۔ ابوحنیفہ کہ بود کہ من قولِ او بمقابلہ قولِ رسول ﷺ می آرم؟“ (سبحان اللہ۔ میں رسول اللہ ﷺ کا قول پیش کرتا ہوں اور تم ایک امتی کا قول مانگتے ہو۔ ابوحنیفہ کون تھے جن کا قول میں رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں پیش کروں؟“ مزید فرمایا۔ ”جو قوم رسول ﷺ کے مقابلے میں ایک امتی کا قول مانگتی ہے وہ اس سے نہیں ڈرتی کہ وہ قوم جلاوطن ہو جائے، قحط میں مبتلا ہو جائے اور اس کا شہر برباد اور ویران ہو جائے۔“

مفتیِ اعظم اور دوسرے علما لاجواب ہو چکے تھے۔ کھسیا کر انہوں نے بادشاہ اور حاضرین کو اشتعال دلانے کی کوشش کی۔ ”خدا کی پناہ! یہ شخص حاجی شریف اور ناصر فقہ حنفی بادشاہ کی موجودگی میں امام ابوحنیفہؒ کی توہین کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ابوحنیفہؒ کون تھے حالانکہ کچھ دیر پہلے انہوں نے یہ کہا تھا کہ میں حنفی ہوں اور امام ابوحنیفہؒ کا مقلد ہوں۔“

مفتیِ اعظم کی حکمت رنگ لائی۔ مجلس میں علما نے چیخ چیخ کر غصے سے کہنا شروع کیا۔ ”اس نے امام کی توہین کی ہے، یہ شخص مجرم ہے، یہ شخص گستاخ ہے۔“

لیکن بادشاہ آپ کی باتوں سے وقتی طور پر مرعوب ہو چکا تھا، بولا۔ ”میں حکم دیتا ہوں کہ شیخ نظام الدین بدایونی اور ان کے مریدوں اور ان کے خلفا کو گانا سننے اور گانے کی مجلسیں کرنے سے میری حکومت کا کوئی آدمی نہ روکے۔“

☆☆☆

اچانک بنگالے سے خبر آئی کہ وہاں بغاوت ہو گئی ہے۔ غیاث الدین تغلق باغیوں کی سرکوبی کے لیے بنگال چلا گیا اور اپنے بیٹے جونا خان کو جس کا خطاب الغ خان تھا، اپنا جانشین مقرر کر گیا۔ الغ خان کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔

الغ خان نے آپ کے خادمِ خاص خواجہ اقبال سے ایک دن کہا۔ ”خواجہ اقبال! میں درویش کا بھیس بدل کر حضرت کی بارگاہ میں حاضری دینا چاہتا ہوں کیونکہ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ حضرت مجھے پہچانتے ہیں یا نہیں؟“

خواجہ اقبال نے یہ اجازت دے دی۔ اس دن مجلس میں چند نئے درویش بھی نظر آئے۔ ان کے کپڑے پھٹے پرانے اور بوسیدہ تھے۔ احمد ایاز نے ان درویشوں میں الغ خان کو پہچان لیا کیونکہ احمد ایاز جب ہر دیو تھا تو اس وقت الغ خان کو دیکھ چکا تھا۔

کچھ دیر بیٹھ کر وہ سب زمین بوسی کے لیے اٹھے اور زمین کو چوم کر مجلس میں ایک صف میں بیٹھ گئے۔ بعد میں الغ خان نے آپ سے جانے کی اجازت چاہی تو آپ نے الغ خان کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ ”ایک بادشاہ آتا ہے اور ایک بادشاہ جاتا ہے۔“

خواجہ اقبال نے احمد ایاز سے کہا۔ ”یہاں ایک بادشاہ الغ خان تو موجود ہے مگر دوسرا بادشاہ کہیں نظر نہیں آتا۔“

الغ خان درویشوں کے ساتھ واپس جا چکا تھا۔ آپ نے سید محمد سے پوچھا۔ ”کیا درویش چلے گئے؟“

سید محمد نے جواب دیا۔ ”جی حضرت جی۔“

آپ نے فرمایا۔ ”اچھا اب ذرا باہر نکل کر تو دیکھ، وہاں ایک بادشاہ باریابی کی خواہش میں بیٹھا ہے۔ اسے اندر بلا لا اور

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اسے کھانا کھلا۔"

سید محمد باہر گئے اور اِدھر اُدھر دیکھ کر اندر واپس آگئے اور آپ سے کہا۔ "حضرت! باہر کوئی امیر یا بادشاہ تو موجود نہیں البتہ ایک خوب صورت نوجوان ضرور بیٹھا ہے اس کے کپڑے، بہت پرانے اور میلے ہیں۔"

آپ نے فرمایا۔ "دوبارہ جا اور اس کے حالات پوچھ کر آ۔"

اس بار خواجہ سید محمد کے ساتھ احمد ایاز نے بھی باہر کا رخ کیا۔ وہاں ایک خوب صورت لڑکا بیٹھا تھا۔

احمد ایاز نے پوچھا۔ "لڑکے! تم کون ہو؟"

لڑکے نے جواب دیا۔ "میں ایک ایرانی ہوں، ایرانی امیر زادہ۔ مغلوں کے ہاتھوں میرا خاندان برباد ہوگیا۔ میں نوکری کی تلاش میں اِدھر چلا آیا۔ میں کئی سال سے دھکے کھا رہا ہوں مگر کہیں نوکری نہیں ملتی۔ اس وقت میں تین وقت کا بھوکا ہوں۔ سنا تھا حضرت کا لنگرِ عام ہے اور اس لنگر سے جو شخص روٹی کھا لیتا ہے، اس کی مصیبت دور ہوجاتی ہے مگر میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ لنگر خانے میں جا کر کھانا مانگوں۔ اب میں دروازے پر یہ سوچ کر بیٹھا ہوں کہ شاید حضرت کی باطنی توجہ سے میری تکلیف دور ہوجائے۔"

احمد ایاز اور خواجہ سید محمد دوبارہ اندر گئے اور عرض کیا۔ "حضرت! باہر ایک ایرانی لڑکا بیٹھا ہے، وہاں بادشاہ نام کی کوئی چیز نہیں۔"

آپ نے فرمایا۔ "بادشاہ کو اندر بلاؤ اور کھانا کھلاؤ۔ اسے لنگر خانے میں مت لے جانا۔ اس کو میرے پاس لاؤ۔"

وہ دونوں پھر گئے اور لڑکے سے پوچھا۔ "تیرا نام کیا ہے لڑکے؟"

لڑکے نے جواب دیا۔ "حسن۔"

خواجہ سید محمد نے کہا۔ "اندر چل، تجھ کو حضرت یاد فرماتے ہیں۔"

وہ ان دونوں کے ساتھ اندر چلا گیا۔ اسے فقراء کے دربار میں حاضری دینے کے آداب نہیں معلوم تھے۔ سید محمد آپ کے پاس جا کھڑے ہوئے، یہ لڑکا بھی ان کے پاس ہی جا کھڑا ہوا۔

آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا۔ "بیٹھیں اے بادشاہ دکن۔" (بادشاہ دکن بیٹھ جاؤ)

لڑکا آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے سید محمد سے کہا۔ "دکن کے بادشاہ کے لیے کھانا لاؤ۔"

سید محمد لنگر خانے سے روٹیوں کے ٹوٹے ہوئے چند ٹکڑے لے آئے اور حضرت نظام الدین کے سامنے رکھتے ہوئے فرمایا۔ "حضرت! لنگر خانے میں خیر کے سوا اب کچھ بھی نہیں۔ جو بچا تھا، لے آیا۔"

آپ نے ان ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا نکال کر لڑکے کو اشارے سے قریب بلایا فرمایا۔ "لے، یہ دکن کی بادشاہی کا تاج ہے۔" لڑکے نے وہ ٹکڑا حضرت کے ہاتھ سے لے کر اپنے منہ میں رکھ لیا۔

سید محمد نے کہا۔ "لڑکے! احتراماً حضرت کے سامنے جھک جا۔"

لڑکا تعظیماً جھک گیا۔ احمد ایاز (ہردیو) نے باپ سے سرگوشی میں کہا۔ "والدِ محترم! یہ شخص یقیناً ہمارے وطن کا بادشاہ ہوجائے گا اس لیے ہمیں اس سے ابھی سے تعلقات قائم کرلینے چاہئیں۔"

باپ نے جواب دیا۔ "میں تیری ملازمت کی ولی عہد الغ خان سے بات کرچکا ہوں۔ انہوں نے تجھے اپنی تعمیرات کا افسر مقرر کردیا ہے۔ کل تجھے ولی عہد کے دربار میں حاضر ہوکر اپنا منصب سنبھالنا ہے۔"

احمد ایاز نے پوچھا۔ "اگر دربار میں بات نہ بنی تو؟"

باپ نے کہا۔ "ولی عہد کا وعدہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔"

احمد ایاز نے کہا۔ "میں اس سلسلے میں پہلے اپنے پیرو مرشد سے پوچھوں گا اگر وہ اجازت دے دیں تو افسرِ تعمیرات کا عہدہ سنبھال لوں گا، ورنہ نہیں۔"

باپ نے کہا۔ "تو اسی وقت حضرت سے اس کی اجازت حاصل کرلے اگر وہ انکار کردیں تو میں خود بھی انکار کردوں گا کیونکہ حضرت کی مرضی کے بغیر میں ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔"

جب یہ درخواست خواجہ نظام الدین کے روبرو پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا۔ "احمد ایاز! تو اس نوکری کو قبول کرلے کیونکہ تیری یہی ملازمت تیرے عروج کی تعمیر کی پہلی سیڑھی ہے۔"

چنانچہ جب احمد ایاز کو الغ خان کے دربار میں پیش کیا گیا تو اس نے اسے حکم دیا۔ "تغلق آباد کا جو نیا قلعہ تعمیر کیا جارہا ہے، اس کا سارا کام تیرے سپرد کیا جاتا ہے اور تجھ کو شاہی عمارات کا شحنہ بنایا جاتا ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

احمد ایاز تعظیماً ولی عہد کے سامنے جھک گیا۔ ولی عہد نے پوچھا۔ ”تیرا نام کیا ہے؟“
احمد ایاز نے جواب دیا۔ ”میرا نام ہردیو تھا مگر حضرت نظام الدین نے احمد ایاز نام عطا فرمایا ہے۔“
ولی عہد نے خوش ہو کر پوچھا۔ ”کیا تو مسلمان ہو گیا ہے؟“
احمد ایاز نے جواب دیا۔ ”خدا کا شکر ہے جس نے مجھے خواجہ کی برکت سے اسلام کا شرف عطا فرمایا۔“
ولی عہد الغ خان نے خوش ہو کر حکم دیا۔ ”اس کو سونے کا کنگن پہنایا جائے اور آئندہ اسے احمد ایاز خواجۂ جہاں کہا جائے۔“
نوکروں نے حکم کی تعمیل کی اور احمد ایاز کے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنا دیے گئے۔ احمد ایاز ولی عہد کی دوبارہ تعظیم بجالایا۔ اس وقت احمد ایاز کی نظر اس نوجوان پر پڑی جو ولی عہد کے عقب میں کھڑا ہوا رومال سے مکھیاں اڑا رہا تھا۔ یہ وہی نوجوان تھا جسے خواجہ نظام الدین نے بادشاہ دکن کہہ کر مخاطب کیا تھا...... حسن۔
خواجہ نظام الدین کو جب یہ معلوم ہوا کہ احمد ایاز خواجۂ جہاں ہو چکا ہے اور شحنہ تعمیرات مقرر ہوا ہے تو بہت خوش ہوئے۔ آپ کی مجلس میں احمد ایاز کی باتیں ہو رہی تھیں، آپ نے فرمایا۔ ”ابھی تو آغاز ہوا ہے ورنہ احمد ایاز کو ابھی بہت کچھ بننا باقی ہے۔“
اسی وقت مجلس میں ایک اجنبی داخل ہوا اور پوچھا۔ ”حضرات! میں خواجہ نظام الدین بدایونی سے ملنا چاہتا ہوں۔“
سید محمد نے جواب دیا۔ ”میرے حضرت سے تمہارا کیا کام ہے، یہ بتاؤ تو میں ان سے ملوا دوں۔“
اجنبی نے کہا۔ ”میں غیاث الدین تغلق کا قاصد ہوں اور اس وقت بنگالے سے چلا آرہا ہوں۔ میں حضرت کے نام بادشاہ کا ایک پیغام لایا ہوں۔“
پیغام تھا۔ ”شیخ نظام الدین بدایونی کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں دہلی واپس آرہا ہوں۔ وہ میری واپسی سے پہلے ہی دہلی چھوڑ کر کہیں چلے جائیں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ دہلی میں آنے کے بعد میں ایک ایسے شخص کو دیکھوں جو انسان ہے اور دوسرے انسانوں سے اپنے سامنے سجدے کراتا ہے اور جو حنفی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کے خلاف گانا سنتا ہے اور کھلم کھلا گانے بجانے کی مجلسیں منعقد کرتا ہے۔“
آپ خط کا مضمون سن کر مسکرائے۔ سید محمد سے کہا۔ ”اس خط کی پیشانی پر لکھ دے۔ ہنوز دلی دوراست۔“ (دلی ابھی دور ہے)
سید محمد نے خط کی پیشانی پر آپ کی فرمودہ عبارت لکھ دی۔ آپ نے یہ خط سلطان کے قاصد کو واپس دے دیا اور فرمایا۔ ”میرا جواب بادشاہ کو بنگالے پہنچا دے۔“
احمد ایاز نے جب یہ بات سنی تو فکرمند ہو گیا۔ سید محمد نے کہا۔ ”تم کیوں فکرمند ہو؟“
احمد ایاز نے جواب دیا۔ ”اس وقت میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔“
سید محمد نے کہا۔ ”اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ بادشاہ حضرت کی مخالفت کیوں کر رہا ہے تو اس کی صاف وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے سلطان قطب الدین خلجی بھی حضرت کی مخالفت کیا کرتا تھا۔ چنانچہ غیاث الدین تغلق بھی اپنی حکومت کی مضبوطی کے لیے آپ کی مخالفت کو ضروری سمجھتا ہے۔“
احمد ایاز نے کہا۔ ”جی نہیں، میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک خط ولی عہد کے پاس بھی آیا ہے۔ اس میں سلطان نے لکھا ہے...... مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ تم درویشانہ لباس میں شیخ نظام الدین کی مجلس میں گئے تھے اور شیخ نے تمہیں ہندوستان کے بادشاہ ہونے کی دعا دی ہے اور یہ کہ تم نے شیخ کے ایک ہندو مرید کو میر عمارات کا عہدہ دیا ہے۔ ان باتوں سے تمہاری بدخواہی ظاہر ہوتی ہے۔ آئندہ احتیاط سے کام لو ورنہ تم ولی عہدی سے محروم کر دیے جاؤ گے۔“
سید محمد نے کہا۔ ”لیکن یہ اطلاع تمہیں کس نے دی؟“
احمد ایاز نے جواب دیا۔ ”حسن ایرانی نے۔ وہ کہتا تھا کہ ولی عہد بادشاہ سے ڈر گیا ہے اور تعجب نہیں کہ تم میر عمارات نہ رہو اور ملازمت سے الگ کر دیے جاؤ۔“
سید محمد نے کہا۔ ”تب پھر تمہیں یہ سب باتیں حضرت کے گوش گزار کر دینی چاہئیں۔“
احمد ایاز نے جواب دیا۔ ”میں ذرا بھی خوفزدہ نہیں کیونکہ میرے لیے حضرت کا لنگر خانہ کافی ہے اور حضرت نے یہ تو فرما ہی دیا ہے کہ ایک بادشاہ آتا ہے اور ایک بادشاہ جاتا ہے۔“
یہ دونوں باتیں کر کے الگ ہو گئے۔ اس وقت شیخ کی عمر نوے سال... ہو چکی تھی اور چونکہ یہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اس لیے بہت زیادہ کمزور ہو گئے تھے اور آپ کے مرید اور ارادت مند ہر وقت فکرمند رہنے لگے تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

اس بیماری اور کمزوری کے دوران بادشاہ کا ایک خط اور آگیا۔ یہ خط ولی عہد کے نام آیا تھا۔ اس میں بادشاہ نے لکھا تھا۔
''میں نے سنا ہے شیخ نظام الدین بدایونی چراغوں اور مشعلوں کی روشنی میں ایک باؤلی تعمیر کرا رہا ہے اور یہ کام وہ انہی مزدوروں سے لے رہا ہے جن سے تم دن میں کام لیتے ہو۔ تم شہر کے تاجروں کو حکم دے دو کہ وہ نظام الدین بدایونی کے ہاتھ تیل فروخت نہ کریں اور نظام الدین بدایونی کو میری طرف سے مطلع کر دو کہ میں بنگالے سے روانہ ہو چکا ہوں اور وہ میرے دہلی پہنچنے سے پہلے ہی کہیں اور چلے جائیں۔''
ولی عہد نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر شہر کے تاجروں کو حکم دے دیا کہ وہ نظام الدین بدایونی یا ان کے کسی مرید کے ہاتھ تیل نہ فروخت کریں۔
اس کے بعد شہزادے نے سلطان کا پیغام آپ کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے اس بار بھی اپنا پہلا والا فقرہ دُہرایا۔ ''ہنوز دلی دور است۔''
یہ ربیع الاول 725ھ کا ذکر ہے، بادشاہ بنگالے سے چل کر دہلی کے قریب افغان پور میں داخل ہو گیا۔ یہاں ولی عہد نے ایک محل تعمیر کرایا تھا۔ بادشاہ نے اس محل کو دیکھا تو بہت خوش ہوا۔
بادشاہ نے پوچھا۔ ''کیا نظام الدین بدایونی کو میرا پیغام پہنچا دیا گیا تھا؟''
ولی عہد نے جواب دیا۔ ''جی اعلیٰ حضرت۔''
بادشاہ نے پوچھا۔ ''کیا شیخ نے دہلی چھوڑ دی؟''
ولی عہد نے ڈرڈر کر عرض کیا۔ ''نہیں، انہوں نے دہلی چھوڑنے سے انکار کر دیا ہے۔ انہوں نے آپ کے جواب میں کہلا دیا تھا کہ ہنوز دلی دور است۔''
بادشاہ غضب ناک ہو گیا، بولا۔ ''اس دنیا دار درویش کو تو میں ٹھیک کر دوں گا۔''
اس وقت احمد ایاز بھی وہیں موجود تھا۔ بادشاہ نے اس کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ ''یہ کون ہے؟''
شہزادے نے جواب دیا۔ ''احمد ایاز...... اور جب یہ ہندو تھا تو اس کا نام مہندر ہردیو تھا۔ اس کو شیخ نے مسلمان کر لیا ہے اور میں نے اسے میر عمارات کا عہدہ دے دیا ہے۔ یہ دیوگڑھ کے شاہی خاندان کا ایک فرد ہے۔''
سلطان نے کہا۔ ''بہت خوب!'' پھر محل کی تعریفیں کرنے لگا۔ بولا۔ ''میں محل کی چھت دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیا اس پر بہ وقتِ ضرورت ہاتھی لے جائے جا سکتے ہیں؟''
شہزادے نے جواب دیا۔ ''کیوں نہیں، ہاتھی اوپر لے جائے جا سکتے ہیں۔''
پھر شہزادے نے احمد ایاز کو حکم دیا۔ ''ہم لوگ اوپر جا رہے ہیں، تم نذرانے کے ہاتھی اوپر ہی بھیج دو۔''
سلطان کے ساتھ اس کا چھوٹا بیٹا محمود بھی تھا اور چند امراء بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ سلطان ان سب کو لے کر محل کی چھت پر چلا گیا۔ ولی عہد نیچے ہی موجود رہا۔ اتنے میں نذرانے کے ہاتھی بھی آ گئے اور بادشاہ نے ان کو بھی اوپر ہی بلوا لیا۔
جب یہ لوگ اوپر چلے گئے اور ان کے ہاتھی بھی اوپر پہنچائے جانے لگے تو عمارت کی چھت میں زلزلہ سا محسوس ہوا پھر چھت ہاتھیوں، بادشاہ اور اس کے شہزادے سمیت زمیں بوس ہو گئی۔
ولی عہد نے چیخ پکار شروع کر دی۔ ''مزدوروں کو جلدی بلایا جائے۔''
اس وقت مزدور قریب نہیں تھے۔ شیخ رکن الدین ملتانی کہیں قریب ہی موجود تھے۔ محل کے زمیں بوس ہونے کی آواز انہوں نے بھی سن لی تھی۔ فوراً بھاگے ہوئے منہدم محل کے پاس پہنچ گئے۔
کافی دیر بعد مزدور آئے اور انہوں نے محل کا ملبا جو ہٹایا تو اس کے اندر سے بادشاہ، شہزادہ محمود اور دوسرے امراء کی کچلی ہوئی لاشیں نکل آئیں۔ ولی عہد نے امراء کی لاشوں کو تو الگ کر دیا اور بادشاہ اور اپنے بھائی کو قلعے کے قریب دفن کر دیا۔ بادشاہ نے یہ جگہ اپنی زندگی ہی میں اپنی قبر کے لیے مخصوص کر دی تھی۔
بادشاہ کی حادثاتی موت کا سبھی کو بڑا دکھ ہوا۔ کئی دن تک بادشاہ کا سوگ منایا گیا۔ اس سوگ کے بعد شہزادہ الغ خان ہندوستان کے شاہی تخت پر بیٹھ گیا۔

☆☆☆

بادشاہ کی خلوت میں احمد ایاز بھی موجود تھا اور شیخ رکن الدین ملتانی بھی۔ الغ خان...... جو اب سلطان محمد تغلق ہو چکا تھا، اس

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

نے احمد ایاز سے پوچھا۔ ”احمد ایاز! تم کئی سال سے سلطان المشائخ کی خدمت میں رہ رہے ہو۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ حضرت نے شادی کیوں نہیں کی؟“

احمد ایاز نے جواب دیا۔ ”میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکوں گا کیونکہ میرے سامنے اس موضوع پر کبھی بات ہی نہیں ہوئی۔“

لیکن شیخ رکن الدین ملتانی نے فرمایا۔ ”میں اس سلسلے میں سلطان المشائخ سے تخلیہ میں بات کر چکا ہوں۔ انہوں نے کہا تھا...... میں نکاح کا منکر نہیں ہوں مگر جب میں قرآن پاک پڑھتا ہوں اور اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھتا ہوں کہ تمہاری دولت اور اولاد تمہارے لیے فتنہ ہوتی ہے، تو میں سہم جاتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں سنت کی پیروی کے خیال سے نکاح کروں اور خدا کے فرائض فوت ہونے لگیں۔ میں اولاد کے فتنے میں پھنس کر فرائضِ خداوندی کو بھول جاؤں۔“

سلطان نے پوچھا۔ ”آپ کے خیال میں یہ جواب کیسا ہے؟“

شیخ ملتانی نے جواب دیا۔ ”نہایت معقول، اس سے زیادہ معقول جواب ہو ہی نہیں سکتا۔“

مجلسِ خلوت سے فارغ ہونے کے بعد احمد ایاز بادشاہ سے رخصت ہو کر باہر نکلا تو ذرا دیر بعد شیخ ملتانی بھی بادشاہ کے پاس سے اٹھ کر باہر آئے۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ احمد ایاز اپنے گھر میں داخل ہوا ہی تھا کہ شیخ ملتانی کا ایک مرید اس کے پاس پہنچ گیا اور کہا۔ ”ہمارے شیخ نے فرمایا ہے کہ شام تک ان سے ایک ملاقات کرلو۔“

احمد ایاز نے جواب دیا۔ ”اپنے پیرومرشد سے عرض کر دینا کہ میں آج نہیں آسکوں گا۔ میرے پیرومرشد کی طبیعت ناساز ہے۔ میں ان کی خدمت میں جاؤں گا۔ ہاں، کل ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔“

لیکن تھوڑی دیر بعد شیخ ملتانی کا مرید دوبارہ آگیا اور کہا...... ”پیرومرشد نے فرمایا ہے کہ اپنے مرشد کے پاس جانے سے پہلے مجھ سے ضرور مل لینا۔“

شام کو احمد ایاز سیدھا شیخ ملتانی کی خدمت میں پہنچا اور کہا۔ ”حضرت! میں آگیا ہوں۔ فرمایئے مجھ سے کیا کام ہے؟“

شیخ ملتانی نے اِدھر اُدھر دیکھ کر آہستہ سے فرمایا۔ ”احمد ایاز! بادشاہ تجھ سے اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ تو اپنے شیخ سے دریافت کر کے کل صبح تک اپنے جواب سے مطلع کر دینا تاکہ میں بادشاہ کو اس کی اطلاع دے سکوں۔“

احمد ایاز دوبارہ اپنے گھر گیا اور اپنے باپ کو یہ بات بتا دی۔ وہ بہت خوش ہوا، اس نے کہا۔ ”یہ سب حضرت کی توجہ کی تاثیر ہے۔“

جب احمد ایاز سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچا تو اس وقت آپ بالاخانے کی چھت پر تشریف فرما تھے۔ ان کو بخار چڑھا ہوا تھا۔ احمد ایاز نے شیخ ملتانی کے حوالے سے بادشاہ کی پیشکش کا ذکر کر دیا اور پوچھا۔ ”میں حضرت کی اجازت کے بغیر کوئی جواب نہیں دے سکتا۔“

آپ نے متبسم ہو کر احمد ایاز کی طرف دیکھا، فرمایا۔ ”جا۔ میری اجازت ہے۔ میں مشیتِ الٰہی کی مخالفت نہیں کر سکتا ورنہ بادشاہوں سے رشتے داری کرنا خداپرست انسانوں کے لیے کسی طرح مناسب نہیں۔“

احمد ایاز نے شیخ ملتانی کو اپنے فیصلے سے مطلع کر دیا۔ بادشاہ نے اوائلِ ربیع الآخر 725ھ میں اپنی بیٹی کی شادی احمد ایاز سے خفیہ طور پر کر دی۔ اب احمد ایاز کا مرتبہ کچھ اور ہی ہو چکا تھا۔ وہ اپنی مصروفیت کی وجہ سے محبوب الٰہی کی خدمت میں ایک ہفتہ مسلسل نہیں جا سکا۔ اپنے غلام مقبل کو بھیج کر خیریت معلوم کر لیا کرتا تھا۔

ایک دن سید محمد نے خبر دی کہ پیرومرشد کی حالت بہت نازک ہے۔ احمد ایاز نے یہ خبر بادشاہ کے گوش گزار کر دی۔ بادشاہ نے کہا۔ ”تم اسی وقت میرے طبیبِ خاص کو لے کر وہاں پہنچ جاؤ اور حضرت سلطان المشائخ سے کہو کہ میں بھی عیادت کے لیے حاضری دینا چاہتا ہوں لیکن جب تک باریابی کی اجازت نہ مل جائے، میں کس طرح آسکتا ہوں۔“

جب احمد ایاز شاہی طبیب اور دو غلاموں کے ساتھ شیخ کی خدمت میں پہنچا تو وہ بحالتِ بے ہوشی فرما رہے تھے۔ ”کوئی چیز باقی نہ رہے اقبال۔ سب کچھ لٹا دے ورنہ تو ذمے دار ہوگا۔“

کسی نے جواب دیا۔ ”اقبال نے آپ کے حکم کی پوری پوری تعمیل کی ہے، ہاں انبار خانوں میں غلّہ بھرا ہوا ہے محض اس خیال سے کہ درویش کیا کھائیں گے؟“

آپ کو ہوش آچکا تھا۔ آپ نے غصے میں فرمایا۔ ”انبار خانوں کے دروازے توڑ ڈالو اور زمین کی اس ریت (غلّہ) کو لٹا دو۔“

چنانچہ اطراف کے فقیروں اور مسکینوں کو انبار خانوں کے سامنے بلوا کر ان کے دروازے کھلوا دیے گئے اور ذرا سی دیر میں غلّے کے گودام خالی ہو گئے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

آپ پھر بے ہوش ہو گئے۔ احمد ایاز نے خادم خاص خواجہ اقبال سے کہا۔" بادشاہ نے حضرت کے علاج کے لیے اپنا طبیب خاص میرے ساتھ کر دیا ہے۔ میں اس طبیب کے ذریعے آپ کا علاج کرانا چاہتا ہوں۔"

خواجہ اقبال نے جواب دیا۔" میں جانتا ہوں وہ شاہی طبیب سے اپنا علاج نہیں کرائیں گے پھر بھی میں اس طبیب کو آپ کے پاس لیے چلتا ہوں۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ جیسا حکم دیں گے میں اس پر عمل کروں گا۔"

جب شاہی طبیب کو آپ کے قریب پہنچا دیا گیا تو اس نے اجازت لیے بغیر ہی آپ کی نبض اپنی انگلیوں میں لے لی۔ آپ نے اسی وقت آنکھیں کھول دیں اور طبیب کو پلک جھپکائے بغیر دیکھتے رہے۔

خواجہ اقبال نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔" حضرت! سلطان تغلق نے آپ کے علاج کے لیے اپنے خاص طبیب کو یہاں بھیجا ہے۔ کیا آپ اس کو علاج کرنے کی اجازت دیں گے؟"

آپ نے اپنی کمزور آواز میں جواب دیا۔" طبیب سے کہہ دو کہ دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست" (عشق کے بیمار کے لیے دیدار کے سوا کوئی علاج کارگر نہیں ہوگا)

آپ ساری رات بے ہوش رہے مگر صبح فجر کی نماز بھی ادا کی۔ اس کے بعد پھر غشی طاری ہو گئی۔ کسی نے بحالتِ بے ہوشی فرماتے سنا۔" دیکھو شیخ العالم تشریف لائے ہیں، مجھے ان کی تعظیم کے لیے اٹھاؤ۔"

لیکن وہاں شیخ العالم کا کہیں پتا نہ تھا۔ یکا یک سکوت طاری ہو گیا۔ سانس رک گئی۔ آفتاب غروب ہو گیا۔ یہ بروز بدھ 18 ربیع الاول 725ھ کی بات ہے۔ ہر شخص دم بخود کھڑا تھا۔ پھر حاضرین میں بے قراری بڑھنے لگی اور لوگوں نے سسکیاں لے کر رونا شروع کر دیا۔

سید محمد نے روتے ہوئے کہا۔" حضرات! چیخ چیخ کر مت رونا کیونکہ آپ نے ہمیشہ اس سے منع فرمایا ہے۔"

یکا یک حاضرین میں ہلچل سی ہوئی اور وہ پلٹ پلٹ کر پیچھے دیکھنے لگے۔ وہاں سلطان محمد تغلق اور شیخ ملتانی آ چکے تھے۔ سلطان نے آپ کے پلنگ کے قریب آ کر چہرے پر سے چادر ہٹائی اور خوب رویا، پھر پوچھا۔" دفن کا انتظام کہاں ہوگا؟"

سید حسین کرمانی نے جواب دیا۔" حضرت کی وصیت تھی کہ انہیں اس تالاب میں دفن کیا جائے۔"

بادشاہ نے احمد ایاز کی طرف دیکھتے ہوئے حکم دیا۔" اس تالاب کو چند ساعتوں میں پاٹ دیا جائے اور پھر اس میں حضرت کی تدفین عمل میں لائی جائے گی۔"

احمد ایاز اسی وقت مزدوروں کی تلاش میں نکل گیا۔ جب وہ واپس آیا تو آپ کی آخری رسوم ادا کی جا چکی تھیں۔ خواجہ سید محمد نے حیرت سے کہا۔" میں خوش ہوں کہ بادشاہ بہت صبح ہی آ گیا تھا اور دوسری خوشی کی بات یہ کہ حضرت کو کندھا دینے والوں میں ان کے مخالفین بھی شامل تھے، شاید بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے۔"

احمد ایاز نے جواب دیا۔" اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ بادشاہ دیر تک بھوکا رہا۔ حالانکہ اتنی دیر میں بادشاہ تین بار کھا چکتا ہے۔"

خواجہ نظام الدین اولیاء جو سلطان المشائخ اور محبوب الٰہی بھی تھے، ان کی خانقاہ برصغیر کی سب سے بڑی روحانی جامعہ تھی۔ آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کر چکی تھی۔ لوگ پابندِ صوم وصلوٰۃ ہو گئے تھے اور ہر طرف دین کا چرچا تھا۔ آپ نے کتنے ہی ہندوؤں کو مسلمان کیا اور ان میں راسخ الاعتقادی اور استقامت پیدا کر دی۔

جب آپ دہلی تشریف لے جائیں گے تو آپ کو خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار کے مشرق میں نصف میل دور دریائے جمنا کے کنارے شہنشاہ ہمایوں کا مقبرہ نظر آئے گا۔ خواجہ محبوب الٰہی کی خانقاہ اس مقبرے کے شمالی گوشے میں ہے۔ خانقاہ کے مغرب میں سید شمس الدین اوتاد اللہ کا مزار ہے۔ قریب ہی جنوب مغرب میں عرب سرائے ہے جو اب ویران ہو چکی ہے۔ سرائے کے شمال مغربی گوشے میں حلیمہ کا باغ ہے اور مسجد ہے...... یہاں شیر شاہ سوری کے ایک امیر عیسیٰ خاں کی قبر ہے۔ مغرب میں لوہارو خاندان کی قبریں ہیں۔ انہی قبروں میں مرزا غالب کی بھی قبر ہے۔ یہاں مدت سے یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ محبوب الٰہی کے پڑوس میں دفن ہونے والوں کو نجات حاصل ہوتی ہے۔

ماخذات

سیر الاولیاء امیر خورد۔ سیر العارفین حامد بن فضل اللہ جمالی۔ اخبار الاخیار، شیخ عبدالحق محدثہ
فوائد الفواد امیر حسن سنجری۔ گلزارِ ابرار، محمد غوث مانڈوی۔ خیر المجالس، ملفوظات چراغ دھلی

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

کرامات

سلیم انور

انسانی دماغ تماشا کرنے کی مشین ہے اور تماش بین اس مشین کی تسکین کا ذریعہ... اس نے بھی ایک ایسا ہی کرشمہ دکھانے کی کوشش کرتے ہوئے خود کو تسکین دینا چاہی مگر.. سیر کو سوا سیر ملا تو ساری تسلی بے کلی میں بدل گئی... کیونکہ کرامات پر کسی ایک کی اجارہ داری تو ہو نہیں سکتی۔

اچانک بازی پلٹ جانے پر ایک شاطر کی کایا پلٹ

سیاہ بالوں والی دراز قامت عورت نے کیری آن بیگ اٹھا کر اوور ہیڈ کمپارٹمنٹ میں رکھ دیا تو نشستوں کی قطار کے درمیانی راستے کی جانب بیٹھی ہوئی سنہری زلفوں والی نوجوان عورت نے اپنے گھٹنے ایک جانب سکیڑ لیے تاکہ دراز قامت عورت اس کے سامنے سے گزر کر کھڑکی کے پاس والی نشست پر بیٹھ جائے۔

ان دونوں کے درمیان والی جہاز کی نشست خالی تھی۔ باہر دوپہر کی تیز دھوپ میں ائرپورٹ کا ٹارمیک تپ

Downloaded From Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

رہا تھا۔

"میرا بیگ اٹھا کر اوپر کمپارٹمنٹ میں رکھنے کا شکریہ۔" سنہری زلفوں والی نوجوان عورت نے دراز قامت سے کہا۔ اس نے اپنی گود میں بیگ سے میچ کرتا ہوا چمڑے کا ایک بریف کیس رکھا ہوا تھا۔

"مجھے خوشی ہوئی۔" دراز قامت نے کہا پھر ایک نگاہ نوجوان عورت کی گود میں رکھے ہوئے بریف کیس پر ڈالتے ہوئے بولی۔ "تو تمہارا شوہر ایک فزیشن ہے۔"

نوجوان عورت نے نظریں نیچے بریف کیس پر جمادیں جس کے لیمینیٹڈ ٹیگ پر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔ "ڈاکٹر اسٹوورٹ فریمین سوم۔" اس کے ساتھ ایک گنجے گول مٹول آدمی کی تصویر بھی تھی جس کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔

"فزیشن تھا۔" نوجوان عورت نے کہا۔

نوجوان عورت نے مزید کوئی وضاحت نہیں کی۔ اس کے بجائے اس نے اپنی نشست پر پیچھے ٹیک لگالی اور آنکھیں بند کر کے اپنے ہاتھ کی پشت سے انہیں ملنے لگی۔ اس کی انگلی کی انگوٹھی میں موجود ہیرا کافی بڑا تھا۔

جب جہاز فضا میں بلند ہوگیا تو دراز قامت عورت نوجوان عورت کی جانب گھومی اور بولی۔ "بائی دا وے میں اولیویا اسمتھ ہینکس ہوں۔"

"میرا نام سوزی فریمین ہے۔" سنہری زلفوں والی نوجوان عورت نے کہا۔

"تم کیا کرتی ہو مس فریمین؟"

"میں ایک ڈیزائنر ہوں۔"

"بہت خوب! ایک تخلیقی ذہن کی مالکہ! تم کیا ڈیزائن کرتی ہو؟ ملبوسات...... کچن، سافٹ ویئر؟"

"لینڈ اسکیپس!"

"اور تمہارا دفتر......؟"

"یہاں لاس اینجلز میں ہے۔ میں ایک سیمینار میں شرکت کے لیے ڈیلس جارہی ہوں۔"

ان کے درمیان چند لمحوں تک خاموشی رہی پھر اولیویا ہینکس نے خاموشی کو توڑتے ہوئے پوچھا۔ "آئی ایم سوری۔"

سوزی فریمین نے چونکتے ہوئے استفہامیہ نظروں سے دراز قامت عورت کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب تمہارے شوہر کے بارے میں تھا۔"

"تم میرے شوہر کو جانتی ہو؟" سوزی نے حیرانی سے پوچھا۔

"نہیں لیکن تم ہی نے تو کہا تھا؟"

سوزی بے چین سی ہوگئی۔ "میرا خیال ہے کہ میں نے تمہیں مغالطے میں ڈال دیا ہے۔ میرا شوہر بالکل ٹھیک ٹھاک اور خیریت سے ہے۔ کم از کم اس وقت تک... بخیریت تھا جب آج میں نے ائرپورٹ روانگی کے وقت اسے گڈبائی کہا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے ایک بار پھر اپنی نشست پر ٹیک لگاتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

"تو، وہ تم سے ملنے کے لیے آیا تھا؟" اولیویا نے پوچھا۔

سوزی ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑگئی پھر بولی۔ "معاف کرنا، میں سمجھی نہیں۔"

"وہ تم سے یہاں لاس اینجلز میں ملنے کے لیے آیا تھا؟"

"ملنے کے لیے؟ اگر یہ سچ ہوتا تو اس کا سامان میرے پاس کیوں ہوتا؟"

اس سوال کا جواب دینے کے بجائے اولیویا نے مطمئن نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔ "کیا میں تم سے ایک ذاتی نوعیت کا سوال پوچھ سکتی ہوں؟"

سوزی فریمین نے ایک لمحے کے لیے سوچا، پھر اثبات میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں، میرا خیال ہے کہ پوچھ سکتی ہو۔"

"تمہاری عمر کیا ہوگی؟"

"ستائیس برس۔"

"اور تمہارا شوہر...... کیا اس کا قد لانبا ہے؟"

"زیادہ لانبا تو نہیں ہے کیوں؟"

"کتنی قامت ہے؟"

"تقریباً میرے جتنی۔ شاید کچھ کم بھی ہوسکتی ہے۔"

"آئی سی!" اولیویا نے اپنی نظریں کھڑکی کی جانب پھیرلیں اور باہر گزرتے ہوئے بادلوں کو دیکھنے لگی۔ پھر قدرے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوئی۔ "تم کیسا محسوس کررہی ہو مس سوزی فریمین؟"

"کس بارے میں؟"

"جو کچھ تم کرچکی ہو اور جو کچھ تم کررہی ہو، اس کے بارے میں۔" اولیویا نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"ایکسکیوزمی، میں کچھ سمجھی نہیں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

''کیا تم مجھے کچھ بتانا چاہ رہی ہو؟''
''میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم کس قسم کی باتیں کر رہی ہو......'' سوزی فریمین کے لہجے سے اب الجھن عیاں تھی۔
اولیویا نے اپنا چہرہ سوزی کی جانب گھمایا۔
''تمہارے سامان پر لگا ہوا ٹیگ بتا رہا ہے کہ تمہارا شوہر ڈاکٹر اسٹوورٹ اونٹاریو میں رہتا ہے۔''
''یہ درست ہے۔''
''اور تمہارے بلاؤز کا سامنے کا ایک بٹن غائب ہے۔''
سوزی نے نگاہیں جھکا کر اپنے بلاؤز کا جائزہ لیا اور اس کی آنکھیں حیران رہ گئیں۔ ''تو پھر؟''
اولیویا کے چہرے پر وہی اطمینان تھا۔ ''اونٹاریو، لاس اینجلز سے دو ہزار میل کے فاصلے پر ہے مس سوزی فریمین...... اور کوئی بھی شوہر جسے تم نے آج صبح ایئرپورٹ روانگی کے وقت الوداعی بوسہ دیا ہوگا، وہ تمہیں عام پبلک کے درمیان جانے سے قبل اس بارے میں بتا سکتا تھا کہ تمہارے بلاؤز کے سامنے کا بٹن غائب ہے؟ یا تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ بہت زیادہ کور چشم ہو یا اس کا قد اتنا لانبا ہو کہ اس کی نظر ہی اس جگہ نہ پڑ سکی ہو جہاں اس بٹن کو موجود ہونا چاہیے تھا۔ خاص طور پر اس لیے کہ تم عمر میں اس کی جوان بیٹی کی طرح لگتی ہو۔''
سوزی فریمین نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا۔
''جہاں تک میرا خیال ہے، تم اور تمہارا دولت مند ڈاکٹر شوہر یہاں تعطیلات منانے کے لیے آئے ہوئے تھے۔'' اولیویا نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''اور صاف صاف کہوں تو میرے خیال میں تم اسے اس حالت میں چھوڑ آئی ہو کہ وہ تمہارے لباس یا کسی بھی اور چیز کا تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لینے کے قابل ہی نہیں رہا۔''
سوزی فریمین یہ سن کر حیرت سے پلکیں جھپکانے لگی۔ ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''
''میں صحیح کہہ رہی ہوں۔''
''تمہارے خیال میں، میں نے اسے قتل کر دیا ہے؟'' سوزی فریمین کے لہجے میں بدستور حیرت تھی۔
اولیویا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس اسے گھورتی رہی۔
''تم بھی سمجھ رہی ہو نا؟'' سوزی فریمین نے زور دیتے ہوئے کہا۔ ''ہے نا؟''
''کیا تم نے اسے قتل نہیں کیا...... اپنے شوہر کو؟''
اولیویا نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر جماتے ہوئے کہا۔
سوزی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اب ان کے درمیان خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ دونوں بس ایک دوسرے کی صورت تکے جا رہی تھیں۔
اتنے میں ایک فلائٹ اٹینڈنٹ سروس کارٹ لیے راہداری میں سوزی فریمین کی نشست کے پاس آکر رک گیا اور پوچھا۔ ''آپ کوئی مشروب لینا چاہیں گی؟''
سوزی نے نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے لیے کافی اور شوگر کا آرڈر دے دیا۔ اولیویا نے بھی اپنے لیے کافی اور شوگر طلب کی۔
فلائٹ اسٹیوارڈ نے کافی بھرے دو کپ اور چینی کے دو سفید پیکٹ اس ٹرے میں رکھ دیے جو سوزی اپنے سامنے کی نشست کی پشت سے کھول کر نیچے کر چکی تھی۔
سوزی نے اپنا پرس کھولا اور اپنے کمپیکٹ کو بے مقصد ٹٹولنے لگی پھر اولیویا سے مخاطب ہو کر آہستہ سے بولی۔ ''تم کون ہو؟ پولیس؟''
''پلیز...... کوئی قابلِ فخر شعبہ بتاؤ۔''
''تو پھر کیا ہو؟ وکیل؟ رپورٹر؟''
''ماہرِ نفسیات۔ میں یہاں ایک پیپر پیش کرنے کے لیے آئی تھی۔'' اولیویا نے جواب دیا۔
''بے شک!'' سوزی نے کافی کے دونوں کپوں میں چینی چھڑکتے ہوئے کہا۔ اس کے ہاتھوں میں کسی قسم کی کپکپاہٹ نہیں تھی۔ اس نے اولیویا کا کپ اس کی جانب بڑھا دیا۔ ''ایک تخلیقی ذہن!'' اس نے کہا۔
''میرا بھی یہی خیال ہے۔''
''لیکن تم نے جو کچھ بھی تخلیق کیا ہے، وہ ایک خیالی پلاؤ ہے۔'' سوزی فریمین نے کہا۔
''وہ کس طرح؟'' اولیویا نے کافی کا ایک گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔
''ویل، ایک بات تو یہ کہ اونٹاریو لاس اینجلز سے دو ہزار میل کے فاصلے پر نہیں ہے۔ وہ صرف بیس میل کے فاصلے پر ہے۔'' سوزی نے بتایا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"اونٹاریو، کینیڈا؟"

"نہیں، اونٹاریو، کیلی فورنیا!"

"ایسی تو کوئی جگہ نہیں ہے۔"

"واقعی؟ تب تو میں گھر پہنچنے پر یہ بات اپنے میئر کو ضرور بتاؤں گی۔"

اولیویا نے اپنی ٹھوڑی چڑھالی اور بولی۔ "مجھے تم پر یقین نہیں ہے۔"

سوزی فریمین نے جواباً اپنے شانے اچکا دیے اور کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے بولی۔ "تمہیں یقین کیونکر ہوگا؟ آخرکار میں ایک قاتل ہوں نا!"

ان کے درمیان ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ اس خاموشی کو چند لمحات گزرنے کے بعد سوزی فریمین نے توڑا۔ "تمہارے خیال میں، میں نے اپنے شوہر کو کس طرح قتل کیا ہوگا؟"

تب اولیویا نے ایک نگاہ سوزی کا جائزہ لیا۔ اس کے چہرے پر اطمینان جھلک رہا تھا۔ "درجنوں طریقے ہو سکتے ہیں۔ امکانی طور پر اس کے چہرے پر تکیہ رکھ کر اس کا دم گھونٹا گیا ہوگا۔ تم دیکھنے میں طاقتور لگتی ہو اور وہ پستہ قد تھا؟"

"پستہ قد ہونے کا مطلب کمزور نہیں، مس اولیویا!" سوزی نے اسے احساس دلاتے ہوئے کہا۔

"یا شاید عقب سے اس کی کھوپڑی پر وار کیا ہوگا جب وہ اپنے جوتے پہننے کے لیے جھکا ہوگا یا اپنے دانت برش کر رہا ہوگا۔"

"یہ تو بڑا مایوس کن جواب ہے مس اولیویا۔" سوزی نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "اور تم خود کو ماہر نفسیات کہتی ہو؟"

یہ سن کر اولیویا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ "آل رائٹ! تو پھر تم خود ہی بتادو کہ تم نے اسے کس طرح قتل کیا ہے؟"

"زہر دے کر۔" سوزی نے جواب دیا۔

"کون سا زہر؟"

"آرسینک ٹرائی آکسائیڈ! یہ سفید پاؤڈر کی شکل میں ہوتا ہے۔ میں نے اس کی کافی میں چینی کے بجائے یہ سفید پاؤڈر چھڑک دیا تھا۔" سوزی نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

اولیویا کو سوزی کی بات کو ذہنی طور پر سمجھنے میں چند لمحے لگے۔ پھر اچانک اس کا جسم تن گیا اور اس کی نگاہیں اپنے کافی کے کپ پر جم گئیں۔

"یہ انتہائی ذی اثر ہوتا ہے۔" سوزی فریمین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اولیویا آنکھیں پھاڑے سوزی فریمین کی ٹرے کو دیکھنے لگی جہاں فلائٹ اٹینڈنٹ کے دیے ہوئے چینی کے دونوں سفید پیکٹ اپنی اصل حالت میں پیک رکھے ہوئے تھے۔ البتہ ان کے برابر میں ایک کھلا ہوا اسی طرح کا پیکٹ بھی دکھائی دے رہا تھا۔ اس پیکٹ کی رنگت بھی سفید تھی۔

"مائی گاڈ!" اولیویا کے ہاتھ سے اس کا کپ چھوٹ گیا۔ وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کی جدوجہد کرنے لگی۔

سوزی کو اپنی ٹرے کو سیدھا کرنے اور اٹھا کر بند کرنے میں عجلت سے کام لینا پڑا۔ اولیویا تیزی سے نشستوں کی درمیانی راہداری میں داخل ہوئی اور وہاں قدم رکھتے ہی پژمردہ چہرے کے ساتھ ابکائیاں لیتے ہوئے جہاز کے عقبی حصے کی جانب دوڑ پڑی جہاں فلائٹ اٹینڈنٹس کا ایک گروپ موجود تھا۔

سوزی کے ہونٹوں پر بدستور مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنے پرس میں سے اپنا سیل فون نکالا اور ایک نمبر پنچ کرنے لگی۔

دوسری جانب سے فون کال کا جواب ملنے پر وہ بولی۔ "اسٹوورٹ؟ یہ میں ہوں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد تمہیں پہلی صبح کیسی لگ رہی ہے؟" پھر اس کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ "ہاں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں نے تمہیں صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ تم سے رخصت ہونے کے بعد تمہاری عینک مجھے بریف کیس میں رکھی ہوئی مل گئی ہے۔ میں ہوٹل پہنچ کر تمہاری عینک فیڈ ایکس کے ذریعے تمہیں بھجوا دوں گی اور بائی دا وے، جانتے ہو جو سر درد کا سفید پاؤڈر تم نے آج میرے ساتھ رکھنے کو دیا تھا؟"

یہ کہہ کر اس نے پلٹ کر جہاز کے عقبی حصے کی جانب دیکھا جہاں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "وہ کمال کا پاؤڈر ہے۔ اس نے اپنی کرامات دکھا دی ہیں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

گورکن

ابراہیم جمالی

بھوک افلاس... معاشرے کی وہ تلخ حقیقتیں ہیں جو ایک سیدھے سادے انسان کو بھی جانور بنا دیتی ہیں... وہ بھی اپنے خون جگر کے فاقوں سے رنجیدہ ہو کر فرار ہوا تو اگلا قدم اسے ایسی پستی میں لے گیا جہاں سے واپسی ناممکن تھی۔ جن کے لیے زندگی خریدنے گھر سے نکلا ان کے لیے موت لے کر گھر لوٹ آیا۔

اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے والے ایک باپ کے خونِ دل کا عبرت اثر واقعہ

ڈھلتی شام کے [illegible] پھیلنے لگے تھے۔ اس کے تاریک نصیب کی طرح شب کا اندھیرا کائنات پر اپنے پر پھیلانے کے لیے بے قرار تھا۔ قبرستان میں ہوا سسکیاں لیتی گزرتی رہی۔ جھومتے درختوں کی سرسراہٹ، موت جیسی خاموشی اور قبروں پر پھیلی ویرانی گویا اس کے سامنے نزع کا منظر پیش کر رہی تھی...... وہ لمحہ...... جو مرنے والا اپنے وجود سے روح کے رخصت ہونے پر محسوس کرتا ہے۔ وہ اس منظر میں ایک نیم کے پیڑ کے نیچے یوں گم صم بیٹھا تھا جیسے اپنی سیاہ بختی پر ماتم کر رہا ہو۔ شہر خموشاں میں اس کا ٹوٹا پھوٹا وجود پُراسرار لگ رہا تھا۔ قریب ہی اس کی کدال رکھی تھی۔ وہ کبھی اسے [illegible] اداس اور تھکی تھکی سی لگی...... کم از کم اس نے ایسا ہی محسوس کیا تھا۔

اس قبرستان میں وہ اس وقت سے گورکن تھا، جب اس کی مسیں بھیگی ہی تھیں...... اور اب اس کے سر اور ڈاڑھی کے آدھے بال سفید ہو چکے تھے۔ دھرتی کے سینے پر، زندگی سے جدا ہونے والے انسانوں کو دفنا کر پیٹ بھرنے کا یہ کام اسے ورثے میں ملا تھا۔ اس کا باپ، دادا اور شاید پڑدادا بھی یہی کام کرتے تھے۔ موت، زندگی، قبریں، ویرانیاں اور زندگی سے رخصت ہونے والے تنہا لوگ...... وہ یہی کچھ دیکھتا آیا تھا۔

اور اب دو دن گزر گئے تھے، اس کے گھر چولہا نہیں جلا

Downloaded From Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حنا ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

تھا۔ بھوک موت کی طرح پر پھیلائے کھڑی تھی۔ ان دودنوں میں وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح گھر لوٹتا تھا۔ ان دو دنوں میں اس کی کدال بھی اداس تھی۔ اس کے بچوں کی آنکھوں میں بھوک کے سائے تھے...... اور بیوی کے چہرے پر دکھوں کی پرچھائیاں مزید گہری ہوگئی تھیں۔

پچھلے دودنوں سے موت نہ جانے کہاں جاسوئی تھی۔ اس شہر میں کسی کی زندگی کا تار نہیں ٹوٹا تھا۔ وہ مسلسل سوچ رہا تھا کہ جہاں روزانہ بے شمار لوگ زندگی سے رشتہ توڑ دیتے ہیں، وہاں دودن سے سب زندہ ہیں۔ اس شہر میں کوئی دوسرا قبرستان بھی تو نہیں ہے...... دودن سے جب وہ خالی ہاتھ گھر لوٹتا تو اس کے بچوں کے چہرے اسے دیکھ کر تیل سے محروم دیے کی طرح بجھ جاتے تھے۔ گزشتہ رات اس کا چھوٹا بیٹا بھوک سے آدھی رات تک روتا رہا تھا۔ اسے خاموش کراتے کراتے اس کی بیوی بھی سسکنے لگی تھی۔

ان سوچوں نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ اس نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے پورے قبرستان پر نظر دوڑائی۔ پھر گردن جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کدال کندھے پر لٹکائی اور لڑکھڑاتے قدموں سے قبرستان سے باہر نکل آیا۔ باہر آکر اس نے ایک بار پھر گردن گھما کر دور دور تک پھیلی قبروں کو دیکھا۔ اسے محسوس ہوا جیسے بہت سارے مُردے قبروں سے نکل کر سفید کفن میں ملبوس موت کا رقص کر رہے ہوں، قہقہے لگا رہے ہوں۔ وہ گھبرا کر پلٹا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا قبرستان سے دور نکل آیا۔

وہ گھر کے قریب پہنچا تو اچانک اسے خیال آیا کہ اسے قبرستان کی طرف واپس چلے جانا چاہیے۔ کیا پتا آج کسی کی زندگی کا چراغ بجھ ہی جائے۔ پھر خیال آیا کہ اگر ایسا ہوا تو ہمیشہ کی طرح لوگ اسے گھر سے بلا لیں گے۔ تب وہ ہچکچاتا ہوا دروازے پر پڑا ٹاٹ کا پردہ ہٹا کر گھر کے صحن میں داخل ہوا۔ لالٹین کی ملگجی روشنی میں اس کی بیوی گردن جھکائے بیٹھی تھی۔ سامنے اس کا چھوٹا بیٹا سویا ہوا تھا۔ اس کے گالوں پر پھیلے ہوئے آنسوؤں کے نشان دھیمی روشنی میں بھی اس نے صاف دیکھ لیے تھے۔ اس کو اپنے اندر کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔ زمین پر اس کے دونوں بڑے بیٹے کنچوں سے کھیل رہے تھے...... یا شاید اپنے آپ کو بہلا رہے تھے۔ اسے دیکھ کر وہ سب ایسے چونک اٹھے جیسے برسوں سے اس کا انتظار کر رہے ہوں مگر اس کے چہرے پر مایوسی کے سائے دیکھ کر وہ مزید اداس ہوگئے۔

وہ گردن جھکا کر جھلنگا چارپائی پر بیٹھ گیا۔

''چھوٹا روٹی کے لیے رو رو کر ابھی سویا ہے۔'' اس کی بیوی نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''بابا مجھے بھی بہت بھوک لگی ہے۔'' اس کے منجھلے بیٹے نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''بابا......! آج بھی کوئی نہیں مرا؟''

وہ سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ جیسے اس کے ہونٹ کسی نے سی دیے ہوں۔

''بابا جب کوئی مرے گا تب روٹی پکے گی؟'' بیٹے نے دوبارہ پوچھا۔

''ہاں۔'' جواب دیتے ہوئے اس کی آواز پاتال سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

اس کے بیٹے نے دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھائے اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اللہ سائیں! اب آپ کسی کو مار دو تاکہ ہمارے گھر روٹی پکے...... اے اللہ سائیں!''

اچانک اس کے اندر دور کہیں ''آمین'' کی صدا ابھری۔ وہ خود بھی پچھلے دودن سے یہی دعا مانگ رہا تھا کہ کوئی اچانک مرجائے۔

اس کے دونوں بڑے بچے اس امید پر کہ شاید کل کوئی مرجائے، آنکھیں موند کر لیٹ گئے حالانکہ بھوک کی وجہ سے انہیں نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ اور اس کی بیوی سر جھکائے بیٹھے رہے۔ بہت دیر کی خاموشی کے بعد اس کی بیوی کی آواز ابھری۔ ''تم کوئی دوسرا کام کیوں نہیں کرتے؟''

''کونسا کام کروں؟ میرے لیے دوسرا کام رہا ہی کیا ہے...... میں کوئی دوسرا کام جانتا بھی تو نہیں ہوں۔'' اس کی آواز میں دنیا جہاں کی مایوسیاں تھیں۔

''تم کب تک یہ کام کرتے رہو گے۔ روز روز تو کوئی نہیں مرتا۔ اب گندم اور آٹے کی طرح موت بھی بہت مہنگی ہوگئی ہے۔ کم بخت ڈاکٹر جو پیدا ہوگئے ہیں۔ کسی کو مرنے ہی نہیں دیتے۔''

''بختاور! انسان کے نصیب میں جب موت آئے گی تب ہی وہ مرتا ہے۔ جب بھی کوئی مرے گا، اپنے وقت پر مرے گا۔ تب تمہارے گھر میں روٹی پکے گی۔'' وہ اپنی بیوی کو سمجھانے لگا حالانکہ وہ خود اندر سے ریت کے گھروندے کی طرح بکھر رہا تھا۔

''میں نے تو بادشاہ پیر کی منت مانی ہے کہ جب کوئی مرے گا تو کچھ بانٹوں گی۔ دودن سے میرے بچے بھوکے ہیں۔ آخر کب تک بھوک کا عذاب سہتے رہیں۔'' یہ کہہ کر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اپنے پھٹے ہوئے دوپٹے کے پلو سے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

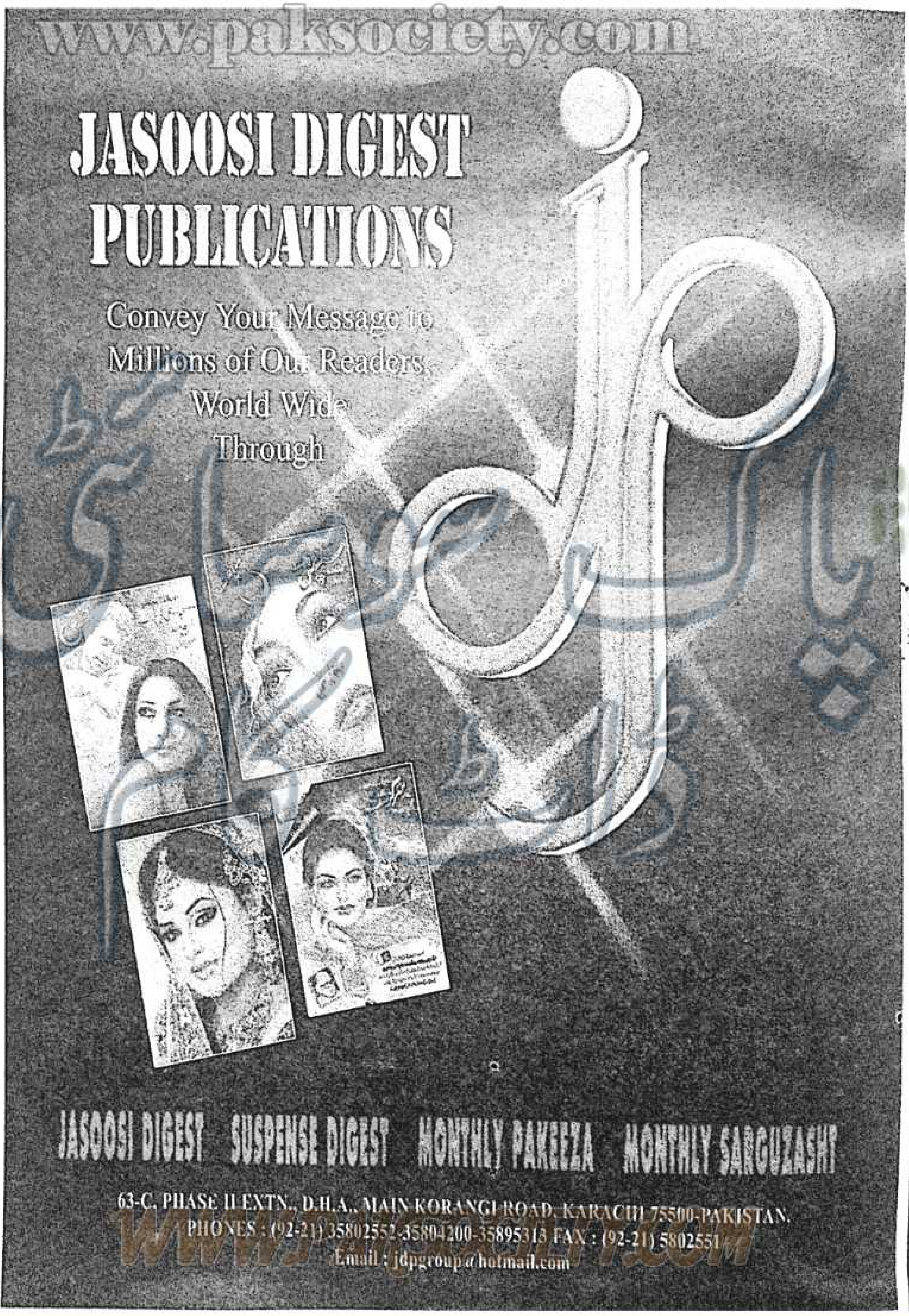

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

آنکھیں پونچھنے لگی۔ بیوی کو روتا دیکھ کر اس نے لالٹین بجھادی۔ کہیں وہ اس کے آنسو نہ دیکھ لے جو اس کی ڈاڑھی کو بھگو رہے تھے۔ وہ تاریکی میں آدھی رات تک روتا رہا۔ اس خیال سے کہ اس کے بچے دو دن سے بھوکے ہیں، اس کی آنکھیں دروازے پر گڑی رہیں۔ اس کے کان کسی پکار کو سننے کے لیے بے چین تھے...... شاید کوئی اسے بلانے آجائے مگر...... اس کا انتظار رائگاں گیا۔ کوئی آواز نہ آئی۔ باہر صرف گلی کے کتے بھونکتے رہے۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی بیوی بھی رات بھر روتی رہی ہے۔ اس کی بیوی کو بھی پتا تھا کہ پوری رات وہ بھی آنسو بہاتا رہا ہے۔ کئی بار اس کی بیوی کے آنسوؤں نے اس کے بازو کو بھگو دیا تھا اور اس کے اشک بیوی کے چہرے پر گرتے رہے۔

اگلے دن پو پھٹنے سے پہلے ہی وہ کدال کندھے پر رکھ کر قبرستان چلا گیا۔ پورے راستے اس کے کانوں کو کسی کے رونے کا انتظار رہا۔ لیکن چاروں طرف زندگی اپنے خوب صورت پر پھیلائے بیٹھی رہی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ اگر آج بھی کوئی جنازہ نہ آیا تو وہ چوری کرے گا مگر خالی ہاتھ گھر نہیں جائے گا۔ قبرستان میں سارا دن اس کی آنکھیں کسی جنازے کی منتظر رہیں۔ لوگ آتے، قبروں پر فاتحہ پڑھتے اور چلے جاتے۔ کوئی قبر پر پھول رکھتا اور کوئی قبر پر سسک کر چلا جاتا۔ یہ مناظر اس کے لیے نئے نہیں تھے۔ وہ روز یہی سب کچھ دیکھتا تھا۔ اس میں اس کے لیے کوئی کشش نہیں تھی کیونکہ اس میں اس کے اور اس کے بچوں کے لیے زندگی کا کوئی پیغام نہیں تھا۔

دن گزرتا رہا۔ گزرے کل کی طرح آج کا سورج بھی خاموشی سے ڈوب گیا۔ ''پتا نہیں کل سورج نکلے گا بھی یا نہیں۔'' اس نے مایوسی سے سوچا۔ اچانک اسے ایک واقعہ یاد آگیا اور تیر کی طرح اس کے دل میں اتر گیا۔ ایک نوجوان نے ایک قبر کے قریب کھڑے ہو کر کہا تھا۔

''اے موت! کاش تجھے بھی موت آئے۔''

تب موت کے لیے بددعا سن کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے...... اور آج رہ رہ کر اس کے کانوں میں یہی الفاظ گونج رہے تھے۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ شاید اس نوجوان کی دعا قبول ہو گئی ہے اور موت کو بھی موت آگئی ہے۔

رات کی پھیلتی تاریکی میں وہ اپنی ہی سوچوں سے گھبرا گیا۔ آج اس کے بچوں کی بھوک کو تیسرا دن تھا۔ یہ خیال آتے ہی وہ بجھ سا گیا۔ وہ ان کا سامنا کیسے کر پائے گا...... کیا وہ ان کی اداس آنکھیں دیکھ سکے گا...... وہ ان کے سوالوں کے کیا جواب دے گا۔ وہ اندر ہی اندر جلتا بجھتا رہا۔ رات کے بارہ بج گئے تھے۔ وہ قبرستان میں بیٹھا رہا لیکن کوئی نہیں آیا۔ آخر کار وہ اٹھا اور لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ گھر کے راستے پر چلنے لگا۔ کدال اس کے کندھے پر ٹکی تھی۔ راستے میں وہ دل ہی دل میں سوچتا رہا کہ اب اسے کوئی دوسرا کام کرنا چاہیے۔ مزدوری نہ ملی تو چوری کرے گا۔ وہ آنے والے دن کے لیے کئی ترکیبیں سوچتا رہا اور پھر انہیں رد کرتا رہا۔ اندر ہی اندر ٹوٹتا اور بکھرتا رہا۔ زندگی اس کے لیے کائنات کا سب سے بڑا المیہ بن گئی تھی۔ وہ دل ہی دل میں اس المیے پر ماتم کرتا جارہا تھا۔

گلیوں میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے اندر بھی گھور اندھیرا سانسیں لے رہا تھا۔ اچانک اسے کچھ فاصلے پر ایک سایہ آگے جاتا ہوا دکھائی دیا۔ بجلی کی طرح ایک خیال اس کے ذہن کے سنسان ایوانوں میں ابھرا۔ اگر اس نے کدال کے ایک ہی وار سے اس سائے کو ختم کر دیا تو...... اس کے بعد کی سوچ کس قدر خوب صورت تھی۔ اس نے تصور میں بیوی کو چولہے پر روٹیاں پکاتے دیکھا اور وہ مسکرا بھی رہی تھی۔ اس کے تینوں بیٹے ماں کے قریب بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ شرارتیں بھی کر رہے تھے۔

وہ مسکرا دیا۔ مگر اس سائے کو ختم کرنے کا تصور بہت خوفناک تھا۔ اس نے تو کبھی چوری نہیں کی تھی، قتل کیسے کرسکتا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے کانوں میں بچوں کی صدائیں گونجنے لگیں۔ اس کے قدم تیز ہو گئے۔ گلی میں گہری تاریکی تھی۔ وہ اندھیرے میں تیز تیز قدم اٹھاتا سائے کے پیچھے چلنے لگا۔ اس کی سانس پھول گئی۔ اس کا دل طوفان میں گھرے جہاز کی طرح کانپنے لگا۔ اس کے ہاتھ کدال کے دستے پر اس طرح مضبوطی سے جم گئے جیسے کبھی جدا نہیں ہوں گے۔

وہ سائے کے قریب جا پہنچا۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور کدال بلند کر کے وار کر دیا۔ ایک کراہ ابھری اور ڈوب گئی۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ یہ کراہ شاید کسی بچے کی تھی لیکن اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ جھک کر دیکھتا۔ بس ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں کے سامنے اپنے بچوں کے چہرے گھوم گئے۔ اس کا پورا جسم پسینے سے شرابور ہو چکا تھا۔ وہ پلٹا اور قبرستان کی طرف دوڑنے لگا۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ لمحہ اس کی زندگی کا آخری لمحہ ہو۔ پہلی بار اسے موت سے خوف محسوس ہوا تھا۔ موت...... جو کسی بدروح کی طرح اپنے کالے بال پھیلائے، میلے دانت نکالے قہقہے لگاتی اس کے پیچھے پیچھے دوڑ رہی ہو۔ اس کی رگوں میں دوڑنے والا لہو جمنے لگا تھا۔ اسے محسوس ہونے لگا تھا جیسے ابھی سانس کی ڈور ٹوٹ جائے گی۔

وہ قبرستان کے گیٹ پر پہنچا۔ پلٹ کر پیچھے نظر دوڑائی۔ وہاں کچھ نہ تھا۔ سنسان گلیاں، سوئے ہوئے لوگ، رات کا گھور

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اندھیرا اور وہ اکیلا تھا۔ اس نے قبرستان کے نل پر خون آلود کدال کو دھویا اور نیم کے درخت کے نیچے آنکھیں موند کر بیٹھ گیا۔ اس کے اندر طوفان برپا تھا لیکن وہ آنکھیں بند کیے سوچ رہا تھا کہ صبح کو لوگ اس بچے کا جنازہ لے کر آئیں گے۔ اس کی قبر کھودنے کی اجرت ملے گی...... اور پھر ایک ہفتہ...... پورا ہفتہ کتنا شاندار گزرے گا۔ اس کے بچے کتنا خوش ہوں گے۔ وہ بھی کیسی شان سے گردن اٹھائے گھر میں داخل ہوگا۔ اس کی بیوی بادشاہ پیر کی منت پوری کرے گی۔ وہ اپنا جرم کسی کو نہیں بتائے گا۔ اپنی بیوی کو بھی نہیں۔ جس سے وہ کچھ نہیں چھپاتا تھا۔ کسی کو پتا نہیں چلے گا۔

ان تمام سوچوں پر خوف بھی سایہ فگن تھا۔ اگر وہ پکڑا گیا تو اسے ضرور عمر قید ہوجائے گی۔ پھر اس کے بیوی بچوں کا کیا ہوگا؟ وہ تو بھوکوں مرجائیں گے۔ وہ ان کے لیے جیل میں روتا رہے گا۔

رات گزر گئی۔ صبح ہوئی اور نیا طلوع ہونے والا سورج اس کے لیے امیدوں کی روشنی پھیلاتا ہوا بلند ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں گیٹ کے اس پار سڑک پر جمی تھیں جہاں سے وہ جنازہ آنا تھا۔ دوپہر کے وقت کچھ لوگ جنازے کے ساتھ گیٹ کے اندر داخل ہوئے۔ وہ سچ مچ کسی بچے کا ہی جنازہ تھا۔ لیکن کسی کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے۔ کسی کے چہرے پر دکھوں کا ہجوم نہیں تھا، جو کسی پیارے کے بچھڑنے پر سایہ فگن ہوتا ہے۔ ایسا دکھ کسی کے چہرے پر نہیں تھا۔ وہ گویا ایک فرض ادا کرنے کے لیے وہاں آئے ہوں۔ ایسا فرض جس میں ان کی کوئی دلچسپی نہ ہو۔ اس نے کدال اٹھائی اور قبر کھودنے لگا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ یہ خیال اسے لرزائے دے رہا تھا کہ اس کے دل میں چھپے ہوئے خوف سے کوئی آگاہ نہ ہوجائے...... کہیں بچے کی لاش اٹھ کر نہ بیٹھ جائے اور چیخ چیخ کر سب کو بتانے لگے کہ دیکھو یہ ہے میرا قاتل...... لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ وہ قبر کھودتا رہا۔ اس دوران جنازے کی نماز پڑھی گئی اور وہ قبر کی تیاری کا انتظار کرنے لگے۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ لوگ آپس میں کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ اس نے سننے کی کوشش کی لیکن سمجھنے سے قاصر رہا۔ وہ کچھ فاصلے پر موجود تھے۔

''نہ جانے کن بدنصیبوں کا بچہ ہے......'' اس نے ایک جملہ سنا۔ ''کس کو اس معصوم سے دشمنی ہوسکتی ہے......'' اب لوگ قریب آگئے تھے اور وہ ان کی باتیں سن سکتا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے۔

''نہ جانے کون ظالم تھا۔''

''بے رحم کو ذرا بھی رحم نہیں آیا تھا......''

''اس کے ماں باپ اس بیچارے کو ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔''

وہ بہ ظاہر ان باتوں سے بے نیاز بنا قبر کھودتا رہا۔ قبر تیار ہوگئی تو لوگوں نے کفن میں لپٹی لاش کو بانہوں میں اٹھایا تو اس نے دیکھا کہ کفن پر خون کے داغ لگے ہوئے تھے۔ نہ جانے کیوں اس کی آنکھیں کھلی ہوگئیں۔ جب وہ بچے کو قبر میں اتارنے لگے تو اس کا دل چاہا کہ وہ بچے کا چہرہ دیکھے۔ وہ لوگوں کے کاندھوں سے جھانک کر نیچے دیکھنے لگا...... پھر وہ گویا تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔ اس کی رگوں میں دوڑنے والے خون کی ہر بوند میں اندھیرے ہی اندھیرے سماتے چلے گئے۔ موت کے زہر جیسا کڑوا کسیلا ذائقہ اس کے حلق میں چبھنے لگا۔

وہ گھر جاتے ہوئے کئی بار ٹریفک کی زد میں آتے آتے بچا۔ اس کی مٹھی میں تین کرارے نوٹ دبے ہوئے تھے۔ آج اس کا دوسرا ہاتھ خالی تھا۔ اس نے کدال کہیں پھینک دی تھی۔ اس کے باوجود وہ اپنا وجود بے حد بھاری محسوس کر رہا تھا۔ جب وہ اپنے گھر کی گلی میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی اس کے انتظار میں گھر کی دہلیز پر بیٹھی ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ اسے آتا دیکھ کر وہ کھڑی ہوگئی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ اندر چلا گیا۔ وہ اس کے پیچھے لپکی اور قریب جا کر سسک پڑی۔

''منو رات سے تمہارے پیچھے نکلا ہوا ہے...... میں نے بہت منع کیا لیکن وہ مانا ہی نہیں۔ کہنے لگا جا کر دیکھتا ہوں بابا کو پیسے ملے یا نہیں...... وہ تمہارے پاس پہنچا تھا یا نہیں؟''

وہ خاموش رہا، موت کی طرح۔

''تت...... تم...... بولتے کیوں نہیں۔''

اس نے کپکپاتے ہونٹ پر دانت گاڑ دیے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ کر اس کی ڈاڑھی میں جذب ہونے لگے۔

''تت...... تم رو رہے ہو...... کیوں رو رہے ہو......؟''
وہ چیخی۔ ''تم بتاتے کیوں نہیں......؟''

وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگی۔ دونوں بچے حیرت سے ماں باپ کی طرف دیکھ رہے تھے...... اور وہ ایک ایسے مجرم کی طرح گردن جھکائے کھڑا تھا، جس میں جرم قبول کرنے کا حوصلہ نہ ہو۔

''میرا منو کہاں ہے؟'' اس کی بیوی کی چیخ کوڑے کی طرح اس کے وجود کو لرزا گئی۔

اس نے کوئی جواب دینے کے بجائے اپنی مٹھی میں جکڑے ہوئے تین نوٹ بیوی کے ہاتھ پر رکھے پھر وہ اپنے چھوٹے بیٹے کو سینے سے لگا کر بچوں کی طرح سسکنے لگا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

بھرم

عمر عبداللہ

زندگی بھی انسان کو کیسے کیسے روپ دکھاتی ہے... دور سے سہانے اور قریب سے بھیانک مناظر عقل کو دنگ کر دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود... ہم اس ماحول اور منظر کا حصہ بننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی "فاعل اور کوئی مفعول" ہوتا ہے یعنی ظالم اور مظلوم کا فارمولا کچھ یوں ہوگا کہ دو میں سے کسی ایک کا ظالم ہونا ضروری ہے تب ہی دوسرا مظلوم کہلائے گا۔ وہ بھی ایک ایسا ہی پُرفریب منظر تھا جہاں جیون ساتھی کے روپ میں وہ دونوں ساتھ رہتے، ساتھ ہنستے اور ساتھ روتے تھے پھر اچانک ان کا ساتھ صرف رہنے کی حد تک محدود رہ گیا... ایک دوسرے کی سنگت کا احساس کہیں دفن ہوگیا... لیکن آپس کا اعتبار اور بھرم اس غیریقینی صورتِ حال میں بھی باقی تھا... جس کے سہارے کئی رشتے ایک دوسرے سے جڑے تھے کہ ایک روز اس پُرسکون ندی میں اچانک ہلچل ہوئی اور کسی کی انا کے پتھر نے طوفان برپا کر ڈالا... ایسا طوفان جس میں تمام خواہشیں، خواب، گھمنڈ حتیٰ کہ خلوص اور وفا بھی بہہ گئیں... باعزت پیشے سے وابستہ درندوں کا اس کی ناموس پر حملہ سوچ کے کئی در وا کر گیا کہ معاشرے کا ایسا کون سا رشتہ ہے جس کا "بھرم" باقی رہ گیا ہو۔ در کے اندر ہو یا باہر عورت ذات شاید بھر بھری ریت سے زیادہ کچھ بھی نہیں جو بس بکھرنے کے لیے ہوتی ہے۔

کنکریٹ کی اونچی دیواروں کا بھرم اور کسی کی حیا و شرم کی عبرت ناک داستان

Downloaded From Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

www.paksociety.com

Downloaded From
paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"محبوب بھائی! یہ لیں لسٹ اور جلدی سے سب چیزیں لادیں۔ پلیز جلدی لایئے گا۔ بیس منٹ بعد میرا پیریڈ شروع ہونے والا ہے اور ہاں...... دیکھیے گا میڈم جمیلہ نے مرغ چھولے اور نان لانے کو کہا ہے۔ وہ تو کالج کینٹین میں ملیں گے نہیں اس لیے آپ پہلے کینٹین سے ملنے والا سامان لادیں پھر ان کا لنچ لینے باہر جایئے گا۔" نازک سی جواں سال لیکچرر میڈم سارہ نے ہیون محبوب علی کو ایک فہرست تھمائی اور جلدی جلدی ہدایات جاری کرتی چلی گئی۔ وہ اسٹاف میں سب سے کم عمر لیکچرر تھی اور چند سال قبل ہی اس کی شادی ہوئی تھی۔

"بے فکر رہیے میڈم! میں ابھی گیا اور ابھی آیا۔" محبوب علی نے فہرست کے بعد آگے بڑھائے جانے والے نوٹ بھی تھامے اور مسکرا کر سارہ کو تسلی دی۔ وہ ایک عرصے سے اس کالج میں ملازمت کر رہا تھا اور یہاں ملازمت کرنے والے تدریسی اور غیر تدریسی عملے کے ہر فرد کی عادات واطوار سے واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ سارہ تھوڑی عجلت پسند اور کچھ کچھ بوکھلائی ہوئی فطرت کی مالک ہے اور اسے ہر بات کی ٹینشن ہوجایا کرتی ہے۔ اس نے سارہ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے تیز تیز قدموں سے کینٹین کا رخ کیا اور اپنے ہاتھ میں موجود فہرست کینٹین والے کو تھماتے ہوئے بولا۔ "یار، ذرا جلدی سے سب چیزیں دے دو۔ مجھے باہر بھی جانا ہے۔"

"فکر مت کریں محبوب بھائی، سب سے پہلے آپ ہی کو نمٹاتے ہیں۔ چل شیر باز پہلے میڈم لوگوں کا آرڈر پورا کردے۔" کینٹین والے نے محبوب علی کو تسلی دینے کے ساتھ ہی اپنے اسسٹنٹ کو پکارا اور شیر باز نامی اس نوعمر لڑکے نے واقعی بے حد پھرتی سے وہ سب اشیا ایک بڑے سے شاپر میں رکھ کر محبوب علی کے ہاتھ میں تھمادیں جن میں میڈم سارہ کے علاوہ اس کی دوسری کولیگز کی فرمائشی اشیا بھی شامل تھیں۔ اس کے یہ کام کرنے کے دوران محبوب علی کینٹین کے مالک کو بل ادا کر چکا تھا چنانچہ شاپر ہاتھ میں آتے ہی بھاگتے قدموں سے ڈیپارٹمنٹ واپس پہنچ گیا۔

"تھینک یو محبوب بھائی۔ آپ واقعی بڑے کام کے بندے ہیں۔" میڈم سارہ نے اس سے شاپر وصول کرتے ہوئے خوش دلی سے اس کی کارکردگی کو سراہا۔ محبوب علی کے پاس جواب میں بس ایک عاجزانہ مسکراہٹ ہی تھی۔ اس مسکراہٹ کی جھلک دکھا کر وہ الٹے قدموں پلٹا اور میڈم جمیلہ کی فرمائش پوری کرنے کے لیے کالج کے قریب واقع ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔ کالج کی کینٹین والا تو ترجیحی بنیادوں پر اس کی طلب کردہ اشیائے خورونوش فوراً اس کے حوالے کر دیتا تھا لیکن ہوٹل پر یہ سہولت حاصل نہیں تھی اور اسے عام گاہکوں کی طرح قطار میں لگنا پڑا تھا اس لیے اچھا خاصا وقت لگ گیا۔ وہ واپس کالج پہنچا تو میڈم جمیلہ بے قرار بیٹھی تھیں۔

"اتنی دیر لگا دی محبوب! اتنی شدید بھوک لگ رہی ہے، پتا ہے میں صبح ناشتا کیے بغیر آئی ہوں اور رات میں بھی کچھ موڈ آف تھا تو ٹھیک سے کھانا نہیں کھا سکی تھی۔ اب تو بھوک سے بری حالت ہوگئی ہے۔" میڈم جمیلہ نے خوشبو بکھیرتا شاپر اپنے ہاتھ میں لے کر بے قراری سے کھولتے ہوئے کہا تو محبوب علی بس یوں ہی سر ہلا کر رہ گیا۔ اسے خاک پتا نہیں تھا کہ میڈم جمیلہ کب کی بھوکی ہے البتہ خود اس کی بھوک خوشبو کی لپٹوں کے باعث چمک اٹھی تھی اور زبان مرغ چھولوں اور خستہ نان کے ذائقے کو محسوس کرنے کے لیے بے قرار ہو رہی تھی لیکن وہ میڈم جمیلہ کی طرح اپنی بے قراری کو ظاہر نہیں کرسکتا تھا چنانچہ خود پر قابو پا کر پلٹا اور جلدی سے میڈم جمیلہ کے آگے دھلی دھلائی صاف پلیٹیں رکھ دیں تاکہ وہ اپنا لنچ تناول کرسکیں۔

"ارے بھئی محبوب! آج چائے نہیں ملے گی کیا؟" وہ پلیٹیں رکھ کر پیچھے ہٹ رہا تھا تو سر حامد اسے پکارتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

"کیوں نہیں ملے گی سر! بس پانچ منٹ انتظار کریں۔" اس نے ایک بار پھر مستعدی کا مظاہرہ کیا اور پچ پچ پانچ منٹ میں خوش رنگ وخوشبودار چائے بنا کر لے آیا۔ سر حامد کے علاوہ اس نے اسٹاف روم میں موجود میڈم جمیلہ اور میڈم ترمذی کو بھی چائے پیش کی۔

"محبوب کی چائے کا کوئی مقابلہ نہیں ہے بھئی۔ یہ چائے پی کر ساری تھکن اتر جاتی ہے۔" سر حامد نے چائے کا ایک گھونٹ پیا اور تعریف کرنے لگے۔ محبوب علی نے حسب عادت محض مسکرانے پر اکتفا کیا اور ٹیبل پر سے وہ جھوٹے برتن سمیٹنے لگا جو اس کی غیر موجودگی میں کھاپی کر جانے والے یونہی چھوڑ گئے تھے۔

"سارہ تمہارا حصہ بھی رکھ کر گئی ہے محبوب! وہ اس پلیٹ میں۔" میڈم جمیلہ نے اپنی کرخت آواز میں اسے وہ اطلاع دی جو روزانہ ہی اسے مژدۂ جاں فزا محسوس ہوتی تھی۔ وہ روزانہ بغیر ناشتے کے کالج آتا تھا اور بھاگ بھاگ کر سارے کام انجام دیتے ہوئے اس کی خالی آنتیں

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

دہائیاں دینے لگتی تھیں تو ایسے میں تسلی دینے والا یہ جملہ اسے بہت خوشگوار لگتا تھا۔

"یہ بھی کھا لینا۔" میڈم جمیلہ نے مرغ چھولوں کا بچا ہوا سالن اور آدھا نان بھی اسے عنایت کر دیا۔ بے حد بھوکا ہونے کے باوجود محبوب نے کوئی جلدی نہیں دکھائی اور اپنا سارا کام سمیٹنے کے بعد ملنے والی سوغاتیں لے کر اسٹاف روم سے متصل لیب میں پہنچ گیا۔ ابھی وہاں کوئی پریکٹیکل نہیں ہو رہا تھا اس لیے وہ آرام سے وہاں بیٹھ کر کھا پی سکتا تھا۔

"آپ کا لنچ ٹائم ہو گیا محبوب بھائی۔" جوان العمر لیب اٹینڈنٹ نے اسے اندر آتے دیکھ کر کہا۔

"ہاں بھائی ہو ہی گیا۔ بس یہ دو گھڑی کا وقفہ ہی ہوتا ہے جو ہماری ٹانگوں کو بھی تھوڑا سکون مل جاتا ہے۔" محبوب علی نے ایک اسٹول پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا اور اپنے ہاتھ میں موجود پلیٹیں میز پر رکھ کر ان میں موجود اشیا کا جائزہ لینے لگا۔ آلو کا ایک سموسا، آدھی پیسٹری، تھوڑی سی نمکو، برگر کا چوتھائی حصہ اور ان کے علاوہ میڈم جمیلہ کے عطا کردہ مرغ چھولے اور نان مل کر اس کے صبح سے خالی پیٹ کی تسلی کا کچھ نہ کچھ سامان کر سکتے تھے۔ اس نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا اور آپریٹس سیٹ کرتے لیب اٹینڈنٹ سے مخاطب ہوا۔

"تھوڑا سا چکھ لو سلیم۔ یہ مرغ چھولے کا سالن تو بہت ہی مزے کا ہے۔"

"آپ کھائیں محبوب بھائی۔ میں اپنی امی کے ہاتھ سے بنا انڈے پراٹھوں کا ناشتا خوب ڈٹ کے کر کے آیا ہوں اس لیے پیٹ میں بالکل جگہ نہیں ہے۔" سلیم نے اس کی ترغیب کے باوجود حسب معمول انکار کر دیا۔ اسے یہاں ملازمت کرتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا لیکن محبوب علی نے اس کی عادت و اطوار کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ وہ ایک غیرت مند اور وضع دار لڑکا تھا جس کا تعلق ایک سفید پوش گھرانے سے تھا۔ اس کے والد حیات نہیں تھے اور والدہ اور چار بہن بھائیوں پر مشتمل کنبے کی کفالت اس کی ذمے داری تھی اس لیے وہ اپنی عمر کے دیگر لڑکوں کی طرح نہ تو نت نئے شوق پالتا تھا اور نہ ہی کسی قسم کی فضول خرچی کرتا تھا۔ محبوب نے اتنے دنوں میں اسے کبھی کبھار دی جانے والی چائے کے علاوہ کبھی کچھ کھاتے پیتے نہیں دیکھا تھا۔ یقیناً ذمے داریوں کا بوجھ اسے اپنی ذات پر کچھ خرچ کرنے سے روکتا تھا لیکن تھا غیرت مند اس لیے کبھی محبوب علی کے اصرار پر بھی اس کے ساتھ کھانے پینے میں شریک نہیں ہوا تھا۔ شاید اسے یہ بچی بھی اشیا کھانا برا لگتا تھا۔ اس کے مقابلے میں محبوب علی اس قسم کی غیرت مندی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ چھ بچوں کا باپ تھا اور اس کے بوڑھے والدین بھی اسی کے ساتھ رہتے تھے۔ بیوی بچوں کے علاوہ بوڑھے والدین کی ذمے داریاں نبھانے میں اسے دانتوں پسینا آ جاتا تھا۔ ایک پیون کی تنخواہ ہی بھلا کتنی ہوتی ہے جو دس افراد کا پیٹ ڈھنگ سے بھر سکے۔ وہ تو اس کی بیوی اچھی عورت تھی اور گھر پر لوگوں کے کپڑے سی کر کچھ نہ کچھ رقم کما لیتی تھی تو ان کا گزارہ ہو جاتا تھا۔ گھر کے ڈھیروں کاموں کے ساتھ اس اضافی مشقت کے کرنے پر وہ اپنی بیوی سے تھوڑا شرمندہ رہا کرتا تھا اور اپنی طرف سے اس نے صبح کا ناشتا نہ کرنے کا معمول اپنا کر تھوڑی سی گنجائش پیدا کر دی تھی۔ وہ سوچتا تھا کہ وہ اپنی صبح کی دو روٹیاں چھوڑتا ہے تو وہ گھر کے کسی اور فرد کا پیٹ بھرنے کے کام آ جاتی ہیں اور چھوٹی سی بچت ہو جاتی ہے۔ بچت کی اس تدبیر کا اس نے کبھی کسی کے سامنے اظہار نہیں کیا تھا اور گھر میں یہی کہا کرتا تھا کہ اس کا صبح سویرے ناشتا کرنے کا دل نہیں چاہتا اس لیے خالی پیٹ کالج کے لیے نکل جاتا ہے۔ کالج میں اسے تدریسی اسٹاف کے چٹورے پن کی وجہ سے کچھ نہ کچھ کھانے کو مل ہی جاتا تھا۔ اس "کچھ نہ کچھ" کا معیار اور مقدار اگرچہ ہر دن مختلف ہوتی تھی لیکن اس کا گزارہ بہرحال ہو جاتا تھا۔ آج بھی اس نے اپنے سامنے موجود اشیا کو شکر و صبر کے ساتھ اپنے پیٹ میں منتقل کیا اور پانی کا ایک گلاس پینے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے معلوم تھا کہ اس مختصر سے عرصے میں بھی اس کے نام کی پکاریں پڑنا شروع ہو گئی ہوں گی۔

☆☆☆

"اچھا یار چلتا ہوں۔ آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ باقی کل پڑھیں گے۔" سلیم نے اپنے سامنے رکھی کتاب بند کی اور کامی سے بولا۔ کامران عرف کامی اسکول کے زمانے سے اس کا دوست تھا۔ اس کے والد اچھی مالی حیثیت کے مالک تھے اس لیے وہ ایک پرائیویٹ یونیورسٹی میں اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھا۔ سلیم کے معاشی مجبوریوں کے سبب تعلیم چھوڑ کر ملازمت کر لینے کے باوجود ان کی دوستی کا سلسلہ جاری تھا بلکہ اس نے سلیم کو یہ راہ سجھائی تھی کہ وہ ملازمت کے ساتھ ساتھ آگے تعلیمی سلسلہ جاری رکھ کر اپنے لیے بہتر مواقع پیدا کر سکتا ہے اور اس مقصد کے لیے اس نے اپنی خدمات بھی پیش کر دی تھیں، چنانچہ سلیم شام کے اوقات میں روزانہ اس کے گھر آنے لگا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

روزانہ کی اس ملاقات میں دونوں دوست مل جل کر مطالعہ بھی کرتے تھے اور آپس میں کچھ گپ شپ بھی ہو جاتی تھی۔ کامی جس محلے میں رہتا تھا، وہیں سلیم کے تایا کا گھر بھی تھا۔ سلیم یہاں تک آتا تھا تو کسی کسی دن تایا کے گھر کا چکر بھی لگا لیتا تھا۔ آج بھی اس کا کچھ ایسا ہی ارادہ تھا۔ ''کیا تایا کے گھر جانے کا ارادہ ہے؟'' اس کے جلد کتاب بند کر دینے پر کامی نے اس کا ارادہ بھانپ کر سوال کیا۔

''ہاں۔ کافی دن سے نہیں گیا ہوں۔ سوچ رہا ہوں آج جا کر خیر خیریت معلوم کرلوں۔'' سلیم نے اسے جواب دیا۔

''اچھا چائے تو پی لے۔ ثوبی لے کر آتی ہی ہوگی۔'' کامی نے اپنی چھوٹی بہن کا نام لیا۔

''نہیں یار رہنے دو۔ چائے میں تایا کے گھر ہی پی لوں گا۔ غزالہ بہت اچھی چائے بناتی ہے۔'' سلیم کے تصور میں غزالہ کا سراپا لہرایا تو لبوں پر خودبخود ہی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''یہ بول کہ تجھے اس کے ہاتھ کی چائے اچھی لگتی ہے۔'' کامی نے اسے چھیڑا۔ وہ سلیم کا قریبی دوست ہونے کی وجہ سے اس کے بہت سے رازوں سے بھی واقف تھا۔ اس کے علم میں تھا کہ سلیم اپنی تایا زاد غزالہ کے لیے کیسے جذبات رکھتا ہے۔ اس کے ان جذبات کے پیچھے اس کی دادی کی خواہش بھی کارفرما تھی۔ غزالہ کی پیدائش کے فوراً بعد ہی انہوں نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ اپنی اس پوتی کی شادی اپنے لاڈلے پوتے سلیم سے کریں گی۔ انہوں نے صرف ایک بار اعلان کرنے پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ وقتاً فوقتاً اپنی اس خواہش کو دہراتی بھی رہی تھیں۔ اس لیے سلیم اور غزالہ کے کانوں میں بھی بات پڑ گئی تھی اور وہ بہت نوعمری میں ہی ایک دوسرے کے ساتھ کے خواب دیکھنے لگے تھے۔ سلیم میٹرک کا امتحان دے رہا تھا، اس وقت دادی اس دنیا سے چلی گئیں لیکن ان کی کہی بات سلیم اور غزالہ کے دلوں پر نقش رہی۔ حالات سازگار ہوتے تو شاید اب تک سلیم اور غزالہ کی شادی کا قصہ چھڑ چکا ہوتا لیکن فی الحال ایسی کوئی بات اس لیے نہیں اٹھ سکی تھی کہ سلیم معاشی استحکام کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے میں مصروف تھا۔ بہرحال اسے اطمینان تھا کہ غزالہ اس کی ہے اور وقت آنے پر وہ دونوں ایک دوسرے کے ہو جائیں گے۔ تایا اور ان کے مالی حالات میں خاصا فرق تھا اور وہ چاہتا تھا کہ غزالہ کو اسی وقت بیاہ کر اپنے گھر لائے جب وہ خود معاشی طور پر مضبوط ہو چکا ہوتا کہ وہ سسرال میں اپنے میکے کے مقابلے میں تنگی محسوس نہ کرے۔ یہ صرف اس کی ذاتی خواہش تھی ورنہ غزالہ کا کہنا تو یہی تھا کہ وہ ہر حال میں اس کے ساتھ خوش رہ سکتی ہے۔ تایا اور ان کے گھر والوں کے رویے میں بھی ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ وہ اپنے اور ان کے درمیان موجود فرق کو محسوس کر پاتا۔ تایا سمیت سب ہی اس سے بہت اچھی طرح پیش آتے تھے۔ اس کے گھر والوں سے بھی ان کا رویہ بہت اچھا تھا۔ یہاں تک کہ تائی اور امی کے درمیان جیٹھانی اور دیورانی والی روایتی چپقلش بھی موجود نہیں تھی۔ ان حالات میں وہ اپنے اور غزالہ کے رشتے کے بارے میں پُریقین تھا تو یہ کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا۔ اب بھی کامی کے غزالہ کے حوالے سے چھیڑنے پر ان کے چہرے پر خوشگوار سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ شوخ لہجے میں بولا۔

''تجھے کسی سے محبت ہو جائے تو پھر پوچھوں گا کہ محبوب سے بڑھ کر کچھ کیسے اچھا لگتا ہے؟''

''مجھے تو بھئی معاف ہی رکھو اس جھمیلے سے۔ میں نے یہ عشق و محبت کا روگ پالنے کی کوشش کی تو میرے ابا کان سے پکڑ کر گھر سے نکال دیں گے اور میں اتنے شاندار گھر کی وراثت سے محروم ہونے کی حماقت نہیں کر سکتا۔'' کامی نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگائے۔ جواباً سلیم نے ایک قہقہہ لگایا اور پھر کامی سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔ وہ تایا کے گھر سے کچھ فاصلے پر تھا جب اس نے ان کے گیٹ سے کچھ خواتین کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ خواتین کے چہرے اس کے لیے شناسا نہیں تھے لیکن اس نے ان کے بارے میں زیادہ نہیں سوچا۔ وہ تائی کی جاننے والیاں یا ان کی بہو کے میکے سے تعلق رکھنے والی خواتین ہو سکتی تھیں۔ خواتین گیٹ سے باہر نکلنے کے بعد سامنے ہی کھڑی ایک گاڑی میں سوار ہو رہی تھیں۔ یہ نئے ماڈل کی کلٹس تھی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے مرد کو وہ صحیح طرح نہیں دیکھ سکا البتہ اس نے یہ ضرور دیکھ لیا تھا کہ ان لوگوں کو رخصت کرنے کے لیے تایا اور تائی دونوں بذاتِ خود گیٹ پر موجود ہیں۔ سلیم کے نزدیک پہنچنے تک کلٹس اسٹارٹ ہو کر وہاں سے روانہ ہو چکی تھی۔ تایا جو کلٹس کی روانگی کے بعد گیٹ بند کرنے لگے تھے، یکدم سلیم کو سامنے پا کر ٹھٹک سے گئے اور ان کے چہرے کی رنگت ذرا سی تبدیل ہوئی۔

''السلام علیکم تایا اور تائی! کیسے ہیں آپ لوگ؟'' سلیم نے دونوں میاں بیوی کے انداز میں کچھ عجیب سا محسوس کرنے کے باوجود خوش دلی سے انہیں سلام کرتے ہوئے ان کی خیریت دریافت کی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY

"وعلیکم السلام۔ کیسے ہو بھئی سلومیاں؟ بڑے دن بعد چکر لگایا۔" تایا نے فوراً اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائی اور اسے اس نام سے پکارا جو بچپن میں اس کا نک نیم تھا اور دادی کی وفات کے بعد کوئی اسے اس نام سے پکارنے والا نہیں رہا تھا۔ آج اتنے عرصے بعد تایا کے منہ سے اپنا نک نیم سننا اسے عجیب سا لگا۔ بہرحال اس نے اپنے ہونٹوں کی مسکراہٹ برقرار رکھی اور انہیں اپنی مصروفیت کے بارے میں بتانے لگا۔ باتوں کے دوران وہ لوگ اندر آچکے تھے اور اب وہ تایا اور تائی کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا تایا کے گھر بے تکلفانہ آنا جانا تھا اس لیے یہاں آمد پر کبھی بھی اسے رسمی مہمانوں کی طرح ڈرائنگ روم میں نہیں بٹھایا جاتا تھا۔ وہ آزادانہ پورے گھر میں کہیں بھی آجا سکتا تھا لیکن فی الحال تایا کے کمرے میں بیٹھا تائی کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ وہ اس سے اس کی والدہ کی خیریت دریافت کرنے کے علاوہ اس کی ملازمت اور بہنوں کی تعلیم کے سلسلے میں بھی پے در پے چھوٹے چھوٹے سوالات کرتی چلی جارہی تھیں اور وہ فرماں برداری سے ان کے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے غزالہ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ شاید وہ آج گھر پر موجود نہیں ہے ورنہ اب تک اس کے سامنے آچکی ہوتی۔ نادیہ بھابی نے لوازمات کے ساتھ اس کے سامنے چائے لاکر رکھی تو اس کا شک یقین میں بدلنے لگا۔ اس کے لیے چائے ہمیشہ غزالہ ہی لے کر آتی تھی اور زیادہ تر صرف چائے ہی ہوتی تھی یا پھر اس کے ساتھ کوئی ایک آدھ اسنیک۔ یوں بھری ہوئی ٹرے کبھی اس کے سامنے نہیں رکھی گئی تھی کہ وہ گھر کا فرد شمار ہوتا تھا اور گھر والوں کے لیے بھلا کسی اہتمام کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔ اسے اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ یہ سب کچھ ان مہمان خواتین کے لیے منگوایا گیا ہوگا جو اس کی آمد کے وقت یہاں سے رخصت ہو رہی تھیں۔ اس بار وہ زبان پر سوال آنے سے نہیں روک سکا اور تائی کی طرف رخ کر کے پوچھنے لگا۔

"گھر پر کچھ مہمان آئے ہوئے تھے۔ کون لوگ تھے وہ؟ میں انہیں پہچان نہیں سکا؟"

"میری کچھ جاننے والیاں تھیں۔ تم یہ کیک کھاؤ نا، بہت مزے کا ہے۔" تائی نے سرسری لہجے میں اس کے سوال کا جواب دے کر اس کی توجہ پائن ایپل کیک کی طرف مبذول کروائی تو وہ ایک پیس کاٹ کر اپنی پلیٹ میں رکھنے کے بعد اسے کھانے لگا۔ کیک واقعی مزیدار تھا بلکہ ٹرے میں جتنی بھی چیزیں اس کے سامنے رکھی تھیں، سب ہی بہت اچھی اور معیاری تھیں اور صاف پتا چل رہا تھا کہ کسی مہنگی بیکری سے منگوائی گئی ہیں۔ تایا کے حالات اچھے تھے لیکن تائی تھوڑی سی کنجوس خاتون تھیں اس لیے اس نے کبھی اپنے تایا کے گھر اس قسم کی "فضول خرچی" نہیں دیکھی تھی۔ تائی ہمیشہ فخر سے کہا کرتی تھیں کہ ان کی بچت کی عادت کی وجہ سے ہی یہ ممکن ہوا ہے کہ آج کے دور میں انہوں نے اپنا ذاتی اور وہ بھی اتنا اچھا گھر بنالیا ہے۔ وہ یہ بات بھی برملا کہتی تھیں کہ انہوں نے صرف ایک بیٹے اور بیٹی پر اکتفا کرتے ہوئے اپنے خاوند پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالا اس لیے بھی وہ لوگ ایک خوش حال اور آسودہ زندگی گزار رہے ہیں۔ اس قسم کی سوچ رکھنے والی خاتون نے اگر اپنے گھر آنے والے کسی مہمان کی ایسی خاطر مدارت کی تھی تو یہ بات طے تھی کہ مہمان بہت خاص تھے لیکن اخلاقاً سلیم ان کی بابت زیادہ سوال جواب نہیں کرسکتا تھا چنانچہ کیک سے انصاف کرنے کے بعد چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا۔ پہلے گھونٹ کے ساتھ ہی اسے اندازہ ہوگیا کہ چائے غزالہ نے ہی بنائی ہے۔ غزالہ کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے پیش کیے جانے کا مطلب تھا کہ غزالہ گھر میں ہی موجود ہے لیکن وہ اب تک سامنے کیوں نہیں آئی تھی؟ یہ ایسا سوال تھا جس نے سلیم کو الجھن میں ڈال دیا تھا۔ سامنے نہ آنے کی ایک وجہ جو اسے سمجھ آرہی تھی، وہ یہ تھی کہ شاید غزالہ اس سے کسی بات پر ناراض ہے لیکن کس بات پر؟ یہ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔ چائے پینے کے دوران وہ اس سوال کا جواب ڈھونڈتا رہا لیکن کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور زندگی میں پہلی بار اس نے غزالہ کے ہاتھ سے بنی چائے بے دلی سے ختم کرڈالی۔

"میں ذرا واش روم سے ہو کر آتا ہوں۔" چائے پینے کے بعد وہ بہانہ بنا کر تایا کے کمرے سے باہر نکلا۔ غزالہ اسے کچن میں دکھائی دے گئی۔ وہاں اس کے ساتھ نادیہ بھابی بھی موجود تھیں۔ ان کے سامنے وہ کھل کر کوئی بات نہیں کرسکتا تھا لیکن بات تو کرنی ہی تھی، سو لہجے میں خوشگوار سی حیرت بھرتے ہوئے غزالہ سے مخاطب ہوا۔

"السلام علیکم۔ تم گھر پر ہو غزالہ! میں تو سمجھا تھا کہ تم کہیں گئی ہوئی ہو۔"

"وعلیکم السلام۔" غزالہ نے محض اس کے سلام کا جواب دیا۔ اس کی آواز دھیمی تھی اور اس نے رخ موڑ کر سلیم کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی بلکہ پوری تندہی سے چولہے پر چڑھی ہنڈیا میں چمچہ چلانے میں مصروف رہی تھی۔

"لگتا ہے کچھ خاص پک رہا ہے۔" جب ہی غزالہ بی بی

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

.... کورخ موڑنے کی بھی فرصت نہیں ہے۔'' سلیم کو اس کا رویہ کھلا اور وہ خود کو طنز کرنے سے نہ روک سکا۔

''غزالہ پسندے بنا رہی ہے۔ تمہیں پسند ہیں نا۔ اب رات کا کھانا کھا کر ہی جانا۔'' جواب غزالہ کے بجائے برتن دھوتی نادیہ بھابی نے دیا۔

''آپ نے چائے کے ساتھ ہی اتنا کچھ کھلا دیا ہے کہ اب تو کھانے کی گنجائش ہی نہیں رہی ہے۔'' سلیم نے مسکرا کر نادیہ سے کہا لیکن اس کی توجہ غزالہ کی طرف ہی مبذول رہی۔ وہ غزالہ کو جانتا تھا اور اس کی ایک ایک ادا سے واقف تھا چنانچہ اس نے محسوس کرلیا کہ مسئلہ ناراضی کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔ غزالہ اس سے ناراض ہوتی تو انداز کچھ اور ہوتا، ابھی تو وہ بڑی ست اور تھکی ہوئی سی لگ رہی تھی یوں جیسے کسی بھاری بوجھ تلے دبی ہوئی ہو اور یہ سارے اندازے وہ اس کی پشت پر کھڑے ہو کر اس کی باڈی لینگویج سے لگا رہا تھا۔ غزالہ کا چہرہ اب تک اسے دکھائی نہیں دیا تھا۔

''ابھی تو کھانے میں تھوڑی دیر ہے، تب تک کچھ نہ کچھ گنجائش بن ہی جائے گی۔'' نادیہ نے بھی مسکرا کر اس سے کہا اور آخری پلیٹ دھو کر ریک میں رکھنے کے بعد کپڑے سے ہاتھ خشک کرتے ہوئے بولی۔

''میں ذرا چائے کے برتن سمیٹ کرلے آؤں۔''

''جی بالکل۔'' سلیم نے اسے گزرنے کا راستہ دیا۔

نادیہ کے باہر نکلتے ہی وہ غزالہ کے قریب پہنچا اور بازو سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف پھیرا۔ یہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا کہ غزالہ کی پلکیں بری طرح بھیگی ہوئی ہیں اور ضبط گریہ کی کوشش میں ستواں ناک سرخ ہوگئی ہے۔

''کیا بات ہے غزالہ...... کیا ہوا ہے؟'' اس نے کسی انہونی کے اندیشے سے دہل کر وحشت زدہ لہجے میں پوچھا۔ غزالہ جواب تک اپنے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی، ہچکیوں سے رو پڑی۔

''کچھ تو بولو غزالہ! ایسے تو تم میری جان لے لوگی۔'' غزالہ کے آنسو سیدھے اس کے دل پر گر رہے تھے۔

''میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی سلیم۔ تمہارے بغیر میں مر جاؤں گی۔'' غزالہ نے ہچکیوں کے دوران یہ دو جملے ادا کر کے اس کی تشویش میں مزید اضافہ کر دیا۔

''تم ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو۔ مسئلہ کیا ہے، مجھے بتاؤ تو سہی؟'' اسے اندیشوں اور جھنجلاہٹ نے ایک ساتھ گھیر لیا۔

''امی اور ابو میرا رشتہ کہیں اور طے کر رہے ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے جو لوگ آئے ہوئے تھے، وہ میرے رشتے کے سلسلے میں ہی آئے تھے۔'' غزالہ نے اس کی روح کو لرزا دینے والا انکشاف کیا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ تایا اور تائی دادی کے طے کیے ہوئے ہمارے رشتے کو بھول گئے ہیں کیا؟'' وہ بیک وقت غصے اور بے یقینی کا شکار ہوا۔

''دولت انسان کو سب کچھ بھلا دیتی ہے سلیم۔ امی اور ابو بھی اپنے تئیں میرے بہتر مستقبل کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔'' غزالہ نے اداسی سے بتایا۔

''کیا تم بھی اپنے لیے آسائشوں بھرا بہتر مستقبل چاہتی ہو؟'' سلیم نے ذرا رکھائی سے اس سے دریافت کیا۔

''میں صرف تمہارا ساتھ چاہتی ہوں۔'' غزالہ نے تڑپ کر اس کی بات کا جواب دیا۔

''ٹھیک ہے پھر...... میں امی کو یہاں بھیجتا ہوں۔ وہ اس سلسلے میں تایا اور تائی سے بات کریں گی۔ دیکھتے ہیں کیا نتیجہ نکلتا ہے۔'' سلیم نے کہا اور پلٹ کر سیدھا بیرونی دروازے تک جانے والے راستے کی طرف بڑھ گیا۔ غم و غصے کی شدت کے باعث اس نے روانہ ہوتے ہوئے تایا اور تائی سے ملنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ یہاں تک کہ ٹرے اٹھائے کچن کی طرف آتی نادیہ بھابی سے بھی مخاطب نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

''آج ابا کو دل کے اسپتال لے گئی تھی۔'' رات کے کھانے اور دیگر کاموں سے فراغت پانے کے بعد محبوب علی کی بیوی سکینہ اس کے پاس آکر بیٹھی تو بھی اس کے ہاتھ میں سلائی کے لیے آنے والی ایک قمیص موجود تھی جس کے دامن پر وہ ترپائی کر رہی تھی۔

''کیا کہا ڈاکٹروں نے؟'' محبوب علی نے بیوی کے چہرے کے سنجیدہ تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔

''کہتے ہیں اب دواؤں سے گزارہ نہیں ہو سکتا۔ آپریشن کروانا ہوگا۔'' سکینہ نے اسے بتایا۔

''بائی پاس آپریشن......'' محبوب علی آہستہ سے بڑبڑایا اور فکرمندی سے بولا۔ ''ابا بہت کمزور ہیں۔ اس عمر میں اتنا بڑا آپریشن برداشت کر پائیں گے؟''

''ڈاکٹر کو زیادہ صحیح پتا ہوگا۔ اس نے ابا کی حالت دیکھ کر ہی آپریشن کا مشورہ دیا ہوگا۔'' سکینہ نے دانت سے دھاگا توڑتے ہوئے کہا پھر فکرمندی سے بولی۔ ''سوچنے کی بات یہ نہیں کہ ابا آپریشن کی تکلیف برداشت کر پائیں گے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

www.paksociety.com

یا نہیں، اصل سوچنے کی بات یہ ہے کہ تم اتنے بڑے آپریشن کا خرچ اٹھا پاؤ گے یا نہیں۔ میں نے وہاں اسپتال میں کافی لوگوں سے اس بارے میں معلوم کیا تھا۔ پرائیویٹ اسپتالوں کی طرف جانے کا تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے لیکن سرکاری اسپتالوں میں بھی کچھ کم خرچہ نہیں آئے گا۔ وہاں بھی لاکھوں کی کہانی ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔ میرے ایک دوست کے بڑے بھائی کا پچھلے سال سرکاری اسپتال میں ہی آپریشن ہوا تھا اسی نے ساری معلومات دی ہیں۔''

''کہاں سے آئیں گے... اتنے پیسے......'' اس کی بیوی نے سوال اٹھایا۔

''کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔'' محبوب علی سوچ میں پڑ گیا۔

''کیا کرلو گے تم......؟'' سکینہ نے اسے کھوجتی نظروں سے دیکھا۔

''تو نے پچاس ہزار کی کمیٹی ڈال رکھی ہے نا، وہ کب نکلے گی؟'' محبوب علی نے اس سے پوچھا۔

''تیسرے مہینے میں نکلنے والی ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ نکلے گی تو زینی کے لیے زیور بنوا کر رکھ لوں گی۔ ککڑی کی طرح لمبی ہوتی جارہی ہے۔ دو تین سالوں میں بیاہ کے قابل ہوجائے گی۔'' اس نے محبوب علی کے سوال کا جواب دینے کے ساتھ ہی مستقبل میں ملنے والی رقم کے حوالے سے اپنے منصوبے سے بھی آگاہ کیا۔

''زیور پھر کبھی بن جائے گا۔ ابھی کون سا زینی کی برات دروازے پر کھڑی ہے۔''

''باقی کی رقم کہاں سے پوری کرو گے؟ پچاس ہزار میں تو کچھ نہیں ہونے والا۔'' سکینہ نے اندر ہی اندر جز بز ہوتے ہوئے دریافت کیا۔

''سوچ رہا ہوں اپنے فنڈ میں سے نکلوالوں۔'' محبوب علی کی بات نے سکینہ کو تڑپا کر رکھ دیا۔

''فنڈ میں سے...... تم فنڈ میں سے ابا کے آپریشن کے لیے رقم نکالو گے؟'' اس نے بے یقینی اور صدمے کی کیفیت میں پوچھا۔

''اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی تو نہیں ہے۔'' محبوب علی اپنی بیوی کے جذبات و کیفیات کو سمجھ رہا تھا اس لیے بے چارگی سے بولا۔

''اتنی بڑی رقم نکلوانے کے بعد تمہارے فنڈ میں بچے گا ہی کیا؟ معلوم ہے نا کہ تمہاری ریٹائرمنٹ کے بعد ملنے والے فنڈ کی رقم سے ہم نے کیا کیا کام کرنے کا سوچ رکھا ہے۔ میں دن رات سلائی مشین پر بیٹھ کر اس لیے اپنی آنکھیں پھوڑتی رہتی ہوں کہ جب تک ہاتھ پیروں میں دم ہے، بچیوں کے بیاہ کے لیے کچھ نہ کچھ جوڑ کر رکھ لوں۔ ابھی محنت کر کے بچیوں کے لیے جوڑ لیا تو تمہارے فنڈ کی رقم سے ہم اپنا ڈھنگ کا گھر بنوا سکتے ہیں۔ گھر بن گیا تو تینوں بیٹوں کی شادی کر کے انہیں اپنے ساتھ رکھ سکیں گے اور خود بڑھاپے میں پوتا پوتی کے ساتھ آرام سے رہیں گے ورنہ تو بچے جگہ کی تنگی کی وجہ سے ادھر ادھر کرائے کے گھروں میں جا کر رہنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ انہیں بھی پریشانی ہوگی اور ہمارا بڑھاپا بھی رُل جائے گا۔'' سکینہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس سے وہ پہلے ہی واقف تھا بلکہ اس ساری منصوبہ بندی میں وہ خود بھی سکینہ کے ساتھ شامل رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے سکینہ کتنی محنت کرتی ہے۔ گھر کے ڈھیروں کاموں کے ساتھ سلائی مشین سنبھالنا آسان نہیں تھا۔ کبھی کبھی تو وہ آدھی آدھی رات تک بھی کپڑے سیتی تھی۔ سخت محنت نے اس کی صحت پر بھی اثر ڈالا تھا اور اب وہ کہیں سے بھی وہ سکینہ نہیں لگتی تھی جسے وہ سالوں پہلے بیاہ کر اپنے گھر لایا تھا اور جس کا روپ رنگ دیکھ کر دل ہی دل میں اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتا تھا۔ اس کے گھر میں بسنے اور اس گھر کو چلانے میں سکینہ نے اپنی ہستی کو مٹا دیا تھا۔ وہ اس کی قربانیوں اور محنت کا معترف تھا اور سمجھتا تھا کہ فنڈ کی رقم ابا کے آپریشن پر خرچ کرنے کا مطلب ہوگا سکینہ کی آنکھوں میں سجے خوابوں کو نوچ لینا۔ لیکن وہ اپنے باپ کو بھی تو بغیر علاج کے مرنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

وہ باپ جس نے اسے کڑی محنت و مشقت سے پال کر جوان کیا تھا اور اپنے سارے خواب اور امیدیں اس کی ذات سے وابستہ کرلی تھیں اگر بغیر علاج کے مرجاتا تو وہ اپنے ضمیر کو کیا جواب دیتا۔ اولاد کی محبت میں وہ بوڑھے بے بس باپ کو فراموش تو نہیں کرسکتا تھا۔ یہی بات اس نے سکینہ سے بھی کہی جسے سن کر وہ پل بھر کے لیے چپ ہوگئی پھر سرد لہجے میں بولی۔

''ٹھیک ہے جو تمہارا دل چاہے وہ کرو۔ میں اب کچھ نہیں بولوں گی۔'' اتنی بات کہہ کر وہ کمرے میں رکی نہیں اور ہاتھ میں ترپائی کے لیے موجود قمیص لے کر باہر نکل گئی۔ محبوب علی سمجھ گیا کہ وہ اس کے فیصلے پر دل سے راضی نہیں ہے اور ناراض ہوکر کمرے سے باہر نکلی ہے۔ سکینہ کے اتنے برسوں کے ساتھ میں اسے تجربہ ہوچکا تھا کہ وہ بات بات پر

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

روٹھنے والی عورت نہیں تھی لیکن جب روٹھتی تھی تو اسے منانا مشکل ہوجاتا تھا اور اس وقت تو وہ ایک ایسی بات پر روٹھی تھی کہ وہ اس کو منانے کے سلسلے میں بھی خود کو بے بس پا رہا تھا۔ اپنی اس بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے اس نے تکیے پر زوردار مکا مارا اور پھر بستر پر چت لیٹ گیا۔ نیند اس کی آنکھوں سے روٹھ چکی تھی اور وہ جانتا تھا کہ اب لامحدود مدت تک اسے اسی عذاب میں رہنا ہے۔

☆☆☆

''اگر اس وقت یہاں گلاب کا پھول لاکر رکھ دیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ وہ بھی آپ کے آگے ہار مان جائے گا۔ بنانے والے نے آپ کو بڑی فرصت سے بنایا ہے اور آپ پر وہ بات صادق آتی ہے کہ تو جس رنگ کا کپڑا پہنے، وہ موسم کا رنگ بن جائے۔'' سر حامد نے یہ الفاظ روز پنک کلر کے جدید تراش خراش کے لباس میں ملبوس سارہ کے لیے ادا کیے تھے۔ وہ اس کے عین مقابل بیٹھے ہوئے تھے اور ان کی نظریں سارہ کے وجود پر جمی ہوئی تھیں۔ اتفاق سے اس وقت وہ دونوں اسٹاف روم میں تنہا موجود تھے اور اس تنہائی کا فائدہ اٹھا کر ہی سر حامد نے اتنی بے باکی سے اس کی تعریف میں یہ کلمات ادا کرنے کی جسارت کی تھی۔ سر حامد کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی اور وہ ابھی تک کنوارے تھے۔ سننے میں آیا تھا کہ ان سے چھوٹی چھ عدد بہنیں بھی کنواری بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کی والدہ نے اعلان کر رکھا تھا کہ جب تک بیٹیوں کی شادی سے فارغ نہیں ہوجاؤں، حامد کی دلہن لانے کے بارے میں نہیں سوچوں گی۔ والدہ کے حکم کے آگے مجبور سر حامد کی نفسیات میں تھوڑی سی گڑبڑ ہوگئی تھی اور وہ خواتین کو موقع دیکھ کر گھورنے کے علاوہ ان سے فلرٹ کی کوشش بھی فرماتے رہتے تھے۔ سارہ اسٹاف کی سب سے کم عمر اور خوب صورت فرد ہونے کی وجہ سے زیادہ ہی ان کے نشانے پر رہتی تھی۔ اس وقت بھی اس نے نہایت ناگواری سے ان کے الفاظ سنے اور تیوری پر بل ڈال کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

''آپ کو شاید میرا تعریف کرنا پسند نہیں آیا لیکن کیا کروں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ کوئی خوب صورت شے سامنے آجائے تو خود کو اسے سراہنے سے روک نہیں پاتا۔ میں ذرا حسن پرست فطرت کا مالک ہوں اور آپ تو خالق کی کاریگری کا نہایت عمدہ نمونہ ہیں۔ خوش ذوقی اور عقل مندی آپ کی اضافی خوبیاں ہیں۔ آپ کو اچھی طرح علم ہے کہ کس قسم کا سنگار آپ کی شخصیت کو مزید نکھار بخشے گا اور آپ اپنے حسن کو سنبھال کر رکھنے کے فن سے بھی واقف ہیں۔ شادی کے فوری بعد ماں نہ بن کر بھی آپ نے عقل مندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہمارے ہاں خواتین شادی کے اگلے برس ہی ماں بن جاتی ہیں اور پھر ایسی بھدی اور بے ڈھب ہوجاتی ہیں کہ شوہر کا بیوی کی جانب دیکھنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔'' سارہ کی پیشانی کے بلوں میں مسلسل ہوتے اضافے سے بے نیاز سر حامد اپنی دھن میں بولتے ہی چلے جارہے تھے۔ ان کی چلتی زبان کو اس وقت بریک لگا جب سارہ نے زور سے میز پر ہاتھ مارا اور قدرے بلند آواز میں ان پر برس پڑی۔

''آپ نہایت اِل مینرڈ آدمی ہیں حامد صاحب! آپ کو ذرا تمیز نہیں ہے کہ خواتین سے کس انداز میں گفتگو کرنی چاہیے۔''

''مم...... میں...... تو صرف آپ کی تعریف کر رہا تھا۔'' اس کے ردعمل پر سر حامد بوکھلا گئے۔

''آپ صرف تعریف نہیں کر رہے تھے۔ آپ میرے نجی معاملات کو بھی ڈسکس کر رہے تھے۔'' سارہ شدت سے ماں بننے کی خواہش مند تھی لیکن اس کا شوہر زبیر فی الحال فیملی بڑھانے میں انٹرسٹڈ نہیں تھا۔ شوہر سے اس اختلاف نے سارہ کو ویسے ہی ڈپریشن میں مبتلا کر رکھا تھا۔ سر حامد نے اپنی بے تکی باتوں کے دوران اس موضوع کو بھی چھیڑ دیا تو سارہ کی برداشت جواب دے گئی اور وہ پھٹ پڑی۔

''آپ کو بات کرتے ہوئے اس بات کا بھی خیال نہیں رہتا کہ آپ کوئی کالج بوائے نہیں جو اپنے سامنے آنے والی ہر فیمیل سے فلرٹ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ آپ کو اپنے معزز پیشے کا کچھ تو خیال کرنا چاہیے۔ اگر آئندہ آپ نے اس قسم کی بدتہذیبی کا مظاہرہ کیا تو میں پرنسپل سے آپ کی کمپلین کردوں گی۔'' لال بھبوکا چہرے کے ساتھ سر حامد کی طبیعت صاف کرتی سارہ کی آواز اتنی بلند ہوگئی تھی کہ اسٹاف روم کے باہر اسٹول پر بیٹھے محبوب علی کے کانوں تک بھی پہنچ گئی اور بے ساختہ ہی وہ اندر چلا آیا۔ جس وقت وہ اندر داخل ہوا، سارہ لیکچر کی تیاری کے سلسلے میں لائبریری سے ایشو کروائی ہوئی کتابیں سمیٹ رہی تھی اور اس کا چہرہ دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ بہت خراب موڈ میں ہے۔

''کیا ہوا میڈم! میری مدد کی ضرورت ہے تو بتائیں۔'' محبوب جس بے ساختگی سے اسٹاف روم میں چلا آیا تھا، اسی بے ساختگی کے ساتھ سارہ سے مخاطب ہوا۔

''میڈم سارہ کو کوئی کولڈ ڈرنک وغیرہ لاکر پلاؤ یار!

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ان کا مزاج بہت گرم ہو رہا ہے۔'' سارہ سے پہلے سرحامد بول پڑے جس پر سارہ اور بھی جھنجلا گئی اور غصے سے بولی۔

''اگر کہیں سے غیرت ملتی ہو تو لا کر سرحامد کو پلا دیں۔ شاید یہ سدھر جائیں۔'' اپنی بات کہنے کے بعد وہ اسٹاف روم میں رکی نہیں اور کتابیں سینے سے لگائے پیر پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔

''لگتا ہے صبح شوہر سے جھگڑ کر گھر سے نکلی ہے جو خوامخواہ دماغ گھوما ہوا ہے اور میری معمولی سی بات پر مجھ سے الجھ گئی ہے۔'' سرحامد اپنی بے عزتی پر کھسیا گئے تھے لیکن محبوب کے سامنے اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے خود بھی ذرا جارحانہ لب ولہجہ اختیار کرتے ہوئے سارہ کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے۔ محبوب جواب میں کیا کہتا۔ کئی برس کے ساتھ کی وجہ سے وہ سرحامد کے مزاج سے بھی واقف تھا اور سارہ کے کہے گئے الفاظ بھی اس کے کانوں میں پڑے تھے اس لیے وہ یہ تو سمجھ چکا تھا کہ غلطی سرحامد ہی کی ہے لیکن ان کے سامنے اس بات کا اظہار کرنا اس کی حیثیت سے مطابقت نہیں رکھتا تھا اس لیے کچھ نہ بولا اور موضوع بدلتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''آپ کے لیے چائے بناؤں سر؟''

''بنا دو یار۔ میڈم کریلا نے تو میرا حلق تک کڑوا کر دیا ہے۔ پتا نہیں کس خاندان کی ہے۔ ڈگری لے کر لیکچرر شپ تو کوئی بھی حاصل کر سکتا ہے لیکن تمیز اور تہذیب تو انسان اپنے گھر سے ہی سیکھتا ہے۔ نیچ خاندانوں کے لوگوں کے پاس یہ سب چیزیں کہاں ہوتی ہیں۔'' سارہ کے ہاتھوں اٹھائی گئی بے عزتی نے سرحامد کو بھی جز بز کر دیا تھا اور وہ مسلسل اس کے خلاف کچھ نہ کچھ کہتے جا رہے تھے۔ محبوب علی نے اس بار بھی اپنی خاموش رہنے کی پالیسی کو برقرار رکھا اور چائے بنانے کے لیے باہر نکل گیا۔ دل ہی دل میں وہ سرحامد کی حالت پر بھی افسوس کرتا رہا۔ اسے یاد تھا کہ جب سرحامد نئے نئے اپائنٹ ہو کر اس کالج میں آئے تھے تو کتنی دلکش اور باوقار شخصیت کے مالک تھے اور اسٹاف وطلبہ میں یکساں مقبولیت رکھتے تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان میں یہ بدلاؤ آتا چلا گیا اور اس تبدیلی کی وجہ وقت پر شادی نہ ہو سکنا تھی۔ سننے میں یہاں تک بھی آیا تھا کہ وہ کسی لڑکی کو پسند کرتے تھے۔ لڑکی کے گھر والے انہیں اپنی بیٹی کا ہاتھ دینے کے لیے تیار بھی تھے لیکن وہ اس لامتناہی انتظار کے لیے راضی نہیں تھے جو انہیں سرحامد کی تمام بہنوں کی شادی انجام پانے تک کرنا پڑتا۔ نتیجتاً لڑکی کی شادی کہیں اور ہو گئی اور سرحامد کی شخصیت میں بتدریج تبدیلی آتی چلی گئی۔ سرحامد کی والدہ کو تو شاید اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ کتنی بڑی زیادتی کر بیٹھی ہیں اور ایک اچھے خاصے انسان کی نفسیات کو الجھا دینے کی مجرم ہیں۔

سرحامد کے لیے افسردہ محبوب علی آج کل اپنے مسئلے کی وجہ سے بھی اداس رہنے لگا تھا۔ ابا کا بائی پاس ہونا ضروری تھا اور اس کے پاس رقم کا کوئی انتظام نہیں ہو سکا تھا۔ انتظام کی واحد صورت یہی تھی کہ وہ اپنے فنڈ میں سے رقم نکلوا لیتا لیکن اس کے لیے سکینہ راضی نہیں تھی اور اسے سکینہ کے اعتراضات غلط بھی نہیں لگ رہے تھے لیکن مجبوری یہ تھی کہ وہ باپ کو بھی اس کے حال پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اسے اپنے ماں باپ سے بہت محبت تھی اور وہ کوشش کرتا تھا کہ اس کی ذات سے انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ وہ اب بھی اپنے سر پر ان کے سائے کی ضرورت محسوس کرتا تھا لیکن لگتا تھا کہ اب یہ سایہ اس کے سر پر سے اٹھنے کو ہے۔ بے شک موت کا ایک دن مقرر ہے لیکن اگر ابا علاج نہ کروانے کی صورت میں اپنی جان سے چلے جاتے تو وہ خود کو بھی معاف نہیں کر سکتا تھا۔ سرحامد کے لیے چائے بناتے ہوئے بھی وہ مسلسل اسی مسئلے پر سوچتا رہا۔ مسلسل سوچنے کے باعث اس کے چہرے کے تاثرات سے بھی اس کی اندرونی کیفیت کا اظہار ہونے لگا تھا چنانچہ جب وہ چائے بنا کر سرحامد کے لیے لے گیا تو انہوں نے بھی اس کی کیفیت کو بھانپ لیا اور پوچھنے لگے۔

''کیا بات ہے محبوب، کچھ پریشان لگ رہے ہو؟ گھر میں کوئی مسئلہ ہے کیا؟'' ان کا اتنا پوچھنا ہی کافی ثابت ہوا۔ ذرا سی ہمدردی پا کر محبوب پھٹ پڑا اور اپنا سارہ دکھ کہہ سنایا۔ سرحامد نے اس کی ساری بات غور سے سنی اور ان کے چہرے پر سوچ کے بادل چھا گئے۔ خاموشی کے ایک مختصر وقفے کے بعد انہوں نے اپنے لب کھولے اور بولے۔

''تمہارے ابا کے آپریشن کے لیے میں تمہیں قرض دے سکتا ہوں محبوب۔''

''واقعی سر لیکن اتنی بڑی رقم کا قرض اتارنے میں تو مجھے کافی وقت لگ جائے گا۔'' محبوب علی ایک پل کے لیے تو بہت خوش ہوا لیکن پھر قدرے مایوسی سے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔

''کوئی بات نہیں۔ تم اپنی سہولت سے جب چاہو اور جیسے چاہو قرض اتارتے رہنا۔ ممکن ہوا تو میں تمہیں اس میں سے کچھ رقم معاف بھی کر دوں گا۔'' سرحامد نے اسے نرمی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

سے جواب دیا۔

"بہت بہت شکریہ سر! اس مہربانی کے لیے میں ساری عمر آپ کا شکرگزار رہوں گا۔"

محبوب علی کو تو جیسے کوئی رحمت کا فرشتہ دکھائی دے گیا تھا اور وہ بڑی ممنونیت کے ساتھ سر حامد کو دیکھ رہا تھا لیکن سر حامد کی توجہ اس سے زیادہ اپنے دماغ میں پکتی کھچڑی کی طرف تھی۔ اصل میں وہ سارہ کے ہاتھوں اٹھائی گئی بے عزتی کے احساس میں ڈوبے ہوئے تھے اور کسی طرح اس سے بدلہ لینا چاہتے تھے۔ محبوب کی مدد کا فیصلہ بھی ان سے اسی جذبۂ انتقام نے کروایا تھا۔

"آپ بہت اچھے ہیں سر۔ میں آپ کی اس مہربانی کے لیے ساری عمر آپ کو دعائیں دوں گا۔ ابا اور اماں سے بھی کہوں گا کہ آپ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔" اپنا مسئلہ حل ہوتا نظر آیا تو محبوب علی قطعی طور پر بھول گیا کہ کچھ دیر قبل اس نے سارہ اور سر حامد کے درمیان ہونے والی تند و ترش گفتگو کے چند جملے سننے کے بعد سر حامد کے لیے اپنے دل میں تھوڑی سی ناپسندیدگی محسوس کی تھی۔ وہ تو سرے سے تھوڑی دیر پہلے پیش آنے والے اس واقعے کو ہی بھول گیا تھا لیکن سر حامد کو سب یاد تھا اور وہ بے چین تھے کہ سارہ کو منہ توڑ جواب دے سکیں۔ محبوب علی کی شکل میں انہیں ایک راستہ بھی دکھائی دے گیا تھا چنانچہ محبوب علی کی احسان مندانہ باتوں پر توجہ دیے بغیر ذرا پراسرار لہجے میں اس سے بولے۔

"میں تمہیں رقم دینے کو تیار ہوں محبوب لیکن اس کے لیے میری ایک شرط ہوگی۔"

"کیسی شرط سر؟" محبوب علی کا کھل جانے والا چہرہ مرجھانے لگا۔

"تمہیں میرا ایک چھوٹا سا کام کرنا ہوگا۔" وہ بے حد دھیمی آواز میں اسے اپنا کام بتانے لگے۔

"یہ...... یہ تو بہت خطرناک کام ہے سر۔" محبوب علی ان کا مطالبہ سن کر بدک گیا۔

"کوئی خطرناک کام نہیں ہے یار! بس میں اس نک چڑھی حسینہ کو چھوٹا سا سبق دینا چاہتا ہوں۔" سر حامد نے اسے تسلی دی۔

"پھر بھی سر رسک تو ہے۔ کسی کو خبر ہوگئی تو میری نوکری چلی جائے گی۔" محبوب علی کو شک تھا کہ سر حامد نے اسے جس حد تک اپنے منصوبے سے آگاہ کیا ہے، بات اس سے بھی آگے جاسکتی ہے۔

"میں نے کہا ہے نا کہ ایسا ویسا کچھ نہیں ہوگا۔ اگر کوئی تمہاری طرف انگلی اٹھائے تو تم سارا الزام میرے سر رکھ دینا۔" سر حامد نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے دو چار مزید باتیں کہیں تو محبوب علی کو قائل ہونا ہی پڑا۔ سر حامد کے دلائل سے نہیں اپنی مجبوری کی وجہ سے۔ اس کے ہامی بھر لینے پر سر حامد خوش ہوگئے اور اسی وقت فیصلہ سنا دیا۔

"میں تمہیں دیے گئے قرض میں سے ایک لاکھ روپے معاف کردوں گا۔ بس تم میرا کام صفائی سے کردینا۔"

"آپ اطمینان رکھیں سر۔" محبوب ایک لاکھ کی معافی مل جانے پر خوش ہوگیا۔ جس وقت وہ یہ جملہ ادا کر رہا تھا، میڈم جمیلہ نے اسٹاف روم میں قدم رکھا۔

"اوہ! پیریڈ اوور ہوگیا۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا۔" سر حامد خفیف سے ہوئے۔

"آپ دوسری باتوں کے بجائے اپنی جاب پر زیادہ توجہ رکھیں تو ایسا نہیں ہوگا۔" میڈم جمیلہ نے قدرے کٹیلے لہجے میں ان سے کہا اور پھر فوراً ہی محبوب علی کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

"میرے لیے ایک کپ ذرا اسٹرانگ سی چائے تو بنا دو محبوب۔"

محبوب علی "جی اچھا میڈم" کہتا ہوا تیر کی طرح اسٹاف روم سے باہر نکلا۔ سر حامد کو بھی کلاس میں پہنچنے کی فکر تھی کہ ان کے شعبے کے سربراہ اس معاملے میں بہت سخت تھے، اس لیے وہ میڈم جمیلہ سے ان کے کہے جملے کا مطلب پوچھنے کے لیے وہاں نہ رک سکے۔

"سر حامد سے کیا باتیں ہو رہی تھیں محبوب؟" محبوب علی چائے لے کر میڈم جمیلہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اس سے دریافت کیا۔

"کچھ نہیں میڈم! بس ایسے ہی سر میرا حال احوال معلوم کر رہے تھے۔ مجھ سے بھلا انہیں کیا بات کرنی تھی۔" محبوب علی نے انہیں ٹالا۔

"تم نے سارہ اور سر حامد کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی کیا؟" میڈم جمیلہ نے ذرا رازداری سے اس سے دریافت کیا۔ یقیناً سارہ اسٹاف روم سے نکلنے کے بعد ان کے پاس گئی تھی اور انہیں سارا ماجرا سنا دیا تھا اور اب وہ محبوب سے اس کی تصدیق چاہتی تھیں۔

"نہیں میڈم! میں ان کی اونچی آوازیں سن کر اندر ضرور آیا تھا لیکن ان کے درمیان کس مسئلے پر بحث ہو رہی تھی، یہ مجھے پتا نہیں لگ سکا۔" سر حامد سے طے ہونے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

والے معاملے کے بعد محبوب علی ان کے خلاف کیسے کچھ بول سکتا تھا چنانچہ کنی کترا گیا۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔'' میڈم جمیلہ نے فوراً ہی اس کی بات پر یقین کرلیا اور وہ جان چھوٹ جانے پر تیزی سے ان کے سامنے سے ہٹ گیا۔

☆☆☆

''ذرا ایک گلاس پانی تو پلا دے زرین!'' ناعمہ خاتون نے چارپائی پر بیٹھ کر بیٹی کو آواز لگائی اور اپنے گرد لپٹی بڑی سی چادر کو اتار کر اسی کے ایک پلو سے وہ چہرے پر بہتی پسینے کی بوندوں کو صاف کرتے ہوئے بڑبڑائیں۔

''بڑی گرمی ہے بابا! گھر سے باہر نکلنا عذاب ہو گیا ہے۔'' ان کی واپسی کے انتظار میں جلے پیر کی بلی کی طرح اندر باہر ہوتے سلیم نے ان کے مقابل بیٹھتے ہوئے خاموشی سے یہ تبصرہ سنا اور سوالیہ نظروں سے ان کے چہرے کو تکنے لگا۔ ناعمہ خاتون اس کی نظروں کے سوال کو پڑھ سکتی تھیں لیکن فوری طور پر جواب دینے کی ہمت نہیں تھی ان میں، چنانچہ نظریں چراتی ہوئی پانی کا گلاس لانے والی بیٹی کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

''کھانا بنالیا بیٹا؟'' گلاس تھامتے ہوئے انہوں نے بیٹی سے سوال کیا۔

''جی امی!'' اس نے تابعداری سے جواب دیا۔

''کیا پکایا ہے؟'' انہوں نے پانی کا ایک گھونٹ بھرتے ہوئے بلاوجہ ہی دوسرا سوال کیا۔

''مونگ کی دال پکائی ہے۔ آپ جاتے ہوئے خود ہی تو کہہ کر گئی تھیں۔'' زرین نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس سے یہ بلاوجہ کے سوال جواب کا سلسلہ مہلت حاصل کرنے کی ایک لاحاصل سی تدبیر ہے اور ناعمہ خاتون اپنے اکلوتے بیٹے کی آنکھوں میں تحریر سوال کا جواب دیتے ہوئے ہچکچاہٹ کا شکار ہیں۔

''اگر آپ کہیں تو آپ کے لیے کھانا لے کر آجاؤں؟'' ماں کے سوال جواب سے زرین کو گمان ہوا کہ شاید انہیں بھوک لگی ہے چنانچہ ان سے پوچھنے لگی۔

''نہیں، بھوک نہیں ہے۔ کھانے کے لیے رکنے پر تو وہاں بھائی صاحب اور بھابی بھی بہت اصرار کر رہے تھے لیکن مجھے بھوک ہی نہیں تھی۔ اب بھی نہیں ہے، بس ایسے ہی تم سے پوچھ رہی تھی کہ پتا کروں میرے پیچھے سب کام نمٹا لیے ہیں یا نہیں۔'' ناعمہ خاتون نے اسے جواب دیا اور پانی کا گلاس واپس تھمایا۔ گرمی کا شور مچانے کے باوجود انہوں نے مشکل سے آدھا گلاس پانی ہی پیا تھا۔ اصل میں وہ جس کیفیت کا شکار تھیں، ان کے لیے حلق سے پانی بھی نیچے اتارنا مشکل ہو رہا تھا۔

''آپ نے تایا اور تائی سے بات کی امی! کیا کہا انہوں نے؟'' سلیم مزید صبر نہ کرسکا اور زرین کے پلٹتے ہی ماں سے سوال کرڈالا۔ غزالہ کی زبانی یہ جاننے کے بعد کہ تایا اور تائی اس کا رشتہ کہیں اور طے کرنے جارہے ہیں؛ وہ مسلسل انگاروں پر لوٹ رہا تھا اور اس نے اس سلسلے میں اپنی والدہ ناعمہ خاتون کو تایا اور تائی سے بات کرنے ان کے گھر بھیجا تھا۔

''کیا بتاؤں بیٹا! انہوں نے جو کچھ کہا وہ حقیقت ہی ہے۔ میں نے کوشش تو کی تمہارا مقدمہ لڑنے کی لیکن مجھے خود بھی لگا کہ میرے مقابلے میں ان کے دلائل زیادہ بھاری ہیں۔'' ناعمہ خاتون نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے اسے جواب دیا۔

''کیا مطلب امی! آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں، مجھے صاف صاف لفظوں میں بتائیں؟'' سلیم مزید بے قرار ہوگیا۔

''میں غزالہ کے لیے آئے ہوئے رشتے کے بارے میں بات کر رہی ہوں۔ میرے پوچھنے سے پہلے ہی بھابی نے مجھے اس رشتے کے بارے میں بتادیا۔ لڑکے نے ایم بی اے کیا ہوا ہے اور کسی ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر کام کرتا ہے۔ پیچھے سے بھی خوش حال لوگ ہیں۔ باپ کا گارمنٹس کا کاروبار ہے اور لڑکے کے دوسرے بھائی اپنے باپ کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ ہزار گز کی کوٹھی میں رہتے ہیں وہ لوگ اور ہر بیٹے کے لیے الگ پورشن بنا ہوا ہے۔ ایک بہن ہے، اس کی کئی سال پہلے شادی ہوچکی ہے۔ ہر بیٹا اپنی ذاتی گاڑی کا مالک ہے۔ مرضی سے سب ایک کوٹھی میں رہتے ہیں۔ اگر کوئی بیٹا اپنا الگ گھر بنانا چاہے تو ماں باپ کو اس پر اعتراض نہیں ہوگا۔ غزالہ کو بھابی کے جاننے والوں میں سے کسی کی شادی میں دیکھ کر لڑکے نے خود پسند کیا ہے، یوں رشتے کا سلسلہ چلا ہے۔ بھابی نے نہایت صاف گوئی سے مجھے بتایا کہ رشتہ اتنا عمدہ ہے کہ سلیم اور غزالہ سے متعلق اماں کی خواہش ذہن میں ہونے کے باوجود وہ لوگ سوچ میں پڑ گئے اور دونوں میاں بیوی کئی دن تک آپس میں اس بارے میں بحث کرتے رہے اور آخر میں یہ نتیجہ نکلا کہ قسمت سے آنے والا یہ رشتہ تمہارے مقابلے میں بہت بہتر ہے۔ تم ابھی تک خود اپنے قدموں پر اچھی طرح کھڑے نہیں ہوسکے ہو اور تم پر بہنوں کی ذمے داریوں کا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بھی بوجھ ہے۔ تمہارے ساتھ یہ ساری ذمے داریاں نبھاتے ہوئے غزالہ حالات کی چکی میں پس کررہ جائے گی جبکہ دوسری طرف ایک پُرتعیش زندگی اس کی منتظر ہے اور انہوں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کے لیے ایک بہترین زندگی کے انتخاب کا موقع ضائع نہیں کریں گے۔'' ناعمہ خاتون نے اسے تفصیل سے سب بتا ڈالا۔

''بہت بڑی غلطی کررہے ہیں تایا اور تائی۔ انہیں اندازہ نہیں ہے کہ دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔ کوئی غزالہ کو ہیروں اور موتیوں میں تول دے، تب بھی وہ میرے بغیر خوش نہیں رہ سکتی۔'' ساری بات سننے کے بعد سلیم تڑپ کر بولا۔

''اس بات کا میں نے بھی انہیں احساس دلانے کی کوشش کی تھی اور دلیل دی تھی کہ دونوں بچے اتنی کچی عمر سے ایک دوسرے سے وابستہ ہیں کہ اب انہیں ایک دوسرے سے الگ کرنا ان کے ساتھ ظلم ہوگا۔ لڑکی ہونے کے ناتے غزالہ تو خاص طور پر اس قسم کی صورت حال کو برداشت نہیں کرسکے گی لیکن انہوں نے میری یہ دلیل نہیں مانی۔ ان کا کہنا ہے کہ اتنی چاہت سے غزالہ کا ہاتھ مانگنے والا جب اسے پھولوں کی طرح رکھے گا اور وہ ہر طرح کی آسائش کے ساتھ زندگی گزارے گی تو اسے سلیم سے اپنا تعلق یاد بھی نہیں رہے گا۔ مشرقی لڑکیاں یوں بھی شوہر پرست ہوتی ہیں اور شادی کے بعد شوہر کے سوا کسی اور کے بارے میں سوچنے کو گناہ سمجھتی ہیں۔''

''تایا اور تائی اپنی بیٹی کو مجھ سے بہتر نہیں جانتے امی! میں جانتا ہوں کہ اگر اسے زبردستی کسی اور سے بیاہنے کی کوشش کی گئی تو وہ اپنی جان سے گزر جائے گی۔ اس نے خود مجھ سے یہ بات کہی ہے۔'' سلیم کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کس طرح تایا اور تائی کے فیصلے کو غلط قرار دے سکے۔

''اچھی بات منہ سے نکالو بیٹا! اللہ نہ کرے کہ ایسا کچھ ہو۔ اولاد میں ماں باپ کی جان ہوتی ہے اور وہ اپنے حساب سے اپنی اولاد کے لیے اچھا ہی سوچتے ہیں۔'' ناعمہ خاتون نے اسے ٹوکا۔

''کسی کی زندگی کا فیصلہ اس کی مرضی کے بغیر کرڈالنا سب سے بڑا ظلم ہے۔ تایا اور تائی اگر سمجھتے ہیں کہ وہ غزالہ کے ساتھ کوئی بھلائی کررہے ہیں تو یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں اور ایک دوسرے سے جدا ہوکر کسی صورت زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہمیں اگر زبردستی جدا کرنے کی کوشش کی گئی تو ہم ہر حد سے گزر جائیں گے۔ ساتھ جینے کا موقع نہیں ملا تو ساتھ مرنا ہمیں قبول ہوگا۔ آپ خود بھی یہ بات سمجھیں اور تایا اور تائی کو بھی سمجھائیں۔'' متحمل مزاج سلیم کے مزاج کا یہ رنگ کبھی ناعمہ خاتون نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ سلیم اپنی کہہ کر چلا بھی گیا اور وہ جہاں کی تہاں بیٹھی دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆☆

تیز تیز قدموں سے چلتے رضا کمال نے کارپورٹیکو سے کوٹھی کے مرکزی دروازے تک کا فاصلہ طے کیا تو ان کا داماد زبیر ان کے استقبال کے لیے وہاں موجود تھا۔ اس کے چہرے پر شدید پریشانی اور تفکر کے تاثرات تحریر تھے اور وہ خاصا بکھرا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

''سارہ کا کچھ پتا چلا زبیر! اس سے تمہارا کوئی رابطہ ہوا؟'' رضا کمال جو خود بھی خاصے پریشان اور گھبرائے ہوئے تھے، اس کے قریب پہنچتے ہی اس سے پوچھنے لگے۔

''نہیں انکل! اس کا موبائل مسلسل آف جارہا ہے۔ میں نے اس لیے آپ کو فون کرکے اس کے بارے میں پوچھا تھا کہ شاید وہ کالج سے سیدھی آپ کی طرف چلی گئی ہو یا پھر اس نے آپ سے کوئی رابطہ کیا ہو۔'' زبیر نے ان کی بات کا جواب دیا۔

''ایسا کچھ نہیں ہوا۔ میری اس سے دو دن پہلے بات ہوئی تھی اور اس نے کہا تھا کہ وہ چھٹیوں میں میرے پاس رہنے آئے گی تاکہ زارا بھی اپنے بچوں کے ساتھ آسکے اور دونوں بہنیں اکٹھی کچھ دن گزار سکیں۔'' رضا کمال نے پریشانی سے اپنی پیشانی کو مسلا۔

''مجھے بھی اس نے اپنے اس پروگرام کے بارے میں بتایا تھا اور کیونکہ کل سے چھٹیوں کا آغاز ہورہا ہے تو میں سمجھا کہ شاید وہ کالج سے سیدھی آپ کی طرف چلی گئی ہے۔'' زبیر ان سے کہہ ہی رہا تھا کہ اس کے پیچھے دروازہ کھلا اور اس کے والد باہر نکلے۔

''یہاں کھڑے ہوکر باتیں کرنا مناسب نہیں ہے زبیر! رضا بھائی کو اندر بلا کر آرام سے بٹھاؤ۔'' انہوں نے بیٹے کو ٹوکا تو اسے احساس ہوا۔

''اوہ ہاں انکل۔ پلیز آپ اندر آئیے۔ اصل میں پریشانی کی وجہ سے میرا دماغ ٹھیک کام نہیں کررہا ہے اس لیے مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ آپ کو اندر لے جاکر بٹھاؤں۔'' اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا اور پھر تینوں حضرات چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔

''مجھے زبیر نے سارہ کے غیاب کے بارے میں بتایا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کل رات دونوں کے درمیان طے ہوا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

تھا کہ زبیر کالج سے سارہ کو پک کرے گا اور دونوں سیدھے شاپنگ کے لیے چلے جائیں گے۔ سارہ میکے جانے سے پہلے زارا اور اس کی بچیوں کے لیے کچھ گفٹس لینا چاہتی تھی۔ زبیر نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ لنچ ٹائم میں اپنے آفس سے اٹھ جائے گا لیکن اتفاق یہ ہوا کہ صبح ناشتے کے وقت دونوں میاں بیوی کے درمیان کسی بات پر جھڑپ ہوگئی اور دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہو کر اپنی اپنی جاب پر روانہ ہو گئے لیکن اس کے باوجود زبیر، سارہ سے کیا ہوا وعدہ نہیں بھولا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ لنچ ٹائم میں آفس سے نکل جائے گا۔ اتفاق سے یہ ایک میٹنگ میں پھنسنے کی وجہ سے ٹھیک ٹائم پر نہیں نکل سکا۔ اس نے سارہ کو فون کر کے اطلاع دینے کی کوشش کی لیکن اس کا موبائل آف جا رہا تھا۔ زبیر ایک ڈیڑھ گھنٹے کی تاخیر سے سارہ کے کالج پہنچا لیکن گیٹ پر موجود چوکیدار نے اطلاع دی کہ کوئی موجود نہیں ہے اور تمام اسٹاف جا چکا ہے۔ اس نے سوچا کہ سارہ بھی گھر آگئی ہوگی لیکن یہ گھر پہنچا تو وہ گھر پر بھی نہیں تھی۔ اسے لگا کہ شاید وہ ناراضی میں یہاں آنے کے بجائے سیدھی میکے چلی گئی ہے اور یہ بات اسے بھی اچھی نہیں لگی اس لیے سارہ سے رابطہ کرنے کے بجائے خود بھی خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ دو تین گھنٹے بعد اس کے موبائل پر ایک میسج آیا جو بہت پریشان کن تھا چنانچہ اس نے مجھے اس سے آگاہ کیا اور میرے مشورے پر آپ سے رابطہ کر کے آپ کو یہاں بلوالیا۔ ابھی اس واقعے کے بارے میں گھر کے کسی اور فرد کو معلوم نہیں ہے۔ سارہ آپ کی بیٹی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے سلسلے میں کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے ہمیں آپ سے مشورہ ضرور لینا چاہیے۔ زبیر بیٹا! رضا بھائی کو وہ میسج پڑھواؤ۔'' زبیر کے والد سبحان صاحب نے رضا کمال کو ساری تفصیلات سے آگاہ کیا اور آخر میں خاموش بیٹھے زبیر سے مخاطب ہوئے۔

زبیر نے اپنے موبائل کا ان باکس کھول کر رضا کمال کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہاں کسی ان نون نمبر سے آیا پیغام ان کے سامنے موجود تھا۔

''سارہ ہمارے پاس ہے۔ پولیس سے رابطہ نہ کرنا۔'' ان دو مختصر جملوں میں گویا پوری کہانی درج تھی۔ اغوا برائے تاوان کی وارداتیں اب کسی کے لیے اجنبی نہیں رہی تھیں۔ لوگ ذرا سے اشارے پر بھی سمجھ جاتے ہیں کہ ان کے ساتھ کیا حادثہ پیش آ چکا ہے۔ رضا کمال بھی سمجھ گئے اور انہوں نے اپنا سر تھام لیا۔

''حوصلے سے رضا بھائی۔ سارہ آپ کی ہی نہیں میری بھی بیٹی ہے۔ اس کی باحفاظت واپسی کے لیے جو کچھ ہو سکا، میں ضرور کروں گا۔'' سبحان صاحب نے ان کے برابر میں بیٹھتے ہوئے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

''پریشان نہ ہوں تو کیا کروں سبحان بھائی۔ سارہ اور زارا میری کل کائنات ہیں۔ ان کی ماں کے گزرنے کے بعد میں نے کس جدوجہد سے دونوں بچیوں کو سنبھالا اور ان کے گھروں کا کیا، یہ میں ہی جانتا ہوں۔ دونوں کو ان کے گھر کا کرنے کے بعد میں مطمئن تھا کہ میں نے اپنی ذمے داری ادا کر دی، بس اب ان کی خوشیاں دیکھوں گا اور نواسوں نواسیوں کو دیکھ دیکھ کر جیوں گا لیکن لگتا ہے ابھی میرا امتحان ختم نہیں ہوا ہے۔'' رضا کمال کا لہجہ دکھ اور بے بسی کا غماز تھا۔

''اتنے دل برداشتہ نہ ہوں رضا بھائی۔ اللہ نے امتحان میں ڈالا ہے تو اس امتحان میں سرخ رو بھی کرے گا اور ان شاءاللہ جلد ہماری بیٹی ہمارے درمیان ہوگی، بس اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ان حالات میں ہماری حکمتِ عملی کیا ہونی چاہیے۔'' سبحان صاحب نے انہیں دلاسا دینے کے ساتھ ساتھ درپیش مسئلے سے نمٹنے کی طرف بھی متوجہ کیا۔

''مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ کہیں کسی نے ہمارے ساتھ مذاق تو نہیں کیا ہے؟'' رضا کمال کا دماغ صورت حال کو قبول کرنے سے انکاری تھا۔

''نہیں، یہ مذاق نہیں ہو سکتا۔ سارہ کبھی بھی ایسے بے ہودہ تکلیف دہ مذاق کا حصہ نہیں بن سکتی۔ وہ بہت باشعور لڑکی ہے۔'' زبیر نے فوراً ان کے خیال کی مخالفت کی۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ تو بس میں اپنے دل کی تسلی کے بہانے تلاش کر رہا ہوں۔'' رضا کمال کے لہجے میں تھکن سی تھی۔

''ہمیں حقیقت کو قبول کر کے اس مسئلے کو دیکھنا ہوگا انکل۔ سارہ آپ کی بیٹی ہے تو میری بھی بیوی ہے اور میں اس کی گمشدگی پر آپ سے کم پریشان نہیں ہوں۔ میرا تو اس وقت سب کچھ داؤ پر لگا ہوا ہے۔'' زبیر تھوڑا سا چڑچڑا ہوا۔

''زبیر...... آرام سے بیٹا۔ ہمیں بہت ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اس معاملے کو ہینڈل کرنا ہوگا۔ یہ سارہ کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔'' سبحان صاحب نے فوراً بیٹے کو ٹوک کر صورت حال کا احساس دلایا۔

''مجھے معلوم ہے ابو اور اسی لیے میں ٹینشن میں ہوں۔'' زبیر نے اپنے سر کے بال مٹھی میں دبوچے۔

''میرے دو تین شاگرد پولیس میں اچھی پوسٹ پر ہیں۔ کیا خیال ہے میں ان میں سے کسی سے رابطہ کر کے دیکھوں؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

رضا کمال کو بالآخر ایک راستہ دکھائی دے ہی گیا۔

''پولیس سے رابطہ کرنے سے منع کیا ہے ان لوگوں نے۔'' سبحان صاحب نے انہیں یاد دلایا۔

''ہم خفیہ طور پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔ میں کہوں گا تو میرے جاننے والے افسران پوری احتیاط کریں گے اور کسی صورت خبر لیک آوٹ نہیں ہوگی۔'' رضا کمال پُریقین تھے۔

''رہنے دیجیے انکل، پولیس کی کارکردگی کا سب کو اچھی طرح پتا ہے۔ پولیس سے رابطہ کرنے کا مطلب ہوگا سارہ کی زندگی کو خطرے میں ڈالنا اور میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔ فرض کیا کہ وہ افسران بہت قابل ہیں اور اس کیس کو حل کرلیں گے تب بھی میرے کچھ تحفظات ہیں۔ میں اس بات کو کسی کے علم میں نہیں آنے دینا چاہتا کہ میری بیوی اغوا ہوئی ہے۔ یہ بات اوپن ہوگئی تو لوگوں کے ذہنوں میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہوں گے اور سارہ کی واپسی کے بعد میرے لیے اس کے ساتھ نارمل لائف گزارنا مشکل ہوجائے گا۔'' زبیر کا لہجہ تلخ تھا۔ رضا کمال کے ہونٹوں پر قفل پڑ گیا۔ وہ ایک قانون پسند اور اصولوں پر چلنے والے آدمی تھے لیکن زبیر کے الفاظ نے انہیں احساس دلایا کہ اگر انہوں نے اپنی ان صفات کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تو سارہ کے حال کے ساتھ ساتھ مستقبل بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔

''زبیر اپنی جگہ ٹھیک کہہ رہا ہے رضا بھائی۔ مرد کی فطرت کو آپ بھی سمجھتے ہیں۔ بیوی کے معاملے میں سب پوزیسیو ہوتے ہیں۔ عورت چند گھنٹے بھی کسی غیر مرد کے ساتھ گزار آئے تو عمر بھر کے لیے شک میں پڑ جاتا ہے۔ میرا بیٹا اتنا گرا ہوا نہیں ہے کہ بے قصور ہوتے ہوئے بیوی کو سزا دے لیکن اس کی یہ خواہش تو بالکل جائز ہے کہ مستقبل میں کوئی اس کی بیوی پر انگلی نہ اٹھانے پائے۔ صورت حال کی اس نزاکت کی وجہ سے ہی ہم نے گھر میں کسی اور کو اس بات کا علم نہیں ہونے دیا ہے۔ اس معاملے کی خبر صرف ہم تین افراد کو ہے اور مزید کسی کو علم نہ ہو یہی بہتر ہے۔'' سبحان صاحب نے بیٹے کی حمایت کرتے ہوئے نرم لہجے میں رضا کمال کو سمجھایا۔

''جیسا آپ لوگ مناسب سمجھیں۔ مجھے تو سب سے زیادہ اپنی بیٹی کی فکر ہے کہ وہ زندہ سلامت واپس آجائے۔ اس کی واپسی کے لیے آپ لوگ جو بھی قدم اٹھائیں گے، میں آپ کا ساتھ دوں گا۔'' رضا کمال کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔

''پیغام سے واضح ہے کہ سارہ کو کسی نے اغوا کیا ہے اور یقیناً کسی نہ کسی مقصد سے ہی اغوا کیا ہوگا۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ اس کی واپسی کے لیے ہم سے تاوان طلب کیا جائے گا اس لیے بہتر ہے کہ ہم ذرا صبر سے اغوا کاروں کے اگلے پیغام یا فون کال کا انتظار کریں۔'' سبحان صاحب نے مسئلے کا جو سیدھا سادہ حل پیش کیا، اس کے سوا کوئی دوسرا حل نظر بھی نہیں آرہا تھا۔ اس لیے رضا کمال کو بھی اتفاق کرنا پڑا۔

☆☆☆

محبوب علی نے کالج کے گیٹ کی طرف قدم بڑھائے تو اس کے قدم بوجھل تھے اور وہ یوں چل رہا تھا جیسے منوں وزن اٹھا رکھا ہو حالانکہ قمیص کے نیچے موجود صدری میں رکھے گئے نوٹوں کا وزن اتنا زیادہ بھی نہیں تھا کہ چلنا مشکل ہوجائے، ہاں ضمیر کے بوجھ کی بات الگ تھی۔ ساری زندگی رزق حلال کمانے اور دوڑ دوڑ کر خدمتیں کرنے والے محبوب علی نے ایک ایسے کام کی قیمت وصول کی تھی جسے کرنے کے بارے میں وہ عام حالات میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ صاف ستھری زندگی گزارنے والا ایک سیدھا سادہ بندہ تھا لیکن حالات کی ستم ظریفی اسے ایسے مقام پر لے آئی تھی کہ وہ اپنے ضمیر کے خلاف کام کرنے پر بھی راضی ہوگیا تھا۔ اما کی بیماری کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ ہرگز سرحامد کی سازش میں شریک نہ ہوتا جو سارہ کے ہاتھوں اٹھائی جانے والی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے اسے بھی بے عزت کرنے پر تل گئے تھے۔

''کیا بات ہے محبوب بھائی! آج زیادہ ہی تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔ لگتا ہے آخری دن کچھ زیادہ ہی خدمت لے لی میڈم لوگوں نے۔'' کالج کے گیٹ پر ڈیوٹی دیتے چوکیدار نے نام لے کر اسے مخاطب کیا تو اپنی دھن میں باہر کی طرف جاتا محبوب علی ٹھٹک کر رک گیا اور یوں ہی ایک بے معنی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجالی۔

''تمہاری ہمت ہے محبوب بھائی جو سارہ دن دوڑیں لگاتے رہتے ہو۔ تمہیں ان استادوں اور استانیوں کے ہاتھوں تگنی کا ناچ ناچتے دیکھتا ہوں تو اپنی نوکری اچھی لگتی ہے۔ سارہ دن مزے سے کرسی پر بیٹھ کر ڈیوٹی دیتا رہتا ہوں۔ مرضی ہوئی تو کھڑا بھی ہوجاتا ہوں۔ کسی کی خدمت کرنی بھی ہوئی تو بس اتنی کہ گاڑی میں آنے والے استادوں کے لیے دوڑ کر گیٹ کھول دیا۔ باقی سب چین ہی چین ہے۔'' چوکیدار نے اس سے اظہار ہمدردی کیا۔

''کیا کہوں یار! میری ڈیوٹی ہی ایسی ہے۔ میں پیون ہوں پیون اور پیون کا کام ہی حکم پر دوڑیں لگانا ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے ٹی وی پر ایک پروگرام دیکھ رہا تھا۔ پروگرام

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کے میزبان نے بتایا کہ چپون کا لفظ اصل میں پیڈ آن تھا۔ پیڈ کہتے ہیں پیروں کو اور چپون اصل میں وہ بندہ ہوتا ہے جو اپنے پیروں پر دوڑ دوڑ کر خدمت بجالاتا رہتا ہے تو بس میں بھی دوڑیں لگاتا رہتا ہوں۔'' محبوب علی نے یاسیت سے چوکیدار کی بات کا جواب دیا تو اسے محسوس ہوا کہ آج محبوب علی کا مزاج کچھ ٹھیک نہیں ہے ورنہ تو وہ اس لب و لہجے میں بات کرنے والا بندہ نہیں تھا اور ہر دم ہنستا مسکراتا رہتا تھا۔

''کیا بات ہے محبوب بھائی! سب خیریت تو ہے؟ تم کچھ اداس لگ رہے ہو۔'' چوکیدار کی آتے جاتے محبوب علی سے اچھی علیک سلیک تھی چنانچہ اس کی کیفیت محسوس کر کے وہ فوراً سنجیدگی سے دریافت کرنے لگا۔

''خیریت نہیں ہے یار۔ ابا کی طبیعت بہت خراب ہے۔ دل کا مسئلہ ہوگیا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے بائی پاس آپریشن کروانا ہوگا بس اسی لیے پریشان ہوں۔'' محبوب علی نے اسے بتایا۔

''اوہو۔ یہ تو واقعی پریشانی کی بات ہے، پر تم ٹینشن مت لو۔ اللہ بہتری کرے گا۔ ہم غریبوں کا تو وہی سہارا ہے۔ تم بتاؤ کب ہے آپریشن؟ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور بولنا۔'' چوکیدار کے لہجے میں ہمدردی اور خلوص تھا۔

''ابھی ڈاکٹر نے تاریخ نہیں دی ہے۔ ہوسکتا ہے آج دے دے۔ میں یہاں سے سیدھا اسپتال ہی جارہا ہوں۔ تم دعاؤں میں یاد رکھنا۔'' چوکیدار کو جواب دیتے ہوئے محبوب علی کو گویا خود بھی یاد آگیا کہ اسے اسپتال پہنچنا ہے چنانچہ عجلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوگیا۔ چھٹیوں کے آغاز سے پہلے وہ کالج کا آخری دن تھا اس لیے اسے نکلنے میں خاصی تاخیر ہوگئی تھی۔ بھوک بھی شدید لگ رہی تھی لیکن گھر جاکر کھانا کھانے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ پہلے رقم لے کر اسپتال پہنچ جائے پھر وہیں کینٹین سے کچھ لے کر کھالے گا۔ اصل میں کل ابا کی طبیعت بگڑ گئی تھی اور انہیں ایمرجنسی میں اسپتال لے جانا پڑا تھا۔ جہاں انہیں داخل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ تنبیہ کردی گئی تھی کہ ان کا جلد از جلد آپریشن ناگزیر ہے ورنہ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ ابا کی حالت کو دیکھتے ہوئے اس نے سر حامد کو فون کر کے ان سے رقم کے سلسلے میں بات کرلی تھی اور وہ حسب وعدہ آج رقم اس کے حوالے کرچکے تھے۔ اب اسے یہ رقم اسپتال میں جمع کرواکر ابا کے آپریشن کے لیے تاریخ لینی تھی۔ دو بسیں بدل کر اسپتال پہنچنے میں اسے تقریباً سوا گھنٹا لگ گیا تھا۔ اسپتال پہنچتے ہی اس کا سب سے پہلے سکینہ سے سامنا ہوا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا اور دور سے ہی پریشانی پڑھی جارہی تھی۔ وہ صبح محبوب علی کی کالج روانگی کے وقت اسپتال پہنچی تھی۔ آج کالج کا آخری دن نہ ہوتا اور اسے سر حامد سے رقم نہ لینی ہوتی تو وہ کالج سے چھٹی کرلیتا لیکن مجبوری کی وجہ سے سکینہ کو ابا کے پاس ٹھہرا کر خود چلا گیا تھا۔

''خیریت نہیں ہے۔ گھنٹا بھر پہلے ابا کی حالت بگڑ گئی۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ انہیں دورہ پڑا ہے۔ وہ لوگ ابا کو اندر لے گئے ہیں۔ مجھے کوئی کچھ نہیں بتا رہا۔ میں نے کالج کے نمبر پر تمہیں فون کیا تھا پر تم سے بات نہیں ہوسکی۔ فون اٹھانے والے نے بتایا کہ تم نکل گئے ہو۔ میں یہی دعا کر رہی تھی کہ تم جلدی سے پہنچ جاؤ۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ نرس نے دواؤں کی پرچی لاکر دی تھی۔ بہت مہنگا انجیکشن تھا۔ اسے لاکر دینے کے بعد میرے پاس روپے بھی ختم ہوگئے۔ میں پریشان ہورہی تھی کہ اگر کوئی اور دوا لانے کو کہا تو کیسے لاؤں گی۔'' سکینہ نے اس کے پوچھتے ہی بتانا شروع کردیا۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' محبوب علی نے صرف اتنا کہا اور آگے بڑھ گیا لیکن اس کے دیکھنے اور کرنے کو کچھ باقی نہیں بچا تھا۔ ڈاکٹروں کی ساری تدبیروں کے باوجود ابا زندگی کی بازی ہار چکے تھے۔ محبوب علی نے کیسے ان کی میت گھر لانے اور پھر انہیں ان کی آخری آرام گاہ تک پہنچانے کے مراحل طے کیے، یہ بس وہی جانتا تھا۔ ابا کا اتنی اچانک اور وہ بھی ایسے موقع پر جب وہ اپنے تئیں ان کی زندگی بچانے کا بندوبست کرچکا تھا، چھوڑ کر چلے جانا اس کے لیے ناقابلِ یقین تھا۔ وہ منوں مٹی تلے چھپ گئے تب بھی اس کی بے یقینی برقرار رہی۔

''چلو محبوب! گھر چلتے ہیں۔'' مرنے والے کی آخری رسوم کی ادائیگی کے بعد جب وہ یوں ہی قبر کے سرہانے بیٹھ کر مٹی پر ہاتھ پھیر رہا تھا تو خاندان کے ایک بزرگ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس سے کہا۔

''آپ لوگ جائیے چچا جان۔ میں کچھ دیر یہیں رکوں گا۔'' اس نے انہیں جواب دیا۔

''صبر سے کام لو بیٹا۔ ہم سب کو ہی ایک دن جانا ہے۔ تم جتنا کرسکتے تھے تم نے اپنے باپ کے لیے کیا۔ میری کچھ دن پہلے ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ تمہاری خدمت گزاری کی بہت تعریف کررہے تھے۔ تم نے اپنا فرض ادا کردیا، اب اللہ کی رضا میں راضی ہوجاؤ۔'' وہ بزرگ اسے سمجھانے لگے اور ایک بار پھر گھر واپس چلنے پر

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

زور دیا۔

''میں نے کہا نا کہ میں تھوڑی دیر میں آجاؤں گا۔ آپ لوگ جائیں۔'' محبوب علی کے لہجے میں قطعیت تھی۔ وہ بزرگ چپ ہوگئے پھر ذرا توقف کے بعد بولے۔

''جیسی تمہاری مرضی۔ ہم سب چلے جاتے ہیں۔ یہاں توفیق رک جائے گا، تم اس کے ساتھ چلے آنا۔'' انہوں نے اپنے بیٹے کا نام لیا۔

''توفیق کو بھی لے جائیں۔ میں کچھ وقت ابا کے ساتھ تنہا رہنا چاہتا ہوں۔'' محبوب علی کا لہجہ خاصا روکھا تھا۔ ان بزرگ سمیت کسی نے مزید کچھ کہنے کی ہمت نہیں کی اور سب وہاں سے روانہ ہوگئے۔ ان میں سے زیادہ تریوں بھی رسمِ دنیا نبھاتے کے لیے آئے ہوئے تھے اور سب کو جلد از جلد فارغ ہو کر اپنے گھروں کو لوٹنے کی فکر تھی۔ عشا کے وقت ہونے والی تدفین میں شرکت کرنا دن بھر کے معمولات سے تھکے ہوئے افراد کے لیے ویسے ہی ایک بوجھل عمل تھا۔ سب کے جانے کے بعد محبوب علی ابا کی قبر سے چمٹ گیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ ابا کی قبر سے لپٹا وہ بالکل ایسا ہی محسوس کر رہا تھا جیسے ابا کے سینے سے لگا ہو۔ خاصی دیر رونے کے بعد دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا تو اسے احساس ہوا کہ سینے پر کوئی چیز چبھ سی رہی ہے پھر فوراً ہی اسے یاد آگیا کہ اس کی صدری میں ابھی تک وہ رقم جوں کی توں رکھی ہوئی ہے جو وہ سر حامد سے ابا کے آپریشن کے لیے لایا تھا لیکن اسے اتنی مہلت بھی نہیں مل سکی تھی کہ رقم کو نکال بھی پاتا۔ رقم کا خیال آتے ہی اسے پتا نہیں کیسے کالج کے چوکیدار سے ہونے والی اپنی گفتگو یاد آگئی۔ چوکیدار نے اسے دلاسا دینے کے لیے جو الفاظ ادا کیے تھے ان میں سے ایک جملہ یہ بھی تھا۔ ''تم ٹینشن مت لو، اللہ بہتری کرے گا۔'' اور ابا کا یوں چلے جانا شاید اس کے لیے بہتری ہی کی ایک صورت تھی۔ ابا نے ساری عمر اسے رزقِ حلال کھلایا تھا اور رزقِ حلال ہی کمانے کی نصیحت کی تھی۔ وہ جوان کی لاعلمی میں حرام کی رقم سے ان کا علاج کروانے چلا تھا، یقیناً اس لیے کامیاب نہ ہوسکا تھا کہ اللہ کے جس بندے نے بھی اپنے جسم پر حرام کا ایک روپیہ نہیں لگایا تھا، اب بھی اللہ اسے حرام سے بچانا چاہتا تھا۔ ابا کو عین وقت پر اپنے پاس بلا کر اللہ نے نہ صرف انہیں حرام سے محفوظ رکھا تھا بلکہ اسے بھی سنبھلنے کا ایک موقع فراہم کردیا تھا۔ دنیا سے جانا تو ہر ذی نفس کو ہی ہے۔ موت کا وقت آجائے تو بے علاج بھی مرجاتا ہے اور بہترین اسپتال میں رہ کر بہترین طبی امداد کے باوجود

بھی۔ محبوب علی کو ان باتوں کا احساس ہوا تو صدری میں موجود رقم سانپ بچھو کی طرح محسوس ہونے لگی۔ ویسے بھی اس رقم کا بڑا حصہ تو سر حامد نے اسے قرض ہی دیا تھا اور وہ انہیں دھیرے دھیرے رقم لوٹانے کا وعدہ کرچکا تھا۔ جب رقم لوٹانی ہی تھی تو دیر کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس نے قبرستان سے سیدھا سر حامد کے گھر جانے کا فیصلہ کیا اور کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ قبرستان میں خاموشی اور تاریکی تھی، بس کہیں کہیں لائٹیں جل رہی تھیں۔ ان ہی کی مدھم روشنی میں وہ راستہ دیکھتا ہوا باہر نکلا اور باہر سڑک پر سے ایک رکشا

قارئین متوجہ ہوں

پرچا نہیں ملتا

کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔ ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

☆ بک اسٹال کا نام جہاں پرچا دستیاب نہ ہو۔
☆ شہر اور علاقے کا نام۔
☆ ممکن ہو تو بک اسٹال کا PTCL یا موبائل نمبر۔

رابطے اور مزید معلومات کے لیے

ثمر عباس 0301-2454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

سسپنس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگزشت

C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی

مندرجہ ذیل ٹیلی فون نمبروں پر بھی رابطہ کرسکتے ہیں

35802552-35386783-35804200

ای میل: jdpgroup@hotmail.com

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN RSPK.PAKSOCIETY.COM PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

روک کر سرحامد کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ سرحامد اسے اپنے دروازے پر دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اس کی ابتر حالت نے بھی پریشان کردیا۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر انہوں نے جلدی سے اسے اندر بلایا اور اس سے اس کی خیریت دریافت کرنے لگے۔ محبوب علی نے کوئی جواب دینے کے بجائے رقم نکال کران کے سامنے رکھ دی۔

''یہ کیا......؟'' سرحامد کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''مجھے اس رقم کی ضرورت نہیں رہی سر۔ میرے والد کا آج سہ پہر انتقال ہوگیا۔'' محبوب علی نے سپاٹ لہجے میں انہیں اطلاع دی اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''زندگی بڑی بے بھروسا شے ہے سر۔ اس بے بھروسا شے کو جینے کے لیے انتقام، لالچ اور حسد جیسے جذبات کو پروان چڑھانا بیکار ہوتا ہے۔ کوشش کریں جو غلطی ہوگئی ہے اس کا مداوا کرسکیں۔ میں بھی اپنے حصے کا جرم قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

''تم صدمے کے باعث اپنے حواس میں نہیں ہو محبوب علی۔ میں تمہیں وارن کررہا ہوں کہ تم اپنا منہ بند رکھو گے۔ اگر تم نے کہیں زبان کھولی تو یاد رکھنا کہ میں صاف انکار کردوں گا اور تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ تم مجھے انوالو کرسکو۔ تم یہ رقم لو یا نہ لو، سب کچھ ویسے ہی ہوگا جیسے میں نے پلان کیا تھا۔ اب ہمارے پاس قدم واپس پلٹانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' سرحامد دھیمی آواز میں غرائے۔

''میں چپ رہا تو میرا ضمیر مجھے جینے نہیں دے گا سر۔ میں کبھی خود کو معاف نہیں کرسکوں گا اور مجھے ہمیشہ یہ احساس جرم رہے گا کہ میری وجہ سے کسی کی زندگی خراب ہوگئی۔'' محبوب علی بلبلایا۔

''تم نے زبان کھولی تو تمہارے ساتھ ساتھ تمہارے بچوں کی زندگی بھی خراب ہوجائے گی۔ تمہارے زبان کھولنے سے تمہارے اوپر انگلیاں اٹھیں گی اور تم اتنے بدنام ہوجاؤ گے کہ کوئی تمہاری بیٹیوں کا ہاتھ مانگنے تمہارے در پر نہیں آئے گا۔ اب تم سوچ لو کہ جذبات میں آکر سب کچھ تباہ کرنا ہے یا......'' سرحامد نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا لیکن محبوب علی نے اس ادھورے جملے کی سفاکی کو پوری طرح محسوس کیا تھا۔ وہ اسی معاشرے کا فرد تھا اور جانتا تھا کہ ہمارے ہاں باپ کے گناہوں اور غلطیوں کی سزا اولاد، بالخصوص بیٹیوں کو بھگتنی پڑتی ہے۔

''جاؤ۔ شاباش، گھر جاکر سوجاؤ۔ سونے کے لیے نیند کی گولی کھالینا۔ بھرپور نیند لے کر اٹھو گے تو تمہیں خود احساس ہوگا کہ تم خوامخواہ جذباتی ہورہے تھے۔ غلط یا صحیح جو بھی ہونا تھا ہوچکا اور یقین کرو جتنی تم ٹینشن لے رہے ہو، اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ بس میں اس مغرور عورت کو تھوڑا سا سبق دینا چاہتا ہوں اور کوئی بات نہیں ہے۔'' محبوب علی کی خاموشی سے سرحامد نے اندازہ لگالیا کہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے چنانچہ اب اسے نرمی سے سمجھانے لگے۔ محبوب علی اس بار بھی کوئی جواب نہیں دے سکا اور خاموشی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہونے لگا۔

''میں نے تمہیں جو ایک لاکھ معاف کردینے کا وعدہ کیا تھا، اس پر اب بھی قائم ہوں۔ تم چاہو تو ابھی یہ رقم لے جاؤ ورنہ بعد میں لے لینا۔ بیٹیوں کا جہیز بنانے میں کام آئے گی۔'' سرحامد نے اسے پیشکش کی لیکن وہ اپنی لوٹائی ہوئی رقم پر ایک نگاہِ غلط بھی ڈالے بغیر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

☆☆☆

''اور سناؤ، تمہارے رشتے کی بات کہاں تک پہنچی؟ کہیں اچانک دھماکا نہ کردینا۔'' سلیم ٹیلی فون پر غزالہ سے مخاطب تھا۔ آج اس کے انداز میں پچھلے دنوں کی سی جھنجلاہٹ اور ناامیدی نہیں تھی اور وہ کچھ خوشگوار موڈ میں نظر آتا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ مجھے اس معاملے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ اس کے سلسلے میں معلومات لیتی پھروں۔'' غزالہ نے خراب موڈ کے ساتھ جواب دیا۔

''معلومات تو رکھنی چاہیے یار۔ بے خبری انسان کو نقصان پہنچادیتی ہے۔'' سلیم نے اسے سمجھایا۔

''میں تو صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم کیا کررہے ہو۔ چچی جان کو امی اور ابو نے مایوس لوٹا دیا ہے اور اپنے فیصلے پر قائم ہیں میرے لیے اس سے بڑی کوئی اور بات نہیں ہوسکتی۔ میرے دن رات جس کرب میں گزر رہے ہیں، یہ میں ہی جانتی ہوں۔'' غزالہ کا لہجہ روہانسا سا تھا۔ وہ خود کمزور لڑکی تھی اور چاہتی تھی کہ سلیم کسی طرح اسے منجدھار سے نکال لے۔

''میری حالت بھی تم سے مختلف نہیں غزالہ۔ میں بھی کانٹوں پر لوٹ رہا ہوں لیکن اب ایک امید بندھی ہے اسی لیے تمہیں فون کیا ہے۔'' سلیم نے سنجیدگی اختیار کی۔

''کیسی امید۔ مجھے بھی بتاؤ۔'' غزالہ نے پرُشوق لہجے میں پوچھا۔

''میں اپنا ذاتی کاروبار شروع کرنے جارہا ہوں۔ بہت بڑا کاروبار نہیں ہوگا لیکن انشاء اللہ میں ترقی کرلوں گا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اور مستقبل میں تمہیں وہ سب دینے کے قابل ہو جاؤں گا جس کی تایا اور تائی تمہارے لیے خواہش رکھتے ہیں۔ آج شام امی اس سلسلے میں بات کرنے تمہارے ہاں آرہی ہیں۔ میں نے یہی اطلاع دینے کے لیے فون کیا تھا۔ میں جس حد تک کرسکتا تھا کر گزرا ہوں، اب آگے تمہیں اسٹینڈ لینا ہوگا۔'' سلیم نے اسے اطلاع دیتے ہوئے مطالبہ کیا۔

''اس طرف سے بے فکر رہو۔ میرا ووٹ تمہارے لیے ہی ہے لیکن کچھ تو بتاؤ کہ کیا کاروبار کرنے جا رہے ہو۔ کاروبار کے لیے سرمایہ کہاں سے آیا تمہارے پاس؟'' غزالہ بہ یک وقت خوشی اور تجسس میں مبتلا ہوئی۔

''بس کوئی نہ کوئی بندوبست ہو ہی گیا ہے۔ تفصیلات میں ملاقات ہونے پر سناؤں گا۔'' سلیم نے اسے ٹالا۔ اسی وقت اس کے موبائل پر دوسری کال آنے لگی۔ اس نے دیکھا سر حامد کا نام بلنک کر رہا تھا۔ سر حامد نے موجودہ حالات میں جس طرح اس کی مدد اور حوصلہ افزائی کی تھی، وہ اس کے لیے بے حد اہمیت اختیار کر گئے تھے اور وہ ان کی کال کو نظرانداز نہیں کرسکتا تھا چنانچہ عجلت بھرے لہجے میں غزالہ سے بولا۔ ''اچھا غزالہ، ابھی اجازت دو۔ میں جلد تم سے ملنے آؤں گا۔'' اس نے غزالہ سے سلسلہ منقطع کر کے سر حامد کی کال ریسیو کی۔ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ مطلب کی بات پر آگئے۔

''ہاں بھئی سلیم ریڈی ہو؟''

''جی سر! بالکل ریڈی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''بس میں تمہیں لینے پہنچ رہا ہوں۔ اپنے اسٹاپ تک پہنچ جاؤ۔'' انہوں نے اس سے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ سلیم جو تیار ہی تھا، فوراً گھر سے نکل گیا۔ اسٹاپ پر پہنچ کر اسے چند منٹ ہی سر حامد کا انتظار کرنا پڑا۔ گاڑی روک کر انہوں نے اسے اپنے ساتھ ہی فرنٹ سیٹ پر بٹھا لیا۔ کچھ دیر وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس سے اس کے کاروبار کے آغاز کے بارے میں پوچھا اور یقین دلایا کہ جس رقم کا اس سے وعدہ کیا تھا، وہ آج ہی بطور قرضِ حسنہ دے دیں گے۔ سلیم نے تہ دل سے ان کا شکریہ ادا کیا۔

''شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے یار! میں نے خود نارسائی کا دکھ اٹھایا ہوا ہے اس لیے تمہیں اس دکھ سے بچانا چاہتا ہوں پھر بھی اگر تم اسے کوئی احسان سمجھتے ہو تو جواباً میرا ایک کام کر کے یہ احسان اتار سکتے ہو۔''

''حکم کیجیے سر۔'' سر حامد کی بات سن کر وہ فوراً تابعداری سے بولا۔ سر حامد نے ذرا سا گلا کھنکھارا اور اپنا

> **مشورہ**
>
> ایک آدمی نے فیس بک اسٹیٹس پر لکھا۔
> وائف چاہیے۔
> 200 آدمیوں نے کمنٹ لکھا۔ میری لے جا۔
> آدمی نے جواب دیا۔
> کمینو! مانگ نہیں رہا تھا، پوچھ رہا تھا۔
> چاہیے؟ دوں؟
> مرسلہ۔ عرفان احمد، جمیل انور، آڑہ چوآسیدن شاہ

مطلوبہ کام بتا دیا۔ سلیم کام کی نوعیت جان کر کچھ پل کے لیے خاموش ہو گیا۔ عام حالات میں وہ سر حامد کا ایسا کوئی مطالبہ قبول نہیں کرسکتا تھا لیکن اس وقت اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔

''او کے سر! جیسا آپ چاہیں۔'' چاروناچار اسے ہامی بھرنی پڑی۔ یہ اور بات تھی کہ دل پر ایک بوجھ سا آگیا تھا۔

☆☆☆

''ایک کروڑ کی رقم کا بندوبست کرلو۔ رقم کب اور کہاں پہنچانی ہے، وقت آنے پر بتا دیا جائے گا۔'' زبیر کے موبائل پر یہ دوسرا پیغام رات گئے موصول ہوا تھا جسے پڑھ کر سب کی پیشانیوں پر ہی شکنوں کا جال بن گیا تھا۔ ایک کروڑ کی رقم معمولی نہیں تھی، اوپر سے مطالبہ کرنے والا دوبدو بات بھی نہیں کر رہا تھا کہ وہ اس سے کسی قسم کے مذاکرات کر پاتے۔ دونوں دفعہ آنے والے پیغامات مختلف نمبروں سے آئے تھے اور ان نمبروں پر رابطہ کرنے کی کوشش ناکام رہی تھی کہ نمبرز اغوا کاروں کی روایت کے مطابق بند جا رہے تھے۔

''اتنی بڑی رقم کا انتظام کیسے ہوگا؟ میں بہت کوشش بھی کروں تو تیس چالیس لاکھ سے زیادہ ارینج نہیں کرسکتا۔ تمہارے پاس کتنی رقم ہوگی زبیر؟'' سب سے پہلے سبحان صاحب نے اپنی زبان کھولی اور پریشانی کے عالم میں بیٹے سے مخاطب ہوئے۔

''کھینچ تان کر دس لاکھ ہی ہوں گے ابو۔'' زبیر نے مایوس سے لہجے میں بتایا۔

''یعنی صرف پچاس لاکھ روپے۔ اغوا کاروں کی ڈیمانڈ سے صرف آدھی رقم۔'' سبحان صاحب بڑبڑائے اور پھر مزید بولے۔ ''وہ کم بخت ہم سے بات بھی تو نہیں کر رہے تاکہ ہم تاوان کی رقم کم کروانے پر بات کرسکیں۔''

''اس بات کا ایک ہی مطلب ہے ابو کہ وہ رقم کم نہیں

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

کریں گے۔ ہمیں کسی بھی طرح پورے ایک کروڑ ارینج کرنے ہوں گے۔'' زبیر نے پریشانی سے دونوں ہاتھ مسلے۔

''مگر کیسے؟ اتنی بڑی رقم کے لیے ہم کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلا سکتے۔ سود پر قرض دینے والا کوئی بندہ اتنی بڑی رقم دے تو دے، اس کے علاوہ تو کوئی نہیں دے سکتا لیکن ایسے قرضے دینے والے لوگ بھی رقم کی مالیت کے حساب سے کچھ گروی رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس اتنی قیمتی چیزیں دو ہی ہیں۔ ایک یہ گھر دوسری فیکٹری لیکن ان دونوں چیزوں میں تمہارے باقی بہن بھائی بھی حصے دار ہیں اور تم جانتے ہو کہ میں ملکیت کے سلسلے میں قانونی کارروائی کر چکا ہوں۔ اگر ہم ان دونوں میں سے کوئی بھی شے گروی رکھنا چاہیں تو تمہارے بہن بھائیوں کو بھی معاملے سے آگاہ کرنا ہوگا۔''

''نہیں۔ میں ہرگز اس بات کو پسند نہیں کروں گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ دونوں بھابیاں سارہ سے کتنی جیلس رہتی ہیں۔ انہیں اس واقعے کا علم ہوگیا تو وہ بعد میں الٹے سیدھے طعنے دے کر سارہ کا جینا دوبھر کر دیں گی۔ پھر وہ دونوں ہیں بھی پیٹ کی ہلکی۔ ان کی وجہ سے بات خاندان اور ملنے جلنے والوں میں پھیل جائے گی۔'' زبیر نے سختی سے باپ کی تجویز کو رد کر دیا۔ اس دوران رضا کمال بالکل خاموش بیٹھے رہے تھے۔ اصل میں وہ زیادہ بول ہی نہیں پا رہے تھے۔ پریشانی نے انہیں بالکل گم صم کر دیا تھا۔ وہ اپنی بیٹیوں کے لیے ماں اور باپ دونوں کا درجہ رکھتے تھے اور اسی حساب سے دُہری پریشانی میں بھی مبتلا تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ کسی بھی طرح سارہ واپس آجائے۔ وہ اپنے داماد کی طرح بدنامی اور دیگر مسائل کے بارے میں نہیں سوچ رہے تھے لیکن بہرحال وہ زبیر سے اختلاف بھی نہیں کر سکتے تھے۔

''آپ بھی تو کچھ بولیں رضا بھائی۔'' سبحان صاحب نے انہیں مخاطب کیا تو وہ چونک سے گئے۔

''میں کیا بولوں سبحان بھائی۔ میں تو ہر قیمت پر اپنی بچی کی واپسی چاہتا ہوں۔''

''چاہتے تو ہم بھی یہی ہیں لیکن اس قیمت کو ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔'' زبیر کے لہجے میں تلخی سی تھی۔

''میں نے آپ لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی ہے اور میں بھی غور کر رہا تھا کہ میں باقی رقم پوری کرنے کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔ میرے اکاؤنٹ میں لگ بھگ پندرہ لاکھ موجود ہیں اور اس کے علاوہ ایک رہائشی مکان ہے جس کی مالیت پینتیس چالیس لاکھ تک تو ہوگی ہی۔ سارہ کے ساتھ زارا بھی ان دونوں چیزوں میں حصے دار ہے لیکن مجھے معلوم ہے کہ اپنی بہن کی خاطر وہ اپنے حصے سے محروم ہونے پر افسردہ نہیں ہوگی۔ مسئلہ صرف اتنا ہے کہ میں کھڑے کھڑے مکان بیچنے کے طریقہ کار سے واقف نہیں ہوں۔ کوئی اسٹیٹ ایجنٹ راضی بھی ہوگیا تو عجلت کی وجہ سے اصل مالیت سے بہت کم رقم ادا کرے گا۔'' ان کی بیٹی کی زندگی داؤ پر لگی تھی چنانچہ انہوں نے اپنا سب کچھ پیش کر دیا۔

''گھر بک گیا تو آپ رہیں گے کہاں انکل! خود سارہ کو بہت دکھ ہوگا۔ وہ خود اس گھر کے معاملے میں بہت جذباتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس گھر کے در و دیوار سے اسے اپنی امی کی خوشبو آتی ہے۔'' زبیر کو ان کی پیشکش قبول کرنے میں تامل تھا۔

''رہنے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے بیٹا۔ میں اکیلا آدمی کوئی چھوٹا سا فلیٹ بھی کرائے پر لے کر آرام سے رہ سکتا ہوں۔ رہی اس گھر سے جذباتی وابستگی کی بات تو یہ تکلیف تو ہم سب کو اٹھانی ہی پڑے گی۔ یادیں قیمتی ہوتی ہیں لیکن انہیں زندہ انسان پر کسی طور ترجیح نہیں دی جاسکتی، یہ بات سارہ بھی سمجھ لے گی۔'' انہوں نے زبیر کے اعتراض کا جواب دیا۔

''رضا بھائی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں بیٹا۔ اگرچہ ان کا گھر بکنا مجھے بھی اچھا نہیں لگے گا لیکن حالات ہی ایسے ہیں کہ ہمیں مل جل کر ہی کچھ کرنا ہوگا۔ میں اگر مکمل رقم دینے کی پوزیشن میں ہوتا تو کبھی رضا بھائی کا یہ نقصان نہیں ہونے دیتا۔ اب بھی میری یہ کوشش ہوگی کہ مستقبل میں رضا بھائی کو ان کی رقم واپس کر دوں۔ کم از کم زارا کے حصے کی رقم تو ہمیں ادا کرنی ہی ہوگی۔ وہ رقم تو ہم پر قرض ہی رہے گی۔ باقی رہا رضا بھائی کی رہائش کا مسئلہ تو مجھے تمہارے سوال پر افسوس ہے۔ کیا میری طرح رضا بھائی بھی تمہارے لیے باپ کا درجہ نہیں رکھتے ہیں جو تم انہیں اپنے ساتھ نہ رکھ سکو۔ یہاں اس کوٹھی میں ان کے لیے بہت جگہ ہے۔'' سبحان صاحب بیٹے کو سرزنش کیے بغیر نہ رہ سکے۔

''سوری ابو۔ سوری انکل۔ بس پریشانی میں، میں ٹھیک طرح سے کچھ سوچ نہیں پا رہا ہوں۔'' زبیر نے فوری معذرت کی۔

''ابھی ان باتوں کو جانے دیجیے سبحان بھائی۔ فی الحال تو ہمیں سارہ کی رہائی کے لیے تاوان کی رقم جمع کرنے پر زیادہ توجہ دینی ہے۔ میرا مکان فروخت کرنے یا گروی رکھوانے کے سلسلے میں آپ کچھ کر سکتے ہیں تو بتائیں۔ باقی رقم تو میں صبح ہوتے ہی بینک سے نکلوا لوں گا۔'' رضا کمال نے باپ بیٹے کی گفتگو میں دخل دیتے ہوئے اصل مسئلے کی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

طرف توجہ دلوائی۔

''میرے جاننے والوں میں ایک دو ایسے لوگ موجود ہیں۔ میں ان سے رابطہ کر کے بات کرتا ہوں۔'' سبحان صاحب نے انہیں تسلی دی۔ اس کے بعد وہ فون پر مصروف ہوگئے۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور زبیر کے اجازت دینے پر ایک ملازمہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ ٹرالی میں چائے اور کچھ اسنیکس سجے ہوئے تھے۔ رضا کمال کی آمد کے بعد سے وہ لوگ مستقل ڈرائنگ روم میں ڈیرا ڈالے ہوئے تھے۔ ملازمین سمیت گھر کے کسی فرد کو بلا اجازت یہاں نہ آنے کی تاکید کردی گئی تھی۔ پھر بھی بیگم سبحان رات کے کھانے کے لیے پوچھنے آئی تھیں اور اب پھر انہوں نے یہ ٹرالی بھجوادی تھی۔ وہ تجسس تھیں کہ ان کے سمدھی نے یہاں ڈیرا کیوں ڈال رکھا ہے اور سارہ کہاں ہے لیکن سبحان صاحب نے انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ زبیر اور سارہ کے درمیان کچھ اختلافات ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے سارہ روٹھ کر میکے چلی گئی ہے اور رضا صاحب اسی سلسلے میں گفت وشنید کرنے کے لیے یہاں موجود ہیں۔ اس سے آگے دیگر تفصیلات انہوں نے بعد میں بتانے کا کہہ کر بیگم کو ٹال دیا تھا۔ وہ حاکم مزاج آدمی تھے اس لیے بیگم کو ان کی بات تسلیم کرنی پڑی تھی اور تجسس کے باوجود وہ ڈرائنگ روم سے دور تھیں۔ سبحان صاحب نے فون پر گفتگو کرتے ہوئے زبیر کو اشارہ کیا کہ وہ رضا صاحب کو کچھ کھانے کے لیے دے۔ زبیر نے ایک پلیٹ میں سادہ کیک پیس اور کچھ بسکٹ رکھ کر انہیں پیش کیے لیکن انہوں نے انکار کردیا۔ موجودہ حالات میں ان کے لیے کچھ حلق سے نیچے اتارنا مشکل تھا۔

''کچھ تو لیجیے رضا بھائی۔ آپ جب سے آئے ہیں کچھ کھایا پیا نہیں ہے۔ اس طرح کب تک بھوکے پیاسے رہ سکتے ہیں۔'' سبحان صاحب نے فون بند کرتے ہوئے ان سے اصرار کیا۔

''میں کیسے کچھ کھا پی سکتا ہوں۔ میری تو جان سولی پر لٹکی ہوئی ہے۔'' رضا کمال بے بسی سے بولے۔

''میں آپ کی کیفیت سمجھ سکتا ہوں لیکن ان حالات سے نمٹنے کے لیے ہمیں اپنے حواس اور توانائی دونوں برقرار رکھنے ہیں اس لیے پلیز تھوڑا سا تو کچھ کھا لیجیے۔'' سبحان صاحب نے اصرار کیا تو رضا کمال نے چائے کی پیالی اٹھالی لیکن وہ بس مشکل سے آدھی پیالی چائے ہی پی سکے۔ چائے پینے کے دوران سبحان صاحب نے انہیں بتایا کہ ایک جگہ بات بننے کی امید بندھی ہے اور انہیں ابھی اس شخص سے ملاقات کے لیے جانا ہے جو رضا کمال کا مکان خریدنے میں دلچسپی لے رہا ہے۔ چائے پیتے ہی وہ لوگ اس شخص سے ملنے کے لیے روانہ ہوگئے۔ زبیر کو انہوں نے گھر پر ہی چھوڑ دیا تھا کہ اس کے ساتھ جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور وہ گھر پر رہ کر اپنی والدہ کی تسلی تشفی کروا سکتا تھا۔

☆☆☆

سرحامد اور سلیم کالج پہنچے تو چوکیدار اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔ اس نے ان کے لیے کالج کا گیٹ کھولا اور سرحامد گاڑی اندر لے گئے۔ گاڑی سے اتر کر انہوں نے اپنے ڈیپارٹمنٹ کا رخ کیا۔ وہاں تالا لگا ہوا تھا لیکن چابیاں سلیم کے پاس موجود تھیں۔ یوں تو چابیاں محبوب علی کے پاس رہتی تھیں لیکن کل اس نے سلیم کے حوالے کردی تھیں کیونکہ اسے اپنے والد کے اسپتال میں ایڈمٹ ہونے کے باعث وہیں رہنا تھا اور وہ چھٹیوں میں کالج نہیں آنا چاہتا تھا۔ ڈیپارٹمنٹ کے دروازوں میں آٹومیٹک لاک لگے ہوئے تھے جنہیں بند کرنے کے لیے چابی کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اسی لیے محبوب علی چابیاں سلیم کے حوالے کرنے کے باوجود سب سے آخر میں گھر روانہ ہوتے ہوئے آرام سے دروازے لاک کر گیا تھا۔ چھٹیوں کا آغاز ہونے کے باوجود آج سرحامد اور سلیم کو کالج آنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی تھی کہ لیب کے لیے کچھ ضروری کیمیکلز اور دیگر سامان آنا تھا۔ لیب اٹینڈنٹ کی حیثیت سے سلیم کی وہاں موجودگی لازمی تھی اور یہ اس کی ذمے داری تھی کہ وہ عملے کے ساتھ مل کر ہر چیز کو مناسب طریقے سے اسٹور کرلے۔ ان کے ڈیپارٹمنٹ کے ایچ او ڈی بہت محتاط طبیعت کے مالک تھے اور ایسے مواقع پر ٹیچنگ اسٹاف میں سے کسی کو نگرانی پر ضرور لگاتے تھے۔ اس بار یہ ڈیوٹی سرحامد کے حصے میں آئی تھی بلکہ انہوں نے رضا کارانہ از خود سنبھال لی تھی کہ نہ تو انہیں خواتین کی طرح چھٹیوں میں پینڈنگ میں پڑے گھر کے ڈھیروں کام نمٹانے تھے اور نہ ہی شادی شدہ حضرات کی طرح بیوی بچوں کو چھٹیاں انجوائے کروانے کہیں لے کر جانا تھا۔ وہ اور سلیم طے شدہ وقت پر کالج پہنچ گئے تھے لیکن ابھی سامان لے کر آنے والا عملہ نہیں پہنچا تھا۔ انہوں نے اندر بیٹھ کر انتظار کرنے کا فیصلہ کیا اور اسٹاف روم میں آگئے۔

''آپ بیٹھیں سر۔ میں اتنی دیر میں لیب دیکھ لیتا ہوں اور ساتھ ہی چائے بھی تیار کرلیتا ہوں۔'' سلیم نے پنکھوں اور لائٹوں کے بٹن کھولے اور سرحامد کو وہیں چھوڑ کر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی سر حامد نے ملحقہ باتھ روم کا رخ کیا اور اس کا بند دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ ان کی توقع کے خلاف باتھ روم خالی پڑا تھا۔ ان کے ماتھے پر شکنوں کا جال نمودار ہوگیا اور وہ بے چینی سے نظر آنے لگے۔ باتھ روم پر ایک نظر مزید ڈالنے کے بعد انہوں نے اسٹاف روم پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ یہاں تک کہ بڑی سی میز کے نیچے بھی جھانک لیا لیکن انہیں ان کا گوہر مقصود نہ مل سکا۔ بے قراری کے عالم میں وہ اسٹاف روم سے نکل کر لیب میں پہنچ گئے۔ وہاں سلیم چائے کا پانی رکھ رہا تھا۔

''ارے سر! آپ یہاں کیوں آ گئے؟ میں چائے لے کر وہیں آ جاتا۔'' سر حامد کو دیکھ کر وہ بول پڑا۔

''بس اکیلے وہاں بیٹھنا اچھا نہیں لگا۔'' انہوں نے بہانہ بنایا اور متلاشی نظروں سے لیب کا جائزہ لینے لگے۔

''ہر چیز کی جگہ فکس ہے سر۔ ابھی سامان آ جائے تو آپ دیکھیے گا میں کتنی ترتیب سے ہر چیز رکھواتا ہوں۔'' سلیم نے ان کی نظروں کا کچھ اور مفہوم سمجھتے ہوئے انہیں تسلی دی۔

''مجھے معلوم ہے تم بہت ذمے دار لڑکے ہو۔ میں بس یونہی جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ میری یہاں موجودگی تو صرف فارمیلٹی ہے اور تم میری مدد کے بغیر بھی سب کچھ اچھی طرح مینیج کرلو گے۔'' سر حامد نے اسے جواب دیا اور اچانک لیب سے باہر نکل گئے۔ اب وہ قطار سے بنے کلاس رومز کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کلاس رومز کے دروازے بھی بند تھے لیکن سرکاری کالجوں کے عمومی حال کی طرح اکثر کھڑکیوں کے پٹ سلامت نہیں تھے۔ وہ کھڑکیوں سے جھانک جھانک کر اندر کا جائزہ لینے لگے۔ اس عمل میں وہ اتنے مصروف تھے کہ انہیں سلیم کی آمد کا علم بھی نہیں ہوسکا۔

''سر! کچھ تلاش کر رہے ہیں کیا؟'' اس کی آواز پر وہ چونک کر پلٹے تو وہ آنکھوں میں حیرت لیے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اپنی حرکت اس کی نظر میں آ جانے پر وہ کچھ کھسیا سے گئے اور بات بنانے کے لیے بولے۔

''تلاش کیا کروں گا، بس یہ دیکھ رہا تھا کہ کہیں غلطی سے کسی کلاس روم کے پنکھے اور لائٹیں وغیرہ آن نہ رہ گئی ہوں۔''

''فکر مت کریں سر۔ محبوب بھائی بڑے ذمے دار آدمی ہیں اور اپنا کام بہت اچھی طرح کرتے ہیں۔'' سلیم نے ہنس کر انہیں تسلی دی اور مزید بولا۔ ''چائے تیار ہوگئی ہے اسی لیے میں آپ کو بلانے آیا ہوں۔''

''اچھا چلو پھر چائے پی لیتے ہیں۔'' سر حامد نے زبردستی بشاشت کا مظاہرہ کیا۔ وہ چائے پی ہی رہے تھے کہ چوکیدار اور دو مزید آدمی وہاں آ پہنچے۔ چوکیدار کے ساتھ آنے والے وہ دونوں افراد شناسا تھے۔ کالج میں لیب سے متعلق ضروری سامان کی ڈیلیوری کے لیے عموماً وہی دونوں آیا کرتے تھے۔

''یہ لوگ آ گئے ہیں سر۔ آپ بتائیں کہ میں مدد کے لیے یہاں رکوں یا گیٹ پر ڈیوٹی دوں؟'' چوکیدار نے سر حامد سے دریافت کیا۔

''کل کالج ٹائم کے بعد محبوب یہاں آیا تھا کیا نثار؟'' اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے سر حامد نے ایک قطعی غیر متعلقہ سوال پوچھا۔

''نہیں سر! اس بے چارے کو تو پہلے ہی اسپتال پہنچنے کی جلدی تھی۔ اس کے ابا کا آپریشن ہونے والا تھا۔ وہ تو ان کے پاس اسپتال میں ہوگا، اسے کسی کام سے کالج آنا تھا کیا؟'' ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے نثار نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں بس میں کسی اور وجہ سے پوچھ رہا تھا۔'' سر حامد نے اسے ٹالا اور حکم دیا کہ وہ گیٹ اندر سے لاک کر کے یہاں کام کرنے والوں کی مدد کرے۔ نثار شانے اُچکا کر ان کے حکم کی تعمیل میں مصروف ہوگیا۔ کام کے دوران سب نے محسوس کیا کہ سر حامد سخت عجلت میں ہیں اور ان کا بس نہیں چل رہا کہ کیسے جادو کی چھڑی گھما کر سیکنڈوں میں سارا کام نمٹوا دیں۔ ایک آدھ بار تو انہوں نے سلیم اور چوکیدار سمیت کام کرنے والے باقی دو افراد کو بھی ڈانٹ پلا دی۔ ان کے اس رویّے کا یہ فائدہ ہوا کہ کام جلدی نمٹ گیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر وہ سلیم سمیت روانہ ہوئے لیکن اسے یہ کہہ کر راستے میں ہی ایک قریبی چورنگی پر اتار دیا کہ انہیں ایمرجنسی میں کہیں جانا ہے اس لیے وہ اسے گھر تک نہیں چھوڑ سکتے۔ سلیم نے بغیر بُرا مانے ان کا عذر قبول کرلیا لیکن وہ الجھن میں ضرور تھا کہ اچانک ایسا کیا ہوا کہ سر حامد کے انداز ہی بدل گئے۔ ادھر سر حامد کو اس سے زیادہ اپنی الجھن دور کرنے کی فکر تھی اور وہ گاڑی شہر کے اس مضافاتی علاقے کی طرف اڑائے لیے جا رہے تھے جہاں محبوب علی کی رہائش گاہ تھی۔ وہ پہلے کبھی اس علاقے میں آئے تو نہیں تھے لیکن محبوب علی کا ایڈریس ان کے پاس محفوظ تھا۔ اس ایڈریس کی مدد سے ڈھونڈتے ڈھانتے آخر کار وہ اس کے گھر پہنچ ہی گئے۔ گھر کے باہر اب بھی شامیانہ لگا ہوا تھا اور دریاں اور چاندنیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ان چاندنیوں پر دو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

تین معمر افراد اور چار چھ بچے بیٹھے ہوئے کھجور کی گٹھلیوں کے ڈھیر سے مٹھیاں بھر بھر کر ان پر کچھ پڑھنے میں مصروف تھے۔ سرحامد نے ایک معمر فرد کے برابر بیٹھے ہوئے نڈھال سے محبوب علی کو دیکھ لیا اور سیدھے اس کی طرف بڑھے۔ محبوب علی نے بھی انہیں دیکھ لیا اور چونک کر کھڑا ہو گیا۔ سرحامد کی آنکھوں میں اس کے لیے خونخواری تھی لیکن دیگر افراد کی موجودگی کے باعث انہوں نے بہ مشکل خود پر ضبط کیا اور یوں اس کے بازو پر ہاتھ رکھا جیسے اس سے اظہار ہمدردی کر رہے ہوں۔

''مجھے تم سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔'' وہ صرف اتنی آواز میں بولے کہ محبوب علی ہی سن پاتا۔

''یہ میرے کالج سے آئے ہیں چاچاجی۔ میں انہیں اندر بیٹھک میں لے جاتا ہوں۔'' محبوب علی نے معمر حضرات میں سے کسی کو مخاطب کر کے بتایا اور سرحامد کو اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے قدم بڑھائے۔ وہ انہیں گھر کے اندر اس سادہ سی بیٹھک میں لے گیا جو محبوب علی کی محدود کمائی کے بجائے سکینہ کے سلیقے اور ہنرمندی کے بل پر سجائی گئی تھی کہ اس کا خیال تھا، اچھی بیٹھک سے بیٹیوں کے رشتوں کے لیے آنے والوں پر اچھا تاثر پڑے گا اور اسے بیٹیاں بیاہنے میں آسانی رہے گی۔

''سارہ کہاں ہے؟'' سرحامد کو بیٹھک کی سجاوٹ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تنہائی ملتے ہی غرانے والے انداز میں محبوب علی سے پوچھنے لگے۔

''وہ تو وہیں تھیں۔ اسٹاف روم والے باتھ روم میں۔ آپ نے خود ہی تو مجھ سے کہا تھا۔'' محبوب علی نے حیرت اور گھبراہٹ سے ان کے سوال کا جواب دیا۔

''وہ وہاں نہیں ہے بلکہ پورے ڈیپارٹمنٹ میں کہیں نہیں ہے۔ میں نے اچھی طرح ہر جگہ دیکھ لی ہے۔'' سرحامد نے دانت کچکچائے۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟'' محبوب علی کی حیرت میں اضافہ ہوا۔

''یہ تو تم مجھے بتاؤ گے۔ مجھے یقین ہے کہ تم ہی نے کوئی گڑبڑ کی ہے۔'' سرحامد کا لہجہ خونخوار رہا۔

''میرا یقین کریں سر، مجھے نہیں معلوم۔ میں انہیں وہیں چھوڑ کر کالج سے نکلا تھا۔'' محبوب علی روہانسا ہو گیا۔

''تو پھر کیا وہ مکھی بن کر وہاں سے نکل گئی جو مجھے نہیں ملی۔'' سرحامد یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

''میں اپنے مرے ہوئے باپ کی قسم کھا کر آپ کو یقین دلاتا ہوں سر۔ میں چاہتا ضرور تھا کہ میڈم سارہ کو وہاں سے نکال دوں لیکن ہمت نہیں کر سکا۔'' محبوب علی کے لہجے نے سرحامد کو یقین کرنے پر مجبور کر دیا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے لیکن سوال یہ تھا کہ پھر سارہ کہاں ہے؟ انہوں نے یہ سوال محبوب علی سے بھی کر ڈالا۔

''یہ میں کیسے بتا سکتا ہوں سر۔ شاید چوکیدار کو کچھ معلوم ہو بلکہ اسے ہی معلوم ہونا چاہیے۔'' محبوب علی نے اپنی رائے کا اظہار کیا اور جوش سے بولا۔ ''آپ جا کر چوکیدار سے معلوم کریں، وہ ضرور جانتا ہوگا۔'' سرحامد بھی اس کے خیال سے متفق ہو گئے لیکن جب وہ محبوب علی کے گھر سے روانہ ہوئے تو ان میں اتنی ہمت پیدا نہ ہو سکی کہ کالج جا کر چوکیدار سے سارہ کے متعلق کچھ پوچھ سکیں۔ انہوں نے خاموشی سے گاڑی اپنے گھر کی جانب موڑ لی۔

☆☆☆

رضا کمال ایک بار پھر اپنے سمدھی کے ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ سبحان صاحب انہیں جس بندے کے پاس رات میں لے گئے تھے، اس نے رات کو ہی ان کے ساتھ جا کر ان کا مکان دیکھ لیا تھا اور بتیس لاکھ قیمت دینے پر رضامندی ظاہر کی تھی۔ چالیس لاکھ کے مکان کی یہ قیمت کم تھی لیکن مجبوری میں انہیں قبول کرنی پڑی۔ پندرہ لاکھ صبح انہوں نے اپنے اکاؤنٹ سے نکلوا لیے اور باقی تین لاکھ کا فرق پورا کرنے کے لیے اپنی مرحومہ بیوی کے محفوظ رکھے زیورات فروخت کر ڈالے۔ یہ پرانے ڈیزائن کے اور خاصے بھاری زیورات تھے جنہیں اپنی شادی کے موقع پر سارہ اور زارا دونوں ہی نے لینا پسند نہیں کیا تھا اور نئے ڈیزائن کے زیورات بنوائے تھے۔ رضا کمال نے سوچ رکھا تھا کہ جب وراثت کی تقسیم کا موقع آئے گا تو وہ یہ زیورات برابری سے دونوں بیٹیوں میں تقسیم کر دیں گے۔ آگے ان کی مرضی ہوتی کہ وہ بیچ کر رقم حاصل کر لیں یا ان کے بدلے دوسرا زیور بنوالیں۔ ان کے لیے تو یہ سب چیزیں بس مرحومہ بیوی کی نشانیاں تھیں جنہیں وہ بیوی کی سب سے قیمتی نشانی بیٹی کو بچانے کے لیے خود سے جدا کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

انہوں نے کل رات کا بقیہ حصہ اپنے گھر پر ہی گزارا تھا کیونکہ صبح زارا نے پہنچنا تھا۔ اسے اور اس کے بچوں کو ریسیو کرنے کے بعد وہ ضروری کام کا کہہ کر گھر سے نکل گئے تھے اور پوری رقم کا انتظام کرنے کے بعد اپنے داماد اور سمدھی کے پاس پہنچ گئے تھے۔ اس دوران میں وہ بار بار

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

فون کر کے معلوم کرتے رہے تھے کہ اغوا کاروں نے دوبارہ کوئی رابطہ کیا ہے یا نہیں اور ہر بار انہیں نفی میں جواب ملا تھا۔ اب بھی وہ تینوں ایک دوسرے کے مقابل خاموش بیٹھے آس اور امید کے ساتھ رابطے کا انتظار کر رہے تھے۔ زبیر اپنے موبائل کی ہر بیل پر بے قراری سے اس کی اسکرین کو دیکھتا تھا۔ وہ اپنی جان پہچان کے لوگوں کی طرف سے آنے والی ہر کال ریجیکٹ کر دیتا تھا کہ اول تو اس کا کسی سے بات کرنے کا موڈ ہی نہیں تھا، دوسرے وہ اپنے موبائل کو بالکل فری رکھنا چاہتا تھا تاکہ کسی بھی کال یا میسیج کی آمد کی صورت میں فوری طور پر اسے دیکھ سکے۔ ابھی تک اس کے موبائل پر کسی ان نون (نامعلوم) نمبر سے کال یا میسیج کی آمد نہیں ہوئی تھی اور یہ ایک تشویش ناک صورتِ حال تھی۔ یہ رضا کمال، سبحان صاحب اور زبیر تینوں کی لائی ہوئی رقم کو مشترکہ طور پر ایک بریف کیس میں رکھ دیا گیا تھا اور وہ یہ ایک کروڑ روپے سامنے رکھے سراپا انتظار بنے ہوئے تھے۔

بیگم سبحان نے کھانے کی جو ٹرالی اندر بھجوائی تھی، وہ بھی تقریباً ویسی کی ویسی ہی واپس چلی گئی تھی اور کوئی بھی ڈھنگ سے کچھ نہیں کھا سکا تھا۔ انتظار کے یہ جاں گسل لمحے سہ پہر کے وقت جا کر ختم ہوئے اور زبیر کے موبائل پر ایک نامعلوم نمبر سے کال آنے لگی۔ یہ پہلی بار تھا کہ اغوا کاروں کی طرف سے کال آ رہی تھی ورنہ اب تک صرف میسیجز ہی آئے تھے۔

زبیر نے پھرتی سے پہلی ہی گھنٹی پر کال ریسیو کر لی۔

''انتظام کر لیا ہے تو نے؟'' موبائل کا اسپیکر کھلا ہوا تھا اس لیے تینوں افراد نے کھردری آواز میں کیا گیا یہ سوال سنا۔

''بالکل۔ تم بتاؤ کہ رقم کب اور کہاں پہنچانی ہے۔ میں ابھی لے آتا ہوں۔'' زبیر نے بے تابی سے کہا۔

''اتنی جلدی مت کرو اور میری بات غور سے سنو۔ رات کو گیارہ بجے گھر سے رقم لے کر اپنی گاڑی میں نکلنا۔ رقم کہاں پہنچانی ہے، وہ تمہیں کہیں بھی راستے میں بتا دیا جائے گا۔ اپنا موبائل ساتھ رکھنا مت بھولنا۔'' اس نے احکامات جاری کیے۔

''اوکے۔ تم جیسا کہو گے ویسا ہی ہوگا لیکن میری بیوی......؟''

''رقم ملنے پر وہ بھی تمہیں مل جائے گی۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''اس سے میری بات تو کروا دو۔'' زبیر نے التجا کی لیکن دوسری طرف سے لائن کاٹی جا چکی تھی۔ زبیر نے بے قراری سے کال والے نمبر پر کال بیک کی لیکن نمبر بند ہو چکا تھا۔ وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر [illegible] کر رہ گیا۔ وہ دونوں بھی اپنی جگہ بے بس اور مجبور تھے۔ انہیں بھی اس کے ساتھ انتظار کا یہ طویل محسوس ہوتا وقت گزارنا تھا۔ سہ پہر سے رات ہونا کتنا مشکل ہوتا ہے، یہ انہیں آج پہلی بار ہی پتا چل رہا تھا۔

☆☆☆

رضا کمال نے اپنی پیاری بیٹی کے ماتھے پر ایک بوسہ دیا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جھڑی کی طرح بہہ کر اس کے ماتھے اور بند پپوٹوں کو بھگو گئے اور اس پر شبنم میں نہائے گلاب کا گمان ہونے لگا۔ وہ گلاب ہی تو تھی جسے کسی ظالم نے عین عالمِ شباب میں شاخ سے توڑ کر خزاں کے حوالے کر ڈالا تھا۔ اپنے اس خوب صورت گلاب کی موت پر اس کو سینچنے والا مالی آنسو نہ بہاتا تو کیا کرتا۔ اسے وہ پچاس لاکھ کی رقم جانے کا کوئی افسوس نہیں تھا جو اس نے اپنی بیٹی کی واپسی کے لیے بطور تاوان ادا کی تھی لیکن وہ یہ تو نہیں جانتا تھا کہ اسے اس کی بیٹی اس حال میں واپس ملے گی کہ اس کے جسم و روح کے مابین رشتہ ٹوٹ چکا ہوگا۔ ان کا ذہن اس ساری صورتِ حال پر بری طرح سٹپٹایا ہوا تھا اور یقین نہ آتا تھا کہ ان کی پیاری بیٹی اب اس دنیا میں نہیں رہی ہے۔ وہ تو زبیر کے مطلوبہ تاوان کی رقم لے کر نکلنے کے بعد اس انتظار میں تھے کہ بس کچھ دیر بعد وہ سارہ کو لے کر آتا ہی ہوگا۔ وہ سارہ کو واپس لایا بھی تھا لیکن ایک لاش کی صورت مٹتے ہوئے لٹھے جیسے سفید چہرے کے ساتھ۔ منتظر رضا کمال اور سبحان صاحب کو کچھ بتانے میں اس کی زبان لڑکھڑائے جا رہی تھی۔ پھر وہ انہیں اپنے ساتھ اپنی کار تک لے گیا تھا۔ کار کی پچھلی سیٹ پر سارہ ابدی نیند سو رہی تھی۔ زبیر نے حواس ذرا بحال ہونے پر انہیں بتایا کہ اغوا کاروں نے گھر سے روانہ ہونے کے دس منٹ بعد اسے فون کیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ وہ سارہ کے کالج پہنچ جائے۔ وہ کالج تک پہنچا تو اسے ایک بار پھر فون کر کے کالج والی سڑک پر ہی دھیمی رفتار سے چلتے رہنے کا حکم دیا گیا۔ اس سڑک پر اطراف میں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے درخت لگے ہوئے تھے اور ان درختوں کے نیچے لکڑی کی بینچیں بھی رکھی گئی تھیں۔

زبیر اس سڑک پر آہستہ روی سے گاڑی چلاتے ہوئے آگے بڑھنے لگا تو اسے ٹارچ کے اشارے سے رکنے کا حکم دیا گیا اور پھر فوراً ہی موٹر سائیکل پر سوار ایک نقاب پوش اس کی گاڑی کی کھڑکی کے قریب ریوالور تانے آ دھمکا۔ اس نے زبیر سے رقم کا مطالبہ کیا۔ جسے ادا کرنے سے پہلے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

زبیر نے سارہ کے بارے میں پوچھا۔ نقاب پوش نے سڑک کے کنارے لگی بینچ کی طرف اشارہ کیا۔ نیم تاریکی میں زبیر نے وہاں بیٹھے نسوانی وجود کو دیکھا اور رقم نقاب پوش کے حوالے کر دی۔ رقم لیتے ہی نقاب پوش اڑن چھو ہو گیا اور زبیر گاڑی سے اتر کر بینچ کی طرف بھاگا۔ اسے حیرت تھی کہ سارہ اسے دیکھ لینے کے باوجود ابھی تک بیٹھی ہوئی کیوں ہے۔ نزدیک جانے پر اسے سارہ کی آنکھیں بند دکھائی دیں تو اسے گمان ہوا کہ وہ بے ہوش ہے لیکن جب اس نے اسے چھوا تو جان لیا کہ وہ اصل میں مر چکی ہے۔ اس انکشاف پر اسے کچھ سجھائی نہیں دیا اور وہ سارہ کی لاش کو گاڑی میں ڈال کر گھر لے آیا۔ رضا کمال جو اب تک بیٹی کی زندگی کے لیے کمپرومائز کر رہے تھے، بپھر سے گئے اور انہوں نے اپنے اس شاگرد کو فوری طور پر فون کر ڈالا جس کا وہ پہلے بھی ذکر کر چکے تھے۔ ایس ایس پی کے عہدے پر فائز اس شاگرد نے رات دو بجے کے بعد ملنے والی اپنے استاد کی کال پر بے حد تابعداری کا مظاہرہ کیا اور آدھے گھنٹے کے اندر علاقہ ایس ایچ او کے ساتھ سارہ کے گھر پہنچ گیا۔ اس دوران سب گھر والوں کو سارہ کی موت کے بارے میں علم ہو چکا تھا۔ رضا کمال نے بھی زارا کو فون کر کے بلوا لیا تھا۔ زارا جو اپنی آمد کے کچھ دیر بعد سے باپ کے غائب ہو جانے پر پریشان تھی، سارہ کو لاش کی صورت دیکھ کر صدمے سے بے ہوش ہو گئی۔ اسے بڑی مشکل سے ہوش میں لایا گیا۔

ہوش میں آنے کے بعد بھی وہ مسلسل گریہ کرتی رہی۔ سارہ کی سسرالی خواتین بھی رونے دھونے میں اس کے ساتھ شامل تھیں چنانچہ جب ایس ایس پی احمد خان وہاں پہنچا تو وہاں کہرام سا مچا ہوا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے ضروری معلومات حاصل کیں اور لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کروا دیا۔ احمد خان کے تعاون کا نتیجہ تھا کہ انہیں لاش کی واپسی کے لیے بہت زیادہ طویل انتظار نہیں کرنا پڑا اور یوں اب سارہ اپنی آخری آرام گاہ جانے کے لیے تیار تھی۔ اسے سسکیوں اور آہوں میں رخصت کیا گیا اور دنیاداری کی ساری رسمیں بھی نبھائی گئیں۔ یہ رسمیں اس کے سسرالی گھر میں سسرالیوں نے ہی نبھائی تھیں ورنہ رضا کمال اور زارا کو تو صدمے سے اپنا ہی ہوش نہیں تھا۔ زارا کا شوہر البتہ اس موقع پر میکے کی بھرپور نمائندگی کرتا رہا تھا۔ اس نے صدمے سے گم صم نظر آتے زبیر کی بھی کافی دلجوئی کی تھی اور قانونی کارروائیاں نمٹانے میں زبیر اور اس کے گھر والوں کے شانہ بشانہ رہا تھا۔ تدفین کے بعد شام ڈھلے اس نے سارہ کے سسرالیوں سے رخصت مانگی اور اپنے بیوی بچوں اور سسر سمیت وہاں سے روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ لوگ ٹوٹے پھوٹے نڈھال سے اپنی گاڑی میں بیٹھنے ہی لگے تھے کہ کوٹھی کے سامنے پولیس کی گاڑیاں آ کر رکیں۔ آگے والی جیپ میں ایس ایس پی احمد خان خود سوار تھا۔ رضا کمال اینڈ فیملی کو رخصت کرنے کے لیے موجود اہل خانہ حیرت سے پولیس کی گاڑیوں کو دیکھنے لگے۔ دیکھنے والوں میں سے چند چہروں پر حیرت کے بجائے خوف کا تاثر بھی تھا۔

☆☆☆

محبوب علی نے اپنے باپ کی قبر پر فاتحہ پڑھی اور بوجھل قدموں سے قبرستان کے باہر کی طرف رخ کیا۔ ابھی وہ قبرستان کے مرکزی دروازے سے کچھ فاصلے پر تھا تو اس نے سلیم کو دوسری طرف سے آتے ہوئے دیکھا۔ وہ وہیں رک کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ سلیم نے بھی اسے دیکھ لیا تھا چنانچہ قدموں کی رفتار تیز کر لی اور قریب پہنچ کر سلام دعا کرنے لگا۔

"یہاں کس کی قبر پر آئے تھے؟" رسمی علیک سلیک کے بعد محبوب علی نے اس سے دریافت کیا۔

"میرے والد کی قبر ہے یہاں۔ اکثر آتا رہتا ہوں۔ خصوصاً اس وقت جب خود کو بہت تنہا محسوس کروں۔" سلیم نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا۔

"کیا ہوا، تمہارا مسئلہ حل نہیں ہوا؟" محبوب علی کو سلیم کے سارے حالات کا علم تھا چنانچہ اس نے ہمدردی سے پوچھا۔

"کیسے حل ہوتا؟ دولت کے آگے سارے رشتے اور جذبے ہیچ ہو جائیں تو مسئلے حل نہیں ہوتے۔" سلیم کی اداس صورت دیکھ کر محبوب علی کا دل بھی مزید دکھی ہو گیا۔

"کیوں ابھی کل تک تو تم بہت پرامید تھے اور کہہ رہے تھے کہ تایا کو اپنے کاروبار کے آغاز کا بتاؤ گے تو وہ مان جائیں گے۔"

"وہ میری غلط فہمی تھی۔ تایا میری طرح جذباتی آدمی نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ تمہارا کاروبار چل جائے لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے شدید نقصان اٹھا بیٹھو تو میں ایسا تجربہ کرنے کی حماقت کیوں کروں اور ایک امکان کے پیچھے سامنے نظر آتے اپنی بیٹی کے روشن مستقبل کو ٹھکرا دوں...... تو بس یوں ساری امیدیں دم توڑ گئیں۔ حالانکہ امید کے سہارے ہی امی، بہنوں کے جہیز کے لیے رکھا گیا اپنا زیور فروخت کرنے کے لیے راضی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہوگئی تھیں اور میں نے بھی سرحامد سے قرضِ حسنہ لینا قبول کرلیا تھا کہ کاروبار چل پڑا تو انشاء اللہ بہنوں کے لیے دوسرا زیور بھی بنوادوں گا اور سرحامد کا قرض بھی واپس کردوں گا۔'' سلیم نے روانی میں بتایا تو محبوب علی چونک گیا۔

''آپ یہاں کس کی قبر پر آئے تھے، آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں؟'' سلیم، محبوب علی کے چونکنے کو محسوس کیے بغیر اس سے پوچھنے لگا۔

''سرحامد رقم کے بدلے تم سے کوئی کام بھی لے رہے ہوں گے؟'' اس کے سوال کو اَن سنا کرکے محبوب علی نے پوچھا تو اس بار سلیم چونک گیا اور حیرت سے پوچھا۔

''آپ کو کیسے معلوم کہ انہوں نے مجھ سے کوئی کام کہا ہے؟''

''عمر میں تم سے زیادہ ہوں تو آدمی کی پہچان بھی تم سے کچھ زیادہ ہی رکھتا ہوں۔'' محبوب علی نے کہا اور کھوجنے والے لہجے میں پوچھا۔ ''کیا کام کہا تھا تم سے سرحامد نے؟''

''آپ کسی سے ذکر تو نہیں کریں گے۔'' سلیم کو جواب دینے میں تھوڑا تامل تھا۔

''تم بتاؤ تو سہی۔'' محبوب علی نے زور دیا۔ جواب میں سلیم نے جھجکتے ہوئے جو بات بتائی، اسے سن کر محبوب علی حیران رہ گیا اور پھر منہ بنا کر بولا۔

''کون یقین کرے گا کہ ایک کالج کا استاد بھی ایسی گھٹیا حرکتیں کرسکتا ہے لیکن انا پرستی میں انسان بہت سی الٹی سیدھی حرکتیں کرجاتا ہے۔'' سلیم نے اس کی رائے کی تائید کی لیکن محبوب علی کا دماغ سرحامد سے ہونے والی ملاقات میں ہی اٹکا ہوا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا تھا کہ سارہ غائب ہے اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس سلسلے میں سرحامد نے سلیم کا تعاون تو حاصل نہیں کیا تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ سلیم سے براہِ راست اس سلسلے میں بات بھی نہیں کرسکتا تھا۔

''کل تم کالج گئے تھے تو وہاں میڈم سارہ بھی تھیں کیا؟'' آخر اس کو ایک سوال سوجھ ہی گیا۔

''نہیں۔ وہ کیوں ہوں گی؟ میرے ساتھ تو سرحامد تھے۔'' سلیم نے حیرت سے جواب دیا۔

''اچھا ہاں۔ سرحامد کالج کے بعد میرے گھر بھی آئے تھے مجھے ابا کا پُرسہ دینے۔'' محبوب علی کو اندازہ ہوگیا کہ سلیم مکمل بے خبر ہے۔

''ابا کا پُرسہ دینے...... کیا مطلب؟'' سلیم چونکا۔

''پرسوں میرے ابا اللہ کو پیارے ہوگئے۔ کالج کی چھٹیاں شروع ہوگئی تھیں اس لیے میں کسی کو اطلاع نہیں بھجوا سکا۔ بس سرحامد کا نمبر پاس تھا تو انہیں ہی اطلاع دی۔''

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں
گھر بیٹھے
رسالے حاصل کیجیے
جاسوسی ڈائجسٹ سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ ماہنامہ سرگزشت
باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں اپنے دروازے پر
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 800 روپے
امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 9,000 روپے
بقیہ ممالک کے لیے 8,000 روپے
آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کردیں گے۔
یہ آپ کی طرف سے اپنے پیاروں کے لیے بہترین تحفہ بھی ہوسکتا ہے
بیرونِ ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر بھاری بینک فیس عائد ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔
رابطہ: ثمر عباس (فون نمبر: 0301-2454188)
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی
فون: 021-35895313 فیکس: 021-35802551

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

محبوب علی نے اداسی سے بتایا۔
"سن کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ آپ کو صبر دے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے لیکن حیرت ہے کہ سر حامد نے مجھے نہیں بتایا۔ وہ آپ کی طرف پُرسے کے لیے جارہے تھے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاسکتے تھے۔" سلیم کو یاد آگیا کہ کل سر حامد نے کسی کام سے جانے کا کہہ کر اسے راستے میں ہی اتار دیا تھا۔ وہ محبوب علی کو گلے لگا کر اس سے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اپنی حیرت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکا۔

"میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" محبوب علی سب جانتے ہوئے بھی کنی کاٹ گیا پھر موضوع بدلتے ہوئے بولا۔ "چلو باہر چلتے ہیں۔ یہاں قبرستان میں کھڑے ہی باتیں کیے جارہے ہیں۔"

"چلیں چلتے ہیں۔" سلیم نے بھی کہا اور دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے باہر نکل گئے۔ باہر نکل کر سلیم نے قریبی چائے کے ہوٹل تک چلنے کی تجویز دی جسے محبوب علی نے قبول کرلیا۔ ہوٹل پر چائے کا آرڈر دینے کے بعد سلیم، محبوب علی سے اس کے والد کے انتقال کے بارے میں تفصیلات پوچھنے لگا۔ اس دوران میں چائے بھی آگئی۔ وہ چائے پی رہے تھے کہ شام کے اخبارات بیچنے والا ایک ہاکر قریب سے گزرنے لگا۔ وہ حسبِ روایت چھوٹی چھوٹی سرخیوں کو بڑی خبر کے طور پر بلند آواز میں سناتا خریداروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

"جوان کالج ٹیچر کا اغوا کے بعد قتل......" اس کی زبان سے نکلے اس جملے نے محبوب علی کو چونکا دیا اور اس نے آواز لگا کر اخبار خرید لیا۔ مختلف سرخیوں کو دیکھتا ہوا آخر وہ اپنی مطلوبہ خبر تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ خبر کی تفصیلات نے اس کے اندیشوں کی تصدیق کردی اور اس کا رنگ زرد پڑگیا۔

"کیا بات ہے محبوب بھائی! آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟" سلیم نے اس کی کیفیت بھانپ لی۔

"یہ خبر دیکھو۔" محبوب علی نے اخبار اس کی طرف بڑھایا اور خود سر تھام کر بیٹھ گیا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ سر حامد اس حد تک بھی جاسکتے ہیں۔ سلیم نے خبر پڑھی تو اسے بھی جھٹکا لگا۔ جوان العمر، شوخ سی میڈم سارہ کی موت ایک نہایت افسوس ناک واقعہ تھا لیکن محبوب علی کچھ زیادہ ہی متاثر نظر آرہا تھا۔

"حوصلہ کریں محبوب بھائی۔" سلیم نے اسے دلاسا دینے کی کوشش کی۔

"یہ سب میری غلطی ہے۔ میں اس شیطان کے جال میں نہیں پھنستا تو آج یہ حادثہ نہ ہوتا۔" محبوب علی بڑبڑانے لگا۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں، میری کچھ سمجھ نہیں آرہا۔" سلیم پریشان ہوا۔

"سچ بتاؤ سلیم! کل تم لوگ کالج پہنچے تو میڈم سارہ وہاں تھیں نا اور سر حامد نے تمہیں رقم اس لیے دی تھی کہ تم کسی کو وہاں میڈم سارہ کی موجودگی کے بارے میں نہ بتاؤ؟" محبوب علی کچھ ہذیانی سی کیفیت میں اس سے پوچھنے لگا۔

"آپ ایسی باتیں کیوں کررہے ہیں محبوب بھائی؟" سلیم مزید پریشان ہوگیا۔ ردِعمل میں محبوب علی نے شروع سے سارا قصہ سنا ڈالا۔

"اوہ نو۔ یہ تو بہت خطرناک بات بتائی ہے آپ نے۔ میرے خیال میں تو آپ کو یہ سب پولیس اسٹیشن جاکر بتا دینا چاہیے۔ آپ اگر آج خوف زدہ ہوکر بیٹھ گئے تو وہ درندہ کل کو کسی اور کو بھی اپنا نشانہ بنا سکتا ہے۔" سلیم نے اسے سمجھایا تو محبوب علی بھی سر حامد کے دیے سارے ڈراوے اور دھمکیاں بھول کر پولیس اسٹیشن جانے کے لیے تیار ہوگیا۔ جو کچھ ہوچکا تھا، وہ اس جیسے شخص کی برداشت سے بہت آگے کی بات تھی۔

☆☆☆

"احمد بیٹا آپ؟ اس وقت اور یوں؟" ایس ایس پی احمد خان رضا کمال کے سامنے آکر کھڑا ہوا تو انہوں نے کمزور سے لہجے میں اس سے پوچھا۔

"جی سر۔ میں آپ کو آپ کی بیٹی کے قاتل سے ملوانا چاہتا تھا۔" احمد خان نے ان سے کہا اور پھر پیچھے مڑ کر اپنے اہلکاروں کو ہدایت دینے لگا۔ "پوری کوٹھی کو گھیرے میں لے لو۔ یہاں سے کوئی فرد باہر نہیں جانا چاہیے۔"

"ڈونٹ وری سر! یہاں سے چڑیا کا بچہ بھی نہیں نکل سکتا۔" ساتھ آئے ایس ایچ او نے اسے یقین دلایا جبکہ رضا کمال، احمد خان کے ساتھ آنے والے ان تین افراد کو دیکھ رہے تھے جن کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ان تینوں میں سے کون ان کی بیٹی کا قاتل ہوسکتا ہے، وہ فیصلہ نہیں کر پارہے تھے۔

"سلیم تُو... تُو اس گھناؤنے کام میں شامل ہے، مجھے یقین نہیں آرہا۔ تیری اس حرکت پر تو میرے مرحوم بھائی کی روح بلبلا گئی ہوگی۔" جنازے کے شرکا میں سے ابھی تک کچھ لوگ وہیں موجود تھے۔ ان ہی لوگوں میں سے ایک

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

صاحب تیزی سے سلیم کے قریب آئے اور اس کا گریبان پکڑ کر اسے ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔

''ذرا آرام سے مسٹر! یہ شخص پولیس کی کسٹڈی میں ہے اور آپ اس پر یوں ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔'' احمد خان نے اسے ٹوکا جبکہ تھپڑ کھانے والا سلیم حیران تھا کہ اس کے تایا یہاں میڈم سارہ کے سسرال میں کیوں موجود ہیں۔

''میرے خیال میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ سر کے لیے یوں کھڑے رہنا مناسب نہیں ہوگا۔'' سلیم کے تایا کو ڈپٹنے کے بعد احمد خان نے تجویز پیش کی جس سے اختلاف کی کوئی بھی جرأت نہ کر سکا اور طوعاً وکرہاً سب ہی نے اندر کا رخ کیا۔

''سب سے پہلے میں ان صاحب سے آپ کا تعارف کرواتا ہوں۔ یہ سرحامد ہیں، میڈم سارہ کے کولیگ۔ اس حادثے سے قبل ان کی میڈم سارہ کے ساتھ کچھ بدمزگی ہوگئی تھی اور انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ یہ سارہ سے اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لیں گے۔ انتقام میں اندھے ہو کر انہوں نے ایک خطرناک منصوبہ بنایا اور اپنے ڈیپارٹمنٹ کے پیون محبوب علی کو راضی کر لیا کہ جس روز سارہ کالج سے روانہ ہونے میں دیگر اسٹاف کے مقابلے میں لیٹ ہو جائیں، اس روز یہ چائے میں انہیں نشہ آور دوا پلا دے۔ محبوب علی کو اپنے بیمار باپ کے آپریشن کے لیے رقم کی ضرورت تھی اس لیے مجبوراً یہ راضی ہو گیا۔ اتفاق سے اسے یہ موقع کالج کے آخری دن ملا اور اس نے سارہ کو چائے میں سرحامد کی دی ہوئی نشہ آور دوا ملا کر دے دی۔'' احمد خان نے دوسرا اشارہ محبوب علی کی طرف کیا۔

''استاد ہو کر ایسی گھٹیا حرکت۔ ایسے شخص کو تو پھانسی پر لٹکا دینا چاہیے۔'' سبحان صاحب سرحامد کی طرف اشارہ کر کے چلائے۔

''حرکت تو واقعی گھٹیا ہے لیکن میری درخواست ہے کہ میری بات مکمل ہونے تک آپ میں سے کوئی دخل اندازی نہ کرے۔'' احمد خان کا لہجہ مہذب ہونے کے باوجود سخت تھا۔ سبحان صاحب کھسیا کر اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

''ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ محبوب علی نے سرحامد کی فرمائش پوری کر دی۔ سرحامد نے اسے اس حرکت کا مقصد یہ بتایا تھا کہ جب سارہ رات بھر کالج میں رہے گی اور اپنے گھر نہیں پہنچ سکے گی تو اس کی بہت بے عزتی ہوگی جبکہ وہ دوسرے دن کالج پہنچ کر اسے آزاد بھی کر دیتے۔ بعد میں اگر سارہ شور بھی مچانا چاہتیں تو سرحامد اور محبوب علی دونوں صاف انکار کر دیتے کہ ان کا اس سارے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ امید بھی یہی تھی کہ میڈم سارہ خود بھی بدنامی کے خوف سے بات کو زیادہ آگے نہیں بڑھائیں گی۔ اپنی مجبوری کی وجہ سے سرحامد کے اس منصوبے میں شریک ہونے والے محبوب علی کو پہلا جھٹکا اس وقت لگا جب اس کے والد علاج کی نوبت آنے سے پہلے ہی انتقال فرما گئے۔ ان کے مرنے کے بعد محبوب علی کے لیے سرحامد سے حاصل کردہ رقم بے مصرف ہوگئی اور اس نے کوشش کی کہ سرحامد صبح کا انتظار کرنے کے بجائے فوری طور پر سارہ کو وہاں سے نکال لیں لیکن سرحامد نے انکار کر دیا اور محبوب علی کو بھی منہ بند رکھنے کی تنبیہ کی۔ محبوب علی دل پر بوجھ لیے خاموش ہو گیا لیکن اس وقت اپنی خاموشی کو برقرار نہ رکھ سکا جب اسے میڈم سارہ کے قتل کی خبر ہوئی۔ اس نے اپنے ساتھ موجود لیب اٹینڈنٹ سلیم کو ساری بات بتائی اور دونوں تھانے پہنچ گئے۔ تھانے میں محبوب علی کے ساتھ سلیم نے بھی اپنا بیان ریکارڈ کروایا۔ اس نے بتایا کہ سرحامد نے اسے کاروبار کے لیے بطور قرضِ حسنہ رقم فراہم کی تھی اور بعد میں اس سے مطالبہ کیا تھا کہ جب کالج میں پریکٹیکل ایگزام ہوں تو وہ میڈم سارہ کی امتحانی کاپیوں میں ایسی گڑبڑ کر دے کہ میڈم سارہ کو پریشانی کے ساتھ ساتھ ایچ او ڈی اور پرنسپل کے سامنے شرمندگی بھی اٹھانی پڑے۔ سلیم کو بھی مجبوری نے ہامی بھرنے پر مجبور کر دیا کیونکہ یہ اپنی منگیتر سے اپنا رشتہ ٹوٹنے سے بچانا چاہتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ اپنے تایا کو اس کا رشتہ نہیں اور کرنے سے روکنے کے لیے خود زیادہ کما کر دکھا سکے۔ اس کے تایا دولت مند داماد کے لالچ میں بچپن سے طے شدہ رشتہ ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ سلیم کے اس بیان سے جہاں سرحامد کی میڈم سارہ سے عداوت کا اندازہ ہوا، وہیں یہ نکتہ بھی سامنے آیا کہ اگر سرحامد کو سارہ کو قتل ہی کرنا ہوتا تو پھر وہ آگے کے لیے ایسا منصوبہ کیوں بناتے؟ بہرحال اس کیس میں میری دلچسپی کی وجہ سے مجھے فوری طور پر اس صورت حال سے آگاہ کیا گیا اور میری ہدایت پر فوری طور پر سرحامد سمیت کالج کے چوکیدار کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ سرحامد نے پولیس کسٹڈی میں تسلیم کیا کہ انہوں نے میڈم سارہ کے خلاف یہ دونوں منصوبے بنائے تھے لیکن وہ خود حیران تھے کہ سارہ کیسے غائب ہوگئی۔ میں نے کالج کے چوکیدار کی گرفتاری کا حکم اسی لیے دیا تھا کہ سارہ کو قتل کرنے کے بعد اسے چوکیدار

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ایڈ فری لنکس
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ کا ایک پیج پر
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety
پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1
پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

کے تعاون کے بغیر باہر نہیں نکالا جاسکتا تھا۔ جب چوکیدار سے سختی کے ساتھ تفتیش کی گئی تو اصل معاملہ کھل کر سامنے آگیا۔'' احمد خان یہاں تک کہہ چکنے کے بعد رکا اور حاضرین کے چہروں پر نظر ڈالی۔ ان میں متجسس، متحیر اور خوف زدہ ہر طرح کے چہرے شامل تھے۔ احمد خان کو اندازہ تھا کہ اگر پولیس کے دو سپاہی اسلحہ ہاتھ میں لیے بالکل چوکس وہاں کھڑے نہیں ہوتے تو ان میں سے کچھ لوگ ضرور فرار کی کوشش کرتے۔ وہ گلا کھنکھارتے ہوئے دوبارہ بولنا شروع ہوا۔

''چوکیدار نے بتایا کہ اسے جس شخص نے اس کام کے لیے آمادہ کیا تھا، اس نے اسے بھاری رقم دینے کا وعدہ کیا تھا اور اس رقم کے بدلے اسے صرف اتنا کرنا تھا کہ کالج میں دیر تک رکی سارہ کو بے ہوش کر کے کالج ہی کے کسی حصے میں قید کردے۔ چوکیدار کمانے کے لیے بیرونِ ملک جانے کا ارادہ رکھتا تھا اور آنے والے ہفتے میں اس کی فرار کی پوری تیاری بھی تھی چنانچہ اسے یہ ڈر نہیں تھا کہ اگر سارہ نے اسے پہچان بھی لیا تو کیا ہوگا۔ وہ سارہ کی حوالگی کے بعد فوری طور پر کالج کی نوکری چھوڑ دیتا اور درمیان کے کچھ دن ملک میں ہی چھپ کر گزارنے کے بعد ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلا جاتا لیکن بالکل آخری لمحات میں گڑبڑ ہوگئی۔ پروگرام کے مطابق سارہ کو زبیر کے حوالے کرتے ہوئے بھی بے ہوش ہی رکھا جاتا لیکن چوکیدار سے اسے بے ہوشی کے انجکشن کی ڈوز دینے میں اندازے کی غلطی ہوگئی اور سارہ نے چوکیدار اور اس منصوبے کے ماسٹر مائنڈ کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی۔ اس موقع پر اس نے حماقت اور جذباتیت سے کام لیا اور اپنے ہوش میں ہونے کو ظاہر کر بیٹھی۔ اس کا سب کچھ جان لینا اس کے لیے موت کا پیغام بن گیا اور مجرم نے اپنے سیاہ کرتوت پر پردہ ڈالنے کے لیے اس بے گناہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش کردیا۔ مجرم کا خیال تھا کہ سارہ کی موت کی صورت میں اس کے جرم پر پردہ پڑا رہے گا لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ چوکیدار نے ایک حماقت کا مظاہرہ کیا تھا۔ چوکیدار نے سارہ کو خود بے ہوش نہیں کیا تھا بلکہ وہ اسے کالج کے باتھ روم میں پہلے سے بے ہوشی کی حالت میں ملی تھی اور اس نے اپنے طور پر فرض کرلیا تھا کہ سارہ کسی وجہ سے چکر آنے کے باعث باتھ روم میں گر کر بے ہوش ہوگئی تھی اور کسی اور کو اس بات کی خبر نہیں ہوسکی تھی۔ اس نے بے ہوش سارہ کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل کردیا، اسی وجہ سے دوسرے دن سر حامد کو حسبِ توقع سارہ وہاں نہیں ملیں اور سلیم نے انہیں ڈیپارٹمنٹ میں کسی نادیدہ شے کی تلاش میں سرگرداں پایا۔ سر حامد سارہ کے غیاب پر پریشان تو تھے لیکن ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اصل معاملے کا کھوج لگاسکیں۔ اس لیے چپ بیٹھے رہے اور یوں بے چاری سارہ زندگی کی بازی ہار گئیں۔'' احمد خان نے یہاں تک کہہ کر چپ سادھ لی۔

''آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں ایس ایس پی صاحب کہ اصل مجرم کون ہے؟'' زارا کے شوہر نے سوال کیا۔

''اصل مجرم وہی شخص ہے جس نے سارہ کے دیر گئے تک کالج میں رکنے کا جواز پیدا کیا۔'' احمد خان نے مبہم لہجے میں جواب دیا لیکن بہت سوں نے مفہوم سمجھ لیا اور خود بخود کئی گردنیں زبیر کی طرف مڑ گئیں جو کسی سے بھی نظر ملانے کے لائق نہیں رہا تھا۔

''آپ سب نے بالکل صحیح اندازہ لگایا ہے۔ یہ مسٹر زبیر ہی تھے جنہوں نے اپنے سسر سے رقم اینٹھ کر اپنے باپ کے کاروبار میں لگانے کا منصوبہ بنایا تھا اور یقیناً ان کے والد بھی اس منصوبے میں شامل تھے۔ باقی اگر کوئی اور بھی شریکِ جرم تھا تو اس کا نام تفتیش کے بعد سامنے آجائے گا۔'' احمد خان نے سخت لہجے میں کہتے ہوئے اشارہ کیا تو ایک سپاہی ہتھکڑیاں لیے زبیر کی طرف بڑھا۔ زبیر کے پاس اپنے جرم سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی چنانچہ اس نے خاموشی سے گرفتاری دے دی۔

''میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں اس منصوبے میں اپنے بیٹے کے ساتھ شامل تھا لیکن ہم دونوں کے علاوہ ہمارے خاندان کا کوئی دوسرا فرد اس میں شریک نہیں ہے۔ اس لیے پلیز کسی کو کچھ نہ کہا جائے۔'' سبحان صاحب نے خود ہی اعتراف کرلیا۔

''اوہ میرے خدا......! میں کیسے مجرمانہ ذہن رکھنے والے لوگوں میں اپنی بیٹی کا رشتہ کرنے چلا تھا۔ زبیر ایسا ظالم شخص ہے تو میں اس کے چھوٹے بھائی پر کیسے بھروسا کرسکتا ہوں۔ ایسے دولت مندوں سے تو میری بیٹی کے لیے میرا بھتیجا ہی اچھا ہے۔'' زبیر اور سبحان کی گرفتاری کا منظر دیکھتے سلیم کے تایا، جو اپنے تئیں اپنی بیٹی کے متوقع سسرال میں ہونے والے ایک سانحے پر تعزیت کے لیے آئے تھے، بے ساختہ ہی بول پڑے اور اس دردناک کہانی کا یہی ایک اچھا پہلو تھا کہ سلیم کو اس کی محبت ملنے کی نوید مل گئی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY